رجسٹرڈ نمبر اے ۷۸۱ جنوری سنہ ۱۹۳۶ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت: پانچ روپیہ سالانہ

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ

دار المصنفین کی تاریخی کتابیں

تاریخ صقلیہ جلد اول: مسلمانوں نے سسلی پر ڈھائی سو برس تک حکومت کی اور اسپین کی طرح اسکو بھی اسلامی علوم کا گہوارہ بنا دیا، اور تقریباً پانچسو برس تک اس سے وابستہ رہے، مگر افسوس ہے کہ اس کی کوئی تاریخ اردو انگریزی کیا عربی میں بھی موجود نہ تھی، چھ سات برس کی مسلسل محنت اور تلاش و تحقیق کے بعد دو ضخیم جلدوں میں اسکی تاریخ مرتب کی گئی ہے جن میں سے پہلی جلد اب شائع ہو گئی ہے، جو سیاسی سرگذشت پر مشتمل ہے، اس میں صقلیہ کے جغرافی حالات، سسلی کی اصلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملوں کی ابتدا، اسلامی حکومت کا قیام، عہد بعہد کے دوروں کا عروج، اسلامی حکومت کے خاتمہ، صقلیہ و جزائر صقلیہ میں مسلمانوں کے مصائب جلاوطنی کا تفصیلی مرقع دکھایا گیا ہے، ضخامت مجموعی ۴۰۵ صفحے کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ قیمت: للعہ، جلد دوم زیر طبع ہے، مرتبہ سید ریاست علی ندوی۔

تاریخ فقہ اسلامی: مصری عالم خضری کی تاریخ التشریع الاسلامی کا ترجمہ جس میں ہر دور کی فقہ اور فقہا کی مکمل اور ایسا تبصرہ ہے جس سے جدید فقہ کی ترتیب میں مدد مل سکتی ہے، حجم ۴۰۰ صفحے قیمت للعہ، مترجمہ مولانا عبد السلام ندوی۔

رقعات عالمگیر: اورنگ زیب عالمگیر کے خطوط اور رقعات جو شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک اس کے نام لکھے گئے ہیں اس جلد میں جمع کئے گئے ہیں، ان رقعات سے ادب، سیاست اور تاریخ سے متعلق بیسیوں حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، ۴۰۰ صفحات، چھپائی لکھائی کاغذ بالخصوص ٹائٹل نہایت نفیس، قیمت للعہ، مرتبہ سید نجیب اشرف ایم اے ندوی۔

مقدمہ رقعات عالمگیر: اس میں رقعات پر مختلف حیثیتوں سے تبصرہ کیا گیا ہے جس سے اسلامی فن انشا اور شاہانہ مراسلات کی تاریخ، ہندوستان کے صیغہ انشا کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہیں بالخصوص خود عالمگیر کے انشا اور اس کی تاریخ کے ماخذ اور عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات و سوانح پر خود ان خطوط اور رقعات کی روشنی میں تنقیدی بحث کی ہے، لکھائی چھپائی کاغذ نہایت عمدہ ضخامت ۷۰۰ صفحے، قیمت: عہ، مصنفہ سید نجیب اشرف ایم اے ندوی۔

الفاروق: یعنی حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت، صحابہ کے فتوحات، طریقہ حکومت، عراق و شام، مصر و ایران کے فتح کے واقعات، حضرت عمرؓ کی سیاست، انتظام، عدل اور اسلام کی عملی تعلیم کا شاندار منظر،

مولانا شبلی کی یہ بہترین تصنیف سمجھی جاتی ہے، اگرچہ مسخ شدہ صورت میں معمولی کاغذ پر اس گراں پایہ کتاب کے بیسیوں اڈیشن فروخت ہو رہے ہیں مگر اہل نظر کو ہمیشہ اس کے اصلی اڈیشن کی تلاش تھی، مطبع معارف نے نہایت اہتمام اور صحیح نسخے سے اس کا نیا اڈیشن تیار کرایا ہے جو حرف بحرف اصلی اڈیشن کی نقل ہے، نہایت عمدہ کتابت اعلیٰ چھپائی عمدہ کاغذ، دنیائے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ، مطلّا ٹائٹل، ضخامت ۳۱۲ صفحے، قیمت ہے للعہ

خلفائے راشدین: سیر المہاجرین کا حصہ اول، چاروں خلفاء کے ذاتی فضائل اور مذہبی و سیاسی کارناموں اور فتوحات کا مرقع، حجم ۴۰۰ صفحے، قیمت: للعہ، از مولانا حاجی معین الدین ندوی۔

(دار المصنفین کی کتابوں کی مفصل فہرست دفتر دار المصنفین اعظم گڈہ سے طلب کیجئے)

مسعود علی ندوی، منیجر دار المصنفین، اعظم گڈہ

جلد ۳۷ | ماہ شوال سنہ ۱۳۵۴ھ مطابق ماہ جنوری سنہ ۱۹۳۶ء | عدد ۱

مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شذرات

بحمد اللہ کہ معارف کے نئے سال کے آغاز کے ساتھ ہم یہ خوشخبری ناظرین معارف تک پہنچانے کے قابل ہو سکے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے مدیر معارف حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی متعنا اللہ بطول بقائہٗ کو شفائے کامل عطا فرمائی، تاہم ابھی ضعف و ناتوانی زیادہ ہے، اس لئے طبی مشورہ کے مطابق دو چار مہینے علمی مشاغل سے وابستہ نہ ہو سکیں گے،
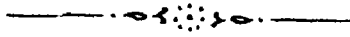
حضرۃ الاستاذ کے زمانۂ علالت میں ملک میں بعض اہم ملی وعلمی اجتماعات منعقد ہوئے جن میں سے بعض اجلاس میں موصوف کو شرکت کا خیال تھا، خصوصاً مولانا **حالی** مرحوم کی صد سالہ برسی کی تقریب میں شریک ہونے کا ابتدائی سامان سفر درست فرما چکے تھے کہ علالت کی ابتدا ہوئی، اور معذرت کی تحریر بھیجنی پڑی، تاہم اس تقریب میں عملی شرکت مسدس حالی کے صدی اڈیشن پر مقدمہ نگاری سے ہو گئی ہے،

مسدس حالی، ہماری زبان کی ان کتابوں میں ہے جنھیں پچھلے پچاس ساٹھ برس میں قبول عام وحیات دوام نصیب ہوئی، اور اسے حالی مرحوم کی زندگی کا شاہکار کہا جا سکتا ہے، کارکنان حالی پبلشنگ ہاؤس دہلی مستحق ستائش ہیں کہ انہیں موصوف کی اس صد سالہ تقریب کے موقع پر اس مسدس کے صدی اڈیشن کے نکالنے کا خیال پیدا ہوا جس میں ملک کے مشاہیر اہل علم نے اپنے اپنے رنگ میں مولنا حالی اور انکی مسدس پر تقریب اور مقدمے لکھے، تقریب کے عنوان سے مولوی

عبدالحق صاحب، سر سید راس مسعود، نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمن خان شروانی، اور مولنا عبدالماجد دریابادی کے مضامین ہیں، اور مقدمہ کے ذیل میں حضرۃ الاستاذ مولنا سید سلیمان ندوی نے "مسدس کی حیات جاوید" اور جناب خواجہ غلام السیدین نے "مسدس کی مصلحانہ شان" دکھائی ہے، یہ اڈیشن نفیس کاغذ پر بہترین لکھائی چھپائی اور طلا کار جلد کے ساتھ شائع کیا گیا ہی، دو روپیہ میں حالی پبلشنگ ہاؤس، پوسٹ بکس نمبر ۱۴۰، دہلی کے پتہ سے مل سکتا ہی،

انہی دنوں مسلمانوں کی قدیم خدمتگذار انجمن، **ایجوکیشنل کانفرنس** علی گڈہ کا اجلاس مرادآباد میں منعقد ہوا، اور اس سال اس کی زندگی کی یہ علامت نظر آئی کہ صوبہ متحدہ کے وزیر تعلیم نے عین اجلاس میں اس کی بعض پچھلی تجویزوں پر حکومت کے توجہ فرمانے کا ثبوت بہم پہنچانے کے لئے ایک تحریری یاد داشت ارسال کی، اور کانفرنس نے ایک مرتبہ پھر حکومت کو توجہ دلائی کہ یہ اجلاس اس کی ارسال کردہ یادداشت سے مطمئن نہ ہو سکا، شاید اسی تدریجی ترقی سے گوہر مراد ہاتھ آجائے،

اس سال آل انڈیا **اورینٹل کانفرنس** کا اجلاس آخر ماہ دسمبر میں میسور میں منعقد ہوا، یہ ہندوستان میں مشرقیات کی نمایندہ جماعت ہے، اور حسن اتفاق سے اس اجلاس مین امریکہ، جرمنی، پولینڈ اور فرانس کے بعض وارد ہند مستشرقین نے بھی شرکت کی، لیکن نہ معلوم کن اسباب سے اس سال اس کانفرنس کے کارکنون کی اصل توجہ مشرقی زبانوں میں سے صرف آریائی زبان سنسکرت کی طرف مبذول رہی، اور کانفرنس کی افتتاحی تقریر اور صدارتی خطبون مین صرف اسی کا ذکر خیر رہا، ڈاکٹر مٹکاف پرووایس چانسلر میسور یونیورسٹی نے استقبالیہ خطبہ میں میسور کی شرقیات نوازی کا ذکر کرتے ہوئے ایک سو سنسکرت اور ملکی مخطوطات کے شائع کئے جانے اور ۱۶ ہزار کتبے دریافت کئے جانے کا تذکرہ کیا، پھر وایس چانسلر میسور یونیورسٹی نے جو مہاراجہ میسور کے بھائی ہیں، کانفرنس کا افتتاح کیا، اور اپنے خطبہ مین جنوبی ہند کی ایک مکمل تاریخ کے لکھنے کی ضرورت دکھائی ہے، اس کے بعد صدر منتخب ڈاکٹر کرشنا سوامی آینگر نے خطبۂ صدارت پڑھا، جس میں "مشرقیات" سے مراد "ہندیات" اور "ہندیات" کا مفہوم "ہندویات" لیا گیا، ان کا پورا خطبہ اسی رنگ میں ڈوبا ہوا تھا، یہانتک کہ کانفرنس

کی طرف سے قلمی کتابوں کی نمایش کا جو اہتمام تھا، اور جس میں ہندوستان کے ہر حصہ سے کتابیں منگائی گئی ہیں، لیکن پوری نمایش میں عربی، فارسی اور ہندوستانی کی ایک کتاب بھی موجود نہ تھی، اس وقت تک شرقیات میں سنسکرت و عربی، برج بھاشا و فارسی اور ہندی و ہندوستانی زبانوں کے نام پہلو بہ پہلو لئے جاتے ہیں، ایسا نہ ہو کہ ہندوستان کی دونوں قوموں کی موجودہ افسوسناک سیاسی تفرق و معاشرتی بیگانگی ان زبانوں کے خادموں کے لئے بھی کسی ایک اجلاس میں مجتمع ہونا ناممکن بنا دے۔

عیسائی مبلغین کی مساعی سے انجیل کے لاکھوں نسخے ہندوستان کی اکثر زبانوں میں شائع ہو چکے ہیں، اس کے باوجود وہ اپنے تبلیغی مساعی کی طرف سے مطمئن نہیں، اور انجیل کی مزید اشاعت پر ان کے مذہبی رسالوں میں زور دیا جا رہا ہے، چنانچہ اس ماہ کے معارف میں بھی اس موضوع پر رسالہ مسلم ورلڈ (امریکہ) کے ایک مضمون کی تلخیص شریک اشاعت ہے،

دوسری طرف اپنے تبلیغی کاموں کا جائزہ لیجئے، ترچناپلی مدراس میں ۱۹۲۷ء میں قرآن مجید کے ایک تامل ترجمہ کا آغاز کیا گیا تھا، چنانچہ چند ابتدائی پاروں کا قابل اطمینان ترجمہ کر لیا گیا، اور پہلا پارہ شائع بھی ہو گیا، لیکن یہ کس قدر حسرت انگیز واقعہ ہے کہ جب ایک مدراسی نومسلم عبدالرحمن صاحب نے لکھنؤ سے اس کے بعد کے پاروں کے لئے خط لکھا تو اس کے مترجم مولوی عبدالحمید باغوی نے جواب میں لکھا کہ انہیں چند سال کے انتظار کے بعد اس مبارک کام سے دستکش ہو جانا پڑا کہ پہلے پارہ کے ترجمہ کے مطبوعہ نسخوں کا بڑا حصہ رکھا رہ گیا، نہ ایسے مسلمان ملے جو انہیں خریدتے اور نہ مدراس جیسے مسلمانوں کے متمول صوبہ میں کوئی ایسا صاحب ثروت کھڑا ہوا، جو صرف اللہ کے لئے اس کے کلام کو چھپوا کر شایع کر سکتا، مدراس کے مسلمان تجار توفیق الٰہی سے اپنی دولت کار خیر میں صرف کرتے رہے ہیں، کیا کوئی ایسا صاحب عزم ہوگا، جو اپنے صوبہ کی زبان میں خدا کے کلام کو پہنچانے کا بیڑا اٹھائے، کہ دیسی عیسائیوں کی بڑی تعداد وہاں آباد ہے، ان کی انجیل ہمارے گھروں میں موجود ہے، اگر ہم بھی اپنا قرآن ان تک پہنچائیں تو اپنے فرض سے سبکدوش ہونگے،

مقالات

سسلی مین مسلمانون کا تمدن

از سید ریاست علی ندوی،

(۵)

سسلی کے عہدِ عیسوی میں اسلامی تہذیب و تمدن،

بیانِ بالا سے اندازہ ہوا ہوگا کہ سسلی کے اس عیسوی دور مین جب تک وہ مسلمانون کے وجود سے خالی نہیں ہوا، عیسائیوں نے اسلامی تہذیب و تمدن کو ہمہ گیری سے قبول کر لیا تھا، اس لئے مناسب ہے کہ اس بحث کے خاتمہ پر چند اشارات اس جانب بھی کر دئے جائین،

سسلی کی اسلامی سلطنت کی تباہی کے اسباب کیا ہین، یہ میرے دائرۂ بحث سے خارج ہے، الغرض جب راجر اول کو سسلی پر تسلط حاصل ہوا، اور سنہ ۴۴۴ھ سے سنہ ۴۸۴ھ تک میں اس نے صقلیہ کے چپہ چپہ پر مسیحی علم بلند کر دیا، تو اس کے بعد اس کی خدمتِ مسیحیت کا دور شروع ہوا، راجر کو عیسائیون کی طرف سے "محافظِ دینِ مسیحیت" کا وقیع خطاب ملا ہے، وہ واقعی اس کا پورا مستحق تھا، اس نے ان تمام معاہدون کے برخلاف جو فتحِ صقلیہ کے وقت مختلف اسلامی شہرون سے کئے تھے، صقلیہ کے مسلمانون کے مذہبِ اسلام کے استیصال کا حتمی تہیہ کر لیا، اولاً جنوبی اٹلی، نارمنڈی اور فرانس کی عیسائی قومون کو صقلیہ میں لا کر آباد کر لیا، اسلام میں داخلہ کا دروازہ قانوناً بند کیا، مسلمان نظامِ حکومت سے الگ ہو ہی چکے تھے، معیشت کے تمام دروازے بھی ان پر بند ہو گئے، اور اس کے مختلف شعبون، صنعت حرفت، اور تجارت سے انھیں الگ کر کے ان کی جگہ نو آباد عیسائیون کو برسرِ اقتدار لانا شروع کیا،

راجر کو ایک طویل مدت تک فرمانروائی کا موقع ملا، اور وہ اپنے عہد میں اسی طرح صقلیہ کے مسلمانوں کے سیاسی و معاشی وجود کا خاتمہ کرتا رہا، نویری، ابن اثیر اور ابو الفدا بیک زبان لکھتے ہیں کہ

"راجر سارے جزیرہ کا مالک ہوگیا، اور یورپین قوموں کو مسلمانوں کے ساتھ آباد کیا، اور وہاں کے مسلمان باشندوں کیلئے کوئی حمام، کوئی دکان، کوئی پن چکی، اور کوئی تنور (یعنی تجارت، صنعت حرفت اور زمینداری وغیرہ) باقی نہیں چھوڑا۔"[1]

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نارمنوں کے دور آغاز کے ساتھ مسلمانوں کے مصائب کی ابتدا کیا تھ سارے جزیرہ میں بھی ابتری پھیل گئی، کیونکہ نارمن نہ خود کسی مدنیت کے حامل تھے، نہ کسی اعلیٰ نظام حکومت کے قائم کرنے کا انھیں تجربہ تھا، اور نہ ملک کی معاشی حالت کو سنبھالنے کی استعداد رکھتے تھے، تاہم راجر اول خدمت مسیحیت اور نشۂ فتحمندی کے جوش میں اسی حکمت عملی پر گامزن رہا، اور کچھ نہ کچھ کرتے گیا، لیکن اس کے عہد حکومت کے بعد وہ جوش و خروش کچھ سرد پڑا اور کچھ دوسرے حالات ایسے پیدا ہوگئے، کہ اس کے جانشینوں پر اس حکمت عملی کی ناکامی جلد آشکارا ہوگئی، اور نظر آیا، کہ نظام حکومت سنبھالنے والا، اور معیشت کے ذرائع بہم پہنچانے والا، جزیرہ میں بجز مسلمانوں کے کوئی اور موجود نہیں، اور خصوصاً اسلئے کہ اسی اثنار میں نارمن حکومت اور بعض دول یورپ میں جنگ چھڑ گئی[2] اور راجر دوم کو صقلیہ کے معاملات پر توجہ کرنے کا کم موقع ملنے لگا، بالآخر اس نے اپنی حکمت عملی بدلی، اور مسلمانوں کو نظام حکومت میں شرکت کرنے کی دعوت دی، اور خود اسلامی مدنیت اختیار کرلینے پر آمادہ ہوگیا، نویری وغیرہ لکھتے ہیں:-

"اس کے بعد اس کا لڑکا راجر تخت پر بیٹھا، اس نے مسلمان سلاطین کا طریق عمل اختیار کیا، اور اسی پر گامزن ہوا، چنانچہ کوتل گھوڑے، عورتوں کا حجاب، سلاح داوزار کی زیب و زینت اور باڈی گارڈ (جانداریہ) وغیرہ کو خود بھی اختیار کیا اور عام عیسائیوں کے عادات و اطوار سے کنارہ کش ہوگیا، کیونکہ ان چیزوں سے وہ لوگ ناآشنائے محض تھے، نیز اس نے دیوان المظالم قائم کیا۔"

---

[1] نہایۃ الارب در امارتی ص ۴۴۴، و ابن اثیر و ابو الفدا[2] انسائیکلو پیڈیا جلد ۲۲ ص ۴۵۳، طبع یازدہم،

اور مسلمانوں کے ساتھ اعزاز و اکرام سے پیش آیا، اور ان کو عہدے دیکر اپنے گرد جمع کیا، اور عیسائیوں کو ان پر دست انداز ہونے سے روک دیا، ان حالات کی بنا پر مسلمان بھی اس سے محبت کرنے لگے۔[1]

اسی زمانہ میں صقلیہ کا عیسوی اسلامی عہد شروع ہوتا ہے، دونوں قومیں ملک میں مشترکہ زندگی بسر کرتی ہیں، اور ایک دوسرے کے رنج و راحت میں شریک رہتی ہیں،

کچھ دنوں تک یہی حالات قائم رہے، اس اثنا میں نارمن حکومت نے ایک طرف اسلامی ملکوں میں فتوحات حاصل کیں، دوسری طرف دولِ یورپ میں بین الاقوامی وقار حاصل کر لیا،

اس کے بعد اور نئے حالات پیش آتے ہیں، اور اس کے نتیجہ میں صقلیہ میں بھی ایک نئی تبدیلی ظاہر ہوتی ہے، یعنی نارمن حکومت اور دولِ یورپ خصوصاً سلطنت کلیسا کے باہمی تعلقات سے مسیحیت کی خدمت کا تخیل تازہ ہوتا ہے، اور اسلام اور عیسائیت کے مذہبی تعصبات کی دبی ہوئی چنگاریوں کو پوپوں کی مقدس عبا کے دامن کے جھونکوں سے ہوا لگتی ہے، اسلام اور عیسائیت میں امتیاز پیدا ہوتا ہے، اور اس کا سب سے پہلا مظاہرہ ایک عیسائی پر مسلمان ہو جانے کا شبہہ کرنے اور اس جرم میں پوپوں کے فیصلہ کے مطابق اسے نذرِ آتش کر دینے میں پیش آتا ہے، اگرچہ بظاہر اس کا تعلق مسلمانوں سے کچھ معلوم نہیں ہوتا مگر ابن اثیر کی اس واقعہ پر ذیل کی رائے سنیے:

"یہ پہلی مصیبت تھی، جو صقلیہ میں مسلمانوں پر ٹوٹی، اس کے بعد خدا نے راجر کو کم مہلت دی، اور وہ اسی سال ماہ ذی الحجہ کی دسویں تک انتقال کر گیا۔"[2]

اور اسی زمانہ میں یہ پیش آتا کہ اگر افریقہ کا کوئی اسلامی مفتوح شہر بغاوت کرتا اور وہاں عیسائی آبادی ہوتی تو کہا جاتا کہ

"اگر ایک عیسائی بھی مارا گیا، تو صقلیہ کے تمام مسلمانوں کی جائداد و املاک قرق کر لی جائے گی، اور تمام مسلمانوں کو قتل کر دیا جائے گا،"

اور وہ وقت بھی آپہنچا، کہ صقلیہ کے گلی کوچوں میں اسلام و پیغمبر اسلام کے متعلق نا ملائم کلمات اکثر سنائی

---

[1] نہایۃ الارب نویری دراماری ص ۴۴۴، [2] ابن اثیر جلد ۱۱ حوادث ۵۴۸ھ

دینے لگے، اور اس طرح رفتہ رفتہ مسلمانوں کے جڑے ہوئے دل بھی ٹوٹ گئے،

لیکن ایک طرف اسلام سے یہ بیزاری ہے، اور دوسری طرف یہ سن کر تعجب کیجئے کہ اسلامی تمدن ساری عیسائی آبادی پر چھا جاتا ہے، اور تمام نو آباد عیسائی اسلامی مدنیت کے پرستار بنتے جاتے ہیں، اور چونکہ اسلامی مدنیت کے حامل یہی مسلمان تھے، اس لئے ہر حیثیت سے اس وقت بھی ان کی پذیرائی ہے لیکن یہ نظر آتا ہے، کہ اگر دنیاوی جاہ وحشم درکار ہے، تو اپنے آقاؤن کی خوشنودی کے لئے خواہ اسلام ترک کرین، یا اسلام رکھیں، تو کتمانِ ایمان کرین، ورنہ بدرجہ اقل اسلام یا پیغمبر اسلام کے محاسن پر کبھی کوئی لفظ نہ نکالین، چنانچہ جب ابن جبیر صقلیہ پہنچا، تو یہی دونون متضاد گردوپیش تھے، جن میں مسلمانان صقلیہ گھرے ہوئے تھے کہ ایک طرف اسلامی تمدن کی پذیرائی تھی اور دوسری طرف مذہب اسلام اور شہادت کلمۂ اسلام سے بیزاری، ابن جبیر نے ان دونون نقشوں کو جدا جدا دکھایا ہے، پہلے اسلامی تہذیب و تمدن کی خدمت کا مختصر نظارہ کیجئے لکھتا ہے؛

"یہان کے فرمان روا کے حالات تعجب انگیز ہین، وہ ایک نیک سیرت فرمان روا ہے مسلمانون کو خدمات پر سرفراز کرتا ہے مسلمان خواجہ سراؤں کو اپنے یہان نوکر رکھتا ہے، ...... مسلمانون پر کامل اعتماد رکھتا ہے، اور اپنے تمام حالات و اہم مشاغل میں انہی سے تسکین ہوتی ہے یہانتک کہ اس کے باورچی خانہ کا داروغہ بھی ایک مسلمان ہی ہے ...... اس کے وزراء و حجاب مسلمان ہیں مسلمانوں میں سے اکثر ارباب حکومت اور اس کے ندماء خاص ہین، اور درحقیقت اس مملکت کی رونق انہی مسلمانون سے قائم ہے یہی لوگ رئیسانہ طور وطریق کے ساتھ عیش و تنعم سے زندگی گذارتے ہین، اور یہی لوگ قیمتی لباسون، عمدہ سواریوں، خدم وحشم اور اتباع اور حاشیہ نشینوں کے ساتھ رہتے سہتے ہیں ..... اس کے محل میں بہ کثرت کنیز اور غلام ہیں، عیسائی فرمان رواؤن میں اس سے زیادہ عیش پرست اس سے زیادہ طمطراق رکھنے والا اور اس سے زیادہ مرفہ الحال کوئی دوسرا موجود نہیں، وہ شاہانہ شان و شوکت، ترتیب قوانین، طرز حکومت، عہدہ دارون کے مراتب کی تعیین اور

زیب وزینت وغیرہ کے اظہار میں سلاطین اسلام کے مشابہ ہے، اس کی مملکت بڑی ہے، اور اس کے دربار سے اطبا و ہیئت دان وابستہ ہیں ...... اس کے وہ تمام خدام اور خواجہ سرا جو محل میں اس کے ساتھ رہتے ہیں مسلمان ہیں، اور وہ سب کے سب یا ان میں سے اکثر اپنا ایمان چھپائے ہیں..... اس سلطنت کے اعیان اور اس کے صوبوں کے والی بھی مسلمان ہی ہیں"

جس قوم کی تہذیب و تمدن کی محبوبیت کا یہ عالم ہے، اب اسی زمانہ میں اس قوم کے دردناک مصائب اور مذہبی آزادی پر ظالمانہ پابندی کی روداد بھی سنئے، کہتا ہے:۔

"اس شہر کے زمانہ قیام میں ہم کو اس جزیرہ کے باشندوں کی وہ بُری حالت جو عیسائیوں کی وجہ سے ہوئی ہے، اور اس کی ذلت و مسکنت اور ذمیوں کی طرح رہنے، اور بادشاہ کی ایسی سختی جو ان کے بدبخت بچوں اور عورتوں کو دین سے برگشتہ کرنے کے متعلق کی جارہی ہے، دردانگیز طریقہ پر معلوم ہوئی، اس تشدد نے بعض اوقات ان کے بوڑھوں کے ساتھ ایسی ذلت انگیز سزا کی صورت اختیار کر لی جو ان کے مذہب چھوڑنے کا سبب بن گئی چنانچہ انہی قریبی سالوں کا قصہ ہے، کہ اس ظالم بادشاہ کے دارالسلطنت کے ایک فقیہ کو جس کا نام ابن زرعہ تھا، سرکاری ملازموں نے مطالبہ ادا کرنے کے لئے اس قدر تنگ کیا کہ وہ دائرۂ اسلام نے نکل کر عیسائیت کے دائرہ میں آگیا، انجیل خوب یاد کر لی، رومیوں کی سیرتوں کا مطالعہ کیا، اور ان کی شریعت کے قوانین ازبر کر لئے، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ان قسیسوں میں شامل ہوگیا، جن سے عیسائیت کے احکام کے متعلق فتوی پوچھا جاتا ہے، اور چونکہ وہ پہلے سے اسلامی شریعت کے احکام سے بھی واقف تھا، اس لئے جب اسلامی شریعت کا کوئی مسئلہ آتا، تو اس کے متعلق بھی اس سے فتوی پوچھا جاتا، اور ان دونوں شریعتوں کے احکام کے متعلق اس کا فتوی نافذ کیا جاتا، اس کے گھر کے سامنے ایک مسجد تھی، جسکو اس نے گرجا بنا لیا، ...... اسی زمانہ میں ابوالقاسم احمد بن حمود المعروف بابن الحجر ...... جو ظالم بادشاہ کے زیر عتاب تھے، اس نے ان کے دشمنوں کے

ایک مطالبہ کی وجہ سے ان کو انہی کے گھر میں نظر بند کر دیا تھا،.....اور بعض جھوٹے الزامات.. ......کی پاداش میں وہ عنقریب ہلاک کر دئے جاتے لیکن ان کے پہرے والوں نے ان کی صفائی دی، ان پر بہت سے تاوانات بھی جن کی تعداد تقریباً ۳۰ ہزار مومنیہ دینار تھی، لگائے گئے، اور ان کے تمام گھر بار اور ان کی تمام ملکیت جو انھوں نے اسلاف سے پائی تھی، ضبط کر لی گئی تھی،.... ہم نے ان سے ملاقات کی، تو انھوں نے اپنی اور اس جزیرہ کے لوگوں کی دلخراش اندرونی حالت بیان کی، مثلاً انھوں نے تمنا کی، یہ پسند کرتا تھا کہ کاش میں اور میرے خاندان کے لوگ فروخت کر دیئے جاتے، تو اس مصیبت سے جس میں ہم لوگ مبتلا ہیں، نجات پا جاتے، اور مسلمانوں کے ملک میں پہنچ جاتے،......ہم ان سے ایسی حالت میں جدا ہوئے، کہ خود روتے تھے، اور لوگوں کو رلاتے تھے، ہم نے شہر میں ان کے اور ان کے بھائیوں اور خاندان کے گھر دیکھے تھے جو شاندار معلوم ہوتے تھے، اس جزیرہ کے باشندوں کی سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ ایک آدمی اگر اپنے لڑکے یا بیوی پر غصہ کرتا ہے، یا ماں اپنی لڑکی پر غصہ کرتی ہے، تو یہ سب اس کے عار سے گرجے میں جا کر عیسائی ہو جاتے ہیں، اور اب بیٹا باپ کے ہاتھ سے اور لڑکی ماں کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے،......ہم نے ان کی سب سے عجیب درد انگیز حالت یہ دیکھی، کہ اس شہر کے اعیان میں سے ایک شخص نے اپنے بیٹے کو ہمارے حاجی رفقا میں سے ایک کے پاس بھیجا، کہ وہ ان کی باکرہ قریب البلوغ لڑکی سے نکاح کرنا منظور کر لیں لیکن اگر وہ نکاح کرنا پسند نہ کریں، تو اپنے شہر میں جس سے پسند کریں نکاح کر دیں، لیکن اسکو اپنے ساتھ لے جائیں، وہ اپنے باپ اور بھائیوں کے چھوڑنے پر راضی ہے، تاکہ اس آزمایش سے نجات پائے اور مسلمانوں کے شہر میں پہنچ جائے،.........وہ شخص راضی ہو گیا اور ہم کو اس حالت پر سخت تعجب ہوا، جو انسان کو ایسی عزیز چیز کی قربانی پر مجبور کر دیتی ہے، اور اس کو ایسے شخص کے سپرد کر دیتا ہے، جو اس کو پردیس میں لے جائے، اور اس پر صبر کرتا ہے، اور اس کے شوق کا مقابلہ کرتا ہے،

اسی طرح اس لڑکی پر تعجب ہوا، کہ اپنے اعزہ کی جدائی حرمت اسلام کی خاطر گوارا کرتی ہے چنانچہ جب باپ نے اس سے اپنے ارادہ کے متعلق مشورہ کیا تو اس نے کہا کہ اگر آپ مجھے روک لیں گے تو آپ سے اس کا مواخذہ ہوگا، یہ لڑکی ماں باپ کے پاس تھی، اور اس کے چھوٹے بھائی اور بہن تھے، یہاں کے عاقبت اندیش لوگوں کو یہ خوف ہے کہ جزیرہ اقریطس کے مسلمانوں پر پہلے جو مصیبت نازل ہوئی، وہ ان سب پر نازل نہ ہو جائے، کیونکہ اس جزیرہ کے تمام لوگوں کو اس ظالمانہ حکومت نے رفتہ رفتہ عیسائی بننے پر مجبور کر دیا، خدا کو جس کی نجات منظور تھی، وہ تو بھاگ گئے اور کافروں پر خدا کا عذاب نازل ہو گیا"[1]

ابن جبیر کو کیا معلوم تھا کہ ان عاقبت اندیش لوگون کا یہ خوف ایک سو اسی سال کے اندر ہی پیش آجائیگا، وہ خطرہ کس شکل میں صحیح نکلا، ابن خلدون کی زبان سے سنئے:-

"سلطان البوز کریا نے صاحب جزیرہ صقلیہ سے مسلمانون کے لئے یہ معاہدہ کر لیا تھا، کہ شہر اور بیرون شہر میں سب کے سب (عیسائیوں کے ساتھ) شریک ہو کر رہیں گے، چنانچہ وہ اس طرح آباد ہو گئے تھے لیکن جب سلطان کے وفات پانے کی خبر وہاں پہنچی، تو عیسائی ان پر مظالم کرنے کے لئے ٹوٹ پڑے، اور وہ سہ قلعوں اور پتھریلی زمینوں میں پناہ گزیں ہو گئے، اور اپنے اوپر بنو عبس کے پرجوش شخص کو سردار مقرر کیا، اور صقلیہ کے جابر بادشاہ نے ان کے کوہستانی قلعوں میں ان کا محاصرہ کیا، اور ان کو گھیر کر قلعہ کے نیچے اتارا، اور ان کو سمندر کے پار لوچارہ میں لیجا کر انھیں آباد کر دیا، اور جزیرہ ان پر قابض ہو گیا، اور کلمہ کفر کو رائج کر کے کلمۂ اسلام کو مٹا دیا"[2]

پھر ان جلاوطن بدبخت مسلمانون کو اٹلی کی ان نوآبادیون لوسیرا و نوسیرا میں بالآخر کیا پیش آیا، اسکو سٹورٹن ہسٹری آف دی ورلڈ میں دیکھئے، کہ

"مسلمانان صقلیہ قلب ایطالیہ میں رہ کر اپنے مذہب اور اپنی معاشرت کو قائم رکھے تھے یہانتک کہ

[1] رحلۃ ابن جبیر از ص ۳۴۲ تا ۳۴۳، [2] ابن خلدون جلد ۶ ص ۲۰۰،

تیرھویں صدی کے آخر میں خاندان انجو نے ان کا قطعی استیصال کر دیا؛[۱]

اور انسائیکلو پیڈیا بریطانیکا میں کہا گیا ہے :-

شروع میں انھیں مذہبی آزادی حاصل رہی لیکن وہ ۱۳۰۰ء میں بجبر عیسائی بنائے گئے؛[۲]

یہی ہے ان مسلمانانِ صقلیہ کا آخری انجام جنھوں نے یورپ میں اپنی تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کی ایسی داغ بیل ڈالی، جو جدید یورپ کے جدید تہذیب و تمدن اور جدید علوم و فنون کی بنیادوں میں سے ایک ہے، جس کی تفصیل کی یہاں گنجایش نہیں، لیکن ان کے ان احسانات کے باوجود اس قوم کا ہر ایک متنفس یورپ کے اس چپہ سے محض تنگ نظر و ننگ انسانیت علمبرداران مسیحیت کے جہل و تعصب کی بدولت حرف غلط کی طرح مٹا دیا گیا، اور پورا جزیرہ صقلیہ مع اپنے وسیع معنی اطلاق کے مسلمانوں کے وجود سے خالی ہو گیا، اور اس ساری سرزمین میں ایک متنفس بھی کلمۂ اسلام کا پڑھنے والا باقی نہیں چھوڑا گیا انسائیکلو پیڈیا بریطانیکا کی بھی یہی شہادت ہے، سسلی کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

پوپوں نے عیسائیت کے فروغ میں اپنی آخری کوششیں صرف کر دیں، اور اب صقلیہ کی سرزمین پر سسلی کے مخصوص باشندے رہ گئے، اور سب کے سب ایک قوم اور ایک مذہب کے سلسلہ میں داخل ہو گئے؛[۳]

مسلمانانِ صقلیہ کے اس حسرتناک انجام کے سات سو برس بعد بیسویں صدی میں ہمارا ایک دردمند شاعر سسلی سے گذرا، خوبصورت جزیرہ پر نظر پڑتے ہی صقلیہ کی یاد تازہ ہو گئی، اور وفورِ جذبات میں سسلی کو مخاطب کر کے صقلیہ کے تہذیب حجازی کو جو اب عہدِ رفتہ کا ایک فراموش شدہ واقعہ اور تاریخ اسلام کی ایک گم شدہ کڑی بن چکی تھی، یاد کر کے اشکبار ہوا،

رولے اب دل کھول کر اے دیدۂ خونابہ بار وہ نظر آتا ہے، تہذیبِ حجازی کا مزار

بس آج اس تہذیب حجازی کے لوح مزار کے یہی چند نقوش صفحۂ قرطاس پر باقی رہ گئے ہیں،

---

[۱] ج ۹ ص ۱۸۳، [۲] ج ۵ ص ۲۲۳، (چارس اول و دوم) و جلد ۶ ص ۹۶ (فریڈرک)، [۳] ایضاً جلد ۲۵ ص ۲۰۵ (سسلی طبع یازدہم)،

شمس معنوی

از جناب غلام دستگیر صاحب رشید ایم اے استاد فارسی نظام کالج حیدرآباد دکن

"انتخاب دیوان شمس تبریز مرتبہ ڈاکٹر نکلسن اور مترجمہ مولوی عبدالمالک صاحب آروی پر معارف نمبر ۶ جلد ۳۰ بابتہ دسمبر ۱۹۳۲ء میں ایک فاضلانہ تنقید شائع ہوئی ہے، اسکے آخری سطور یہ ہیں:-

"اس کتاب میں اصل بحث جسکے دیکھنے کے ہم متمنی تھے یہی کہ یہ دیوان جو شمس تبریز کے نام سے موسوم ہے در اصل کس کا ہے؟ اور اس بات پر کہ یہ اصل میں مولینا روم کی تصنیف ہے کیا قدیم شہادتیں موجود ہیں؟ مگر اس مسئلہ کی طرف اس کتاب میں کوئی اشارہ تک نہیں کیا گیا" اس مقالہ میں اسی تمنا کی تکمیل کا سامان ہے، اس موضوع پر تفصیلی بحث کیگئی ہے" "غلام دستگیر رشید"

آغازِ سخن خدا نے انسان کو جب ہستی کا جامہ پہنایا، تو اس میں کچھ گل بوٹے بھی بنا دیئے، جس کی بدولت گلشنِ حیات کی رنگینی جنتِ نظر بن گئی، حسنِ ازل کی طرف سے جو کچھ انسان کو ملا، اس میں ایک دل بھی ہے، حسن کے ساتھ عشق بھی پیدا کیا گیا، اور دل "مقامِ عشق" ٹھہرا، عشق کو نطق عطا کرنا مقصود ہوا، تو دل کو زبانِ عشق یعنی ملکہ شعر نصیب ہوا، عالمِ شعر کی ساری رونق جذبات کی بدولت ہے، عشق ان کی جان ہے، روح رواں ہے، جس قدر قوی یہ جذبہ ہوتا ہے، کوئی اور جذبہ نہیں، جس قدر لطیف یہ احساس ہوتا ہے، کوئی اور احساس نہیں، ع:-

عشق می گویم و جان می دہم از لذتِ وے

ایران اور عشقیہ شاعری جس طرح مختلف افراد میں اس جذبہ کے اعتبار سے تفاوت باطنی ہوتا ہے، اسی طرح مختلف اقوام میں بھی بحیثیت مجموعی سوزِ عشق بہ اختلاف مدارج پایا جاتا ہے، یوں تو ہر قوم کے گلستانِ ادب میں عشقیہ شاعری کی بہار ہے، لیکن فارسی شاعری میں اس کا کچھ اور ہی حسن و شباب ہے، ایک وجہ اسکی یہ ہے کہ مبدءِ فیاض نے ایران کو بھی حسن بخشا ہے، اور اہل ایران کو بھی، ان قدرتی فیوض کے علاوہ ایران میں تمدن

کے عروج نے احساسات کو بے حد لطیف اور اشتعال انگیز بنا دیا تھا، پھر یہ کیسے ممکن ہے، کہ حُسن تو جلوہ ریز ہو لیکن عشق بیتاب نہ ہو، ع

جلوۂ طور تو موجود ہو موسیٰ ہی نہ ہو،

ہر اہلِ دل اس مصرعہ کا مصداق بنا ہوا تھا، ع

اک آگ سی ہے سینہ کے اندر لگی ہوئی،

نتیجہ یہ ہوا کہ عشقیہ شاعری کو اس سرزمین مین جسقدر فروغ ہوا کسی اور قوم کے ادب مین اسکی نظیر نہین، اگرچہ ہر بوالہوس نے "حُسن پرستی" اور شعر گوئی کو اپنا شعار بنا کر اسکی رسوائی کا بھی کافی سامان کیا لیکن بحمد اللہ "آبروے دیدۂ اہلِ نظر" پر کوئی حرف نہ آسکا،

غزل اور عشق کی ترجمانی، اصنافِ سخن مین سے غزل کو عشق و محبت کی ترجمانی کیلئے اختیار کیا گیا، اس لئے غزل کو معراجِ کمال اور قبولیتِ عام کا جو شرف حاصل ہوا، یہ بات کسی اور صنفِ سخن کو نصیب نہ ہوئی،

عشق حقیقی اور عشق مجازی کے جزئی وکلی دقیق اور لطیف احساسات اور جذبات کی ترجمانی جس حسن وخوبی اور جس کثرت سے فارسی غزل مین ہوئی، اس کی نظیر دنیا کی کسی اور زبان مین مشکل سے ملتی ہے،

حسن اور عشق کے مدارج، جس طرح حُسن اور عشق کے مظاہر مختلف ہوتے ہیں، اس کے مراتب اور مدارج بھی مختلف ہیں، جیسے مظاہرِ حُسن غیر محدود ہین، ویسے عشق کے مراتب بھی لا متناہی ہین، محبت ماں سے بھی ہو سکتی ہے، اور بہن سے بھی، لوگ وطن پر بھی فدا ہوتے ہیں، اور اہلِ وطن پر بھی، قلبِ انسانی کبھی حُسنِ فطرت کا شیدا ہوتا ہے اور کبھی در دولت سے بے تاب، کوئی کسی سیمتن نازنیں کے ایک ہی جلوہ سے اسقدر مسحور ہوتا ہے، کہ سب کچھ صرف اس کی ایک نگاہِ لطف پر قربان کرنے کو طیار ہوتا ہے، لیکن یہ سب حُسن وعشق کی فانی صورتین ہین،

جذبۂ عشق کو کمال اور اطمینان اسوقت نصیب ہوتا ہے، جب وہ حُسنِ مطلق کا شیدائی ہو جاتا ہے،

مجازی عشق کو تسکین کامل حُسنِ ازل ہی کے ربط سے ہوتی ہے،

عشق کا محرک حُسن ہے حُسن جس مرتبہ کا ہوگا کشش عشق بھی اسی درجہ کی ہوگی عشق حقیقی میں ناز اور نیاز دونوں بے نظیر ہیں،۔۔ع

من بہ نازی عجبے تو بہ نیازے عجبے،

عشق مجازی میں وہ دبدبہ وجلال وہ جذبۂ استقلال وبیخودی، وہ بے نفسی اور تسلیم کہاں جو عشق حقیقی کا خاصہ ہے، اس مسلکِ محبت کا نام تصوف ہے، ایمان کا کمال اسی محبت کی شدت اور قوت مین پوشیدہ ہے، الذین آمنوا اشد حبًا للہ، درس تصوف کی پہلی اور آخری کتاب "دیوان عشق" ہی ہے، عشقیہ شاعری کی معراج عشق حقیقی پر منحصر ہے، جو تصوف سے وابستہ ہے،

مجازی اور حقیقی عشق میں وارداتِ قلبی، اور جذباتِ الفت مثلاً اشتیاقِ دید، لذتِ انتظار، تمنائے وصال عشق اور اس کے لوازم تقریباً ملتے جلتے ہیں، البتہ خاص فرق وامتیاز محبوب اور مقصود کا ہوتا ہے، عاشقِ مجاز کا نشہ خمار آشنا ہوتا ہے لیکن طالبِ حق لذتِ شرب ودام سے فیضیاب ہوتا ہے،

فارسی میں عشقیہ شاعری اور غزل سرائی نے بھی اسی اعتبار سے مدارجِ تاثیر وکمال طے کئے، ایک مدت تک ایران کی توجہ جنگی تحریکات اور جذبات کیلئے وقف رہی، اس دور میں شعراء کی طبع آزمائی بھی داستان سرائی اور قصیدہ گوئی کے میدان میں ہوتی رہی، اس کا اثر اسقدر نمایان تھا کہ تشبیب اور ابتدائی غزلیات میں بعض استعارات اور تشبیہات بھی رزمیہ اثر ہی کے تحت ایجاد ہوئیں، مثلاً ابرو کو تیغ، نظر کو تیر اور مژگان کو خنجر سے تشبیہ دیجاتی تھی،

رزم سے بزم کی طرف طبیعت نے پلٹا کھایا، تو غزل سرائی رونقِ محفل بنی، ابتدائی منزلون میں غزل صرف عشق مجازی کی آئینہ دار بنی رہی لیکن جب دور تصوف آیا، تو عشق دنیا کا یہ غم محبوب حقیقی کے غم عشق سے مبدل ہوگیا، اس طرح غزل گوئی کے بادۂ خام کو صوفیاے کرام کے شیشۂ دل نے پختہ کردیا،

در دلِ ما غم دنیا غم معشوق بود باده گر خام بود پختہ کند شیشہ ما

یا بقول مولانائے روم ؒ

آتشِ عشقست کاندر نے فتاد آتشِ عشقست کاندر مے فتاد

غزل کی بلندی اور ترقی کی تاریخ تصوف کی ترقی سے وابستہ ہے محبوب اور مطلوب کی بلندی کے باعث عشق و محبت کو بھی بلندی حاصل ہوئی یہی وجہ ہے کہ اربابِ صفا کے کلام میں جسقدر بلندی جذبات پاکیزگیِ خیال، صداقتِ احساس، اور اثر اخلاص پایا جاتا ہے، وہ کسی اور گروہ کے کلام میں نہیں،

صوفیانہ شاعری ان الفاظ اور خیالات سے پاک ہوتی ہے، جو پاکیزگی نزاہت اور تہذیب کے خلاف ہوتے ہیں، مثلاً بوس و کنار وغیرہ، اگرچہ عشق حقیقی کے صدہا مضامین مجاز کے پیرایہ میں ادا کئے جاتے ہیں، لیکن صرف اس حد تک کہ بادہ و ساغر کے استعارہ میں مشاہدہ حق کی گفتگو ہو سکے، لیکن اس پیرایۂ مجاز نے کبھی آلودگی کا داغ قبول نہیں کیا،

فارسی شاعری کی ممتاز خصوصیت :- یہ بیان ہو چکا ہے کہ عشقیہ شاعری کا کمال عشق حقیقی پر موقوف ہے، اور تصوف کیساتھ مخصوص ہے، اور زبانوں میں صوفیانہ شاعری کم ہے، پانچویں صدی ایران میں صوفیانہ شاعری کے عروج کا زمانہ ہے، کیونکہ یہ تصوف کا عہدِ شباب ہے، اسلئے عشقیہ شاعری کے حسن و کمال میں دنیا کی کوئی زبان فارسی کا مقابلہ نہیں کر سکتی، جو معنوی حُسن و بلندی اسکی وجہ سے شعر فارسی کو حاصل ہے، اسکی نظیر شاید ہی دنیا کی کسی اور قوم یا زبان کی شاعری میں ہو، یہ وہ کمال ہے جس پر اہل زبان اور فارسی دان جسقدر ناز کریں بجا ہے، کس زبان کی شاعری حدیقۂ سنائیؒ کی شادابی، عطارؒ کی عطر بیزی، سعدیؒ کی مے ناب نظامیؒ کی رمز گوئی، رومیؒ کے نغمۂ نے، عراقیؒ کے عرفانی گیت، حافظؒ کی نغمہ سرائی خسروؒ کے سحر حقیقت، جامیؒ کے جام جان بخش گلشنِ راز کی بہار، اور اقبال کے رموزِ بیخودی کا جواب پیش کر سکتی ہے، ظاہر بیں اور ظاہر پرست مغرب تو اس عالم لطیف کی نعمتون اور اس خلد کی بہار سے تقریباً محروم

ہی ہے، لیکن حقیقت شناس اور باطن نواز مشرق بھی فارس کے اس میکدۂ حقیقت کی نظیر نہیں پیش کرسکتا، اگرچہ یہ ضروری نہیں کہ تصوف، ہر صوفی فرد یا صوفیانہ ذوق رکھنے والی قوم میں زبان شعر ہی اختیار کرے، سب سے پہلے جن اہل دل بزرگون نے کلام مجاز کو نغمۂ حقیقت سے بدلا، وہ حضرت ابوسعید ابوالخیرؒ اور خواجہ عبداللہ انصاریؒ ہیں، مثالاً عشق حقیقی کے ان اولین ترجمان شعرا کے کلام میں اثر، جوش، اخلاص، شدت عشق، اور حسن بیان ملاحظہ ہو جس سے پتہ چلتا ہے، کہ صوفیانہ شاعری کا آغاز کس قدر بلند اور اس کا قبلۂ مقصود کسقدر رفیع الشان تھا،

عشق آمد و شد چو جانم اندر رگ و پوست تا کرد مرا تہی و پر کرد ز دوست

اجزاے وجودم ہمگی دوست گرفت نامیست ز من بر من و باقی ہمہ اوست

(خواجہ انصاری)

راہ تو بہر قدم کہ پویند خوش است وصل تو بہر سبب کہ جویند خوش است

روئے تو بہر دیدہ کہ بینند خوش است نام تو بہر زبان کہ گویند خوش است

(ابوالخیر)

ان کے بعد حکیم سنائیؒ نے حدیقہ نگاری فرمائی، انھون نے اپنے کلام میں نہ صرف صوفیانہ جذبات کا اظہار کیا، بلکہ مسائل تصوف کو بھی فلسفیانہ پیرایہ میں بیان کیا، حکیم سنائی کے بعد حضرت عطارؒ نے اپنی عطر بیزی سے مشام جان کو معطر فرمایا، حضرت عطارؒ نے صوفیانہ شاعری کے دائرہ کو ایسی وسعت بخشی، کہ مثنوی، رباعی، غزل سارے اصناف سخن پر بادۂ صافی کا نشہ چڑھ گیا، سب پر صبغۃ اللہ کی رنگینیان اپنی بہار دکھانے لگین، تاتاری ہنگامہ نے پردۂ غفلت چاک کیا، عالم فانی کی بہار کے دو روزہ ہونے کا احساس شدید اور عام ہوا تو فطرۃً حسن باقی کی طرف اکثر اہل عبرت اور صاحب دل متوجہ ہوگئے، تصوف کی گرم بازاری ہوئی، اکثر ارباب صفا کو شعر گوئی کا ملکہ بھی فطرت سے ودیعت ہوا تھا، صوفی شعرا کی کثرت ہوئی،

اوحدی، سعدی، عراقی، اور مولینا روم نے صوفیانہ شاعری کے باغ کو رشکِ ارم بنا دیا،

صوفی شعرا میں مولانا روم کی اہمیت | بلاشبہ حکیم پاک ذات مرشد رومی کو ان عاشقانِ پاک طینت اور شاعرانِ بلند فطرت کی سرداری حاصل ہے، ان کی حقیقت طرازی نے تو زبانِ شعر کو سراپا الہامی بنا دیا،

انکی مثنوی کے متعلق اربابِ معرفت کا خیال یہ ہے، کہ ؎

مثنوی مولوی معنوی، ہست قرآن در زبانِ پہلوی،

اس کتابِ حق نما کی بنا پر انھیں ؏

نیست پیغمبر و لے دارد کتاب

کہا جاتا ہے،

حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب تصوف اور فارسی شاعری کی معنوی قدر و قیمت کی بلند بانگ نقیب ہے، ایک عالم اس کے سحر سے مسحور ہے، اور دنیا کی ساری اہم زبانین اس کے معنوی فیض سے استفادہ کی کوشش کر رہی ہیں شبلی کا یہ قول بالکل صحیح ہے، کہ اسکی شہرت اور مقبولیت کے آگے ایران کی ساری تصانیف دب گئی ہیں، جس کام کو سنائی اور عطار نے شروع کیا، مولانا نے مثنوی کے ذریعہ اسے پایۂ تکمیل کو پہنچایا،

نظم میں علاوہ مثنوی معنوی کے انکی غزلیات کا بھی ایک قابلِ قدر اور عظیم الشان مجموعہ ہے، غزل کی جان گدازِ الفت سوزِ دل، اور بیخودی کا اثر ہے، اگرچہ انوری، خاقانی، ظہیر فاریابی، کمال اسمٰعیل، مسعود سعد سلمان، اور عبد الواسع جبلی وغیرہم نے بھی غزلین لکھیں، لیکن ان کے کلام کا نمایاں اور غالب عنصر صنائع نظمی، اور الفاظ کی مرصع کاری ہے، ان کی غزلین اس سوزِ عشق سے خالی تھیں، جس نے اربابِ حال اور عشاقِ شیرین مقال کی غزلیات کو مئے دو آتشہ بنا دیا تھا،

صوفی غزل گو شعرا میں مولینا کی اہمیت | تذکرہ نویس متفق ہیں کہ ابتدا میں جن لوگوں نے صنفِ غزل کو ترقی دی، اور اس کے جسمِ مردہ کو معنی اور اثر کی روح بخشی اور غزل کو غزل بنایا، وہ سعدی، عراقی،

اور مولینا روم ہیں، اگرچہ کلام کے صوری محاسن اور لطائف کے اعتبار سے مولینا کی غزلیات سعدیؒ اور عراقیؒ کی غزلیات کے ہم پایہ نہیں، لیکن مختلف معنوی خصوصیات کے باعث ان کو ایک خاص حیثیت حاصل ہے، جو انھیں فارسی کے دیگر غزل گو صوفی شعراء سے ممتاز کرتی ہے،

مولینا کی غزلیات کی اہمیت | مولانا کی غزلیات مختلف وجوہ کے باعث مولانا کی تصانیف کا تفصیلی اور تحقیقی مطالعہ کرنیوالے کے لئے اہم اور توجہ کے قابل ہیں '

۱- یہ فارسی کے سب سے بڑے معنوی شاعر، صاحبِ مثنوی ہی کے کلام کا ایک بڑا جزو ہیں،

۲- غزلیات مثنوی سے پہلے لکھی گئی ہیں یعنی یہ مولانا کے معنوی اور ادبی ارتقاء کا پہلا زینہ ہیں،

۳- فارسی غزل کی ترقی کے سلسلہ میں ان کی خاص اہمیت ہے، کیونکہ مولانا غزل کے اولین دور کے شعراء میں ہیں،

۴- شاعری کی ایک نوع پیغام گوئی ہے، جس کی مثال اردو میں اکبر اور اقبال کی شاعری ہی فارسی شاعری میں مولانا کی غزلیات پیغام گوئی کا بہترین نمونہ ہیں،

۵- گرمیٔ عشق، بیتابیٔ الفت، اسرار خودی، اور رموز بقا کی جس زور اور جس قوت سے پردہ کشائی کیگئی ہے، اسکی مثال فارسی شاعری میں سوائے اقبال کے کسی اور کے کلام میں نہیں ملتی، اس خصوص میں ڈاکٹر اقبال بھی بادۂ رومی سے فیضیاب ہوئے ہیں، ؎

من کہ مستیہا ز صہبایش کنم، زندگانی از نفسہایش کنم،

۶- انکی غزل مسلسل نظم معلوم ہوتی ہے، جس میں عشق و محبت اور دیگر احساسات کی تصویر اس تسلسل کیساتھ کھینچی ہے، کہ پردۂ دل کا نقش آنکھوں کے آگے آجاتا ہے،

دیوان کی طرف عدم توجہ | مثنوی بجا طور پر ہمیشہ اہلِ ادب اور عارفین کی توجہ کا مرکز رہی ہے، لیکن دیوان سخن شناسوں کی نگاہِ التفات سے محروم رہا، اِلّا ماشاء اللہ شاید ہی کسی نے اسکی طرف توجہ کی، ہوا

ڈاکٹر نکلسن نے اپنی علمی مشغولیتوں کے ابتدائی دور میں چند غزلیات کا انتخاب ایک سرسری مقدمہ کیساتھ ۱۸۹۸ء میں کیمبرج یونیورسٹی سے شائع کیا تھا،

دیوان کے متعلق غلط فہمی، اس عدم توجہ اور عدم تحقیق کا نتیجہ یہ ہوا کہ دیوان کے متعلق غلط خیالات پھیل گئے، اور وہ بالکلیہ حضرت شمس تبریزؒ سے منسوب ہوگیا، اور عموماً حضرت شمس ہی کے کلام کا مجموعہ سمجھا جانے لگا، یہ سچ ہے کہ محققین کے نزدیک یہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں لیکن بعض واقف حال اور اہل علم حضرات کے سوا تعلیم یافتہ لوگ بھی اسے حضرت شمس ہی کا دیوان خیال کرتے ہیں، اور جب ان کے سامنے حقیقت حال بے نقاب کیجاتی ہے، تو اس کو تعجب اور شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں،:-

اس لاعلمی اور غلط فہمی کے چند اسباب یہ ہیں،:-

۱۔ مطبوعہ کلیات شمس تبریز کے نام سے شائع ہوگیا،

(ملاحظہ ہو کلیات شمس تبریزؒ مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۰۲ھ)

۲۔ کلیات کے علاوہ مطبع نولکشور نے دیوان کے نام سے منتخبہ غزلیات کے مختلف اڈیشن شائع کئے ہیں، وہ بھی دیوان شمس تبریزؒ ہی کے نام سے موسوم کئے گئے،

(ملاحظہ ہو دیوان شمس تبریزؒ لکھنؤ ۱۳۲۶ھ)

۳۔ اس سے پہلے دیوان کے جسقدر نسخے لکھنؤ اور کانپور سے طبع ہوئے ان پر دیوان شمس تبریز ہی لکھا ہوا ہے، چنانچہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں جسقدر مطبوعہ نسخے ہیں، انکا یہی حال ہے،

۴۔ غلط فہمی عام ہونے کے سب سے بڑی وجہ انہی دواوین کی غلط نام سے اشاعت تھی، کیونکہ اکثر پڑھے لکھے حضرات کے ہاتھوں میں یہی مطبوعہ نسخے پہنچے،

حتی کہ ڈاکٹر نکلسن نے جو انتخاب شائع کیا ہے، اس کا نام بھی دیوان شمس تبریز ہے، گو اصل راز سے وہ واقف ہیں، اور وہ اسکو مولانا ہی کا کلام سمجھتے ہیں، لیکن اپنے اس خیال کو دلائل سے مستحکم

نہیں کیا ہے،

کلیات یا دیوان کے مطبوعہ نسخون کے دیباچون یا اختتامی تحریرون اور طباعت کے تاریخی قطعات میں بھی ظاہر کیا گیا ہے، کہ یہ دیوان حضرت شمسؒ کا کلام ہے، مثلاً:-

"دیوان کرامت نشان، مشرقستان مضامین توحید و عرفان، تجلی کدۂ لطائف ایقان، نور انگیز یعنی دیوان شمس تبریز از خزائن اسرار خاطر انیس خلوت سرائے قدس، قدوۃ العارفین اسوۃ الواصلین، رفیق شریعت و طریقت، رمز شناس لطائف حقیقت و معرفت، غواص محیط وحدت، مشاہد وحدت در کثرت، ولی مادرزاد، حضرت ملک داد، ملقب بہ شیخ شمس الدین تبریزیؒ

(خاتمۃ الطبع دیوان شمس تبریز ۱۳۲۶ھ لکھنو)

مجموعہ کلاہہاے حلاوت آگین، انگبین ریز، اعنی کلیات شمس تبریز، از خیال خدا داد تجلی زائی آفتاب تابان آسمان عرفان و سلوک، معرفت نژاد و لی مادرزاد محمد بن ملک داد حضرت شمس الدین تبریزی قدس سرہٗ،

(کلیات شمس تبریز ۱۳۰۲ھ نولکشور)

نظمیست عجیب دل نشینی	ہر مصرعہ اوست بس طرب خیز
عاقل نوشت سال ہجری،	دلبر دیوان شمس تبریز

(۱۳۲۶ھ دیوان شمس تبریز منشی نولکشور)

دیوان کے قلمی نسخون کی فہرستون میں بھی اس کو کہین کہین حضرت شمس تبریزی کی طرف نسبت دی گئی ہے، چنانچہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں دیوان کا ایک قدیم قلمی نسخہ ہے، لیکن وہ نہایت ناقص ہے یعنی ہر آٹھ دس ورق کے بعد ایک ورق غائب ہے، نہ اوسکا سر ورق ہے، نہ آخر میں کچھ عبارت ہے البتہ فہرست میں دیوان شمس تبریزی ہی کے نام سے درج ہے، (ملاحظہ ہو فہرست کتب خانہ آصفیہ جلد اول صفحہ ۴۲۶)

مولینا حبیب الرحمٰن خان صاحب شروانی (نواب صدر یار جنگ بہادر) کے ہان ایک قدیم نسخہ ہے لیکن افسوس ہے، کہ وہ بھی ناکمل ہے، صاحب موصوف نے ازراہ علم دوستی یہ نسخہ روانہ فرماکر استفادہ کا موقع بخشا جس کے لئے ہم نواب صاحب موصوف کے ممنون ہین، اس کا بھی یہی حال ہے کہ نہ پہلا ورق ہے، نہ آخری صفحہ، اور نہ اس میں کوئی تحریر ہے، جس سے دیوان کی اصل ملکیت کے مسئلہ کا حل ہو سکتا،

مولانا کے معتبر ترین اور قدیم تذکرون، رسالۂ سپہ سالار اور مناقب العارفین میں دیوان کے متعلق کوئی تصریح نہیں ہے، بدنصیبی سے شعراء کے بعض تذکرون میں بھی حضرت شمس کو شاعر لکھا گیا ہے، اور اُن کے کلام سے نمونہ کے طور پر اشعار درج کئے گئے ہیں، مثلاً تذکرہ روز روشن (۱۲۹۷ھ مولفہ محمد مظفر حسین مطبوعہ بھوپال) میں ہے،

"از نشئہ کلام شمس تبریز این شعر است"

در طوف حرم بودم دے منبچہ میگفت   کاین خانہ بدین خوبی آتشکدہ بایستے

اس قسم کی تحریرون سے غلط فہمی اور حقیقت فراموشی اور بڑھ جاتی ہے، کیونکہ محققانہ بیانات پر کم لوگوں کی نظر پڑتی ہے، حالانکہ تقریباً سارے محقق تذکرہ نویسون نے اس کو حضرت مولینا رومی کی تصنیف ظاہر کیا ہے،

چند غزلین عام طور پر مقبول اور مروج ہوئین، توانکے مقطعوں میں حضرت شمس تبریزی کا نام تھا، اسلئے عام طور پر حضرت شمس کو فارسی کا ایک بلند پایہ شاعر اور اس دیوان کو انہی کے کلام کا مجموعہ سمجھا گیا، انہی اسباب کے باعث عارف روم کا شاندار تغزل پردہ پوش ہوگیا اور وہ ایک غزل گو شاعر کی حیثیت سے غیر معروف ہوگئے جہانتک ہمیں علم ہے مشرق اور مغرب میں ابھی تک ایسی باقاعدہ اور محققانہ جدوجہد نہیں کی گئی، کہ اس دیوان کو ان شکوک وشبہات اور غلط فہمیوں کے ظلمات سے نکالا جائے اور داخلی وخارجی شواہد اور تاریخی

ادبی براہین سے یہ واضح کردیا جائے کہ یہ شراب طہور عارف روم مولوی معنوی ہی کی کشید کی ہوئی ہے،

ان صفحات میں اسی کی اولین لیکن ابتدائی کوشش کی گئی ہے، اور وہ بھی ایک طالب علم کی طرف سے،
کام کی اہمیت اور عظمت ظاہر ہے لیکن بے بساطی اور بے سروسامانی کے باعث راہ میں مختلف مشکلات حائل ہیں،
اسکے لئے علاوہ شعراء اولیاء کبار کے تذکروں اور سوانح عمریوں کے ایک طویل سلسلہ کے کلیات کے کئی نسخوں،
ملفوظات اور مثنوی معنوی کے سارے دفتروں کا کامل مطالعہ ضروری ہے لیکن ایک تعلیمی سال کا تنگ وقت
دوسری تعلیمی مشغولیتوں کے ساتھ ساتھ کما حقہ ان کے مطالعہ، فراہمی مواد، اور تحریر مقالہ کیلئے ناکافی ہے،

ہماری تلاش اور تحقیق کی بنیاد اس مواد پر ہے جو حیدرآباد میں ہمارے ہاتھ آسکا، مغرب اور مشرق کے
کے مختلف مقامات پر جو اہم مواد پایا جاتا ہے، اسکے استفادے سے ہم مجبور اور معذور ہیں،

کلیات کے بعض اہم اور قدیم نسخے جو قسطنطنیہ یا یورپ کے بعض کتبخانوں میں پائے جاتے ہیں ہماری
رسائی سے باہر ہیں، اس وقت کے سب سے قدیم ترین اور صحیح ترین نسخہ کی بحث ہمارے دائرہ عنوانات
سے خارج ہے، سلسلہ تحقیق میں مختلف مقامات ایسے درپیش ہوتے ہیں، کہ قدیم اور معتبر نسخوں سے مقابلہ
کے بغیر کامل اطمینان نہیں ہوتا،

امید ہے کہ ایک طالب علم کی اس ابتدائی اور اولین کوشش پر نظر ڈالتے وقت یہ واقعی مشکلات بھی پیش نظر
ہونگی، اور مختلف کمزوریاں نظر انداز کیجائیں گی،

ہمارے مباحث کا سرسری خاکہ حسب ذیل ہے:-

۱۔ خارجی یا تاریخی شواہد جس سے ثابت ہو کہ دیوان شمس تبریز مولانائے روم کی غزلیات کا مجموعہ ہے،

۲۔ داخلی اور معنوی شہادتیں جس سے مذکورۂ بالا دعوی کی تائید ہوتی ہو،

۳۔ مولینا کی غزلیات کے محاسن نقائص اور خصوصیات جو انہیں فارسی کے دیگر مشہور غزل گو صوفی شعراء کے کلام سے ممتاز کرتے ہیں،

۴۔ مولانا کا مسلک تصوف اور فلسفۂ حیات جو دیوان سے مترشح ہوتا ہے،

ادوارزندگی، مولانا کے ادوارِ زندگی، ان کے معتبر ترین تذکرہ رسالۂ سپہ سالار کی روایت کے مطابق حسب ذیل ہیں،

۱۔ ۶۰۴ھ سنہ پیدایش،

۲۔ ... تا ۶۲۸ھ (۲۴ سال) تحصیل علوم ظاہری وسیاحت وغیرہ،

۳۔ ۶۲۸ھ تا ۶۴۲ھ (۱۴ سال) تدریس و اتمام تکمیل دورِ قال،

۴۔ ۶۴۲ھ تا ۶۵۲ھ (۱۰ سال) آغاز دورِ معنوی و ملاقات شمس و غیاب، تصنیف دیوان،

۵۔ ۶۵۲ھ تا ۶۶۲ھ (۱۰ سال) دورِ تسکین وصحبت خاص صلاح الدین زرکوب،

۶۔ ۶۶۲ھ تا ۶۷۲ھ (۱۰ سال) صحبت خاص حسام الدین چلپی و تکمیل مثنوی،

۷۔ ۶۷۲ھ سنہ وصال،

ضروری تنبیہ، اس مقالہ میں دیوان شمس تبریز کے ایسے حصۂ کلام سے بحث نہیں کی گئی ہے، جو مشکوک ہے، یا نمایاں طور پر دوسرے شخص کا کلام معلوم ہوتا ہے، جسے مولانا کے کلام میں داخل کر دیا گیا ہے، کیونکہ دیوان کے اصلی اور صحیح نسخہ کی بحث ہمارے موضوعِ بحث سے خارج ہے،

(باقی)

تصوّف کا اثر علوم و فنون پر

از

مولینا عبد السلام ندوی

قدما صوفیہ کا دور، تابعین اور تبع تابعین کا دور تھا، جس میں مذہبی گروہ کے سامنے علوم شرعیہ یعنی قرآن حدیث، فقہ اور تفسیر کے سوا کچھ نہ تھا، صوفیہ بھی اسی مذہبی گروہ میں داخل تھے، اسلئے قدما صوفیہ علوم شرعیہ میں بڑا تبحر رکھتے تھے، چنانچہ محدث ابن جوزی نے لکھا ہے، کہ قدما صوفیہ قرآن، حدیث، فقہ اور تفسیر کے امام تھے، کیونکہ اس دور کے صوفیہ تصوّف کو قرآن و حدیث سے وابستہ سمجھتے تھے، اسلئے علوم شرعیہ کو خود حاصل کرتے تھے، اور لوگون کو انکے حاصل کرنے کی ترغیب دیتے تھے، حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں، کہ "ہمارا یہ علم (تصوف) کتاب و سنت کا پابند ہے، اسلئے جس نے قرآن نہیں پڑھا، اور حدیث نہین لکھی، اس کے لئے اس علم میں گفتگو کرنا مناسب نہیں"

لیکن متاخرین صوفیہ کے دور مین تصوف قرآن و حدیث سے الگ ہوکر دوسرے دوسرے عقائد و خیالات کا مجموعہ ہوگیا، اور اس معجون مرکب نے متاخرین صوفیہ کو قرآن مجید سے اسقدر ناآشنا کر دیا کہ جو لوگ قرآن مجید کی خدمت میں مصروف رہتے تھے، ان کو چشم حقارت سے دیکھنے لگے، چنانچہ شیخ ابوالحسن خرقانی کا قول ہے کہ

"کسانے دیدہ ام کہ بہ تفسیر قرآن مشغول بودہ اند، جوان مردان بہ تفسیر خویش مشغول بودہ اند"[1]

علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ قائلین وحدۃ الوجود میں بعض لوگون کا قول ہے کہ (نعوذ باللہ) پورا قرآن شرک ہے اور توحید وہ ہے جو ہم کہتے ہین،[2]

---

[1] تذکرۃ الاولیا عطار جلد ۲ ص ۲۳۹، [2] مدارج السالکین جلد ۳ ص ۳۲۹،

ان خیالات کی بنا پر متاخرین صوفیہ قرآن مجید کی کوئی صحیح خدمت نہ کر سکے، بلکہ جو تفسیریں لکھیں ان کو اشارات کنایات، اور تاویلات کا مجموعہ بنا دیا، چنانچہ علامہ ذہبی ابو عبد الرحمن سلمی کے حال میں لکھتے ہین :-

الف حقائق التفسیر فاتی فیہ بمصائب	انھون نے تفسیر کے حقائق جمع کئے، اور اس
و تاویلات الباطنیۃ نسأل اللہ	میں باطنیون کی تاویلات درج کین، ہم خدا سے
العافیۃ[۱]	عافیت کے طلبگار ہیں،

شیخ محی الدین ابن عربی کی تفسیر کا حال سب کو معلوم ہے، اور یہ لوگ قرآن مجید کا ترجمہ اور اسکی تفسیر جس انداز میں کرتے تھے، اس کا اندازہ بعض مثالون سے ہو سکتا ہے، چنانچہ مجدد الف ثانی "انا اعطیناک الکوثر" کے متعلق لکھتے ہین :-

"تا آنکہ بعضے از ایشان تصریح کردہ کہ حضرت پیغمبر ما علیہ وعلی جمیع اخوانہ من الصلوٰۃ افضلہا ومن التسلیمات اکملہا، بعد از حصول کمالات نبوۃ در مقام شہود وحدت در کثرت بودہ است، کریمہ: انا اعطیناک الکوثر را اشارہ بآن مقام می نمایند و ترجمہ کریمہ را باین عبارت می کنند: "بدرستیکہ دادیم ترا شہود وحدت در کثرت"،

پھر اس ترجمہ کے متعلق اپنی رائے یہ ظاہر کرتے ہیں :-

"حاشا وکلا کہ این قسم معارف شایان مقام نبوت باشند"[۲]

امام رازی قل للمومنین یغضوا من ابصارھم کی تفسیر میں لکھتے ہین :-

سئل الشبلی عن قولہ یغضوا من	شبلی سے اس آیت کے متعلق سوال کیا
ابصارھم" فقال ابصار الرؤس	گیا، تو انھون نے کہا کہ سر کی آنکھون
عن المحرمات وابصار القلوب	کو محرمات سے اور دل کی آنکھوں کو ماسوی

[۱] تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص ۲۴۹، [۲] مکتوبات مجدد الف ثانی جلد اول ص ۲۴۵،

عما سوی اللہ تعالیٰ، اللہ سے جھکائے رکھیں،

حالانکہ تفسیر کے دوسرے ٹکڑے کی طرف اس آیت میں اشارہ تک نہیں،

دوسری جگہ لا تتبعوا خطوات الشیطان انہ لکم عدو مبین. انما یامرکم بالسوء والفحشاء وان تقولوا علی اللہ مالا تعلمون کی تفسیر میں لکھتے ہیں، کہ بعض صوفیہ اور بعض فلاسفہ نے فرشتۂ داعی الی الخیر کی تفسیر قوتِ عقلیہ سے اور شیطان داعی الی الشر کی تفسیر قوتِ شہوانیہ اور قوتِ غضبیہ سے کی ہے[1]

ان مثالوں سے اندازہ ہوا ہوگا کہ صوفیہ کے ترجمہ و تفسیر کا انداز عام جمہور مفسرین سے کس قدر مختلف اور قرآن مجید کے لفظ و عبارت سے کس قدر بیگانہ تھا، اس لئے محققین کے نزدیک اون کے اس قسم کے اشارات تفسیری حیثیت سے ناقابلِ اعتبار قرار پائے، چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب فوز الکبیر میں لکھتے ہیں ،،۔

"اما اشاراتِ صوفیہ و اعتباراتِ ایشان بحقیقت از فن تفسیر نیست بلکہ نزدیک استماع قرآن چیزہا بر دلِ سالک ظاہر می گردد، و درمیان نظمِ قرآن و حالتے کہ آن سالک دارد، یا معرفتے کہ او را حاصل است متولد می شود، چنانکہ کسے قصۂ مجنون و لیلیٰ شنود، و معشوقۂ خود را یاد کند، و معاملہ کہ درمیان وے و میان محبوبۂ وے می گذرد، مستحضر سازد،،[2]

قرآن مجید کے بعد علم حدیث کا درجہ ہے، اور صوفیہ کو علمِ حدیث سے جسقدر بے اعتنائی تھی، اس کا اندازہ اوس واقعہ سے ہو سکتا ہے، جس کو علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ابو القاسم شیرازی کے حال میں اس طرح لکھا ہے ،،۔

"وہ پاکباز، صوفی، اور فاضل بزرگ ہیں، بہت سے شہروں کی سیاحت کی ہے، اور بہت سی حدیثیں سنی ہیں، احمد بن محمد غاسانی کہتے ہیں، کہ جب میں ان کے پاس خانقاہ میں جاتا تھا تو وہ

---

[1] تفسیر کبیر جلد ثانی ص ۱۱۶، [2] فوز الکبیر ص ۱۰۵،

مجھے صحرا میں لے جاتے تھے، اور کہتے تھے، کہ یہاں پڑھو، کیونکہ جو لوگ علم اور حدیث میں مشغول ہوتے ہیں، صوفیہ ان سے بگڑتے ہیں، اور کہتے ہیں، کہ یہ لوگ ہمارے اوقات میں خلل انداز ہوتے ہیں[۱]"

صوفیہ کے نزدیک اصلی چیز عمل تھا، اور چونکہ تمام احادیث پر عمل ناممکن تھا، اسلئے وہ سماعِ حدیث کو ایک فعل لایعنی سمجھتے تھے، چنانچہ ابو حفص حداد کے حالات میں لکھا ہے کہ

"درہمسائگی او احادیث استماع می کردند، گفتند آخر چرا نیائی، تا سماعِ احادیث کنی، گفت من سی سالست تا می خواہم کہ داد یک حدیث بدہم نمی توانم داد، سماعِ دیگر حدیث چوں کنم، گفتند آن حدیث کدامست گفت، آنکہ می فرماید رسول صلی اللہ علیہ وسلم، من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ، از نیکوئی اسلام مرد آن ست کہ ترک کند چیزے کہ بکارش نیاید[۲]"

اس عبارت میں نہایت مخفی اشارہ اس بات کا موجود ہے کہ بغیر عمل کے سماعِ حدیث ایک فعل لایعنی ہے، جسکو چھوڑ دینا چاہئے، لیکن بااینہمہ چونکہ حدیث کو ایک حجتِ شرعی سمجھتے تھے، اس لئے بعض متصوفین اپنے مقاصد کے اثبات کے لئے حدیثیں وضع کرنے سے بھی دریغ نہ کرتے تھے، چنانچہ حافظ ذہبی ابو عبد الرحمن سلمی کے حال میں لکھتے ہیں:۔

وکان یضع للصوفیۃ الاحادیث[۳] وہ صوفیوں کے لئے حدیثیں وضع کیا کرتے تھے،

صوفیہ جس قسم کی حدیثیں وضع کیا کرتے تھے، ان کی مثالیں بھی موضوعاتِ حدیث کی کتابوں میں بہ آسانی مل سکتی ہیں، چنانچہ موضوعاتِ ملا علی قاری سے ہم اس قسم کی چند مثالیں درج کرتے ہیں،

۱۔ ان الشیطان یجری من ابن آدم شیطان انسان کے جسم میں خون کے ساتھ

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص ۱۰۵، [۲] تذکرۃ الاولیاء عطار جلد ۲ ص ۳۲۲، [۳] تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص ۲۴۹،

تجری الدم، دوڑتا رہتا ہے،

یہ حدیث بالکل صحیح ہے لیکن اس میں صوفیہ نے یہ فقرہ بڑھا دیا ہے:-

فضیقوا مجاریہ بالجوع، تو بھوک سے اس کا راستہ بند کردو،

۲- رأیت ربی فی صورۃ شاب امرد، میں نے اپنے خدا کو ایک نوخیز جوان کی شکل میں دیکھا،

یہ حدیث سرے سے موضوع ہے،

۳- کان اللہ ولا شئ معہ ولم یکن شی قبلہ خدا تھا، اور اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی اور اس سے پہلے کوئی چیز نہ تھی،

صحیح حدیث ہے لیکن توحید وجودی کے ثابت کرنے کیلئے صوفیہ نے یہ فقرہ بڑھا دیا،

وھو الآن علی ما علیہ، اور وہ اب بھی اسی حالت میں ہے،

۴- حدیث لبس خرقہ اور حدیث تواجد جس سے صوفیہ استدلال کرتے ہیں، دونوں موضوع ہیں،

یہ لوگ زیادہ تر بدعات و محدثات، اور فضائل اعمال کے متعلق حدیثیں وضع کیا کرتے تھے یا اس قسم کی حدیثوں سے استدلال کیا کرتے تھے چنانچہ صلوۃ عاشورا، صلوۃ الرغائب، صلوۃ لیالی رجب و شعبان کی فضیلت میں جسقدر حدیثیں ہیں، سب موضوع ہیں، اور ان کے متعلق ملا علی قاری لکھتے ہیں،

ولا تغتر بذکرھا فی قوت القلوب احیاء العلوم، اس سے دھوکا نہ کھانا کہ وہ قوت القلوب اور احیاء العلوم میں مذکور ہیں،

غرض متاخرین صوفیہ نے تحریف میں اس قدر کمال پیدا کر لیا تھا، کہ جس علم کو چاہتے تھے، تصوف کے قالب میں ڈھال لیتے تھے، یا یہ کہ خود متاخرین کا تصوف ہی اسقدر لچکدار چیز تھا کہ ہر علم کے قالب میں ڈھل جاتا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن و حدیث سے گذر کر صرف و نحو کی کتابوں میں بھی صوفیانہ حقائق نظر آنے لگے، چنانچہ مولینا غلام علی آزاد نے مآثر الکرام

میں کافیہ کی تین شرحوں کا ذکر کیا ہے، جو صوفیانہ انداز میں لکھی گئی تھیں، انکے اصلی الفاظ یہ ہیں،

"واز نوادر تصانیف او شرح کافیہ ابن حاجب است بطور حقائق تا بحث غیر منصرف"

اسکے بعد لکھتے ہیں:-

"مخفی نماند، که دو شرح دیگر بعبارت عربی و فارسی تا بحث غیر منصرف بطور حقایق در نظر فقیر رسیدہ نام شارح عربی میر ابو البقا ست، و نام شارح فارسی ملا موہن بہاری"

ان میں پہلی شرح کا نمونہ یہ ہے:-

الکلمۃ لفظاً ای ملفوظۃ علی السنتنا وملحوظۃ نقلوبنا ومحفوظۃ بہ بواطننا یعنی کلمۂ توحید در مرتبہ اقرار از زبانہاے ما ملفوظ است، و در مرتبہ تصدیق دلہاے مارا ملحوظ و در مرتبہ احوال باطنہاے ما ازو محفوظ"[1]

لیکن با این ہمہ بہت سے علوم و فنون تصوف کے احسانات سے گرانبار بھی ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے،

۱- **فارسی شاعری،** اس میں کیف و اثر صرف تصوف کی بدولت پیدا ہوا ہے، اور اسکو تمام نقادان شعر نے تسلیم کیا ہے، مولانا حالی اپنے دیوان کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:-

"غزل کو جن لوگوں نے چمکایا اور مقبول خاص و عام بنایا ہے، یہ وہ لوگ تھے، جو آج تک اہل اللہ اور صاحب باطن یا کم سے کم عشق الٰہی کا راگ گانے والے سمجھے جاتے ہیں، جیسے سعدی، رومی، خسرو، حافظ، عراقی، مغربی، احمد جام، اور جامی وغیرہم،"

مولانا شبلی شعر العجم میں لکھتے ہیں:-

"فارسی شاعری اسوقت تک قالب بے جان تھی، جب تک اس میں تصوف کا عنصر شامل نہیں ہوا، شاعری اصل میں اظہار جذبات کا نام ہے، تصوف سے پہلے جذبات کا سرے

---

[1] ماثر الکرام جلد اول ص ۲۱ و ۲۲،

وجود ہی نہ تھا، تصوف کا اصلی مایہ خمیر عشق حقیقی ہر جو سرتاپا جذبہ اور جوش ہے،،

عاشقانہ جذبات کے علاوہ تصوف کی بدولت فارسی شاعری کو جو سرمایہ مضامین ملا، وہ حسب ذیل ہی:

(۱) صوفیانہ مسائل، (۲) علم کلام کے مسائل، (۳) فلسفۂ اخلاق، (۴) فلسفیانہ نکات،

اس کے علاوہ اور بھی مختلف حیثیتون سے، زبانُ محاورات، اور خیالات پر تصوف کا اثر پڑا،

۲۔ **علم کلام** کا بہترین ذخیرہ جو موجودہ دور میں کام آسکتا ہے، تصوف ہی کی بدولت مسلمانوں کے ہاتھ آیا، امام رازی، امام غزالی، راغب اصفہانی، اور شاہ ولی اللہ صاحب نے عام شاہراہ سے الگ ہوکر علم کلام کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، وہ سب تصوف ہی کے بتائے ہوئے حقائق و اسرار ہیں، جسکی نسبت مولانا شبلی الکلام مین لکھتے ہین کہ

آب جدید علم کلام کے مرتب کرنے والے کا یہ کام ہے کہ ان بزرگون نے جن خزانوں کو سربمہر رکھا تھا، اون کو وقف عام کردے،،

۳۔ **فلسفۂ اشراق**، تصوف ہی کی بدولت مسلمانون میں پھیلا، اور اس کو صوفیوں ہی کی وجہ سے حسن قبول حاصل ہوا، شیخ الاشراق متاخرین کے تصوف کی وسعت کے لحاظ سے صوفی تھے، اور انہین نے مسلمانون میں فلسفۂ اشراق کی اشاعت کی، شیخ محی الدین ابن عربی کا فلسفہ بھی درحقیقت اشراقیوں ہی کا فلسفہ ہو، چنانچہ صاحب دبستان المذاہب لکھتے ہین:۔

کلام شیخ محی الدین ابن عربی با حکمت اشراق موافق است[1]؛

۴۔ **فلسفۂ اخلاق** کی ترتیب و تدوین بھی صوفیون کا سب سے بڑا کارنامہ ہے، جو اگرچہ مختلف حیثیتون سے قابل تنقید ہے، تاہم ابن مسکویہ نے تہذیب الاخلاق میں یونانی فلسفۂ اخلاق پر جو کچھ لکھا ہی، وہ صوفیانہ اخلاق کے بحر زخار کے سامنے ایک قطرے کی بھی حیثیت نہیں رکھتا،

۵۔ **علم اسرار الدین** بھی تصوف ہی کی بدولت وجود میں آیا، یا کم از کم اس علم کے مقدمے تصوف

---

[1] دبستان المذاہب ص ۳۲۴،

ہی کی بدولت کھلے،

۹۔ **ملفوظات ومکتوبات** جو صوفیوں کی طرف منسوب ہیں، وہ بھی مختلف علوم و فنون کی ان گنت گتھیوں کو سلجھاتے ہیں، اور اہلِ نظر کے لئے ان میں دلچسپی کے بڑے سامان ہیں،

۱۰۔ **مخلوقات ومصنوعات** الٰہی کے مصالح و فوائد کی تشریح میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں، وہ بھی تصوف ہی کی پیداوار ہیں،

انشاءاللہ ہم مختلف اوقات اور مختلف مضامین میں ان علوم پر نقد و تبصرہ کرتے رہیں گے جس سے معلوم ہو سکے گا، کہ عملی حیثیت سے تصوف کا پہلو جس قدر تاریک ہے، اسی قدر علمی حیثیت سے اوس کا چہرہ روشن ہے،

جنوبی ہند کے ایک مشہور ذی علم خاندان کا ذخیرۂ کتب

کتبخانۂ سعیدیہ حیدرآباد دکن،

(از جناب محمد غوث صاحب، ایم اے، ال ال بی، حیدرآباد دکن)

گذشتہ ماہ رجب میں "کتب خانۂ سعیدیہ" کے نام سے حیدرآباد دکن میں ایک خاص علمی ادارہ کا افتتاح عمل میں آیا ہے، علمی دنیا سے اس کو متعارف کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے، کیفیت ذیل اسی مقصد سے مرتب کی گئی ہے،

مفتی محمد سعید خان مرحوم کتب خانہ کا نام مفتی محمد سعید خان مرحوم کے نام سے منسوب ہے، مرحوم سے حیدرآباد اور جنوبی ہند کے ارباب علم بخوبی واقف ہیں، مفتی صاحب مرحوم کا علوم ظاہر و باطن میں کمال اور ان کے مذہبی شغف اور تقدس نے ان کا نام زندۂ جاوید بنا دیا ہے، ۱۳۱۲ھ میں جب ان کا انتقال ہوا تو سرکار نظام نے جریدۂ اعلامیہ کے ذریعہ یہ امر تسلیم فرمایا تھا کہ "عہدۂ افتا کو ان کی ذات سے اعزاز حاصل تھا"

کتبخانہ کے متعلق کیفیت قلم بند کرنے سے قبل نامناسب نہ ہوگا، اگر مفتی صاحب مرحوم کے اجداد کے حالات بھی مختصراً قلم بند کئے جائیں،

آبا و اجداد مفتی محمد سعید خان مرحوم کا خاندان ان عربی النسل خاندانوں میں سے ہے، جنھوں نے براہ راست عرب سے سواحل ہند میں توطن اختیار کیا، جنوبی ہند میں اس خاندان کو جو علمی اور مذہبی وجاہت حاصل ہے وہ مماثل ہے اس وجاہت کے جو دہلی میں مولانا شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کے ممتاز خاندان کو حاصل ہے، مفتی صاحب

کے خاندان کو یہ خاص شرف حاصل ہے کہ مسلسل سترہ پشتون سے ان کا یہ خاندان جنوبی ہند میں مذہب و علم کی خدمت گذاری میں مصروف ہے،

مخدوم اسحٰق | خاندان کے جدِ اعلیٰ مخدوم اسحٰق کے جو کچھ حالات موجود ہیں، ان سے ظاہر ہے کہ اشاعتِ اسلام ان کا خاص مشغلہ تھا، ان کی تیسری پشت میں قاضی احمد تھے، قاضی احمد کی اولاد میں مولانا حبیب اللہ بیجاپوری ایک مشہور عالم اور شاہ صبغۃ اللہ بیجاپوری کے خلیفۂ اعظم تھے،

قاضی محمود | قاضی احمد کے فرزند قاضی محمود جن کی اولاد میں مفتی محمد سعید خاں بھی ہیں، عادل شاہی دورِ حکومت میں گوا کے قاضی تھے، مولانا جامی قدس سرہٗ کے یہ معاصر تھے اور دونوں میں سلسلۂ مکاتبت جاری تھا،

نظام الدین احمد کبیر | قاضی احمد کے پوتے نظام الدین احمد کبیر کو علم حدیث سے خاص شغف تھا، انھون نے شیخ عوض بن سقاف سے سندِ حدیث حاصل کی تھی، یہ سلسلہ ہندوستان کے متعارف سلسلون سے علٰحدہ ہے، اس سلسلہ کی بنا پر اجازت و سند حدیث کا تسلسل خاندان میں ڈھائی سو سال سے ابًا عن جدٍ چلا آرہا ہے جو ایک خاص خصوصیت ہے،

نظام الدین احمد کبیر کی اولاد میں مولانا محمد حسین قادری امام المدرسین، مشہور مدرسہ بیدر کے ایک نامور استاد گذرے ہیں،

نظام الدین احمد صغیر | نظام الدین احمد صغیر، جو نظام الدین احمد اول کے پوتے تھے، ارکاٹ میں داروغۂ عدالت کی خدمت پر مامور تھے، ان کی تصانیف میں ایک عربی رسالہ "ابناء الاذکیاء بتحبیب الطیب والنساء الی سید الانبیاء" محققانہ رسالہ ہے،

محمد غوث شرف الملک | ان کے پوتے مولانا محمد غوث شرف الملک، دیوان ریاست کرناٹک مدراس کے ایک مشہور اور ممتاز فرد گذرے ہیں، مولانا شرف الملک علامہ بحر العلوم کے ارشد تلامذہ میں شامل تھے، انکی ایک تالیف نثر المرجان فی رسم خط القرآن ضخیم جلدوں میں اپنے فن کی بے مثل کتاب ہے، یہ کتاب مجلس اشاعت العلوم

حیدر آباد نے طبع اور شائع کی ہے،

مولانا عبدالوہاب اور قاضی بدر الدولہ مولانا شرف الملک کے دو فرزند تھے، بڑے فرزند مولانا عبدالوہاب، مدار الامرا، دیوان ریاست کرناٹک، فن رجال کے مستند مولف ہین، چھوٹے فرزند مولانا صبغۃ اللہ، قاضی بدر الدولہ ہین، قاضی صاحب نے اگرچہ معقولات کی بھی تکمیل کی تھی، لیکن ان کو اصلی ذوق مذہبی علوم سے تھا، بلند پایہ مؤلف کی حیثیت سے انھون نے اپنا نام یادگار چھوڑا ہے،

مفتی محمد سعید خان حیدرآباد میں مفتی محمد سعید خان مرحوم، قاضی بدر الدولہ کے ہی فرزند ہیں، مفتی صاحب ۱۲۸۶ھ میں نواب سرسالار جنگ اول کی طلبی پر حیدر آباد آئے اور عدالت کے مختلف اعلیٰ عہدون پر کام کیا،

خاندانی کتب خانہ مفتی صاحب مرحوم کو کتابون سے جو انتہائی شغف تھا اس کی زندہ یادگار ان کا یہ بے مثل کتب خانہ ہے،

واضح ہو کہ مفتی صاحب مرحوم کا کتب خانہ خاندانی کتب خانوں کا ایک حصہ ہے، خاندان کے موجودہ کتب خانون کی بنا قاضی محمود مرحوم نے قائم کی تھی ۱۰۹۵ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے، قاضی صاحب سے قبل کتابوں کا جو ذخیرہ مہیا تھا وہ کسی ندی کے عبور کرتے وقت طغیانی سے تلف ہوگیا، اس نقصان کے بعد قاضی صاحب نے از سر نو کتابون کی فراہمی کا بیڑا اٹھایا، ان کے بعد سے آج تک خاندان مین کتابیں برابر جمع ہوتی آئی ہین، کتب خانہ سعیدیہ بھی اسی قسم کی کوشش کا ایک نمونہ ہے،

مفتی محمد سعید خان مرحوم نے اپنا نایاب اور قیمتی کتب خانہ اپنے نواسے مولوی محمد غوث مرحوم کو دیدیا تھا، مولوی محمد غوث مرحوم، جن کا دو ایک سال قبل طاعون میں انتقال ہوا، اس امر کے کوشان تھے کہ اس کتب خانہ سے استفادۂ عام کا انتظام کرین، لیکن اول تو مالی مشکلات سے مجبور تھے، پھر اجل آگئی، ان کے انتقال کے بعد یہ احساس قوی تر ہوگیا کہ ان کے علمی خزانہ کی حفاظت اور ارباب علم کی لئے اس سے استفادہ کا انتظام، علوم اسلامیہ کی بہترین خدمت گذاری ہے، مرحوم کی بیوہ اہدان کی

کمسن لڑکی کو اس علمی اور خاندانی یادگار کو اپنے سے جدا کرنا کسی طرح پسند نہیں ہے، ان کے بڑے ایثار اور فراخ دلی کی بدولت اور مرحوم کے برادر نسبتی و ہمشیر زادہ مفتی صاحب، حافظ عبد العظیم صاحب کی ان تھک محنت اور سارے مصارف کی بجا آوری کی ذمہ داری لینے کی وجہ سے اب اس گنجِ علم سے استفادہ عام آسان ہوگیا ہے،

کتابوں کے اقسام کتب خانہ سعیدیہ میں جو کتابیں جمع ہیں وہ تین قسم کی ہیں،

۱- ارکانِ خاندان کی تالیفات،

۲- ارکانِ خاندان کی نقل کردہ کتابیں،

۳- ارکانِ خاندان کی خرید کردہ کتابیں،

خاندانی تالیفات ۱- طغیانی میں کتابوں کا ذخیرہ تلف ہو جانے کے بعد قاضی محمود نے تالیفات کا سلسلہ بھی شروع کر دیا، ان کے فتاویٰ کا مجموعہ اس سلسلہ کی پہلی کڑی ہے، ان کے فرزند قاضی رضی الدین مرتضیٰ نے "تحفۃ الحقیر" نامی کتاب فن معانی و بیان میں مرتب کی ہے، اور خود ان کے ہاتھ سے ۹۹۰ھ میں لکھا ہوا نسخہ اس کتب خانہ میں موجود ہے،

بعد ازاں ہر نسل میں اربابِ خاندان نے جن میں خود مفتی محمد سعید خان مرحوم بھی شامل ہیں، عربی، فارسی، اردو اور دیگر السنہ میں حدیث، فقہ، سیرت، عقائد، کلام، تاریخ، اخلاق، ہیئت، تجوید، ادب، صرف و نحو، کتب سماوی وغیرہ مختلف علوم پر مسلسل کتابیں تالیف کی ہیں، ان کی مجموعی تعداد چار سو سے متجاوز ہے، بعض کتابیں تو طبع ہوگئی ہیں، لیکن بڑا حصہ غیر مطبوعہ ہے، اس قسم کی اکثر کتابوں کے مسودے یا اصلی نسخے یا نقلیں اس کتب خانہ میں محفوظ ہیں، تفصیل موجب تطویل ہے،

اکابر خاندان کی مہیا کردہ کتابیں ۲- اکابر خاندان کی نقل کردہ کتابیں،

خاندان کے اصحاب علم نے ۱۲ پشت سے کتابوں کے ہزارہا صفحے خود اپنے ہاتھ سے نقل کئے ہیں،

جہاں کہیں ان کو جانے کا موقع ملا وہاں انھوں نے کتابوں کی نقل میں اپنے وقت کا بہت بڑا حصہ صرف کیا، اس نوعیت کی فی الوقت ۲۱۶ کتابیں کتب خانہ میں مخزون ہیں، ان کتابوں کی خود ناقلوں نے بعد نقل نسخۂ منقول بہا سے مقابلہ کرکے تصحیح بھی کی ہے، فن واری تعداد ذیل میں درج کیجاتی ہے،

نمبر	فن	تعداد	نمبر	فن	تعداد
۱	تفسیر،	۴	۱۵	طب،	۱
۲	تجوید،	۱	۱۶	ادعیہ،	۵
۳	حدیث،	۳۶	۱۷	اخلاق،	۳
۴	اصولِ حدیث،	۱	۱۸	ادب،	۶
۵	سیرت،	۲۲	۱۹	بلاغت،	۲
۶	رجال،	۱	۲۰	عروض،	۲
۷	فقہ،	۹	۲۱	صرف،	۹
۸	فرائض،	۱	۲۲	نحو،	۱۴
۹	اصول فقہ،	۱	۲۳	لغت،	۲
۱۰	کلام،	۲۸	۲۴	تاریخ،	۵
۱۱	حکمت،	۱	۲۵	تذکرہ،	۴
۱۲	اصطرلاب،	۲	۲۶	مناقب،	۸
۱۳	ہیئت،	۵	۲۷	تصوف،	۱۴
۱۴	منطق،	۹	۲۸	متفرقات (مثل رسم الخط وغیرہ)	۱۸

بعض بزرگوں کے نام مع ان کے مخطوطات کی تعداد کے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں،

۱۔ نظام الدین احمد بن حسین لطف اللہ (ابتدائی بارھویں صدی میں انتقال ہوا ہی) ۲۸ مخطوطات

۲- نظام الدین احمد بن محمد عبداللہ المتوفی ۱۱۹۴ھ	۳۲ مخطوطات
۳- محمد غوث شرف الملک بن ناصر الدین محمد المتوفی ۱۲۴۶ھ	۲۸ "
۴- صبغۃ اللہ قاضی بدر الدولہ بن محمد غوث المتوفی ۱۲۸۰ھ	۴۴ "
۵- مفتی محمد سعید خاں بن قاضی بدر الدولہ المتوفی ۱۳۱۲ھ	۲۴ "

اس موقع پر اس امر کا اظہار بھی بے موقع نہیں کہ اکثر ارباب خاندان کو کوئی ناقص کتاب دستیاب ہوتی، تو اس کی تصحیح کر لیجاتی، اگر کتاب فہرست مضامین سے معرا ہوتی تو اکثر اس کی بھی تکمیل کر لیجاتی اسی طرح سیاہی خوردہ صفحات کو از سرنو لکھ لینا، کرم خوردہ مقامات پر الفاظ کا تکملہ وغیرہ، غرض کتاب کو درست اور مکمل بنانے میں وہ سب امور عمل میں لائے جاتے جن کی ضرورت محسوس ہوتی،

اس وقت بزرگان خانداں کے چند مخطوطات کی مختصر تفصیل نامناسب نہ ہوگی،

۱- شرح قصیدہ بردہ تالیف علامہ محلی بخط احمد بن خلیل اللہ ۹۶۳ھ،

۲- ترجمہ فارسی چہل حدیث بخط خلیل اللہ بن عطاء اللہ بن احمد در ۹۸۴ھ،

۳- الکافیہ تالیف ابن الحاجب بخط نظام الدین احمد بن حسین لطف اللہ ۱۰۵۳ھ،

۴- شرح الحکم العطائیہ، تالیف ابو عبداللہ المالکی بخط نظام الدین احمد بن حسین لطف اللہ ۱۰۹۶ھ،

۵- حکم العرفانیہ فی اقتباسات القرانیہ تالیف شیخ علی متقی بخط محمد عبداللہ بن نظام الدین احمد ۱۱۴۳ھ،

۶- مناقب الامام الشافعی تالیف الرازی بخط نظام الدین احمد بن محمد عبداللہ ۱۱۴۳ھ،

۷- لطائف الاعلام باشارات اہل الالہام تالیف عبدالرزاق القاشانی بخط نظام الدین احمد بن محمد عبداللہ ۱۱۶۱ھ،

۸- عوارف المعارف تالیف شیخ شہاب الدین السہروردی بخط نظام الدین احمد بن محمد عبداللہ ۱۱۶۱ھ

۹- الاذکار تالیف الامام النواوی، بخط ناصر الدین محمد بن نظام الدین احمد،

۱۰۔ الصحاح (فی اللغۃ) تالیف ابو نصر الجوہری بخط محمد غوث شرف الملک بن ناصر الدین محمد ۱۲۳۲ھ،

۱۱۔ الشفا تالیف قاضی عیاض بخط صبغۃ اللہ قاضی بدر الدولہ بن محمد غوث ۱۲۷۵ھ

۱۲۔ تلخیص الحبیر فی تخریج اخبار الرافعی الکبیر تالیف ابن حجر عسقلانی بخط عبد الوہاب مدار الامرا بن محمد غوث ۱۲۶۰ھ،

۱۳۔ الموطا (امام مالک) بروایت ابو مصعب بخط مفتی محمد سعید خان بن قاضی بدر الدولہ ۱۲۷۹ھ

۱۴۔ ادب المفرد تالیف امام بخاری بخط مفتی محمد سعید خان ۱۲۷۵ھ،

۱۵۔ عمل الیوم واللیلہ بروایت ابن السنی بخط غلام محمد شرف الدولہ بن عبد الوہاب ۱۲۹۶ھ

ارباب خاندان نے جہاں کتابیں خود نقل کی ہیں، وہاں کاتبوں کو اجرت دے کر بکثرت کمیاب کتابوں کو نقل بھی کرایا ہے، مفتی محمد سعید خاں مرحوم نے تو اس کا خاص اہتمام کیا تھا، اپنی آمدنی کا بڑا حصہ وہ اس مد میں مستقل طور سے صرف کرتے رہتے تھے، اس قسم کی کتابوں کا بھی بڑا ذخیرہ کتب خانہ سعیدیہ میں محفوظ ہے، اس قسم کی بعض کتابوں کا تذکرہ نامناسب نہ ہوگا،

۱۔ الجامع لاحکام القرآن تالیف ابو عبد اللہ القرطبی، ۴ جلدوں میں تا سورۂ عنکبوت بخط محمد قاسم علی حیدر آبادی ۱۳۰۱ھ سے ۱۳۰۶ھ تک،

۲۔ التفسیر تالیف ابن حاتم پارہ ۸، ۹، ۱۰ تا آخر سورۃ الرعد بخط عبد الرحیم الکابلی در مدینہ منورہ ۱۳۱۰ھ

(اس کتاب کے چار ابتدائی اجزا مفتی محمد سعید خان کے برادر مولوی خلیل اللہ صاحب نے نقل کئے ہیں)

۳۔ الاسماء والصفات تالیف البیہقی ۱۲۹۸ھ،

۴۔ مسند امام احمد حنبل محمد قاسم علی حیدر آبادی اور ایک دوسرے صاحب کے قلم سے،

۵۔ الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ تالیف ابن حجر عسقلانی بخط محمد قاسم علی ۱۲۹۵ھ،

۶۔ شواہد التوضیح والتصحیح لمشکلات الجامع الصحیح تالیف محمد بن عبد اللہ الطائی الحاتمی بخط محمد قاسم علی

۷ - علل الواردہ فی احادیث النبویہ تالیف الدارقطنی جلد ثالث وخامس ۱۳۰۹ھ،

۸ - تہذیب الکمال فی اسماء الرجال تالیف زکی الدین المزی مکمل،

۹ - احیاء العلوم تالیف الغزالی مکمل، بخط غلام محمد بن صبغۃ اللہ (عرف محمد صاحب کاتب) ۱۲۶۳ھ در مدراس

۱۰ - عقود الزبرجد علی مسند احمد تالیف السیوطی ۱۲۹۹ھ،

غرض اس طرح نقل وکتابت کے ذریعہ اہلِ خاندان نے علومِ اسلامیہ کی مستند ترین کتابون کا بہت بڑا ذخیرہ اپنے پاس جمع کرلیا،

۳ - تیسری قسم ان کتابون کی ہے جو خرید کر فراہم کی گئی ہین، اہلِ خاندان نے کارآمد اور نایاب کتابوں کے خریدنے میں بحدِ استطاعت ہمیشہ سے توجہ کی ہے مفتی محمد سعید خان مرحوم کو بھی اس جانب بہت توجہ تھی، اور ایسے مخطوطات جو ہر کتب خانہ کے لئے سرمایۂ امتیاز ہو سکتے ہیں، انھون نے بہت جمع کئے، شیخ ابن حجر عسقلانی، علامہ عینی، علامہ سخاوی، شیخ عبد الحق دہلوی، مولانا عبد العلی بحر العلوم اور دیگر ماقبل ومابعد علماء وشیوخ وقت کی لکھی ہوئی یا ان کے پاس پڑھی ہوئی کتابین کتبخانہ مین مخزون ہین،

سب سے قدیم مخطوطہ جو کتب خانہ میں محفوظ ہے وہ تاریخ دمشق تالیف ابو القاسم علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ (ابن عساکر) المتوفی ۵۷۱ھ کا ایک حصہ ہے، جس کی کتابت ۵۶۰ھ میں عمل میں آئی ہے،

ذیل مین ہر صدی ہجری کے مخطوطات کا گوشوارہ درج کیا جاتا ہے،

چھٹی صدی ہجری	۲	مخطوطات،
ساتوین صدی ہجری	۱۱	مخطوطات،
آٹھویں صدی ہجری	۱۶	"
نویں صدی ہجری،	۳۱	"

دسوین صدی ہجری، ۷۹ مخطوطات

گیارہوین صدی ہجری، ۱۱۹ "

تین مابعد صدیوں کی کتابیں تو بہت ہیں، ان کے کسی گوشوارہ کے بیان کی کوئی خاص ضرورت محسوس نہین ہوتی،

واضح ہو کہ ان صدیوں میں لکھی ہوئی اور بھی کتابین موجود ہیں، لیکن ان پر سنہ کتابت درج نہیں ہے، لیکن ان کی تعداد اس قدر ہے کہ ہر صدی سے دوسری صدی کے مخطوطات میں جو تناسب ہے اسی اعتبار سے ہر صدی کے مخطوطات میں دو دو چار چار مخطوطات کا اضافہ ہو جائیگا،

چند نوادر اس موقع پر بعض مخطوطات کا مختصر حال قلم بند کرنا بے موقع نہ ہوگا،

۱۔ تاریخ مدینہ دمشق یہ کتاب ابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ کی تالیف ہے، یہ نسخہ ان کے فرزند قاسم نے ۵۶۰ھ میں تحریر کیا ہے، اور خود اپنے والد کے پاس اس کی قرأت کی ہے، اس قرأت مین خود قاسم کے فرزند ابو الطاہر محمد بھی شریک تھے، گویا دادا کے پاس بیٹے اور پوتے نے قرأت ختم کی ہے، علاوہ ازین کتاب پر جو تحریرات ہیں، ان سے واضح ہوتا ہے کہ ۵۶۵ھ مین خود ابن عساکر نے جامع مسجد دمشق مین ایک گروہ کثیر کو اس نسخہ کے ذریعہ درس دیا ہے، اس جماعت میں جو اصحاب شریک تھے، ان کی نام بہ نام تفصیل لکھی گئی ہے،

دوسری دو اور تحریروں سے جو کتاب پر درج ہیں ثابت ہوتا ہے کہ ابو محمد القاسم نے ۵۸۷ھ اور ۵۹۰ھ میں بہ مقام جامع مسجد دمشق دوسری دو اور جماعتوں کو درس دیا ہے، ان دونوں جماعتوں مین جو اصحاب شامل تھے، ان کے اسماء بھی تفصیل سے لکھے ہیں، اس کے علاوہ مابعد صدیوں میں دوسرے شیوخ نے بھی اس نسخہ کے ذریعہ درس دیا ہے، اس کی تفصیل موجب تطویل ہوگی،

افسوس ہے کہ نسخہ مکمل موجود نہین ہے، ۱۴۲ وین جزو سے شروع ہو کر ۱۵۰ وین جزو پر کتبخانہ

خاندان میں کتابیں ایک صاحب سے دوسرے صاحب پر جو منتقل ہوتی رہی ہیں، اس کی مثال میں اس کتاب پر تملک کی جو عبارتیں درج ہیں، ان کا نقل کرنا مناسب ہوگا،

۱۔ مامن اللہ بہ علی عبدہ عبداللہ (صدارت خان) بن صبغۃ اللہ (بدرالدولہ) سنہ ۱۲۶۲ھ،

۲۔ جناب حضرت والد (بدرالدولہ) از نزد صدارت خان خرید فرمودند من بعد در ترکہ حضرت مغفور بادشان رسیدہ در خریدی این جانب درآمد (مفتی) محمد سعید خان،

۶۔ شرح المواقف المواقف علم کلام کی معیاری کتاب ہے، قاضی عضد الدین نے ۷۶۰ھ میں یہ کتاب تالیف کی ہے، سید شریف الجرجانی نے ۸۰۷ھ میں اس پر شرح لکھی، کتب خانہ کا یہ نسخہ ۹۵۶ھ میں بمقام بلدۂ بخارا لکھا گیا ہے، نسخہ بہت صاف اور بخط خفی لکھا گیا ہے، محشیٰ بھی ہے، کتاب پر جو مہریں ثبت ہیں، وہ محو کر دی گئی ہیں،

۷۔ گلستان تالیف شیخ سعدی،

کتب خانہ کا یہ مخطوطہ اپنے خط، کاغذ، نقش و نگار، تصاویر اور جلد کے اعتبار سے ہر طرح دل نواز اور باصرہ افروز ہے، اور مشرقی ذوقِ حسن کاری کا ایک بہت ہی دل آویز شہ کار ہے، افسوس ہے کہ کاتب کا نام محو کر دیا گیا ہے، لیکن ترقیمہ کی جو عبارت اب بھی باقی ہے وہ یہ ہے،

"از کتاب خانۂ نواب مستطاب خانی صورت اتمام یافت، فی شہور سنہ ۹۸۶ھ علی ید العبد المذنب . . . . . . ابن حسین الشریف الحسینی المشہدی"

۸۔ شمائل تالیف الترمذی،

شمائل ترمذی کا یہ نسخہ وہ ہے جس کے متعلق قاضی ارتضا علی خان نے کتاب کے پہلے صفحہ پر لکھا ہے کہ "المکتوب بخط الفاضل المحقق . . . . . . الشیخ عبدالحق دہلوی" کتاب کے ترقیمہ سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی، البتہ یہ ثابت ہے کہ ۱۰۳۲ھ میں اس کی کتابت عمل میں آئی، نیز دوسرے صفحہ پر جو عبارتیں مرقوم ہیں

ان سے یہ ضرور ثابت ہے کہ شیخ نے اس نسخہ کے ذریعہ دس مرتبہ درس دیا ہے، پہلا درس سنہ ۱۲۰۲ھ میں اصحاب درس جو تھے ان کے متعلق خود اصلی عبارت ملاحظہ ہو . . . . وقد اجزت روایتہ . .

. . . . للولدین العزیزین الصالحین ابی محمد تقی الدین عبدالنبی وابی المجد جمال الدین نورالحق"۔

آخری درس سنہ ۱۲۴۶ھ میں دیا گیا ہے،

کتاب شروع سے آخر تک محشی ہے،

۹۔ شرح سلم الثبوت، تالیف ملک العلما بحرالعلوم مولانا عبدالعلی،

اس نسخہ پر مفتی محمد سعید خان نے لکھا ہے کہ یہ وہ نسخہ ہے جو مولانا کے داماد مولوی علاء الدین نے خود مولانا کے پاس پڑھا تھا، اور اپنے قلم سے اس پر حواشی چڑھائے تھے، نیز یہ لکھا ہے کہ خود مولانا بحرالعلوم نے بھی اکثر جگہ اپنے ہاتھ سے حواشی لکھے ہیں،

نسخہ کی ابتدا میں مولوی جمال الدین بنبیسہ مولانا بحرالعلوم نے لکھا ہے، کہ

" از متروکۂ والد ماجد حضرت ملک العلما، مولانا علاء الدین احمد صاحب . . . . . . است"

اس عبارت کے نیچے اپنی مہر ثبت کی ہے، نسخہ کامل اور دو جلدوں میں ہے، بعد میں مفتی صاحب نے یہ نسخہ خرید لیا، چنانچہ انھوں نے لکھا ہے کہ

" قد جاء ھذا الکتاب بید الفقیر محمد سعید بالشراء الشرعی"۔

۱۰۔ صفات العاشقین۔ (فارسی نظم) تالیف ہلالی،

کتاب کا یہ نسخہ بھی خط، کاغذ، تصاویر اور نقش کے اعتبار سے مشرقی حسن کاری کا ایک دلپسند نمونہ ہے، ترقیمہ میں ناقل نے اپنا نام نہیں لکھا ہے، صرف سنہ کتابت لکھدیا ہے جو سنہ ۹۶۶ھ ہے، آخر میں یہ عبارت درج ہے:۔

" بقیمت یک ہزار و نہ صد و چہل و پنج روپیہ بمعرفت مرزا فرخ بیگ قاقشالی در تاریخ بست و پنج

محرم الحرام ۱۳۰۳ھ جلوس والا خریدہ داخل کتاب خانہ نمودہ شد"

کتابوں کی مجموعی تعداد کتب خانہ سعیدیہ میں جو کتابیں فی الوقت موجود ہیں وہ زیادہ تر حدیث اور فقہ کی ہین، دونون علوم کی کتابون کی مجموعی تعداد ۱۰۷۴ ہے، حدیث کی کتابون کا ذخیرہ تو بہت ہی اہم ہے، حدیث، اصول حدیث، سیرت اور رجال کی کتابون کی مجموعی تعداد ۵۷۳ ہے، ان مین ۱۳۱۴ مخطوطات ہین، ان علوم کی عربی کتابون کی تعداد ۵۰۳ ہے ان میں ۴۳۴ مخطوطات ہیں، باقی علوم کے متعلق فی الوقت اس قسم کی صراحت موجب تطویل ہوگی، مختصرًا یہ کہ کتب خانہ میں جو کتابین مخزون ہین، ان کی مجموعی تعداد ۳۰۵۲ ہے ان مین تقریبًا ۸۰ فی صدی عربی ہین، مخطوطات کی تعداد ۱۹۷۳ ہے،

کتب خانہ کی فن وار فہرست مرتب کرلی گئی ہے، دوسری نوعیت کی فہرستین بھی زیر ترتیب ہین[1]

[1] کتب خانہ سے متعلق ہر قسم کی خط وکتابت ذیل کے پتہ پر کی جاسکتی ہے، مولوی عبد العظیم صاحب کتب خانہ سعیدیہ، جام باغ ترپ بازار، حیدرآباد دکن،

چینی مسلمان

آغازِ اسلام سے آجتک چین میں مسلمانوں کی جو مذہبی، اخلاقی، تمدنی، سیاسی اور اقتصادی حالت رہی ہے، اسکو خود چین کے ایک درد مند اور صاحب قلم مسلمان یعنی مولوی بدر الدین چینی نے جنھون نے ندوۃ العلماء اور جامعہ ملیہ مین تعلیم حاصل کی ہے، اور دار العلوم ندوہ میں مدرسی کے فرائض انجام دئے ہیں، اس کتاب میں نہایت تفصیل سے لکھا ہے،

مسلمانانِ ہندوستان جو اپنے چینی بھائیوں کے قدیم وجدید حالات سے بے خبر ہیں، ان کے لئے اس کتاب کا مطالعہ نہایت ضروری ہے، ضخامت ۱۴۲ صفحے، قیمت: ۱۲ "منیجر"

تاریخِ فرشتہ کا عہدِ تصنیف

از جناب سید احمد اللہ صاحب قادری حیدرآباد دکن،

تغلق نامہ اور اس کے نقاد کے عنوان سے جناب محمد باقر صاحب نسیم رنتوانی ام اے، پنجاب یونیورسٹی کا مضمون معارف (نومبر ۱۹۳۵ء) میں ہماری نظر سے گذرا، اصل مضمون سے بحث کرنا ہمارے موضوع سے خارج ہے، ہم صرف اس امر کو روشنی میں لانا چاہتے ہیں کہ تاریخِ فرشتہ کا سنہ تصنیف کیا ہے،؟

آیا وہ ۱۰۱۵ھ میں کمل ہوئی، یا

اسکے بعد بھی اس کا سلسلۂ تالیف جاری رہا،

محمد باقر صاحب نسیم نے تحریر کیا ہے، کہ تاریخ فرشتہ ۱۰۱۵ھ مین لکھی گئی، مولوی مقبول احمد صمدنی مؤلف حیاتِ جلیل نے مستشرق موہل (M. J. MOHL) کے حوالہ سے اسکی تکمیل و نظر ثانی کا سال ۱۰۲۱ھ تک متعین کیا ہے، اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ محمد باقر صاحب نسیم کے مضمون کا وہ حصہ جو فرشتہ کے عہدِ تصنیف سے متعلق ہے، ذیل میں درج کیا جائے،

"چونکہ تاریخ فرشتہ (کم از کم اسکے ابتدائی مقالے) ۱۰۱۵ھ میں تالیف ہوئی تھی، اسلئے وہ تغلق نامہ جس سے فرشتہ نے ۱۰۱۵ھ میں چار شعر نقل کئے تھے، حیاتی کاشی کا لکھا ہوا کلام نہین ہو سکتا، کیونکہ حیاتی نے تغلق نامہ میں جو کچھ لکھا، وہ فرشتہ سے چار سال بعد ۱۰۱۹ھ کی تحریر ہے"

سید ہاشمی صاحب کو گلشنِ ابراہیمی (تاریخِ فرشتہ) کی تاریخِ تالیف کا پتہ کہاں سے چلا ہے اُسے بھی فرشتہ کے قلم سے لکھا ہوا ملاحظہ فرمایئے:۔

"پس در جمع آوردن کتب ہند ساعی گشتم و از اطراف و اکناف ممالک بسیاری از نسخ بدست آوردم
و چون از ان میان نسخہ کہ جامع حالات تمامی پادشاہان ہندوستان باشد بنظر این ذرہ حقیر در نیا
مگر تاریخ نظام الدین احمد بخشی و آنہم از تحقیقات و معلومات بسیار کہ علم فقیر بدان احاطہ داشت خالی
و تہی بود، ہر آئینہ ذوق تالیف و شوق تصنیف بیش از بیش شدہ در مطالعہ کتب متقدمین باقصی
الغایۃ کوشید و خلاصہ آن کنوز را کہ مانند لآلی منثورہ متفرق بود، بہ ترتیب خاص در یک سلک کشید
برسم یادگاری درین اسرار کہ موسوم بہ گلشن ابراہیمیت درج نمودہ، دیباچہ آن مجموعہ را کہ از اقلیم
تحقیق آمدہ بود و طیلسان تصدیق بر دوش گرفتہ در سنہ خمس و عشر و الف بنام نامی پادشاہ عدالت پناہ
معارف سپاہ گوہر معدن شاہنشاہ و فروغ خاندان جہان پناہی انتخاب دیوان قضا و قدر مقدمہ
جنود فتح و ظفر موشح و مزین ساختہ تحفہ مجلس ہمایون گردانید"

یہی نہیں، بلکہ فرشتہ کتاب کے آخری سے پہلے مقالہ میں لکھتا ہے :۔

"تا زمان تحریر این کتاب کہ سنہ خمس و عشر و الف است ملیباریان از کشتہ شدن شاہ بیائی تر سیدہ"

یہ فرشتہ کے اپنے بیانات گلشن ابراہیمی کی تاریخ تالیف کے متعلق ہیں، جن سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے، کہ تاریخ فرشتہ (کم از کم اس کے ابتدائی مقالے) ضرور ۱۰۱۵ھ میں تالیف ہو چکی تھی، باقی رہا مولف کا یہ خیال کہ فرشتہ نے ۱۰۳۱ھ تک کتاب کی تکمیل و نظر ثانی جاری رکھی تھی، تو یہ فقط خیال ہی خیال ہے حقیقت سے اس کو دور کا بھی واسطہ نہیں، ......

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ گلشن ابراہیمی کی تاریخ تالیف ۱۰۱۵ھ ہی ہے، تو اس سے یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے، کہ حیاتی کاشی کے ۱۰۱۹ھ میں لکھے ہوئے شعر فرشتہ ۱۰۱۵ھ میں اپنی تاریخ میں نقل نہیں کر سکتا، بلکہ یہ شعر خسرو دہلوی کے ہی ہیں، اور چونکہ اب یہ شعر دستیاب شدہ تغلق نامہ میں موجود ہیں اسلئے یہ تغلق نامہ بھی امیر خسرو دہلوی کی تصنیف ہے،

محمد باقر صاحب نے طے کر دیا ہے، کہ تاریخ فرشتہ ۱۰۱۵ھ میں تصنیف ہوئی، اس کی تکمیل و اضافہ و نظر ثانی کے واقعات کو وہ خیالِ خام تصور کرتے ہیں،

مولوی مقبول احمد صمدنی نے اس کی تکمیل و نظر ثانی کا سال ۱۰۳۱ھ بیان فرمایا ہے، تاہم اس کی تکمیل و نظر ثانی کا سنہ بجائے ۱۰۳۱ھ کے ۱۰۳۳ھ قرار دیا جاتا ہے، لیکن یہ قطعی نہیں ہے، ممکن ہے کہ ۱۰۳۳ھ کے بعد بھی فرشتہ اسکی تالیف میں مصروف رہا ہو، جس سے ہم لاعلم ہون، تاریخ فرشتہ میں اکثر و بیشتر مقامات ایسے پائے جاتے ہین، جن کے پڑھنے سے واضح ہوتا ہے کہ حکیم محمد قاسم ۱۰۳۳ھ تک تاریخ فرشتہ کی ترمیم و ترقیم اور حک و اضافہ میں مصروف رہا، ذیل میں اکثر ایسے مقامات بجنسہ نقل کئے جاتے ہین، جن سے محمد باقر صاحب نسیم کے بیان کی مصنف فرشتہ کی تحریرات سے خود بخود تردید ہو جاتی ہے، یہ ایسا دلچسپ مسئلہ ہے کہ ارباب تاریخ کو تاریخ فرشتہ کے عہد تصنیف کی نسبت آیندہ مغالطہ نہ ہوگا، !

۱۔ سلطان علاء الدین حسن بہمنی کے حالات مین، :۔

"تا حال کہ سنہ ست عشر و الف ست (۱۰۱۶ھ)، بخلاف سائر ممالک ہند خصوصاً دفتر بادشاہان دکن و نویسندگی ولایات ایشان بہا منہ مرجوعست"،

(تاریخ فرشتہ جلد اول الفنسٹن ایڈیشن ص ۵۲۷، نولکشور ایڈیشن ص ۲۷۶)

۲۔ سلطان محمد شاہ بہمنی کے تذکرے اور سکہ جات ہنود کے سلسلے میں، :۔

"تاکنون کہ تاریخ ہجری بہ یک ہزار و شانزدہ (۱۰۱۶) رسیدہ ہمان نزد کفار درمیان مسلمانان شائع و رائج ست"،

(تاریخ فرشتہ جلد اول الفنسٹن اڈیشن ص ۵۲۸، نولکشور ایڈیشن ص ۲۸۳)

۳۔ سلطان مرتضیٰ نظام شاہ بن شاہ علی بن برہان نظام شاہ اول کے حالات مین، :۔

"در اوائل سنہ ست و عشر و الف (۱۰۱۶ھ) بفرمودہ عادل شاہ با نظام شاہ ابواب ملایمت

مفتوح داشتہ"

(تاریخ فرشتہ جلد دوم الفنسٹن ایڈیشن صفحہ ۲۲۰ نولکشور ایڈیشن صفحہ ۱۲۶)

۴۔ نظام الملک بحری کے بیان مین:۔

"تاحال کہ تاریخ ہجری بہ ہزار و ہیجدہ رسیدہ در مملکت دکن پادشاہ و گدا چتر بر سر می گیرند"

(تاریخ فرشتہ جلد دوم الفنسٹن ایڈیشن صفحہ ۱۸۶ نولکشور ایڈیشن صفحہ ۹۶)

۵۔ سلطان علی برید شاہ کے حالات مین:۔

"امیر برید نام شخصے کہ از اولادِ آن خانوادہ بود، در سنہ ثمان و عشر و الف ست دران بلدہ کام روا بودہ، چراغ برید شاہیہ روشن دارد"

(تاریخ فرشتہ جلد دوم الفنسٹن ایڈیشن صفحہ ۳۴۹ نولکشور ایڈیشن صفحہ ۱۷۷)

۶۔ شہنشاہ اکبر کی فتوحات مالوہ کے ضمن میں:۔

"از تاریخ ثمان و سبعین و تسعمائۃ تا این زمان کہ ثمان و عشر و الف است مملکت مالوہ در حوزہ دیوان پادشاہ دہلی شمردہ می شود"

(تاریخ فرشتہ جلد دوم الفنسٹن ایڈیشن صفحہ ۵۴۱، نولکشور ایڈیشن صفحہ ۲۷۵)

۷۔ حکام ملیبار کے سلسلہ مین:۔

"در سنہ تسع و عشر و الف نورالدین محمد جہانگیر پادشاہ ابن اکبر پادشاہ فرنگیان را با فرنگیان پرتگال در معتقداتِ مخالفت دارند و تشنہ خون یکدیگرند"

(تاریخ فرشتہ جلد دوم الفنسٹن ایڈیشن صفحہ ۷۰۰، نولکشور ایڈیشن صفحہ ۳۷۳)

۸۔ سلطان حسین نظام شاہ کے اذکار مین:۔

"این زمان کہ تاریخ ہجری الف و عشرین است، آثار معموری در آن جا

مرئی نمی گردد"

(تاریخ فرشتہ جلد دوم الفنسٹن ایڈیشن صفحہ ۲۵۲، نولکشور ایڈیشن صفحہ ۱۲۹)

۹۔ خواجہ محمود گاوان کی شہادت کے سلسلہ میں:۔

"...... تا زمان تحریر این حکایت کہ سنہ ثلاث وعشرین (۲۳) والف باشد، ہنوز آن عمارت ومسجد چارطاق بازار بزرگ باقیست"،

(تاریخ فرشتہ جلد اول، الفنسٹن ایڈیشن صفحہ ۶۹۳، نولکشور ایڈیشن صفحہ ۳۵۰)

۱۰۔ سلطان محمود شاہ بہمنی کے ضمن میں:۔

"تا این زمان کہ تاریخ ہجری ثلث وعشرین (۲۳) والف است بتائید آسمانی صفت دوام وبقا دارد"

(تاریخ فرشتہ جلد اول الفنسٹن ایڈیشن صفحہ ۶۹۳، نولکشور ایڈیشن صفحہ ۳۷۰)

۱۱۔ بہادر خان فاروقی کے اذکار میں:۔

"مؤلف این کتاب در سنہ ثلث وعشرین والف (۱۰۲۳) ہمراہ خواجہ حسن تربتی کہ دیوان شاہزادہ دانیال بود، بالاے قلعہ رفتہ تفرج نمودم"

(تاریخ فرشتہ جلد دوم الفنسٹن ایڈیشن صفحہ ۵۶۰، نولکشور ایڈیشن صفحہ ۲۹۰)

۱۲۔ بہادر خان فاروقی کے بیان میں:۔

"بہادر خان را اکبر پادشاہ بدار السلطنت لاہور بردہ .... تا آن کہ بعہد فرخندہ حضرت نور الدین پادشاہ ولد اکبر پادشاہ در سنہ ثلث وثلثین والف (۱۰۳۳) در دار الخلافہ آگرہ باجل موعود درگزشت"،

(تاریخ فرشتہ جلد دوم الفنسٹن ایڈیشن صفحہ ۵۶۰، نولکشور ایڈیشن صفحہ ۲۹۱)

کوبے میں موتی مسجد اور اسکی تقریب افتتاح

از

جناب نورالحسن صاحب برلاس معلم مدرسۃ السنۃ غیر ٹوکیو (جاپان)

مسلمانانِ ہند مقیم جاپان مستحق صد ستایش و اجر اخروی ہیں کہ ان کے دینی اخلاص سے جاپان مین ایک عظیم الشان مسجد کی تعمیر اختتام کو پہنچی، جو وہان مسلمانون کے لئے ایک مذہبی مرکز کے کام میں بھی آئے گی، جناب برلاس معلم مدرسۃ السنۃ غیر ٹوکیو نے اس مسجد اور اس کے افتتاح کی رسم پر ذیل کا مقالہ بھیجا ہے، جو شکریہ کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے،

"سب اڈیٹر"

مسلمانانِ ہند نے کوبے میں مسجد تعمیر کرکے اہل جاپان کے آگے فن تعمیر کا ایک نیا نمونہ پیش کیا ہے، جاپانی فن تعمیر میں خط مستقیم کا عمل ہوتا ہے، زمانۂ قدیم مین عمارت کے کسی حصے میں کوئی خم نظر نہین آتا تھا، خمیدہ خط ملک چین سے جاپان مین آیا، مگر یہ صرف اولتیوں میں گم ہو کر رہ گیا، اب جاپانی عمارتون کی خاص پہچان یہ ہے کہ اولتیان اوپر کو مڑی ہوئی نظر آتی ہین، گنبد کی گولائی عیسائی گرجاؤن کے ساتھ جاپان مین داخل ہوئی، مگر یہ کچھ زیادہ جاذب نظر ثابت نہ ہوئی، یہان گرجاؤں میں اگر کہیں گنبد ہوتے ہین تو وہ مخروطی شکل کے ہوتے ہیں، جو زیادہ خوبصورت معلوم نہین ہوتے، ترکون نے جس وضع کا گنبد ایجاد کیا، اور مغلون نے اسے جس پایۂ تکمیل کو پہنچایا وہ جاپان میں نظر نہین آتا، یہ سہرا مسلمانون کے سر ہے کہ انھون نے مسجد تعمیر کرکے جاپان میں ایک نئے فن تعمیر کا تعارف کرایا،

کوبے کی مسجد اسی سال تیار ہوئی ہے، پہاڑی کی ڈھلوان پر واقع ہے، اور دور دور سے نظر آتی ہے،

اس کے بلند مینار اور گول گنبد ہر شخص کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہین، ہندوستان مین ہم کو اپنے فن تعمیر کی خوبیون کا احساس نہین ہوتا، یہان وہی نمونہ دیکھ کر اس کی دل سے قدر ہوتی ہے۔ یہان بڑی بڑی ہفت منزلہ عمارتین موجود ہین، جو آسمان سے باتین کرتی ہین، پچھلے تیس سال مین نو دس منزلہ عمارتین بہت سی بن گئی ہین، مارونوچی بلڈنگ جاپان بھر مین سب سے بڑی عمارت ہے، گر یہ سیمنٹ کا ایک ڈھیر معلوم ہوتا ہے جس مین کوئی نزاکت نظر نہین آتی، مغربی طرز کی عمارتون کے آگے کوبے کی مسجد ایک نگینہ معلوم ہوتی ہے، جو تمام جاپان مین ممتاز ہے،

تمام مسجد مسقف ہے، عمارت سہ منزلہ ہے، اور کچھ ایسی بڑی نہیں جو اپنی عظمت سے دلون کو مرعوب کر سکے، نیچے کی منزل میں کوئی پونے دو سو آدمی نماز پڑھ سکتے ہین، اندر اتنی گنجایش نہیں ہے جتنی باہر سے بڑی معلوم ہوتی ہے، اور یہ امر خود فن تعمیر کی ایک خوبی ہے، باہر سے بہت خوبصورت نظر آتی ہے، آگے کونوں پر دو مینار ہین، جن کی چوٹی پر برجیان بنی ہوئی ہین بیچ میں ایک بڑا گنبد ہے، اور پیچھے دو چھوٹی سی برجیان، مینارون کی نزاکت، برجیون کی لطافت اور گنبد کی گولائی دلون کو مسخر کرتی ہے، عمارت پر مردنی پیدا کرنے والے سیمنٹ کے مٹیالے رنگ کے بجائے صندلی رنگ ہے، جو دل میں فرحت پیدا کرتا ہے، اس پر سفید گنبد اور برجیان سونے پر سہاگہ کا کام دیتی ہین، مینار کی جڑ سے چوٹی کی طرف نظر جاتی ہے تو بیچ مین کٹہرے نظر آتے ہین، جو یکسانی کو رفع کرتے ہین، تمام اجزا اس قدر متناسب ہیں کہ بڑا پیارا منظر پیدا کرتے ہیں، اندر سفید پلاسٹر ہے، مگر اس سے آنکھون مین چکاچوندھ پیدا نہین ہوتی، دیوارون میں شربتی رنگ کے شیشے کی کھڑکیان ہیں، جو روشنی کو مدھم کر دیتی ہین، اس سے ایک عجیب روحانی کیفیت پیدا ہوتی ہے، آرایش کی عدم موجودگی نہایت دلفریب سادگی پیش نظر کرتی ہے، دیوارین بالکل صاف ہین، کہین کہین برقی دیوارگیریان لگی ہوئی ہین، اور بیچ میں جھاڑ آویزان ہے، آرایش کا صرف ایک عنصر ہے، یہ محراب ہے جو سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے، اور بہت خوبصورت اور نازک تراشی گئی ہے،

منبر بھی سنگ مرمر کا ہے، مگر یہ بالکل سادہ ہے، محراب کے اوپر سنہری حروف میں "اللہ" اور اس کے نیچے کلمہ لکھا ہوا ہے، چھت بہت بلند ہے جس سے ہال کی شان نکل آتی ہے،

مسجد کی عمارت فی الجملہ ایسی دلفریب ہے کہ شہر کوبے کے لئے زینت بن گئی ہے، بلکہ تمام جاپان میں نمایاں درجہ رکھتی ہے، یہاں اس کی وہی حیثیت ہے جو آگرے کے قلعے مین موتی مسجد کی ہے، اسی بنا پر یہ اپنی نزاکت اور خوبصورتی کے لحاظ سے موتی مسجد کہلانے کی مستحق ہے،

مسجد کی تعمیر مین بہت دور اندیشی سے کام لیا گیا ہے، تمام ضروریات کا انتظام ہے، پھاٹک شمالی جانب ہے، اسی کی مناسبت سے مینار شمالی جانب اور برجیان جنوبی جانب ہیں شاید اسلامی نقطہ نظر سے اسے نقص کہا جائے مگر یہ کسی طرح درست نہین، کیونکہ اولاً عمارت کی خوبی کے آگے اس کا کسی کو احساس بھی نہین ہوتا، پھر اس سے کوئی ہرج بھی نہین، بلکہ قبلہ قائم کرنے میں مینار پرستی کی اہمیت نظر انداز ہو جاتی ہے، یہ صورت قطع زمین کی وجہ سے پیش آئی ورنہ رخ بدل کر تعمیر کرنے میں خود عمارت کی موزونیت مین نقص واقع ہو جاتا، احاطے مین مسجد کے تین جانب خالی جگہ پڑی ہوئی ہے، مگر اتنی گنجایش نہین کہ باغچہ لگایا جا سکے، سامنے کے رخ سرو کے درخت لگے ہوئے ہین، جو عمارت کی خوبی کو دوبالا کر دیتے ہین، اسی رخ شاندار دروازہ ہے، ڈیوڑھی مین جوتے اتارنے کا انتظام ہے، اور ان کے لئے ایک خانے دار الماری رکھی ہوئی ہے، فرش پر چلنے کے لئے کپڑے کے سلیپر ہین، پہلی منزل میں ایک مربع ہال ہے، اور اس کے آگے دالان جس میں دو صفین کھڑی ہو سکتی ہین، دوسری منزل مین ہال کے اوپر جگہ خالی ہے جس سے چھت بلند ہو جاتی ہے، اور دالان کے اوپر گیلری بنی ہوئی ہے، جہان عورتین نماز پڑھتی ہین، تیسری منزل میں بہت وسیع ہال ہے، یہان مصلی کی جگہ چھت میں بڑا سوراخ ہے کہ قرأت کی آواز اوپر پہنچ سکے، تینوں منزلوں مین چٹائی کا فرش ہے، آیندہ روپیہ فراہم ہونے پر پہلی اور دوسری منزلون میں دری کی جانماز بچھانے کا ارادہ ہے، ابھی کوبے میں اتنے مسلمان نہین ہیں کہ تیسری منزل

میں جانماز بچھانے کی ضرورت ہو، یہاں میزاور کرسی کا فرش لگانے کا ارادہ ہے، کہ یہ کمرہ جلسہ گاہ کے طور پر کام دے سکے، پہلی منزل کے نیچے تہ خانہ ہے، یہاں لمبی لمبی میزین لگا کر کھانے کا کمرہ بنانے کا ارادہ ہے، فی الوقت فرنیچر سے بالکل معرا ہے، چارون منزلون میں جاڑے مین کمرے گرم رکھنے کا انتظام ہے، دونوں میناروں کے اندر سیڑھیان بنی ہوئی ہین، اوپر سے بندرگاہ کا منظر دور تک نظر آتا ہے، آجکل مغربی مینار پر اذان دیجاتی ہے، گنبد کے گرد برقی قمقمون کا ایک حلقہ بنا ہوا ہے، ایسے ہی حلقے میناروں کے گرد بنے ہوئے ہین، مینارون اور گنبد کے کلس پر نیلے رنگ کی روشنی کے ہلال لگے ہوئے ہین، خاص خاص موقعوں پر روشنی کیجاتی ہے، تورات کو دور سے گنبد اور مینار روشن نظر آتے ہین، اور ہلال چمکتے دکھائی دیتے ہیں، ہر جمعرات کی شب کو بھی چراغان کیا جاتا ہے،

مسجد کے جنوبی جانب ایک سہ منزلہ عمارت تعمیر کیگئی ہے، یہ مسجد سے بالکل الگ ہے، مگر مسجد کی پہلی اور دوسری منزل سے اس میں آمد ورفت کا راستہ ہے، اس عمارت میں بہت سے کمرے ہین، پہلی منزل میں ایک کمرہ جاروب کشون کی قیام گاہ ہے، باقی کمرے نمازیوں کی ضروریات کے ہیں، جنین لباس خانہ، وضو خانہ، پیشاب خانہ، پاخانہ، غسلخانہ اور باورچیخانہ شامل ہیں، غسلخانے میں گرم پانی کا جاپانی ٹب ہے، باورچیخانے کا دروازہ تہ خانے کے مقابل ہے کہ کھانا لیجانے میں آسانی ہو، دوسری منزل میں ایک کمرہ مسجد کمیٹی کے دفتر کے لئے مخصوص ہے، باقی کمرون میں مدرسہ ہے، جس میں میز کرسی کا فرنیچر ہے، اس میں تاتاری لڑکے ابتدائی مدارس کی تعلیم پاتے ہین، پیش امام کے ساتھ ایک تاتاری لڑکی اس میں پڑھاتی ہے، جو انگریزی خوب بولتی ہے، تیسری منزل میں پیش امام اور مؤذن کے لئے الگ الگ کمرے ہیں، ان کا باورچیخانہ وغیرہ بھی اسی منزل پر ہے، ان کے علاوہ ایک دو کمرے خالی پڑے ہیں، پیش امام کے اور مدرسے کے کمرون کے علاوہ کسی کمرے میں فرنیچر نہیں ہے،

اس قدر ضروریات فراہم کرنے کے باوجود مجھے ایک کمی نظر آتی ہے، ضرورت ہے کہ مسجد کے متعلق

ایک کتب خانہ اور دارالمطالعہ ہو جہان نہ صرف مسلمان اپنی علمی پیاس بجھا سکین، بلکہ دیگر اصحاب بھی اسلام کی معلومات حاصل کر سکین،

مسجد کے خدمتگزارون مین کئی اقوام کے لوگ شامل ہین، ٹرسٹیون کے بورڈ اور انتظامی بورڈ میں ہندوستانی اور تاتاری شامل ہین، پیش امام تاتاری ہین، موذن مصری ہین، جاروب کش دو جاپانی ہین، ایک مرد اور ایک عورت،

مدرسے کا صرفہ تاتاریون کے ذمہ ہے، البتہ مکان مفت ہے، اور پیش امام کو مسجد سے تنخواہ ملتی ہے، کرایہ مکان کی معافی اور پیش امام کی خدمات گویا تاتاری مدرسے پر مسجد کی عنایت ہے، تاتاری اس عنایت کے مستحق بھی ہین، کیونکہ اُن کی مالی حالت ہندوستانیون کے مقابلے کی نہین،

مسجد کی تعمیر کا خیال اٹھانے کا سہرا مسٹر بوچیا کے سر ہے، انھون نے یہ تجویز مسلمانون کے سامنے پیش کی، اور جناب احمد صاحب مرحوم کو ساتھ ملا کر کئی برس تک استقلال سے چندہ جمع کرتے رہے، ان کی سرگرمی دیکھ کر جناب فیروز الدین صاحب نے سرپرستی فرمائی، حقیقت یہ ہے کہ ان کی مالی امداد شامل حال نہ ہوتی، تو ایسی شاندار مسجد ظہور پذیر نہ ہو سکتی، مسجد مین بہتر ہزار ین کی لاگت آئی ہے، اس مین جناب فیروز الدین صاحب کا چندہ انتالیس ہزار ین ہے، یعنی نصف سے زیادہ رقم ان کا عطیہ ہے، کوبے کی دیگر مسلمان کوٹھیون نے معقول امداد دی ہے، رنگون، کلکتہ اور بمبئی کے تجار سے بھی بہت چندہ وصول ہوا ہے، کچھ رقم کوبے کے تاتاریون نے بھی دی ہے، اور انھون نے اپنے مقدور بھر امداد کی ہے، واقعہ یہ ہے کہ تجار نے مسلمانون کی قدیم روایت کو زندہ کیا ہے، دنیا کے اکثر ممالک میں مسلمان تاجرون کے ذریعہ سے اسلام پھیلا ہے، جاپان میں بھی انھی نے پہلا قدم اٹھایا ہے،

اسی رقم سے تعمیر مسجد کے ساتھ ساتھ اس کے اخراجات کے لئے کچھ جائداد کوبے مین خریدی گئی ہے، اس سے اتنی آمدنی ہوتی ہے کہ ٹیکس ادا کرنے کے بعد ایک سو ین ماہوار بچ رہتے ہین، اگر یہ رقم مسجد کے

خرچ کے لئے کافی نہین، اس ضرورت کو دیکھ کر جناب فیروز الدین صاحب نے ایک سال تک ایک سو ین ماہوار دینے کا وعدہ کیا ہے، مسجد کا ماہوار صرفہ ڈیڑھ سو اور دو سو ین کے درمیان ہے،

مسجد کا سنگ بنیاد نومبر ۱۹۳۴ء میں رکھا گیا، اس تقریب مین دیگر معززین کے علاوہ سفیر افغانستان بھی تشریف لائے تھے مسجد میں پہلی نماز بتاریخ ۲ اگست ۱۹۳۵ء بروز جمعہ ادا ہوئی اور تقریب افتتاح بتاریخ ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۵ء بروز جمعہ عمل میں آئی، تقریب افتتاح کی تیاریاں کئی مہینے سے ہو رہی تھیں، اسی سلسلے مین مسجد کمیٹی نے ایک بہت مفید تجویز منظور کی، کہ جلسۂ افتتاح میں اسلام کے متعلق ایک پمفلٹ تقسیم کیا جائے، جس کے لئے مقتدر مسلمانوں سے مضامین لکھوائے جائیں، چنانچہ پچاس صفحے کی ایک خوبصورت مجلد کتاب چکنے کاغذ پر انگریزی میں طبع کرا کے یادگار کے طور پر جلسے مین تقسیم کی گئی جس میں خاکسار کا بھی ایک مختصر مضمون اخوت اسلامی پر شامل ہے، یہ کتاب جاپانی کتب خانون اور دیگر ادارون میں بھیجی جارہی ہے، دیگر ممالک کے کتب خانون میں بھی بھیجنے کا ارادہ ہے،

افتتاحی جلسے کا انتظام بہت بڑے پیمانے پر کیا گیا، آٹھ سو دعوتی رقعے روانہ کئے گئے تھے مدعوئین میں جاپانی گورنمنٹ کے وزراء و اعلیٰ عہدہ دار، کئی سلطنتوں کے سفراء جن میں ترکی، ایران و افغانستان بھی شامل ہین، کوبے میں جاپانی گورنمنٹ کے عہدہ دار، مختلف دول کے قونصل اور تمام اقوام کے معززین شامل تھے، اتفاق سے توکیو مین وزیر جنگ کی جانب سے ۱۰ اکتوبر کی شب کو دعوت تھی، اس وجہ سے توکیو کے معززین افتتاحی جلسے مین شریک نہ ہوسکے، البتہ کوبے کے عہدہ دار اور قونصل موجود تھے، ان مین برطانوی اور مصری قونصل، صدر میونسپلٹی کوبے اور دیگر محکمون کے افسران اعلیٰ قابل ذکر ہین، ان میں دو سوا دو سو ہندوستانی اور روسی مسلمان مرد و عورت موجود تھے، دیگر مہمانون میں تقریباً ڈیڑھ سو ہندوستانی اور باقی جاپانی و یورپین و امرکن اصحاب شامل تھے، پورا بین الاقوامی جلسہ تھا، اس جلسے کی شرکت کے لئے چین اور منچوکوؤ تک سے مسلمان آئے تھے،

جلسے کے قبل مہمانون کو مسجد دکھانے کا انتظام کیا گیا تھا، سب نے مسجد دیکھی، اور کوئی ایسا نہ ہوگا جسکی زبان پر کلمۂ تحسین نہ ہو، غیر مسلم ہندوستانیون کو بھی اس بات پر فخر ہے کہ ہندوستانیون نے ایسی بے نظیر عمارت تعمیر کی ہے، مسجد کمیٹی کی جانب سے یہ بھی انتظام تھا کہ مسجد دیکھنے کے بعد مہمانون کو ٹیکسی میں بٹھا کر جلسہ گاہ میں پہنچا دیا جائے، ٹور ہوٹل میں جلسے کا بندوبست کیا گیا تھا، جلسے کا وقت ساڑھے چار بجے مقرر تھا، مگر پہلے ہی سے ہال بھر چکا تھا، ہال کے بیچ میں ایک لمبی میز آراستہ تھی جس کے ایک کونے پر صاحب صدر جلوہ افروز تھے، اور ان کے قریب جاپانی گورنمنٹ کے عہدہ دار اور قونصل صاحبان تھے، ہال کے ایک جانب مقررین کے لئے ایک چھوٹا سا ڈائس تھا،

جلسے کی صدارت جناب میان عبدالعزیز بیرسٹر سابق صدر مسلم لیگ نے فرمائی، آپ کوئی دو مہینے سے تبلیغی مشن پر جاپان آئے ہوئے ہیں، اور کوبے میں تشریف رکھتے ہیں، جلسے کی ابتدا کلام پاک کی تلاوت سے ہوئی، ایک تاتاری لڑکے نے ڈائس پر کھڑے ہو کر ایک رکوع پڑھا، اس کو ہندوستانی جبہ اور عمامہ پہنایا گیا تھا، گورے رنگ پر سفید صافہ بہت بھلا لگتا تھا، اس کے بعد مسٹر ماسٹر صاحب صدر انتظامیہ بورڈ نے مختصر الفاظ میں مسجد کی تاریخ انگریزی زبان میں بیان کر کے صاحب صدر کا تعارف کرایا، میان صاحب سر سے پاؤن تک عربی لباس میں ملبوس تھے، آپ کا لباس نہایت مسحور کن تھا، آپ ڈائس پر تشریف لائے تو ہال تالیون سے گونج اٹھا، آپ نے خطبۂ صدارت انگریزی میں پڑھ کر سنایا، جو نہایت عالمانہ تھا، اس مین انھون نے اہل جاپان کے آگے بڑی خوبی سے اسلام پیش کیا تھا، ان کے بعد مسٹر برلاس نے ہندوستانی میں تقریر کی، ہندوستانیون کے چند نمایندہ حضرات کی رائے تھی کہ وہ جلسے کی بہترین تقریر تھی، جس میں انھون نے عورت پر اسلام کے احسانات اور مسلم عورت کے چند کارہائے نمایان کا تذکرہ کیا تھا، اور اہل جاپان کو اسلام کی دعوت دی تھی، ان کے بعد مسجد کے پیش امام جناب شمونی نے ترکی میں تقریر پڑھ کر سنائی،

اس کے بعد چائے کا دور شروع ہو گیا جس کے دوران میں بھی تقریریں ہوتی رہیں، مقررین میں زیادہ تر تاتاری اصحاب تھے جنھون نے ترکی میں تقریریں کیں یا پڑھ کر سنائیں، ایک چینی مسلمان نے چینی میں تقریر کی اور ایک جاپانی مسلمان نے جاپانی میں، مسٹر داس نے انگریزی میں تقریر کی، مہمانون کی جانب سے ایک انگریز نے شکریہ ادا کیا، تقریروں کے بعد سکریٹری صاحب نے بیان کیا کہ مختلف مقامات سے ساٹھ ستر تار مبارکباد کے وصول ہو چکے ہیں، جن کو بوجہ قلت وقت پڑھ کر نہیں سنایا جا سکتا، آخر میں مسٹر شاکر ترابعلی نے خوش الحانی سے قرآن شریف کا ایک رکوع تلاوت کیا اور جلسہ ختم ہوا،

تقریب افتتاح کو کامیاب بنانے کے لئے مسجد کمیٹی نے کافی روپیہ خرچ کیا ہے، صرف چائے اور فواکہات پر ایک ہزار ین صرف ہوئے ہیں، یہ تمام صرفہ حق بجانب تھا، کیونکہ اس سے کوبے میں اور اخبارات کے ذریعہ سے تمام جاپان میں اسلام کا چرچا پھیلا ہے، اوساکہ مائی نچی نے ۱۱ر اکتوبر کی اشاعت کا بیشتر حصہ حالات مسجد کے لئے وقف کر دیا تھا، جلسے میں اخبارات کے فوٹو گرافرون کا ایک غول موجود تھا جنھون نے وقتاً فوقتاً فوٹو لئے، اور یہ فوٹو مع حالات جلسہ و مسجد جاپانی اخبارات میں شائع ہوئے، نمایش مسجد اور تقریب افتتاح کے جملہ انتظامات جس حسن و خوبی سے انجام پائے، اس کے لئے اراکین مسجد کمیٹی ہر طرح مبارکباد کے مستحق ہیں،

تلخیص و تبصرہ

"مشہد اقدس کی سائنٹفک محرابین"

رسالہ آرس اسلامیکا (امریکہ) جلد ۲ حصہ اوّل مین عنوانِ بالا سے ڈویٹ ایم، ڈونلڈسن (DWIGHT M.DONALDSON) نے ایک مضمون لکھا ہے، جس کی تلخیص حسب ذیل ہے:-

حضرت امام رضا علیہ السلام کی قبر لوہے کے تین کٹھرون سے گھری ہے، جو یکے بعد دیگرے نصب ہین، قبر پر لکڑی کا مطلا تعویذ ہے، جس پر شاہ عباس کا نام کندہ ہے، پہلا کٹھرہ جو قبر کے متصل ہے تانبے کی جالی کا ہے، یہان وہ تحفے تحائف اور نذرانے جو حرم کے زائرین پیش کرتے ہین، جمع کر دیئے جاتے ہین، نوروز کے کچھ دن پیشتر حرم کے مجاورین ان کو نیلام کر کے مقبرہ کے کامون مین صرف کرتے ہین، دوسرا درمیانی کٹھرا مطلا ہے، اور اس پر شاہ حسین صفوی کے نام کا کتبہ لگا ہوا ہے، تیسرا کٹھرہ بھی مطلا ہے اور اس پر باریک اور خوبصورت خط مین سورۂ دہر کی پوری آیتین لکھی ہوئی ہیں، دوسرے اور تیسرے کٹھرون کے گوشون کے ستون سونے کے ہیں، مقبرہ کی چھت لکڑی کی ہے، جس پر سونے کا پتر چڑھایا گیا ہے، اور اس کے نیچے سونے کے بہت سے خوشنما و خوبصورت جھاڑ لٹکائے گئے ہیں، زائرین قبر کے سرہانے کی جانب سے طواف شروع کرتے ہیں، پہلے وہان کھڑے ہو کر اپنے امام مظلوم پر درود و سلام بھیجتے ہیں، پھر مشرقی جانب سے ہو کر قدمون کے پاس آتے ہین، اور پہلے کی طرح دعا کرتے ہیں، مگر اس مرتبہ ان لوگون پر جنھون نے امام کو قتل کیا ہے، یا اپنے ہاتھ اور زبان سے ان کو ایذا پہنچائی ہے، لعنت بھیجتے ہیں، پھر مقبرہ کے پائین کھڑے ہو کر حضرت آدم، نوح، ابراہیم

موسیٰ، عیسیٰ، اور محمد علیہم السلام کے سچے جانشین ہونے کی حیثیت سے ان پر درود و سلام بھیجتے ہیں، پھر سرہانے پہنچکر امام کو اپنے اور خدا کے درمیان وسیلہ بناکر شفاعت طلب کرتے ہیں،

مقبرہ کے دروازہ کے چوکھٹے پر خط ثلث اور ابھرے ہوئے چمکدار حروف میں عربی عبارت لکھی ہے، جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:-

"بسم اللہ الرحمن الرحیم، یہ ہمارے امام حسن بن علی بن ابی طالب کے بھائی، امام حسینؓ شہید کربلا کے لڑکے (مجازاً) امام رضا مظلوم و معصوم و شہید کا مقدس، ذی شان، عظیم المرتبت اور پاک مقبرہ ہے، حضرت علی امیر المومنین، مظہر الحق، اور سرور عالم محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ الطیبین الطاہرین وعلیٰ اصحابہ الکرام وسلم کے صحیح خلیفہ ہیں"

اسی جگہ بائیں جانب ڈو پیرگراف میں لکھانے اور لکھنے والوں کے نام درج ہیں، پہلے کا نام علی بن محمد قاری ہے اور دوسرے کا محمد بن ابو طاہر بن ابوحسن، کتابت کی تاریخ پہلی جمادی الاولیٰ ۶۱۲ھ ہے،

دروازہ کے سامنے ایک کتبہ لگا ہوا ہے، جس میں امام رضا کی تعریف میں ابو نواس کے چند اشعار لکھے ہوئے ہیں، اس کے نیچے عبدالعزیز بن آدم بن ابو نصر التقی کا نام لکھا ہے، غالباً یہ کتبہ کے لکھوانے والے کا نام ہے،

مقبرہ کی دیوار پر دروازہ کے کنارے سنہرے اور چمکدار حروف میں عربی عبارت لکھی ہے، جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:-

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی سے فرمایا، اے علی! میں لوگوں کی طرف خدا کا آخری رسول ہوں، اور تم ان کے ہادی ہو، اور حسن ان کے امام، اور حسین ان کے رہبر ہیں، اور علی بن حسین ان کے جامع، اور محمد بن علی ان کے مودب، اور جعفر بن محمد ان کے شاہد، اور موسیٰ بن جعفر ان کے حاسب، اور علی بن موسیٰ ان کے شفیع، اور محمد بن علی ان کے معین، اور علی بن محمد ان کے معلم، اور حسن بن علی ان کے داعی، اور آیندہ ہونے والے امام ان کے ساقی ہیں"

اسی جگہ سورۂ حجر کی یہ آیت ان فی ذالک لآیات للمتوسمین کوفی خط میں لکھی ہے،

مقبرہ کے اندر کی دیواروں کے بالائی حصہ پر صاف وشفاف ہشت جہت پتھروں میں سورۂ فتح کی ابتدائی پانچ آیتیں لکھی ہوئی ہیں، نیز قبر کے بائیں طرف کی دیوار پر دروازہ سے لیکر شاہ طہماسپ کے برآمدہ تک مذکورۂ بالا سورہ کی چوتھی آیت سے لیکر بارھویں آیت تک لکھی ہوئی ہے، دیوار کے زیرین حصہ میں دروازہ سے لے کر دیوار کے گوشہ تک سورۂ دہر کی ابتدائی انیس آیتیں لکھی ہوئی ہیں، کتابت کی تاریخ ذوجمادی الاخری سنہ ۹۰۶ھ ہے،

حرم کی دیواروں کے مختلف مقامات پر آیتوں، حدیثوں، ضرب الامثال اور صوفیہ کے کلام و اشعار سے گلکاری کی گئی ہے، ان کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ مختلف لوگوں نے مختلف اوقات میں ان کو لکھوایا ہے،

حرم کی ایک دیوار میں جو قبر کے پیچھے کی جانب ہے، دروازہ کے دونوں جانب دو محرابیں ہیں یہ آرٹ کا سب سے بہترین نمونہ ہیں، ان میں قرآنی آیات اور بیل بوٹوں سے گلکاری کی گئی ہے، دونوں محرابوں کی شکل تقریباً ایک ہے، مگر عبارتیں مختلف ہیں، بائیں جانب کی محراب میں قرآن پاک کی مختلف آیتیں لکھی گئی ہیں، پہلا کالم جو فرش کے قریب سے شروع ہوکر مربع شکل میں ہوتا ہوا پھر فرش تک پہنچتا ہے، ذیل کی آیتوں سے مزین ہے، یہ آیتیں کوفی خط کے ابھرے ہوئے چمکدار حروف میں لکھی گئی ہیں،

بسم اللہ الرحمن الرحیم، انما ولیکم اللہ ورسولہ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الی قولہ

۔ ۔ ۔ ۔ واتقوا اللہ ان کنتم مومنین، (مائدہ-۸)

دوسرے کالم میں خط ثلث کے بڑے اور ابھرے ہوئے چمکدار حروف میں ذیل کی آیتیں لکھی گئی ہیں،

بسم اللہ الرحمن الرحیم، اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس۔ ۔ ۔ ۔ الی قولہ

۔ ۔ ۔ ۔ واجعل لی من لدنک سلطاناً نصیراً، (بنی اسرائیل-۹)

اسکے نیچے محراب کی کمان میں آل عمران کی یہ آیت شہد اللہ انہ لا الٰہ الا ھو ... (الی قولہ)

...... ان الدین عند اللہ الاسلام لکھی ہے، پھر اس کے نیچے ایک کالم ہے، جس میں کوفی

خط کے باریک حروف میں ذیل کی آیتیں لکھی ہیں،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، قد افلح المومنون ..... (الی قولہ) .....

فاولٰئک ھم العادون، (مومنون - ۱)

پھر اس کے نیچے ایک اور کالم ہے جسمیں باریک اور زرد حروف سے سورۂ بقرہ کے خاتمہ کی یہ آیتیں لکھی گئی ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اٰمن الرسول بما انزل الیہ ... (الی قولہ)

..... فانصرنا علی القوم الکافرین،

دوسری محراب بھی مختلف آیتوں اور عبارتوں سے مزین ہے، اس میں سب سے پہلے سورۂ ہود کی

یہ آیت کوفی خط میں لکھی ہوئی ہے،

ان الحسنات یذھبن السیئات ذٰلک ذکریٰ للذاکرین، واصبر فان اللہ

لا یضیع اجر المحسنین،

اسی کے قریب سورۂ بقر کی ایک سو اتالیسویں اور ایک سو چالیسویں آیت خط ثلث میں لکھی ہوئی ہے،

محراب کی کمان میں سورۂ بقر کی یہ آیت اٰمن الرسول بما انزل الیہ .... (الی قولہ) ...

والیک المصیر لکھی گئی ہے، تقریباً اسی جگہ ایک عربی عبارت ہے جو امتداد زمانہ سے بہت کچھ مٹ چکی ہے،

اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:-

امام علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص میرے دور ہونے کے باوجود مجھے دیکھنے آئے گا، اور

میری قبر کی زیارت کرے گا، قیامت کے دن میں تین جگہ اس کی مدد کروں گا، (۱) اس وقت

جب کہ نامۂ اعمال سیدھے اور بائیں جانب بکھیر دیئے جائیں گے، اس کو خوف و ہراس سے

نجات دلاؤن گا، (۲) پل صراط پر گذرنے مین اس کی مدد کرون گا، (۳) نیکی اور بدی کے تولے جانے کے وقت اس کی سفارش کرونگا "

اسی طرح ایک دوسری جگہ عربی عبارت لکھی ہوئی ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے،

"اس قبر کی زیارت کعبہ کے ہزار حج کے مساوی ہے سید احمد بن محمد نے ابو جعفر سے پوچھا کیا ہزار حج کے مساوی ہے؟ انھون نے جواب دیا ہان! میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہون کہ جو شخص حضرت امام رضا کو اپنا امام تسلیم کرکے ان کی قبر کی زیارت کریگا وہ ضرور ہزار حج کا ثواب پائیگا"

محراب کے اطراف مین قرآن پاک کی یہ آیت کوفی خط مین لکھی گئی ہے،

" ان اللہ وملٰیکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما"

اسی کے قریب ابھرے ہوئے سفید حروف مین آل عمران کی یہ آیت لکھی گئی ہے،

بسم اللہ الرحمن الرحیم، شہد اللہ انہ لا الہ الا ھو والملٰیکۃ واولوا العلم قائما بالقسط لا الہ الا ھو العزیز الحکیم۔

اس کے سامنے خط کوفی میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے، اور اسی جگہ کاتب کا نام ابوزید بن محمد بن ابوزید النقاش لکھا ہے، محراب کے اندر کی چھوٹی کمان مین حضرت علیؑ کی یہ پیش گوئی کوفی خط میں لکھی ہے، کہ آپ کی نسل سے ایک شخص خراسان مین قتل کیا جائے گا، نیز باریک حروف مین سورۂ توحید لکھی ہوئی ہے، کتابت کی تاریخ ربیع الآخر ۶۱۲ھ ہے۔

پھر ایک دوسری جگہ خط ثلث مین چند سطرین لکھی گئی ہین، جن کا ترجمہ یہ ہے :-

"اے خدا اس معصوم امام کے طفیل سے اپنے بندوں پر رحم کر جو سورۂ فاتحہ پڑھتے ہیں، خاصکر ایک مرتبہ اپنے ضعیف بندے عبد العزیز بن آدم پر، اور ان آدمیوں پر رحم کر جو یہ دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ ہمارے گناہون کو دھو دے، اور ہم پر اپنی بخشش کر اور رحم وعفو کو عام کر دے"

ان دو محرابون کے علاوہ اور ایک محراب ہے جو حضرت امام کے سرہانے کی دیوار میں ہے، یہ بھی

اینٹوں اور حدیثوں سے مزین ہے، اس میں اینٹوں کے چند صاف و شفاف اور سبز ٹکڑوں پر جو غالباً مرمت کے وقت لگوائے گئے ہیں، مختلف حدیثیں لکھی گئی ہیں، جن میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا، انا مدینۃ العلم وعلی بابھا، اس کے اخیر میں علی بن محمد بن ابو طاہر کا نام درج ہے، غالباً یہ لکھوانے والے کا نام ہے،

"ی"

مسیحی تبلیغ میں بنیادی تبدیلیاں

اسلامی ممالک میں مسیحی تبلیغ کی ناکامی کا ایک واضح اور دلچسپ اعتراف تبریز کے ایک مشنری کرسٹی ولسن کے قلم سے رسالہ مسلم ورلڈ امریکہ بابت ماہ اکتوبر ۱۹۳۵ء میں شائع ہوا ہے، نیز بحث و مناظرہ میں عیسائی مبلغوں کو شکست کے جو تلخ تجربے ہوئے ہیں، ان کی بنا پر مقالہ نگار نے طریق تبلیغ میں بنیادی تبدیلی پیدا کرنی چاہی ہے، اور اپنے مضمون میں جدید طریق کار کو پیش کیا ہے، ناظرین معارف کے لئے اسکا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے،

دنیائے اسلام میں مسیحی تبلیغ کی جو کوششیں موجودہ زمانہ میں ہو رہی ہیں، ان میں ابتداءً یہ خیال کار فرما نظر آتا ہے کہ مبلغ کو منطقی ثبوت کے زور سے عیسائیت کی سچائی منوا دینی چاہئے، صاف بات تو یہ ہے، کہ اکثر و بیشتر صورتوں میں یہ طریقہ کامیاب نہیں ہوا، ہمارے پاس اس امر کی تاریخی مثالیں موجود ہیں، کہ عیسائی مبلغوں نے بحث و مناظرہ میں تو علمائے اسلام کو شکست دیدی، لیکن اس کا نتیجہ عموماً یہ نہیں ہوا، کہ مؤخر الذکر نے مسیحیت بھی قبول کرلی، ہم ہنری مارٹن (HENRY MARTIN) کا تصور کرتے ہیں، جس نے تنہا علمائے شیراز کا مقابلہ کیا، یا ڈاکٹر فانڈر (DR FANDER) کی مثال سامنے رکھتے ہیں، جب وہ مجمع عام میں مناظرہ کرتا ہوتا تھا، اور پھر ان اشخاص کی جرأت اور قابلیت پر متحیر رہ جاتے ہیں، لیکن دوسری طرف بہتیری مثالیں ایسی بھی ہیں، جہاں عیسائیوں نے اتنی قابلیت یا روح القدس کی ویسی رہنمائی کا ثبوت نہیں دیا،

اور عقلی جنگ کے میدان میں شکست کھا گئے،

آج جو شخص کسی مسلمان کو دین عیسوی کا عقیدت مند بنانا چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ دلائل سے بچنے میں پوری مہارت رکھتا ہو، یہ چیز جتنی مشکل نظر آتی ہے اس سے زیادہ دشوار ہے، مشرقی ممالک میں بحث و مناظرہ اب بھی ایک عام دلچسپی کا مشغلہ ہے، نہ صرف مذہبی اور علمی جماعت کے لوگ بلکہ عام مسلمان بھی ہر وقت بحث کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں، اور بحث کا مرغوب موضوع مذہب رہتا ہے، مسیحی نقطۂ نظر سے بحث سے بہت کم فائدہ کی توقع ہے، اسلام کا مناظر یا تو یہ سمجھیگا کہ مناظرہ اس کے ہاتھ رہا اور اس وجہ سے اس پر اثر ڈالنا اور بھی زیادہ مشکل ہو جائے گا، یا وہ اپنی شکست محسوس کر کے چلا جائیگا، اور پھر واپس نہ آئیگا، اور یا اگر واپس آیا بھی تو اس غرض سے کہ بحث کے لئے نئے طریقے کام میں لائے، ان میں سے کسی صورت میں بھی مقصود حاصل نہ ہوگا، ہمارا کام صرف یہ نہ ہونا چاہئے کہ عقلی طور پر دین عیسوی کی سچائی منوالیں، بلکہ اصلی کام حضرت عیسیٰؑ کے لئے دلوں کا فتح کرنا ہے، جو کہیں زیادہ مشکل ہے،

اگرچہ ہم حق کی حمایت کر رہے ہوں تاہم ہمیں بے تامل اعتراف کر لینا چاہئے کہ بہتیری صورتوں میں مسلمان ہمیں مناظرہ میں شکست دیدینگے، پہلی وجہ تو یہ ہے کہ انہیں زبان اور خیالات کے طرز ادا پر زیادہ قدرت حاصل ہوتی ہے، مناظرہ جس طریقہ پر کیا جاتا ہے اس میں بھی انہیں مہارت رہتی ہے، بحث میں موقع موقعہ سے پیش کرنے کے لئے ملکی لٹریچر کے قصوں اور اقتباسات کا جو ذخیرہ ان کے پاس ہوتا ہے، اس کے حاصل کرنے کی ہم توقع بھی نہیں کر سکتے، اگر سامعین مسلمان ہیں تو وہ قدرۃً اپنے ہم مذہب مناظر کا ساتھ دینگے، بہرحال محض شکست کا اندیشہ اس بات کا سبب نہیں ہے کہ ہمیں بحث و مناظرہ سے بچنا چاہئے جس سبب سے ہم مناظرہ سے بچنا چاہتے ہیں، وہ یہ ہے کہ مناظرہ لوگوں کو حضرت عیسیٰؑ کا پیرو بنانے میں ناکام ثابت ہوتا ہے،

بعض اوقات بحث سے بچنا ناممکن ہو جاتا ہے، ایسی صورت میں ضروری ہے کہ ہماری گفتگو اس شخص کے ساتھ محبت آمیز ہو جس کو ہم اپنا مسیحی بھائی بنانا چاہتے ہیں، ہماری طرف سے بحث میں کبھی تلخی پیدا نہ ہونی

چاہئے، کیونکہ جھلانے اور غصہ کرنے سے نہ صرف ہم رسوا ہوں گے، بلکہ اس آقا پر بھی الزام آئے گا جس کے کام میں ہم مصروف ہیں، ہمیں اپنے مخاطبین سے صاف الفاظ میں کہہ دینا چاہئے کہ ہم بحث کرنے سے انکار کرتے ہیں، کیونکہ ہمارے خیال میں اس سے کوئی فائدہ نہیں،

اگر ہم بحث سے بچنے کا عزم کرلیں تو پھر کس طریقہ پر ہمیں مسلمانوں میں تبلیغ کرنی چاہئے؟ یہ شروع ہی میں سمجھ لینا چاہئے، کہ ہم جو کچھ بھی کہیں اس کا جواب دیا جا سکتا ہے، لیکن ایک پاک زندگی کا جو حضرت عیسیٰؑ کی روح اور محبت سے پر ہو کوئی جواب نہیں ہے، ہمارا کام ایک مقدس کام ہے، مسلمانوں کو حضرت عیسیٰؑ کا پیرو بنانا انسانی قوت سے ہرگز ممکن نہیں ہے، محبت اور فراست کسی دوسرے طریقہ کی بہ نسبت زیادہ ضروری ہے، اور یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ خواہ ہم کچھ بھی کریں یا کہیں قبولِ حق کے لئے صرف خدا ہی دلوں کو کھول سکتا ہے،

تبلیغ کے لئے ہمارا بنیادی اصول یہ ہونا چاہئے کہ براہ راست حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کو پیش کریں، اسی چیز کو ہمیں اپنے کام کا مرکز اور حاصل بنانا چاہئے، ان اسلامی ممالک میں ہمارے رہنے کی غایت یہی ہے، ممکن ہے کہ ہم سے کہا جائے کہ تم کسی پیالہ کو بھر نہیں سکتے جب تک پہلے اسے خالی نہ کرلو، لیکن یہ مثال درست نہیں، بلکہ ہمارا حضرت عیسیٰؑ کو پیش کرنا ایسا ہے جیسا روشنی کو سامنے کرنا کہ اس سے تاریکی دور ہو جائے گی،

دوسرا اصول یہ ہے کہ اسلامی ممالک میں تبلیغ کرنے کے لئے ہمیں حضرت عیسیٰؑ کے طریق تبلیغ کا مطالعہ بہت گہرائی سے کرنا چاہئے، یہود کی برابر یہ کوشش رہتی تھی کہ حضرت عیسیٰؑ کو عقلی بحث کے چکر میں ڈال دیں، لیکن آپ ہمیشہ ایسا جواب دیتے تھے، جس کی زد براہ راست قلب اور ضمیر پر پڑتی تھی، یہ صحیح ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے جواب سے نہ صرف پیش نظر مسئلہ حل ہو جاتا تھا، بلکہ ایک دائمی حقیقت کا اظہار بھی ہو جاتا تھا، ہم میں الوہیت نہیں ہے، اور ہم اس معاملہ میں اپنے آقا کی نقل کرنے کی امید نہیں کرسکتے، البتہ ہم صرف اس حد تک نقل کرسکتے ہیں کہ سوالوں کا جواب انجیل کے الفاظ میں دے دیا کریں، رفتہ رفتہ ہم میں قلب و ضمیر تک پہنچنے

کی استعداد بھی پیدا ہو جائے گی،

حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کو مسلمانوں کے سامنے پیش کرنے کے لئے تیسرا بنیادی اصول یہ ہے، کہ بائبل ہمیشہ پیش نظر رکھی جائے، ہمیں چاہئے کہ ہر سوال یا بیان کا جواب اسی کو پڑھ کر اور اسی کے الفاظ میں دیں، خوش قسمتی سے عیسائیت کے متعلق اکثر سوالات اور اعتراضات تمام دنیائے اسلام میں چند متعین نمونوں کے ہوتے ہیں، ایک ہی چیز بار بار سامنے آتی ہے، مہارت سے بائبل کا وہ صفحہ فوراً نکل آیا کرے گا، جس میں اس چیز کا جواب درج ہوگا،

مذکورۂ بالا بنیادی اصولوں کے علاوہ اور بھی بہت سے طریقے ہیں، جن سے بے کار بحث و مباحثہ کو ترک کرکے اصلی حقیقت کو پیش کرنے کا موقع حاصل کیا جا سکتا ہے، مثلاً بعض اوقات سوال کرنے والے سے یہ پوچھ لینا مفید ثابت ہوتا ہے، کہ تم اپنے مذہب سے کیا چاہتے ہو، جب وہ اپنی بڑی سے بڑی خواہشوں کا اظہار کرے تو پھر اس وقت ہمیں دکھانا چاہئے کہ ان میں سے ہر خواہش بدرجۂ کمال حضرت عیسیٰؑ کے توسل سے پوری ہو سکتی ہے، مثلاً اگر لوگ سنجیدہ ہیں، تو وہ یہ کہیں گے کہ ہم اس زندگی میں فلاح اور آئندہ حیات جاودان کی خواہش رکھتے ہیں، اس وقت انھیں یہ دکھانے کا بہترین موقع ہوگا، کہ صرف حضرت عیسیٰؑ کی پیروی سے یہ دونوں مقصد حاصل ہو سکیں گے،

بحث و مناظرہ سے بچ کر تبلیغ کرنے کا ایک دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مسیحی لٹریچر کی اشاعت بہت کثرت سے کی جائے، اس میں بائبل سب سے زیادہ ضروری ہے، خوش قسمتی سے اسلامی ممالک کی تمام خاص خاص زبانوں میں اس کے ترجمے ہو گئے ہیں، مسلمانوں سے گفتگو کرنے میں کبھی کبھی ایسے موضوع چھڑ جاتے ہیں، جن پر کسی ایک نشست میں کافی اور شافی گفتگو نہیں ہو سکتی، اس لئے مناسب یہ ہے کہ بجائے گفتگو کرنے کے ان موضوعوں کے متعلق بہترین لٹریچر انھیں مطالعہ کے لئے دے دیا جائے، اس سے حق بھی بہتر طریقہ پر سمجھ میں آجائیگا، اور ہم بحث سے بھی بچ جائیں گے،

(مترجم)

اخبار علمیہ

مامون کے عہد کی ایک علمی تصنیف

مستشرق اے ۔ منگانا نے مامون کے زمانہ کی ایک عربی تصنیف کو انگریزی مقدمہ، ترجمہ اور حواشی کے ساتھ ایڈٹ کرکے کیمبرج سے شائع کیا ہے، اس کتاب کا مصنف ایوب الرہادی ہے جو عیسائیوں کے نسطوری فرقہ سے تعلق رکھتا تھا، وہ ۷۶۰ء کے قریب اڈیسہ میں پیدا ہوا تھا، اور تقریباً ۸۳۵ء تک زندہ رہا، اس نے یونانی تراجم کے علاوہ علوم عقلیہ پر بہت سی مستقل کتابیں لکھی تھیں، جن میں سے صرف دو محفوظ ہیں، پیش نظر تصنیف انہی دونوں میں سے ایک ہے، جس میں اس نے اپنے عہد کے مختلف علوم و فنون پر قلم اٹھایا ہے، اور الٰہیات، مابعد الطبیعیات، نفسیات، علم التشریح والابدان، علم الادویہ، کیمیا، طبیعیات، علم ہیئت، رمل، موسیقی، حساب وغیرہ پر بڑی قابلیت کے ساتھ مجمل بحث کی ہے، گویا یہ اپنے وقت کی علمی و فلسفیانہ دائرۃ المعارف ہے، اس کتاب کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ڈیڑھ سو برس کے اندر اندر عربوں میں کس قدر ذہنی انقلاب پیدا ہوگیا تھا، اور کیونکر ہر شخص مختلف علوم و فنون پر کامل مہارت رکھتا تھا، رہاوی نے یہ کتاب ۸۱۷ء کے قریب تالیف کی ہے،

اس مختصر سی تالیف میں بعض قابل ذکر باتیں یہ ہیں کہ اس نے علم رمل کی حقیقت سے قطعی انکار کیا ہے، اور جسمانی دوزخ کے وجود کا بھی منکر ہے، کائنات عالم کی پیدائش کا مبدا عناصر کو قرار دیتا ہے، جو آپس میں ملکر ایک ہوگئے، صفر کی تشریح یوں کرتا ہے، کہ وہ ایک چھوٹا سا گول دائرہ ہے، جس کے اندر کچھ نہیں ہے،

اور اس کی شکل خود اس کے صفر (خالی) ہونے پر دال ہے، بعض طبیعی چیزون کی فلسفیانہ تشریح بھی کی ہے؛ پیشانی اور بالائی رخسارون پر بال نہ ہونے کی وجہ یہ بتائی ہے، کہ قدرت نے ان پر بال اس لئے نہیں پیدا کئے کہ بالوں کی جڑ میں راستہ کی گرد وغبار جم کر انسانون کو تکلیف نہ پہنچائے، اسی طرح جانورون کے ڈھانچون کے انسان کے ڈھانچے کے مانند سیدھا نہ ہونے اور ان کے چار پیروں پر چلنے کی یہ وجہ بتائی ہے کہ ان کی تخلیق کا مقصد ہی بوجھ اٹھانا ہے، اور یہ مقصد صرف مذکورہ صورت میں حاصل ہو سکتا ہے، دودھ کی نالیون کی تشریح وہی کرتا ہے جو آج کل سمجھی جاتی ہے، اس میں سمندر کے پانی کے نمکین ہونے پر بھی دلچسپ بحث کی ہے۔

"ی"

ایک سائنٹفک نوآبادی،

ڈاکٹر رابرٹ یرکیز (Dr. Robert Yerkes) پروفیسر سائیکو بیالوجی ییل یونیورسٹی (امریکہ) نے افریقہ کے شمپانزی بندرون کی ایک نوآبادی چند سال سے فلوریڈا (امریکہ) میں قائم کر رکھی ہے، جو تمام دنیا میں اپنی قسم کی تنہا نوآبادی ہے، یہ نوآبادی حقیقۃً ایک معمل ہے ان بندروں کے مطالعہ کیلئے جنمین بہ نسبت دوسرے حیوانات کے انسانی خصوصیات بہت زیادہ پائی جاتی ہیں، سائنٹفک مطالعہ کے لیے شمپانزی بندرون کو پالنے کا خیال ڈاکٹر موصوف کو مدت سے تھا، چنانچہ سنہ ۱۹۱۶ء میں انھون نے رسالہ "سائنس" میں ایک مضمون لکھ کر ان بندرون کی ایک نوآبادی قائم کرنے کی ضرورت پر زور بھی دیا تھا، اسی خیال کے ماتحت انھون نے سنہ ۱۹۲۵ء میں چار شمپانزی بندرون کو پال کر سائنٹفک طریقہ پر ان کا نفسیاتی، غذائی، اور طبعی مطالعہ شروع کر دیا، ڈاکٹر یرکیز کا یہ تجربہ یہاں تک کامیاب ہوا کہ چار ہی سال کے بعد ییل یونیورسٹی نے ان کے معمل کو جو پرائمیٹ لیبورٹری (Primate Laboratory) کے نام سے قائم تھا، اپنے شعبۂ نفسیات سے ملحق کر لیا، اور اس کے لئے ممتاز ماہرین فن کی ایک کمیٹی مقرر کر کے سرمایہ کا مستقل انتظام کر دیا، اب یہان شمپانزی بندرون کی تعداد چالیس تک پہنچ گئی ہے، ان میں سب سے بڑے بندر کی عمر (۵۳) سال اور سب سے چھوٹے کی چند ہفتے ہے، اس نوآبادی

کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں بندروں سے بچے بھی لئے جاتے ہیں، تاکہ ہر عمر کے شمپانزی کا سائنٹفک مطالعہ کرکے تحقیقات مکمل کیجا سکے، اس وقت تک یہاں گیارہ بچے پیدا ہو چکے ہیں، اور بجز ایک کے سب زندہ اور سلامت ہیں، ۲۶ جون ۱۹۳۳ء کو دو بچے جڑواں پیدا ہوئے، یہ واقعہ اس درجہ غیر متوقع اور اہم تھا کہ ڈاکٹر یرکیز نے رسالہ "سائنس" کے ذریعہ اس کی اطلاع تمام سائنٹفک دنیا کو پہنچائی، ان بچوں کی ولادت سے ایک نئی تحقیق ہوئی، ان میں سے ایک زیادہ نحیف اور کمزور تھا، ماں اسی پر زیادہ شفقت کرتی تھی، یہ بات عام تجربہ کے خلاف تھی، کیونکہ جہاں تک معلوم ہے، حیوانات اپنے کمزور بچوں پر زیادہ توجہ نہیں کرتے، ڈاکٹر یرکیز کا خیال ہے کہ کمزور بچوں پر زیادہ شفقت انسانوں اور شمپانزی بندروں میں مشترک معلوم ہوتی ہے، ایک دوسرا تجربہ ان بچوں سے یہ ہوا کہ جب وہ کسی چیز کے لئے ضد کرتے ہیں تو انسان کے بچوں کی طرح زمین پر گر کر لوٹنا اور چلانا شروع کر دیتے ہیں، اور اسی وقت مانتے ہیں، جب ماں ان کی ضد پوری کر دیتی ہے، ۱۱ اپریل ۱۹۳۵ء کو اس نوآبادی میں ایک ایسی ولادت واقع ہوئی جس نے تمام سائنٹفک دنیا کو اپنی طرف متوجہ کر لیا، یعنی ایک ایسا شمپانزی پیدا ہوا جس کی ماں خود اس نوآبادی میں پیدا ہوئی تھی،

دس سال کے تجربہ کی بنا پر ڈاکٹر یرکیز کا خیال ہے، کہ شمپانزی بندروں کو انسانوں سے بہت قریبی تعلق ہے، ان میں جو بڑے ہیں اُن کی غذا تقریباً وہی ہے جو انسانوں کی ہے، ان کے جذبات بھی انسانی جذبات سے ملتے جلتے معلوم ہوتے ہیں، ان کی بیماریاں بھی عموماً وہی ہیں جو انسانوں کی ہیں،

خودکشی کا حق،

امریکہ اور انگلستان میں ایک جماعت اس خیال کی پیدا ہو رہی ہے، کہ بعض حالات میں جب کہ زندگی ناقابلِ برداشت ہو جائے، خودکشی نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہو جاتی ہے، چنانچہ حال میں امریکہ کے ایک ڈاکٹر اور ایک ممتاز خاتون نے جو مدت سے سرطان کی مریض تھی، اپنی صحت سے مایوس ہو کر

خودکشی کرلی، خاتون نے اپنے اس فعل کے جواز میں جو خط لکھ چھوڑا تھا، اس کا ایک فقرہ یہ تھا کہ "جائز خودکشی انسانی حقوق میں پہلا حق ہے" اس خیال کے لوگون کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے، "ڈیلی میل" لندن کا بیان ہے کہ ایک ڈاکٹر نے "ازراہِ ترحم" پانچ آدمیون کو دواؤن کے ذریعہ ختم کر دیا، اس اقرار کے سلسلہ مین اس نے عدالت مین بیان کیا کہ "میرے ضمیر نے مجھے مطلق ملامت نہیں کی، مجھے اب تک وہ واقعات یاد ہین، اور موت سے قبل کے وہ بشاش چہرے میری آنکھون کے سامنے ہین" ڈاکٹر کے اس اقرار سے اطبار اور علماے اخلاقیات میں ایک ہلچل پیدا ہو گئی ہے، اور خودکشی کے مسئلہ سے متعلق ملک میں دو مخالف جماعتین رونما ہو رہی ہیں، چنانچہ برطانیہ کے ایک نہایت مشہور ڈاکٹر لارڈ موئنہان (Lord Moynihan) ایک سوسائٹی قائم کر کے اس امر کی کوشش کر رہے ہیں کہ لاعلاج امراض کی صورت میں خودکشی جائز قرار دیجائے، ان کا بیان ہے کہ "خودکشی کے حق کی تائید کرنے والے پوری قوم میں زیادہ ہوتے جاتے ہیں" وہ پارلیمنٹ کے آیندہ سشن مین ایک بل بھی اس مقصد کے لئے پیش کرنے والے ہیں، ان کی سوسائٹی کے ارکان میں جو "مجلس حق خودکشی" ([illegible]) کے نام سے قائم کی گئی ہے، برطانیہ کے بعض نہایت ممتاز اشخاص بھی شامل ہین، مثلاً پروفیسر جولین ہکسلے (Prof. Julian Huxley) لارڈ سٹونہول (Lord Stonehaven) اور لارڈ ڈنمان (Lord Denman) سابق گورنر جنرل، آسٹریلیا، ڈاکٹر انجے (Dr. Inge) سابق ڈین، سینٹ پال، کی راے ہے کہ یہ تجویز "مسیحی اصولون کے مخالف نہیں ہے"

روس مین آیندہ سورج گرہن

سویٹ روس کی سائنس اکاڈمی نے آیندہ سورج گرہن کے متعلق ایک رپورٹ شائع کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گرہن ۱۹ جون سنہ ۱۹۳۶ کو واقع ہوگا، اور سویٹ روس کے اس خطہ میں جو شمالی قاف سے والگا اور سائبریا ہوتا ہوا مشرقی صوبون تک چلا گیا ہے پورا گرہن لگیگا،

ع ز

ادبیات

"پانی پت کی چوتھی لڑائی"

از جناب اسد ملتانی

(یہ نظم مولانا حالی مرحوم کی صد سالہ گرہ کے مشاعرہ (بمقام پانی پت) میں پڑھی گئی)

خداوند آفاق نے پانی پت کی ۔۔۔ کسی ایسی ساعت میں بنیاد ڈالی

کہ ہوتی رہی اس میں اکثر لڑائی ۔۔۔ نہ گذرا کوئی دور جنگوں سے خالی

ہیں مشہور تر تین خونریز جنگیں ۔۔۔ ہے اوراقِ تاریخ پر جن کی لالی

ہوئی ان کے بعد ایک چوتھی لڑائی ۔۔۔ مگر یہ لڑائی تھی سب سے نرالی

اُدھر قوم کی گمرہی اور شقاوت ۔۔۔ اِدھر اک مجاھد کی شانِ جمالی

اُدھر ضعفِ پیری سے بدتر جوانی ۔۔۔ اِدھر اک جواں طبع پیرانہ سالی

اُدھر تیرہ بینی و باطل پرستی ۔۔۔ اِدھر راست گوئی و روشن خیالی

اُدھر قومِ غافل کی ہر گونہ پستی ۔۔۔ اِدھر ایک مصلح کے افکارِ عالی

اُدھر قوم پر خوابِ غفلت کا غلبہ ۔۔۔ اِدھر شاعرِ قوم کی زار نالی

اُدھر کان نغمات سننے کے عادی ۔۔۔ اِدھر نالہ و آہ سے گوشمالی

اُدھر بے شمار اعتراضاتِ بیجا ۔۔۔ اِدھر چند نظمیں تکلف سے خالی

اُدھر طعن و تشنیع کے تیر و نشتر ۔۔۔ اِدھر تلخ کامی میں شیریں مقالی

اُدھر ایک بگڑی ہوئی قومِ نادان — اِدھر محوِ فریاد بیچارہ حالی

اُدھر ڈھال بے اعتنائی کی اٹھی — اِدھر تیغ اس نے قلم کی نکالی

الٰہی یہ کرشمہ تھا صدق و صفا کا،

کہ اک فرد نے قوم پر فتح پالی،

رُباعیاتِ امجد

از حکیم الشعراء امجد حیدر آبادی

"تصور الٰہی"

تجھ تک، مرا وہم بھی نہیں جا سکتا[1] — تجھ کو کوئی ادراک نہیں پا سکتا[2]

اب تیرے تصور کی یہی صورت ہے — "اے وہ، کہ تصور میں نہیں آسکتا"

"دنیا کا خیالی وجود"

عارض ہو، کہ خط و خال، میرا کب ہے، — نقصان ہو یا کمال، میرا کب ہے،

مانا کہ مرا خیال ہے سب دُنیا — لیکن، مرا خیال، میرا کب ہے!

ترانۂ عبودیت

از جناب شیخ عبداللطیف صاحب تپش، پروفیسر ایمرسن گورنمنٹ کالج ملتان،

اخفائے سرِّ کن ہے افشائے راز تیرا — بیگانۂ صدا ہے عالم میں ساز تیرا

صورت گرِ حقیقت تصویرِ ذات تیری — برہم زنِ صفت ہے حسنِ مجاز تیرا

---

[1] لیس کمثلہٖ شئی، [2] لا تدرکہ الابصار،

سرشارِ بیخودی کو ہر کیف تیرا حاصل مستِ مئے خودی کو کیا امتیاز تیرا

گل چاک پیرہن میں لَو شمع کی لگی ہو ہر شکل سے نمایاں ہو سوز و ساز تیرا

اظہارِ معرفت میں وا ہو زبان کیونکر عقدہ بنا ہوا ہے ہر دل میں راز تیرا

کیا شامِ زندگی کا پھر قصہ مختصر ہو افسانہ کہہ رہی ہے زلفِ دراز تیرا

بزمِ طلب میں تیری نیرنگ سازیاں ہیں دیکھا تھا ہوش کھو کر موسیٰؑ نے ناز تیرا

لَو جب سے لگ گئی ہے اے شمعِ سازِ ہستی دل میں بھرا ہوا ہے سوز و گداز تیرا

تسخیر اک ادا میں ہو سومناتِ دنیا سو غزنوی بنائے دم میں ایاز تیرا

نازاں ہوئے ہیں تیری بندہ نوازیوں پر شکر اور کیا ادا ہو اے بے نیاز تیرا

یارب تپشؔ کو اپنے در کا بنا لے بندہ

پامالِ تبکدہ ہے یہ سرفراز تیرا

علم الحروف، از جناب حکیم محمود علی خاں صاحب ماہر دہلوی، حجم ۲۵۰ صفحے، قیمت: ۳؎،
مؤلف سے محلہ فراش خانہ، دہلی کے پتہ سے طلب کریں،

یہ فن تحریر کی ایک دلچسپ سرگذشت ہے، جس میں لائق مصنف نے زبان کی پیدائش اور اس کے مختلف بولیوں میں تقسیم ہونے کے حالات لکھ کر دنیا میں علم تحریر کی ابتدار سے اس وقت تک کی اس کی ترقیوں کی تاریخ لکھی ہے، کتاب چار حصوں میں تقسیم ہے، پہلے حصہ میں ابجد کی ابتدا سے خط کوفی و نسخ کے وجود پذیر ہونے تک کے حالات ہیں، اس ضمن میں مختلف سامی و آریائی زبانوں کی ابجدوں کا ذکر آیا ہے، پھر دوسرے حصہ میں ایرانی قلم کا ذکر ہے، جسے خط نستعلیق پر لاکر ختم کیا ہے، اور اس ضمن میں ایشیا، یورپ اور افریقہ میں نسخ و نستعلیق خطوں کی مقبولیت دکھائی ہے، اس کے بعد ہندوستان میں خطاطی کا رواج دکھا کر اس کے عہد بعہد کی تاریخ بیان کی ہے، کتاب کا یہی حصہ اہم ہے، اس میں ایرانی خطاطوں کے ساتھ ہندوستان میں خطاطی کے مشہور قدیم مرکزوں لاہور، آگرہ، دہلی، اور لکھنؤ کے مشہور خوشنویسوں اور خطاطوں کا اجمالی تذکرہ آگیا ہے، حصہ سوم آلات تحریر کے بیان میں ہے، پھر چوتھے حصہ میں خطاطی کے نمونے اور مختلف زبانوں کی ابجدوں کے نقشے دکھائے گئے ہیں،

کتاب محنت سے لکھی گئی ہے، کتاب کے ماخذ میں زیادہ تر عربی تاریخیں ہیں، اس لئے السنہ کی تحقیق کے متعلق قدیم عرب مورخین ہی کے بیانات پیش کئے گئے ہیں، کہیں کہیں یورپین مورخین کے بیانات بھی درج ہیں، لیکن وہ تشنہ ہیں، ضرورت تھی کہ السنہ و تحریر کے متعلق یورپین بیانوں اور تحقیقوں کو بھی

سامنے رکھا جاتا، اسی طرح کتاب کے مباحث کی ترتیب و تبویب بھی مزید توجہ کی مستحق تھی، بہرحال تحریر و انشا کے متعلق عرب علما رکے بیانوں کا اجمالی خلاصہ کتاب میں آگیا ہے، اور شاید مجموعی حیثیت سے یہ کتاب فن تحریر و خطاطی کی تاریخ میں اردو ادب میں اچھے معلومات کی حامل کہی جاسکتی ہے، خصوصاً خطاکوفی، نسخ اور نستعلیق اور ان دوروں کے خوشنویسوں اور خطاطوں کے حالات اچھے خاصے فراہم ہوگئے ہیں،

یادگار وارث، از جناب پروفیسر ضیا محمد صاحب ایم اے پروفیسر گورنمنٹ کالج شاہ پور، ناشر جناب محمد نصیر ہمایوں بی اے، منیجر قومی کتب خانہ، ریلوے روڈ لاہور، ۲۰۸ صفحے، قیمت :- عہ

پنجاب کی مقامی کہانیوں میں سے ہیر و رانجھا کا فسانہ شہرت عام رکھتا ہے، اسے نہ صرف مقامی لوگوں نے مقامی پنجابی زبان میں نظم کیا، بلکہ مختلف اہل علم نے اسے فارسی مثنوی کا جامہ پہنایا، اور پنجاب سے نکل کر عظیم آباد میں عبرتی عظیم آبادی نے ۱۲۵۲ھ میں سراج المحبت کے نام سے اسے فارسی نثر میں قلمبند کیا ہے،

پنجابی زبان میں اسے مختلف مسلمان اور ہندو اہل علم نے نظم کیا تھا، کہا جاتا ہے کہ ان میں سے سید وارث شاہ کی مثنوی ہیر کو پورے پنجاب میں مقبولیت حاصل ہے، اور پوری مثنوی پنجاب کے دیہی باشندوں کے نوک زبان ہے، جناب مؤلف نے اس کتاب میں اسی مثنوی کے مؤلف وارث شاہ کے نامعلوم سوانح مختلف قیاسات و قرائن سے روشنی میں لانے چاہے ہیں، اور اس میں ایک حد تک کامیاب ہوئے ہیں، نیز مثنوی پر مفصل بحث کرکے دوسری مثنویوں (یعنی ہیروں) سے اس کا فرق دکھایا ہے، اور نظم کی شاعرانہ خوبیاں، اور اس کے اخلاقی و اصلاحی تعلیمات پیش کئے ہیں، کتاب غور و فکر سے لکھی گئی ہے، اور ایک قابل قدر کوشش ہے، لیکن کتاب پر ادبی حیثیت سے نظر ڈالنے

کی ضرورت تھی، زبان اور طریق ادا کی خامیاں باقی رہ گئی ہیں،

جامع العقاقیر (با تصویر) از جناب حکیم محمد عبد المجید صاحب عتیقی ۴۶۹ صفحے، قیمت ؎

پتہ:- جناب حاجی عبد الکریم، عبد المجید تاجران کتب، کامل بک ڈپو، لاہور،

یہ ایک کارآمد طبی تصنیف ہے، جس میں لائق مؤلف نے مشہور جڑی بوٹیوں، درختوں، پودوں اور پھلوں کے متعلق طبی معلومات ایک خاص ترتیب سے جمع کئے ہین جس میں ہر پودہ کے نام مختلف زبانون میں وجہ تسمیہ اس کی مختصر سرگذشت، مقام و موسم پیدائش، ماہیت و شناخت، طبیعت مضرت، اصلاح بدل، مقدار خوراک، افعال و خواص، کیمیاوی افعال، منفرد استعمال، یونانی مرکبات و مجربات، جدید طبی استعمالات، اور ویدک مرکبات وغیرہ بتائے ہیں، اور تقریباً انہی سرخیون کے ماتحت ہر پودہ کے متعلق مفید معلومات فراہم کئے ہیں، اور جس پوڈیا جڑی یا درخت کا بیان ہے، اسکی صاف تصویر آرٹ پیپر پر اسی جگہ دے دی ہے، پھر کتاب کے استعمال کے لئے مختلف قسم کی فہرستین تیار کی ہیں، جن سے یہ کتاب زیادہ کارآمد ہو گئی ہے، یہ مجموعہ نہ صرف طب کے طلبہ اور اطبا، کے لئے سودمند ہے، بلکہ ہندوستان کے دیہی مقامات پر گھروں میں بھی رکھے جانے کے لائق ہے، کہ اسکے ذریعہ مفرد دواؤں سے بھی جن کے درخت دیہاتون مین عموماً پائے جاتے ہین، معمولی بیماریون میں علاج معالجہ کیا جا سکتا ہے،

ترکانِ احرار، از جناب محمد عبد المجید صاحب عتیقی، حجم ۲۱۶ صفحے، قیمت ؏، پتہ:- کامل بکڈپو، لاہور،

یہ ایک مقبول کتاب ہے، جس کا ساتوان اڈیشن چند سال کے اندر شائع ہوا ہے، اس میں ترکوں کے مشہور محب وطن رہبروں کے سوانح حیات اختصار سے لکھے گئے ہین، پوری کتاب ترکون کی داستانِ حریت سے لبریز ہے، جس کے مطالعہ سے جدید ترکی کے اہم کارنامے روشنی میں آتے ہیں،

اس ساتویں اڈیشن پر مولانا ظفر علی خاں نے پرزور مقدمہ بھی لکھا ہے، جس میں ترکوں کے خلاف پھیلائے ہوئے موجودہ پروپگنڈے سے پیدا شدہ غلط فہمی کا پردہ چاک کرنے کی کوشش کی گئی ہے، کتاب کے آخر میں "احرار مصر" کا عنوان بھی بڑھایا گیا ہے، جس میں مصر کے صرف دو قائدین سعد زاغلول پاشا اور عزیز بے علی مصری کے حالات ہیں، اولاً یہ حصہ کتاب کے عنوان سے علٰحدہ ہے، علاوہ ازیں اگر احرار مصر کے حالات بھی درج کرنے تھے، تو یہاں کے چند دیگر مشاہیر کے سوانح دینے چاہئے تھے،

غازی مصطفیٰ کمال پاشا، از جناب سید اشفاق حسین صاحب ایم اے، حجم ۱۳۲ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اچھی، قیمت :- مجلد عمر پتہ :- جناب سید عبد الحمید بخاری نیجر شیران اسلام بک ڈپو، منگلور ٹاؤن، سہارنپور،

یہ مصطفیٰ کمال پاشا کے سوانح ہیں، جو دلچسپ انداز میں جوش و ولولہ کے ساتھ طلبہ کے لئے لکھے گئے ہیں، اس ضمن میں ٹرکی کے پچھلے دور کی تاریخ بھی آگئی ہے، کتاب فتح سمرنا کے بعد التوائے جنگ کے بیان پر ختم ہو جاتی ہے، ضرورت تھی کہ سلسلۂ بیان کے لحاظ سے لوزان کانفرنس کے مختصر حالات اور اس میں مجلس عالی ترکی کے نمایندہ کے کارناموں کو بھی بیان کیا جاتا، آخر میں جمہوریۂ ترکیہ کے تعلیمی اور رفاہ عام کے خدمات اختصار کے ساتھ درج کئے گئے ہیں،

محمود اور فردوسی، از جناب قاضی عبد الصمد صاحب سیوہاروی، حجم ۱۱۵ صفحے تقطیع چھوٹی، قیمت ۸ر پتہ :- جناب قاضی ظہور الحسن صاحب، بہ مکان مولوی فیض الدین وکیل محلہ عابد شاپ، حیدر آباد دکن،

جناب قاضی ظہور الحسن صاحب سیوہاروی نے "محمود اور فردوسی" نام کے رسالہ میں فردوسی سے محمود کے شاہنامہ پر وعدۂ انعام و وعدہ خلافی اور پھر فردوسی کے ہجو لکھنے کی مشہور عام روایت کی دلائل سے تردید کی تھی، اس رسالہ کا تبصرہ ان صفحات میں شائع ہو چکا ہے، اب اسی رسالہ کے

دوسرے اڈیشن میں مؤلف کے صاحبزادے جناب قاضی عبدالصمد صاحب نے اس بحث کو مزید دلائل سے مستحکم کرکے مرتب کیا ہے، اور فردوسی کے سوانح کے ابواب بڑھائے ہیں،

نیم شب، از جناب اشتیاق حسین صاحب قریشی ایم اے، پروفیسر سینٹ اسٹیفنس کالج دہلی، ناشر مکتبہ جامعہ، دہلی، حجم ۶۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت: ۸ر

جناب اشتیاق حسین صاحب قریشی کو مختصر ڈرامہ نویسی کا خاصہ ذوق ہے، اس سے پہلے ان کے متعدد ڈراموں کا تذکرہ ان صفحات میں کیا جا چکا ہے، یہ ڈرامہ ایک نئے عنوان پر ہے، اس میں ہندوستان کو ۱۹۵۵ء میں دکھایا گیا ہے، جب کہ وہ تحریک اشتراکیت کے ہولناک انقلاب سے دوچار ہے، کسی ملک میں انقلاب کے جو اثرات طاری ہوتے ہیں، فسانہ میں ان کے دونوں پہلوؤں کو دکھایا ہے، مصنف کا مقصد اس کے پیش کرنے سے یہ ہے کہ جو نتائج جن اسباب سے پیش آسکتے ہیں، ان کے ضرر رساں پہلوؤں کے پیدا کرنیوالے اسباب پہلے ہی دور کئے جا سکتے ہیں اس لئے ہندوستان کے مفکرین کے لئے ابھی اتنا وقت موجود ہے کہ وہ غور و فکر سے ایسا ماحول پیدا کریں کہ سرے سے نہ اقتصادی انقلاب پیدا کرنے کی ضرورت ہو اور نہ اس کے نتائج بد پیش آئیں

انجام، از جناب محمد مجیب صاحب بی اے (آکسن) ناشر مکتبہ جامعہ دہلی، ۱۱۴ صفحے، تقطیع چھوٹی، چھپائی ٹائپ میں، قیمت: ۱۲ر

یہ ایک معاشرتی ڈراما ہے، جو مسلمانوں کی توہم پرستیوں کی اصلاح کے لئے لکھا گیا ہے، اس ڈرامے کا دوسرا اڈیشن شائع ہوا ہے، اس سے پہلے اس کا تبصرہ ان صفحات میں کیا جا چکا ہے،

حلقۂ مسموم / **خاندانی آسیب** } از جناب محمد نصیر احمد عثمانی نیوتنوی ایم اے، پروفیسر جامعہ عثمانیہ حجم بہ ترتیب، ۲۱۰ صفحات و قیمت ۲ ار و پیہ ۱۲ر، پتہ:- جناب محمد سلیمان خان، ۹۱۷ کلب روڈ، چادرگھاٹ، حیدرآباد دکن،

یہ دونون سر آرتھر کانن ڈائل کے سراغ رسانی کے مشہور سلسلۂ افسانہ "شرلک ہومز" کے ناولون کے صاف سلیس اور روان ترجمے ہیں، ان ناولون کے ترجمے پنجاب کے کسی دارالاشاعت کی طرف سے اس سے پہلے بھی شائع ہو چکے ہیں،

کلام ٹیگور، (حصہ اوّل) مترجمہ جناب ایم ضیاء الدین صاحب پروفیسر شانتی نکیتان بنگال، ناشر وشوا بھارتی شانتی نکیتان بنگال، حجم ۲۰۱ صفحے چھپائی ٹائپ میں، قیمت عہ

ہندوستانی زبان کے ادبی رسالون میں ٹیگور کے کلام کے ترجمے "ادب لطیف" کے ذیل میں عموماً نوجوان و نومشق ادیبوں کے قلم کی مشق کے طور پر آئے دن چھپتے رہتے ہیں، خوشی ہوئی کہ اب جناب ایم ضیاء الدین نے جنھین شانتی نکیتان کے تعلق سے ٹیگور کی معیت مین رہنے کا اتفاق حاصل ہے، اس کا سنجیدہ اور مستند ترجمہ ہندوستانی زبان میں پیش کیا ہے، اور شانتی نکیتان کی علمی مجلس نے اسے شائع کیا ہے، ترجمہ براہ راست بنگالی زبان سے کیا گیا ہے، اس کے پہلے حصہ میں کل ۱۰۲ نظمین ہین، جو اکثر شانتی نکیتان میں گائی جاتی ہیں، ترجمہ میں نفاہت، سادگی اور برجستگی پائی جاتی ہے، اگر ہر نظم کا عنوان بھی قائم کر دیا جاتا تو مناسب ہوتا، مترجم نے دیباچہ میں ٹیگور کے سوانح اور کلام پر نظر ڈالی ہے، جس میں ٹیگور خاندان کے اسلامی تہذیب و معاشرت سے مانوس ہونے کو خاص طور پر دکھایا ہے، نیز ٹیگور کے کلام پر نقد کرتے ہوئے ان کی ان اصلاحوں کو پیش کیا ہے، جو انھون نے بنگالی زبان کی شاعری اور قواعد عروض و موسیقی میں کی ہیں، امید ہے کہ یہ مجموعہ ملک کے ادیبوں اور شاعروں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا،

قوم کی فریاد، از جناب نظامی بدایونی، نظامی پریس بدایوں، قیمت ۲ر

یہ مولانا حالی مرحوم کے مشہور دعائیہ قصیدہ کی تضمین ہے، جو ان کی صدسالہ برسی کی تقریب کے موقع پر پڑھی گئی، اور اچھی لکھائی چھپائی کے ساتھ شائع کی گئی ہے،

"م"

جلد ۳۷ | ماہ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۳۶ء | عدد ۲

مضامین

شذرات

افسوس کہ مولانا خلیل الرحمن صاحب، سابق ناظم ندوۃ العلماء نے ۴ فروری ۱۹۳۶ء کی شب کو اپنے وطن سہارنپور میں اس دارفانی کو الوداع کہا، مولانائے مرحوم مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری (محشی بخاری و تلمیذ مولانا شاہ محمد اسحٰق دہلوی) کے چشم و چراغ تھے، مولانا احمد علی مرحوم پچھلی صدی کے آخری دور میں ہندوستان کے ان باکمالوں میں تھے جن کی مسندِ درس سے علمِ دین کی شمع روشن تھی، اور تشنگانِ علم اس سرچشمہ سے سیراب ہونے کے لئے سینکڑوں میل کی منزلیں پاپیادہ طے کرکے وہاں تک پہنچتے تھے، مولانا خلیل الرحمن نے علم کے اسی گہوارہ میں آنکھ کھولی اور اپنے والد ماجد کے دامنِ فیض میں تعلیم و تربیت پاکر فارغ التحصیل ہوئے،
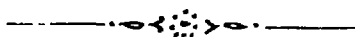
مرحوم، ندوۃ العلماء کے دورِ اول کے محسنین میں سے تھے، مولانا محمد علی مونگیری ناظم ندوۃ العلماء کی معیت میں اس ملی و علمی خدمت میں شریک ہوئے، اور آخر تک رہے، مرحوم خوش خلق، متواضع، رحمدل، اور عزیزوں سے دلی محبت فرمانے والے تھے، اتفاق وقت کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی ہنگامہ خیز اسٹرائک کا واقعہ انہی کے دورِ نظامت میں پیش آیا تھا، اس نازک وقت اور ناسازگار حالات میں بھی مولانائے مرحوم دارالعلوم کے طلبہ کے ساتھ جس عدیم المثال شفقت و محبت سے پیش آئے، اسکی یاد اس عہد کے فارغ التحصیل علمائے ندوہ کے دلوں میں ہمیشہ کے لئے باقی رہ گئی، اور مدت گذرنے کے بعد انہیں جب کبھی مرحوم سے شرف ملاقات کا موقع حاصل ہوا انھوں نے ان کے دل کو شفقت و محبت سے لبریز پایا، ندوۃ العلماء کی خدمات انجام دینے کے علاوہ مرحوم کی زندگی کا ایک اہم کارنامہ صحیح بخاری کے اس نادر نسخہ کی اشاعت ہے، جس پر ان کے والد ماجد کے حواشی ثبت ہیں، یہ نسخہ مدتوں عربی مدارس میں صحیح بخاری کے لئے واحد مدار رہا ہے، مرحوم نے اسّی سال سے زیادہ عمر پائی، اگرچہ آخر عمر میں چراغِ سحری ہو کر گوشہ نشین

ہو گئے تھے، لیکن ان کے وجود گرامی سے ہندوستان کے پچھلے دور کی دینی تعلیم و تہذیب کی شمع روشن تھی، افسوس کہ وہ بھی گل ہو گئی، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی رحمت کے سایہ میں لے، اور انکے صاحبزادگان مولوی منظور النبی ندوی و مولوی عتیق الرحمن صاحب ندوی کو توفیق صبر عطا فرمائے۔

ہم نے یہ خبر بھی دلی رنج و افسوس سے سنی کہ ۳ر فروری کو مولانا **راشد الخیری** نے اس دار فانی کو خیرباد کہا اور ہندوستان کا طبقۂ نسوان اپنے ایک بڑے معلم اور اپنے حقوق کے ایک بڑے محافظ سے، اور ہندوستانی زبان اپنے ایک بڑے محسن کی خدمات سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئی، مرحوم شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد کے عزیز قریب اور طرز تحریر میں ابتداءً ان کے پیرو تھے، مرحوم نے اپنی ادبی زندگی رسالہ مخزن کی ادارت سے وابستہ ہو کر شروع کی، پھر ۲۷ سال گذرے کہ عصمت کے نام سے ایک زنانہ رسالہ جاری کیا، اور ساری عمر طبقۂ نسوان میں بیداری پھیلانے اور انہیں تعلیم و تربیت کے زیور سے آراستہ کرنے میں گذار دی، ہندوستان کے طبقۂ نسوان کو بیدار کرنے کی خدمت دو بزرگوں شمس العلماء مولوی ممتاز علی (تہذیب نسواں) اور مولانا راشد الخیری (عصمت) نے انجام دی، افسوس کہ یہ دونوں ۲ ماہ کے اندر اندر ہم سے جدا ہو گئے، مولانا راشد الخیری کی تحریک نسوان کا یہ امتیازی وصف تھا کہ وہ حقوق نسوان کے سب سے بڑے حامی ہونے کے ساتھ شریعت اسلامی کے حدود کا پاس نگاہ میں رکھتے تھے، اور حقوق نسواں کے حامیوں کے اس گروہ کے سب سے بڑے مخالف تھے، جو عورتوں کو مغرب کی کورانہ تقلید کی طرف لیجانے والا ہے، وہ ہندوستانی زبان کے مشہور ادیب اور صاحب طرز انشاپرداز تھے، انہیں لال قلعہ کی پاکیزہ زبان لکھنے پر قدرت حاصل تھی، وہ انسانی درد و مصیبت اور معاشرتی زندگی کا خاکہ کھینچنے میں کمال رکھتے تھے، ان کی صبح زندگی و شام زندگی، ڈپٹی نذیر احمد کی توبۃ النصوح وغیرہ کے پہلو میں رکھے جانے کے قابل ہیں، اور بلاشبہ ان کی کتابیں پڑھ کر آنسوؤں کا ضبط کر لینا دشوار ہے، خداوند تعالیٰ ان پر اپنی رحمت کے پھول برسائے اور پسماندگان کو توفیق صبر دے، توقع ہے کہ ان کے خلف الصدق جناب رازق الخیری جو مرحوم کی زندگی ہی سے رسالہ عصمت کے مدیر ہیں، اور چھوٹے صاحبزادے جناب صادق الخیری جو ان کے ایک دوسرے زنانہ رسالہ جوہر نسوان کو چلا رہے ہیں، ان رسائل کو زندہ رکھیں گے، کہ یہ ان کی زندگی کی بہترین یادگار ہیں،

اس سال ہندوستانی اکیڈمی صوبہ متحدہ کی چوتھی ادبی کانفرنس کا اجلاس وسط ماہ جنوری میں الہ آباد میں منعقد ہوا، کانفرنس کا افتتاح ہندوستانی زبان کے محسن رائٹ آنریبل ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو نے کیا، اس کے بعد صوبہ بہار کے سابق ہوم ممبر مسٹر سچدانند سنہا نے کانفرنس کا صدارتی خطبہ اجنبی زبان انگریزی میں پڑھا، اور اسکی توجیہ میں جو کچھ انھوں نے کہا اس میں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ موصوف نے جنھوں نے کبھی بہار کونسل میں ہندی زبان کے پہلو بہ پہلو اردو زبان کو عدالتوں میں آزمائشی طور پر بھی رواج دینے کی سخت مخالفت کی تھی، اب اردو کو ہندی زبان کے ہم رتبہ تسلیم کر لیا ہے،

اجلاس کے شعبۂ اردو کی صدارت مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو نے کی، موصوف نے اپنے خطبہ میں پچھلی صدی میں اردو کی ترقی کے چار اہم مرکز فورٹ ولیم کالج کلکتہ، دہلی کالج، سائنٹفک سوسائٹی علی گڈھ اور اورنیٹل کالج لاہور کی خدمات کو سراہا، پھر خطبہ میں سرسید، مولانا حالی، نذیر احمد، آزاد، اور شرر کا ذکر آیا ہے، اس کے بعد موصوف نے ملک کے موجودہ علمی اداروں کے "اٹکل پچو" کام کرنے پر افسوس کرکے اپنے عہد نظامت کی ترقی یافتہ انجمن ترقی اردو کے طریق کار کو پیش کر کے اصول کے ماتحت کام کرنے کا سلیقہ سکھایا ہے، اگر اردو کی پچھلی اور موجودہ ترقیوں کے ضمن میں ذکر نہیں آیا تو اس شخصیت کا جس نے اس قابل مثال انجمن ترقی اردو کی بنیاد ڈالی اور جسے اس کا ناظم اول مقرر کیا گیا، اور اسکی وفات کے بعد بھی اس کی یادگار میں ایک مجلس اپنی بساط کے مطابق مصروف عمل ہے، شاید مولوی صاحب کی نظر میں یہی وہی ادارہ ہو جس نے ابتک "اٹکل پچو" کام انجام دیئے ہیں، شعبۂ اردو میں تقریباً ۱۰-۲۰ ممتاز اہل علم نے مختلف موضوعوں پر اپنے مضامین پڑھے، ان میں سے "ہندوستان کی تربیت جدید میں اردو شاعری کا حصہ" (جناب سیماب اکبرآبادی) "شاہ دولہ" (جناب سید حسن برنی) "دور سلطانی کے امرا" (ڈاکٹر بنا پرشاد سکسینہ) "اردو شاعری کے جدید انتخابات کی ضرورت" (مولانا عبدالسلام ندوی) "اردو کا واعظ شاعر" (مولانا عبدالماجد دریابادی) "اردو کے اعراب" (مولوی نعیم الرحمن) "اردو قواعد" (ڈاکٹر زبید احمد) اور "دکن کی اردو شاعری عہد آصفی میں" (ڈاکٹر سید محی الدین قادری) وغیرہ مضامین قابل ذکر ہیں،

مقالات

تاج محل اور لال قلعہ کے معمار

یہ مقالہ ادارۂ معارف اسلامیہ لاہور کے اجلاس میں پڑھا گیا، اب مزید نئے معلومات کے اضافہ کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے،

ہندوستان کے ارباب کمال میں خدا جانے کتنی ہستیاں ہیں جو گمنامی کے پردہ میں اس طرح چھپی ہیں کہ آج ہزار تلاش اور جستجو پر بھی ان کا سراغ نہیں لگتا، اس ملک میں تاریخ نویسی کا رواج بہت کم تھا، گو مسلمانوں کے آنے کے بعد تاریخ کی کچھ کچھ روشنی یہاں پھیلنے لگی، پھر بھی بادشاہوں کے ایوان تاریخ سے باہر بدستور اندھیرا چھایا رہا، شاعروں نے البتہ اپنے تذکروں کی محفل میں شمع جلائی، مگر اس کی روشنی اتنی مدھم ہے کہ خود ان کی صورتیں بھی اس سے پہچان میں اچھی طرح نہیں آتیں، روحانی بزرگوں کے مزاروں پر بھی چراغ جلائے گئے ہیں، مگر ان سے بھی تبرکات اور کرامات کے سوا کچھ اور نظر نہیں آتا، اگر ملا بدایونی، شاہ عبدالحق دہلوی اور آزاد بلگرامی نہ ہوتے تو جو کچھ بھی معلوم ہے وہ بھی ہم کو معلوم نہ ہو سکتا،

لاہور کے جس مہندس خاندان کا حال آج ہم کو سنانا ہے، افسوس ہے کہ تاریخوں میں نام کے سوا اس کے کسی رکن کا حال بھی کچھ معلوم نہیں ہوا، حالانکہ ان کی بنائی ہوئی عمارتیں تاج آگرہ، لال قلعہ اور جامع مسجد دہلی ہمیشہ سے مشہور روزگار ہیں، مگر کتنے افسوس کی بات ہے کہ جن باکمالوں نے فن کی ندرت کا کمال دکھایا ہے، کاغذ کے پرانے اوراق میں بھی ان کا نام و نشان نہیں ملتا،

شاہجہان کی تاریخون میں اس کے سال ششم میں روضۂ تاج محل کے بننے کا پورا حال ایک ایک چیز کی پیمایش کے ساتھ لکھا ہے، مگر جن نادرہ کار مہندسوں، نقاشون، اور طراحون نے اس کا خاکہ کھینچا، اور جن معمارون نے ان کو بنا کر تیار کیا، ان غریبون کے نام تک بھی ان اوراق میں جگہ نہ پا سکے، اور آج کل کے محققین بڑی چھان بین کے بعد بھی ان کا پتہ لگانے میں پوری طرح کامیاب نہ ہو سکے،

اس خاندان کے بعض ارکان کے نام مصنف کی حیثیت سے بعض کتبخانون کی فہرستون میں مذکور ہیں، مگر ان میں بھی نام کے سوا کچھ اور نہین، اور نہ ان افراد کے باہمی تعلق کا ذکر ہے، بلکہ ان کی حیثیت بیگانہ افراد انسانی کی ہے،

دیوان مہندس کا نسخہ پورے دو برس ہوئے کہ ایک کرمفرمانے بنگلور سے مجھ کو اطلاع دی کہ ان کے پاس مہندس نام ایک شاعر کا فارسی دیوان ہے، اور دریافت کیا کہ کیا آپ اس شاعر سے واقف ہیں، میں نے لکھا کہ آپ وہ نسخہ مجھے بھیجدین تو میں اپنی راے ظاہر کرون، موصوف نے بڑی مہربانی فرما کر نسخۂ مذکور میرے پاس بھیجدیا، میں نے اس شخص کی تلاش میں اکثر تذکرے دیکھے، لیکن کہیں کچھ پتہ نہ چلا، مگر خوش قسمتی سے خود اس دیوان میں شاعر کی ایک مثنوی مل گئی جس میں اس نے اپنے خاندان کا مختصر حال خود لکھا ہے، اسکو پڑھ کر میری خوشی کی کوئی حد نہ رہی کہ یہ معمارون اور انجینیرون کی طرف سے پہلی آواز تھی جس مین تاج اور لال قلعہ کے بنانے کا دعویٰ کیا گیا تھا۔

اس مثنوی سے نہ صرف شاعر کی، بلکہ شاعر کے باپ اور بھائیون کے حالات بھی معلوم ہوئے اور اس کے دوسرے قصائد اور اشعار سے یہ بھی قیاس میں آیا کہ اس باکمال خاندان کی گمنامی کا سبب کیا ہو سکتا ہے،

شاعر کا نام لطف اللہ اور تخلص مہندس ہے[1]، مہندس کے معنی علم ہندسہ جاننے والے یعنی انجنیر کے ہیں، اور اس کا یہ دیوان، چند قصیدون، بعض مثنویون اور بہت سی غزلون پر مشتمل ہے اور یہ سب فارسی میں ہین،

---

[1] بعض تذکرون میں مہندس کے بیٹے ریاضی کے ضمن میں مہندس کا نام مذکور ہے، (س)

دیوان کا کوئی دوسرا نسخہ مجھے نہیں ملا، زیر نظر نسخہ چھوٹی تقطیع کے ۹۶ صفحوں پر حاوی ہے، دیوان کے حصۂ غزل کے خاتمہ تاریخ اتمام "۶ رشہر ذی الحجہ ۴۷ سنہ بوقت شب تحریر یافت" لکھا ہے، اور دیوان کے خاتمہ پر اس کتاب کی خریداری کی تاریخ لکھی ہو:۔

"بتاریخ بستم رمضان المبارک ۱۱۵۰ھ دیوان مہندس خرید شد بسرکار نواب ابراہیم خان بہادر"

اور کتاب کے اندر بعض تاریخی قطعات ہیں، جن میں سب سے آخری تاریخ ۱۰۶۶ سنہ کی ہے، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر یہ "۶ رشہر ذی الحجہ ۴۷ سنہ"، ہجری سنہ ہے تو وہ یقیناً ۱۱۴۷ھ ہے، ورنہ میرا شبہہ اس بنا پر کہ یہاں صرف ۴۷ سنہ لکھا ہے، اور سیکڑہ نہیں لکھا ہے، یہ ہوتا ہے کہ یہ سنہ ہجری نہیں بلکہ سنہ جلوس ہے، اب ۱۰۶۶ سنہ کے بعد اور ۱۱۵۰ھ کے بیچ میں ایسا بادشاہ جس کو جلوس کا سینتالیسواں سال نصیب ہوا ہو اورنگزیب عالمگیر کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا، ۴۷ سنہ جلوس عالمگیری ۱۱۱۵ھ کے مطابق ہے،

اس نسخہ کے صفحۂ اول پر عمدہ جلی نستعلیق سے" این کتاب سر(کار) نواب بہادر . . . " لکھا ہے، باقی حروف کٹ گئے ہیں، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نسخہ کی تقطیع پہلے بڑی تھی، جلد بندی کے وقت کچھ حاشیہ کاٹ دیا گیا ہے، اس کے نیچے "این کتاب سرکار نواب ابراہیم خان بہادر ہزبر جنگ بکتاب خان (بکتاب خانہ ؟) داخل شد" اس پر ایک مہر بھی تھی جو کسی نے مٹا دی ہو،

شاعر کا نام لطف اللہ اور تخلص مہندس سن چکے، اور وہ اپنے باپ کا نام احمد معمار بتاتا ہے، معمار احمد کا پیشہ ہے، نام کا جزء نہیں، اس کے ایک قطعہ میں اس کا شاہی لقب "نادر العصر" مذکور ہے، اس شاعر کی بعض اور تحریریں بھی ہم کو دستیاب ہوئی ہیں جن میں وہ اپنے باپ کو عموماً "استاد احمد لاہوری" لکھا کرتا ہے، اب ان ٹکڑوں کے جوڑنے سے احمد کا پورا نام و لقب "نادر العصر استاد احمد لاہوری" ثابت ہوتا ہے،

نادر العصر استاد احمد لاہوری

اس نادر العصر کے حالات کا سراغ تاریخ کی کتابوں میں نہیں ملتا، البتہ قلعۂ دہلی کی تعمیر کے سلسلہ میں مورخوں نے کہیں کہیں اس کا نام لیا ہے، محمد صالح کنبوہ نے عمل صالح میں جو شاہجہان

کی معاصر تاریخ ہے، شاہجہان آباد کے عمارات و قلعہ کی تعمیر کے بیان میں اسکا نام ان لفظوں میں لیا ہے،

"از شب جمعہ بست و پنجم ذی حجہ مطابق نہم اردی بہشت سال دوازدہم از جلوس اقدس مطابق یکہزار و چہل و ہشت[1] ہجری در زمان محمود دو آد ان مسعود استاد احمد و حامد[2] سرآمد معماران نادرہ کار بسرکاری غیرت خان صوبہ دار آنجا و صاحب اہتمام این کار مطابق طرح بدیع و نقشۂ تازہ کہ بہیچ وجہ نظیر آن در شش جہت دنیا بہ نظر نظارگیان نیامدہ بود، رنگ ریختہ" (جلد ۳ ص ۲۸، کلکتہ)

مدرسۂ دیوبند کے کتبخانہ میں ایک قلمی کتاب تاریخ شاہجہان کے نام سے ہے، جس کا نمبر ۳۴۴۳ ہے، اس میں چند صفحے باب قلعۂ شاہجہان آباد کے عنوان سے شاہجہان آباد اور شالامار باغ کی تعمیر کے حالات میں ہیں، اس سلسلہ میں حسب ذیل عبارت ہے:-

"بحکم اشرف بعد از پنج ساعت از شب جمعہ بست و پنجم ذی الحجہ مطابق اردی بہشت سال دوازدہم از جلوس اقدس شاہجہانی موافق سنہ ہزار و چہل و ہشت ہجری کہ مختار دانشوران انجم و افلاک بود، استاد احمد و استاد حامد کہ معماران ماہر بودند و در کار عمارت سرآمد، بسرکاری غیرت خان برادرزادہ عبداللہ خان فیروز جنگ کہ نظم صوبہ دہلی و اہتمام تاسیس عمارت مذکور باو مفوض شد، مطابق طرحے کہ در پیشگاہ خلافت مقرر گشتہ بود . . . . . ."

شاہجہانی و عالمگیری عہد کے امرا کے خطوط کا ایک ناقص اور بے نام و نشان پرانا مجموعہ[3] ہے، اس کے ایک خط میں نواب جعفر خان کو سرائے باغ اور قلعہ حسن ابدال کی تعمیر کے متعلق کچھ لکھا گیا ہے، اس سلسلہ میں

[1] اس مطبوعہ نسخہ میں جسکی تصحیح ناظم آثار قدیمہ سرکار نظام مولوی غلام یزدانی صاحب نے کی ہے، یہ سنہ لفظوں میں چہل و ہشت کے بجائے "ہشتاد و چہل" چھپ گیا ہے جو قابل تصحیح ہے، [2] اسی طرح یہ بھی تعجب انگیز ہے کہ اس مطبوعہ نسخہ میں حامد کا نام حذف ہو گیا، متعدد قلمی نسخے دیکھے سب میں احمد کیساتھ حامد کا نام بھی ہے، کتبخانہ حبیب گنج کے نسخہ ۲۳/۲۴ کی عبارت یہ ہے، "موافق ۱۰۴۸ھ در زمان محمود آوان مسعود استاد احمد و حامد سرآمد معماران نادرہ کار . . . . مطابق طرح تازہ و نقشۂ بدیع" ورق ۶۲ [3] یہ مجموعہ مولوی عبداللہ صاحب چغتائی (اسلامیہ کالج لاہور) کی ملک میں ہے،

استاد احمد معمار کا ذکر ان لفظوں میں آیا ہے :-

" . . . . بدرگاہ سلاطین سجدہ گاہ معروض داشتہ حقیقت حسن سلوک وکاردانی محمد مومن مذکور واستاد احمد معمار کہ در طراحی و وقوف کار عمارت و معاملہ شناسی استعداد تمام درستی بکمال دارد۔"

عمدۃ الملک نواب جعفر خان، مختلف مناصب جلیلہ کے بعد ۱۹ سنہ جلوس شاہجہانی مطابق ۱۰۵۵ھ میں پنجاب کا صوبہ دار، ۲۱ سنہ جلوس شاہجہانی مطابق ۱۰۵۷ھ میں شاہجہان کا وزیر، اور ۱۰۸۴ھ میں عالمگیر کا وزیر ہوا، اور ۱۰۸۱ھ میں وفات پائی، یہ خط غالباً پنجاب کی صوبہ داری یا وزارت کے عہد میں اس کو لکھا گیا ہوگا، کیونکہ جیسا آگے معلوم ہوگا کہ اس کے دو ہی برس بعد ۱۰۵۹ھ میں احمد وفات پاچکا تھا،

سرسید مرحوم نے اپنی قابل قدر تصنیف آثار الصنادید میں استاد احمد اور حامد کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے کہ "یہ اپنے فن میں " بے نظیر" اور ہندسہ وہیئت میں ثانی اقلیدس اور رشک ارشمیدس تھے"،

بہرحال ان حوالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ استاد احمد، عہد شاہجہانی میں "سرآمد معماران نادرہ کار" تھا، اور اس کو عمارتوں کا نقشہ اور خاکہ بنانے اور تعمیرات کے دوسرے کاموں میں کمال دستگاہ حاصل تھی،

تاج محل کے حالات میں بعہد انگریزی آگرہ میں ایک فارسی رسالہ خدا جانے کس نے لکھا ہے، اس کے قلمی نسخے عموماً ملتے ہیں، اس میں حالات کے ساتھ ساتھ عمارات کی تصویریں بھی ہیں، شروع میں ممتاز محل کی وفات کی افسانہ نما کیفیت لکھی گئی ہے، اور پھر اس میں تاج محل کی تعمیر کا ایک ایک خرچ اور اس کے ایک ایک پتھر کی قیمت، اور اس کے ایک ایک کاریگر کے نام مع تعین تنخواہ لکھے ہیں، جو زیادہ تر سنی سنائی حکایتوں اور فرضی اعداد پر مشتمل معلوم ہوتا ہے، اس رسالہ میں کاریگروں میں سب سے پہلا نام "استاد عیسیٰ نادر العصر نقشہ نویس ساکن روم" لکھا ہے، اس کتاب کے مختلف نسخے دیکھے اور سب میں ناموں کا کچھ نہ کچھ اختلاف پایا، اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ اس میں ہندو کاریگروں تک کو ساکن روم و بلخ و قندھار و سمرقند لکھا ہے، جامع علی گڈھ

حیدر آباد، بھوپال، ندوہ اور دار المصنفین کے کتب خانوں کے نسخوں میں اور ان کے علاوہ اور بھی اس کے جو نسخے نظر سے گذرے ان میں بھی یہ شعر گرگی موجود ہے "استادنادر العصر" تک تو نام صحیح ہے، جو اسی احمد معمار کا شاہی لقب تھا، گر اس میں "عیسیٰ نقشہ نویس ساکن روم" کا نام اضافہ ہو گیا یہ کہ "استاد نادر العصر" اور "عیسیٰ ساکن روم" دو نام ہیں، جو ایک میں مل گئے ہیں، اس کتاب تاج میں امانت خان شیرازی کے سوا جس کا ذکر تاریخوں اور تذکروں کے علاوہ خود تاج کے کتبوں میں ہے، جن کاریگروں کی فہرست دی گئی ہے، اور جو تنخواہیں لکھی گئی ہیں، وہ تمام تر محتاج ثبوت ہیں لیکن تعجب ہے کہ تاج کے مورخین حال نے ان کو بیچون وچرا تسلیم کر لیا ہے، بہرحال تاج کے معماروں میں سے جو نام اب سب سے زیادہ اہم سند رکھتا ہے، وہ یہی نادر العصر استاد احمد ہے، جس کا نام اس مضمون میں سب سے پہلی دفعہ پیش کیا جارہا ہے،

لطف اللہ کے بیان سے اس کے باپ احمد کے کچھ اور حالات بھی معلوم ہوتے ہیں، مثلاً یہ کہ احمد معمار آجکل کا کوئی اناڑی راج نہ تھا، بلکہ وہ باقاعدہ ہندسہ (انجنیرنگ) ہیئت اور ریاضیات کا بہت بڑا عالم تھا، یونانی ریاضیات فلکی کی سب سے اونچی کتاب مجسطی کا ماہر تھا، اور اقلیدس میں خواجہ نصیر طوسی کی مشہور کتاب تحریر اقلیدس کا عالم تھا، لطف اللہ ایک مثنوی میں اپنے خاندانی حالات کا ذکر ان لفظوں میں کرتا ہے،

شاہجہاں دادور گیتی ستاں | روشنی ودودۂ صاحب قراں
عرش بریں تپۂ خرگاہ اوست | رشک فلک سدۂ درگاہ اوست
احمد معمار کہ در فن خویش | صد قدم از اہل ہنر بود بیش
واقف تحریر و مقالات آں | آگہ آشکال و حوالات آں
حال کواکب شدہ معلوم او | ستر مجسطی شدہ مفہوم او
از طرف داور گردوں جناب | نادر عصر آمدہ اورا خطاب
بود عمارت گر آں بادشاہ | داشت دراں حضرت فرخندہ راہ

ان اشعار سے نادر العصر احمد معار شاہجہانی کے فضل و کمال کا پورا اظہار ہوتا ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ شاہجہان کا مشہور عمارت گر تھا، اب اس کے بعد وہ اشعار آتے ہیں جن میں اس عظیم الشان حقیقت کا انکشاف ہے، جو اب تک مستور و مخفی تھی، یعنی یہ کہ یہی وہ ممتاز ہستی ہے، جس نے ممتاز محل کا روضہ اور دہلی کا لال قلعہ تعمیر کیا، کہتا ہے،

آگرہ چوں شد مضرب رایاتِ شاہ | بس کہ برو بود عنایاتِ شاہ
کرد بحکمِ شہِ کشور کشا | روضۂ ممتاز محل را بنا
باز بحکمِ شہِ انجم سپاہ | شاہجہاں داورِ گیتی پناہ
قلعۂ دہلی کہ ندارد نظیر | کرد بنا احمدِ روشن ضمیر

ان دو کے علاوہ عہد شاہجہانی کی دوسری عمارتیں بھی اس نے بنائی تھیں، چنانچہ کہتا ہے،

ایں دو عمارت کہ بیاں کردہ ام | در صفتش خامہ رواں کردہ ام
یک ہنر از گنجِ ہنرہاے اوست | یک گہر از کانِ گہرہاے اوست

اسکے بعد اس کی وفات کا ذکر کیا ہے،

چوں نبود عالمِ فانی مقر | کرد سوے عالمِ باقی سفر

اس مثنوی کے شروع میں شاہجہاں کا ذکر زمانۂ موجودہ میں کیا گیا ہے،

عرش برین قبۂ خرگاہِ اوست | رشکِ فلک سدۂ درگاہِ اوست

اس سے ظاہر ہے کہ یہ مثنوی شاہجہان کی زندگی میں لکھی گئی ہے، اور اسی کے عہد میں تاج محل اور قلعۂ دہلی کی تعمیر کا یہ دعویٰ کیا گیا ہے، اس سے زیادہ ثبوت اور کیا درکار ہے،

استاد حامد استاد احمد کے ساتھ اس کے بھائی استاد حامد کا نام بھی ذکر کے قابل ہے، یہ بھی معماری، ہندسہ اور دیگر علوم ریاضی میں سربرآوردہ تھا، اور قلعہ کی تعمیر میں احمد کا شریک تھا، سرسید مرحوم اپنی قابل قدر

کتاب آثار الصنادید میں قلعۂ شاہجہانی کے بیان میں لکھتے ہیں کہ

"اچھی سے اچھی ساعت دیکھ کر استاد حامد اور استاد احمد معماروں نے کہ اپنے فن میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے، اور ہندسہ و ہیئت میں ثانی اقلیدس اور رشک ارزمیدس تھے، اس قلعہ کی پاؤ رکھی" (طبع اول صلہ باب دوم)

طبع دوم میں یہی عبارت ان لفظوں میں ہے،

"استاد حامد اور استاد احمد جو اپنے فن میں یکتا تھے، اس قلعہ کو بنواتے تھے، (طبع دوم ۲۵ نامی پریس)

دہلی کے بڑے بوڑھوں کی زبانی یہ روایت مجھ تک پہنچی ہے کہ جامع مسجد دہلی بھی اسی استاد حامد نے جس کا مشہور نام "استا حامد" ہے، بنائی ہے، اور اس کے بنانے میں اس کا دوسرا شریک "استا ہیرا" تھا، استاد حامد کا نام قلعۂ دہلی کے بعد جو ۱۰۵۸ھ میں بنا، مانڈو کے ایک سیاحتی کتبہ میں جس کی تاریخ ۱۰۶۰ھ ہے، جیسا کہ آگے آئیگا، لکھا ہوا ملتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس زمانہ تک زندہ تھا، دہلی کے ایک قدیم معزز خاندان کے ایک واقف کار (سید مرتضیٰ علی صاحب ہیڈ کلرک دفتر کمانڈران چیف دہلی) کی زبانی مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ استاد حامد اور استاد احمد دونوں بھائی تھے، استاد حامد کے نام سے "کوچہ اوستا حامد"[1] دہلی میں اب تک دریبہ اور جامع مسجد کے درمیان موجود ہے، اور ان کی اولاد دہلی میں سکونت پذیر ہے اور لاہور والے کہلاتے ہیں، اور آجکل وہ سادہ کاری کا کام کرتے ہیں، الغرض یہی وہ دو کاریگر ہیں جنھوں نے قلعۂ معلی اور اس کے حیرت انگیز عمارت دیوان عام و دیوان خاص غسلخانہ اور دوسرے محلات شاہی بنائے، اس تعمیر میں ایک تیسرا نام احمد کے بیٹے لطف اللہ کا شامل ہے جس کا ذکر آگے آئیگا،

استاد احمد کی تاریخ وفات اس دیوان کے آخر میں استاد احمد معمار کی وفات کی دو تاریخیں بھی درج ہیں،

(۱)

در زمانِ سعید شاہجہان شاہ عالم پناہ جم مقدار

[1] وال کے بجائے استا حامد،

نادر العصر رفت و گفت خرد   شد بفردوس احمدِ معمار

(۲)

آں نادرِ عصر زینتِ دہر   چوں رفت بسوئی ملک سرمد

تاریخ وفاتِ او خرد گفت   محمود العاقبت شد احمد

ان دونوں قطعوں کے ہر چوتھے مصرع سے ۱۰۵۹ھ کے اعداد نکلتے ہیں، روضہ کی تعمیر ۱۰۵۰ھ میں یعنی احمد کی وفات سے نو برس پیشتر ختم ہو چکی تھی، اور دہلی کا قلعہ ۱۰۴۸ھ سے شروع ہو کر احمد کی وفات سے ایک سال پہلے ۱۰۵۸ھ میں تکمیل پایا تھا، ممکن ہے کہ استاد احمد روضہ کو ختم کرکے قلعہ کی تعمیر میں شامل ہوا ہو، یا روضہ کا اصلی تعمیری کام ختم کرکے شروع ہی سے قلعہ کی تعمیر میں مصروف ہوا ہو،

استاد احمد نے ان تعمیری یادگاروں کے علاوہ اپنی تین جسمانی یادگاریں بھی چھوڑیں، اور ان کو بھی تعمیر و ہندسہ و ریاضیات کی بہترین تعلیم دی، اور غالباً اس کے پیش نظر یہ چیز تھی کہ ریاضیات کی اعلیٰ درجہ کی جو کتابیں اب تک صرف عربی زبان میں ہیں، ان کو فارسی میں منتقل کیا جائے، تاکہ وہ علوم فارسی دانوں کی دسترس میں آسکیں، چنانچہ ۱۰۵۰ھ میں یعنی جس سال روضہ تمام ہوا ہے، اور قلعۂ دہلی کی تعمیر جاری تھی، اس نے اپنے منجھلے بیٹے لطف اللہ کو عبد الرحمان صوفی کی صور الکواکب کے ترجمہ کا حکم دیا،

احمد معمار کی تین اولادیں | لطف اللہ کی جس مثنوی کے کچھ ابتدائی اشعار اوپر نقل کئے گئے ہیں، اس میں احمد معمار کی وفات کے ذکر کے بعد اس کے ان تین باکمال فرزندوں کے نام لئے گئے ہیں،

بس سہ پسر ماند زمرد سترگ   زاں سہ عطاء اللہ رشیدی بزرگ

دیوان کے اس نسخہ میں رشیدی کی جگہ کاتب نے "رشد" لکھا ہے، مگر اس کی تصنیفات میں اس کے نام کے ساتھ "رشیدی" لکھا ملتا ہے، اور جیسا کہ ظاہر ہے کہ اسی لفظ کو اسی طرح پڑھنے سے شعر صحیح ہو سکتا ہے، پھر عطاء اللہ کی تعریف میں کہتا ہے،

نادرِ عصرِ خود و مشہورِ شہر — عالم و علامہ و دانائے دہر

مردِ ہنر پرور و استادِ فن — فاضل و دانشور و حبرِ زمن

مخزنِ علم آمدہ تالیفِ او — گنجِ ہنرہاست تصانیفِ او

نثرِ وی از آبِ روان پاک تر — نظمِ خوشش غیرتِ سلکِ گہر

اس آخری شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ عطاء اللہ شاعر بھی تھا، اور غالباً اس کے نام کے بعد رشیدی اس کا تخلص ہے، اس کے بعد شاعر یہ بیان کرتا ہے کہ اس نے تمامتر اپنے اسی بڑے بھائی سے تعلیم پائی ہے

منکہ سخن پرور و دانش ورم — بندۂ آں حبرِ سخن پرورم

منکہ ربودم ز جہان گوے علم — از چمنش یافتہ ام بوے علم

منکہ شدم آگہِ سرِّ نہاں — از دمِ او یافتہ ام قوتِ جاں

اس کے بعد لطف اللہ اپنے کو احمد معمار کا منجھلا بیٹا بتاتا ہے اور اپنی تعریف آپ کرتا ہے،

ثانیِ آں ہر سہ برادر منم — ہندسہ یک فن بود از صد فنم

گرچہ مہندس لقبم از شہ است — نامِ منِ دل شدہ لطف اللہ است

لطف اللہ اپنا نام اور مہندس شاہی خطاب بتاتا ہے، اور یہی اس کا تخلص بھی ہے، اس کے بعد اپنے سب سے چھوٹے بھائی نور اللہ کا نام لیتا ہے،

ثالثِ آں ہر سہ بہادر بسال — آمدہ نور اللہ صاحب کمال

پھر کہتا ہے کہ ہم تینوں بھائی معمار اور انجنیر ہیں،

ما ہمہ معمارِ عمارت گریم — ما ہمہ استادِ سخن پروریم

اس کے بعد اپنے چھوٹے بھائی نور اللہ کی نظم و نثر کی تعریف کرتا ہے، اور تعمیری مہارتِ فن کی بنا پر معمار کا موروثی لقب اسی کے لئے مخصوص کرتا ہے،

لیک بود قصر کلامش عجب	زاں شدہ معمار مرا ورا لقب
گرچہ کم است سال وے از سال من	بیش بود حال وے از حال من
نثر وے از نظم گہربار تر	نظم ز نثر آمدہ ہموار تر
دیدہ ز نور سخنش پر ضیا	طبع ز لطف سخنش پر صفا
گنج ہنر آمدہ در مشت او	ہفت قلم راندہ سہ انگشت او
گرچہ منم بے سخن استاد فن	آں یک و ایں یک بود استاد من

اسی آخری شعر کا شاید یہ مطلب ہے کہ میں سب سے چھوٹے بھائی کا استاد ہوں، اور بڑا بھائی میرا استاد ہے، اس مثنوی کا خاتمہ اس شعر پر ہوتا ہے:-

گرچہ مراہست مہندس لقب	ہندسہ زان ہر سہ برادر طلب

اس سے ثابت ہوا کہ ہندسہ اور عمارت گری کے فن میں یہ تینوں بھائی مہارت رکھتے تھے،

الغرض احمد معمار کے ان تین باکمال بیٹوں کے نام بہ ترتیب یہ ہیں،

۱- عطاء اللہ رشیدی نادر العصر،

۲- لطف اللہ مہندس،

۳- نور اللہ معمار،

ابھی حال میں (جولائی ۱۹۳۵ء میں) لطف اللہ کی ایک اور تصنیف سحر حلال کا پتہ چلا، یہ مختصر رسالہ مدرسہ محمدی مدراس کے کتب خانہ میں ہے، جس کا نمبر ۲۶۸۶ ہے، اس کا دوسرا نسخہ بمبئی یونیورسٹی کے کتب خانہ میں ہے،

اس رسالہ میں بھی لطف اللہ نے اپنے باپ اور اس کے تینوں بیٹوں کا حسب ذیل عبارت میں جو بصورت معمہ ہے تذکرہ کیا ہے،

"احمد معمار والد ملوک داد ارسہ ولد دارد، اوّل عطاء اللہ سلمہ اللہ سالک مسالک علم . . .
عالم وعامل و علامہ عصر . . . رسالہا درعلم اعداد مسطور کردہ . . . . . وولد دوم اوسط
ہرسہ ملوک درگاہِ کردگار واسم ملوک عامل دو کلمہ آمد، کلمۂ دوم اللہ . . . . وکلمۂ اول
لام وطاء معادل عدد عطا، وولد سوم درمسالک علم وعامل . . . . . واسم ادہم
دو کلمہ دارد، کلمۂ دوم اللہ . . . . وکلمۂ اوّل معادل مطاور . . . . ."

احمد معمار کے بڑے بیٹے کا نام عطاء اللہ تو صاف ہے ، منجھلے بیٹے کے جو مصنف کتاب ہے ، نام کا دوسرا جزء اللہ اور پہلا جزء، لام اور طا اور ایک ایسا حرف ہے جس کا عدد لفظ "عطا" کے برابر ہے ، یعنی ۸۰ جو حرف ف کا عدد ہے ، یہ سب مل کر "لطف اللہ" ہوتا ہے ،

چھوٹے لڑکے کے نام کا بھی دوسرا جزء "اللہ" اور پہلا جزء "مطا" کا مساوی العدد اور 'و' ہے ، مطا کا ۵۰ ہے ، جو حرف ن کا معادل ہے ، حرف ' ن کو واؤ اور ر سے ملانے سے پورا نام "نوراللہ" نکلتا ہے ،

ان تینوں باکمالوں کے نام مختلف عمارتوں کے کتبوں کے گوشوں میں لکھے ہوئے ملتے ہیں ، لیکن اگر دیوان مہندس کا یہ نسخہ ہاتھ نہ آتا تو اس خاندان کے ان مختلف افراد کے یہ باہمی تعلق کا واقعہ دنیا سے پوشیدہ رہتا ،

نوراللہ معمار | یہ استاد احمد کا سب سے چھوٹا لڑکا ، اور لطف اللہ مہندس کا سب سے چھوٹا بھائی ہے ، اس کی کوئی تصنیف اب تک نہیں ملی ہے ، مگر مہندس کے بیان سے یہ ثابت ہے کہ وہ بھی معماری کے فن میں امتیاز رکھتا تھا ،

لیک بود قصر کلامش عجب زاں شدہ معمار مراورا لقب

سب بھائیوں میں سے معمار کا موروثی لقب اسی کو حاصل تھا ، اس کے علاوہ وہ اپنے وقت کا بہت بڑا خطاط تھا ، اسی لئے مہندس نے اس کی نسبت کہا ہے ،

گنج ہنر آمدہ در مشت او ہفت قلم راندہ سہ انگشت او

یعنی وہ خط کے ساتوں قلموں میں ماہر تھا ، مہندس کے بیان کی شہادت آج بھی دنیا میں موجود ہے ،

دلی کی شاہجہانی جامع مسجد میں بیرونی محرابوں کی اوپر کی دیوار میں مسجد کے بنائے جانے کی جو تاریخ طویل فارسی نثر عبارت میں بخط نسخ تحریر ہے، وہ اسی باکمال کی انگلیوں کا معجزہ ہے، چنانچہ کتبہ کے آخر میں بسمت شمال ایک گوشہ میں کتبہ نور اللہ احمد لکھا ہوا ہے،

عطاء اللہ رشیدی | عطاء اللہ رشیدی احمد معمار کا سب سے بڑا لڑکا، اور لطف اللہ مہندس یعنی احمد کے منجھلے بیٹے کا استاد ہے، مہندس کے اشعار سے ثابت ہے کہ وہ بہت سی کتابوں کا مصنف بھی تھا، کہتا ہے،

مخزنِ علم آمدہ تالیفِ او   گنجِ ہنر ہاست تصانیفِ او

سحرِ حلال میں بھی اس کے متعلق حسب ذیل الفاظ ہیں،

"سالک مسالک علم عالم و عامل و علامۂ عصر رسالہا در علم اعداد مسطور کردہ"

اس کی ان متعدد تصنیفات میں سے ہم کو تین کا علم ہے، اور یہ تینوں علم اعداد یعنی حساب ہی میں ہیں، ان میں سے ایک کا نام بیج گنت اور دوسرے کا نام خلاصۂ راز ہے، بیج گنت سنسکرت کا لفظ، ویجا گنیتا ہے جس کے معنی علم جبر و مقابلہ کے ہیں، یہ سنسکرت میں بھاسکر چاریا کی تصنیف ہے، عطاء اللہ نے فارسی میں اس کا ترجمہ کیا، اس کے نسخے برٹش میوزیم میونک یونیورسٹی اور ندوۃ العلماء لکھنؤ کی لائبریریوں اور کتبخانۂ سعیدیہ حیدرآباد میں ہیں، اس میں مصنف اپنا نام "عطاء اللہ رشیدی بن احمد نادر" بتاتا ہے، رسالہ کا آغاز اس شعر سے ہے،

اوّل ز ستایشِ الٰہی گویم   پس نعتِ رسول اوکماہی گویم

یہ شعر میرے خیال میں فیضی کے جواب میں ہے فیضی نے سنسکرت کی حساب کی مشہور کتاب لیلاوتی کا جو ترجمہ اکبر کے زمانہ میں کیا ہے، اس کے آغاز میں یہ شعر لکھا ہے، جو سراسر خوشامد ہے،

اوّل ز ثنائے بادشاہی گویم   وانگہ ز ستایشِ الٰہی گویم

رشیدی گویا اس کے جواب میں کہتا ہے،

اوّل زستایش الٰہی گویم پس نعت رسول او کماہی گویم

ندوۃ العلما، لکھنؤ اور کتب خانۂ سعیدیہ حیدرآباد کے نسخے میری نظر سے گذرے ہیں، دیباچہ میں ہے ؛

" اما بعد می گوید بندۂ محتاج بخداوند قادر، عطاء اللہ رشیدی ابن احمد نادر کہ بہ توفیق الٰہی در سنہ اربع واربعین والف ہجری (سنہ ۱۰۴۴ھ) مطابق ہشتم سال جلوس حضرت صاحب قرآنی براورنگ سلطنت وجہانبانی کتاب جبر و مقابلہ ہندوی موسوم بہ بیج گنت تصنیف بھاسکر اچارج صاحب لیلاوتی راکہ در علم حساب کشائی است بحقائق رائقہ و مفتاحے است بدقائق فائقہ و محتویست بر فوائد بلند و مطالب ارجمند، کہ در لیلاوتی مذکور نیست، و در ہیچ نسخہ فارسی و عربی مسطور نہ، از زبانِ ہندی بفارسی آوردم و دیباچۂ کتاب رابکتابۂ دعاے دولت حضرت خاقانی، وارث ملک سلیمانی، مرتقی مدارج عز و جلال . . . . ابو المظفر شہاب الدین محمد صاحب قرانی ثانی، شاہجہان نامی بادشاہ غازی . . ."

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب جو لیلاوتی کے مصنف بھاسکر اچاریہ کی دوسری کتاب کا ترجمہ ہے، شاہجہان کے آٹھویں سالِ جلوس سنہ ۱۰۴۴ھ میں مکمل ہوئی ہے، سعیدیہ کا نسخہ محمد شاہ کے زمانہ میں سنہ ۱۱۴۵ھ میں منقول ہوا ہے، ندوہ کے نسخہ کا نمبر کتبخانہ میں نمبر ۶۵ ریاضی ہے،

برٹش میوزیم اور میونک یونیورسٹی کی لائبریریوں کی فہرستوں میں اس نسخہ کا مختصر حال درج ہے، کتبخانۂ آصفیہ حیدرآباد دکن میں بدر الحساب کے نام سے بیج گنت کا ایک اور ترجمہ موجود ہے، جو سنہ ۱۰۷۵ھ میں برہان پور میں کیا گیا ہے۔

عطاء اللہ رشیدی کی دوسری کتاب خلاصۂ راز کا نسخہ برٹش میوزیم کے کتب خانہ میں ہے، اس میں اس نے اپنا نام یہ لکھا ہے، "عطاء اللہ بن استاد احمد معمار" اس کا آغاز اس شعر سے ہے،

شکر بے حد بواحد ازلی حمد بے حد بفرد لم یزلی

رسالہ کا موضوع حساب، مساحت اور جبر و مقابلہ ہے، زبان فارسی نثر ہے، اور رسالہ کی تقسیم دس بابوں پر ہے، رسالہ کے دیباچہ میں شاہجہان بادشاہ اور شاہزادۂ دارا شکوہ کی ستائش ہے، اور رسالہ شاہزادہ کے نام

سے معنون ہے، دارا شکوہ ۱۰۶۷ھ میں قتل ہوا ہے، اس سے یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ رسالہ اس سے پہلے تالیف پاچکا تھا،

اس کی تیسری کتاب خزینۃ الاعداد ہے، جو علم حساب، الجبرا اور علم اقلیدس میں ہے، مقدمہ میں اس نے بیان کیا ہے کہ اس نے یہ کتاب مبتدیوں اور سرکاری مالی دفتروں کے ملازموں، تاجروں، اور مذہبی عالموں کے لئے لکھی ہے، اس رسالہ کا آغاز ان لفظوں سے ہوا ہے:-

"الحمد للہ الذی جعل الشمس ضیاء والقمر نورًا قدر، منازل۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

مؤلف این رسالہ و مترجم این مقالہ المفتقر الی رحمۃ اللہ الفقیر الحقیر عطاء اللہ"

رسالہ میں ایک مقدمہ، دو مفتاح، دس باب ایک کشکول اور ایک خاتمہ ہے، کتاب کا نام (خزینۃ) تاریخی ہے، جس سے ۱۰۶۷ھ نکلتا ہے، جیسا کہ اس شعر سے معلوم ہوتا ہے،

چون نام وے آری تو اندر حساب ز تاریخ اتمامش آگہ شوی

یہ نادر نسخہ بمبئی یونیورسٹی کے کتب خانہ میں ہے، جس کا نمبر ۱۰۷ ہے[۱]،

عطاء اللہ رشیدی جیسا کہ اس کے بھائی لطف اللہ نے اپنی مثنوی میں لکھا ہے، شاعر بھی تھا، اور رشیدی تخلص کرتا تھا، مگر اس کا کوئی شعر ہم تک نہیں پہنچا ہے، بجز اس کے کہ لطف اللہ کے ہاتھ کی ایک کتاب صورِ صوفی کا جو اصل نسخہ مسلم یونیورسٹی لائبریری میں ہے، اس کے آخر میں ایک صفحہ پر عطاء اللہ کے قلم کی ایک مشق ہے، جس میں آفتاب اور سہا کے تناسب سے کچھ فقرے لکھے ہیں، اور آخر میں یہ شعر درج ہے،

ز غیرت تا ہیچ افتد در خم و پیچ عطاء اللہ کہ گر نامش نہی ہیچ

[۱] فہرست کتب عربی و فارسی و اردو کتب خانہ جامعہ بمبئی مرتبہ شیخ عبد القادر، فاضل مرتب نے عطاء اللہ بن احمد کو اس رسالہ کا مصنف ظاہر کرنے کے باوجود اس کا سال تصنیف خزینۃ الاعداد کے دونوں جزوں کے اعداد کو گن کر ۱۱۶۳ھ ظاہر کیا ہے، جو ظاہر ہے کہ صحیح نہیں، کیونکہ یہ تاریخ مصنف کی زندگی کے بہت بعد ہے، لیکن اگر نام کے دونوں جزوں کے اعداد لئے جائیں اور ۱۱۶۳ھ صحیح ہو تو پھر یہ کسی دوسرے عطاء اللہ کا رسالہ سمجھا جائیگا،

عطاء اللہ کے یہ توعلمی کارنامے ہیں، لیکن اس کا ایک عملی کارنامہ بھی دنیا میں موجود ہے، اور وہ شہنشاہ عالمگیر اورنگ زیب کی محبوب بیوی ملکہ رابعہ دورانی کا مقبرہ ہے، جو اورنگ آباد دکن میں واقع ہے، یہ مقبرہ تمامتر روضۂ تاج محل کی نقل ہے، خیال ہوتا ہے کہ چونکہ اس کے باپ احمد معمار نے تاج کا روضہ بنایا تھا، اس لئے قرین قیاس سمجھا گیا کہ اس کا خلف الرشید اس نقش اول کا بہترین نقش ثانی تیار کر سکتا ہے، مگر ظاہر ہے کہ آگرہ میں جو سامان تعمیر شاہجہان کے عہد میں مہیا ہو سکتا تھا وہ اورنگ آباد دکن میں عالمگیر کے عہد میں میسر نہیں آسکتا تھا، پتھر اور اینٹ کے فرق کے علاوہ جو نزاکت، لطافت اور تناسب روضہ کی خصوصیات ہیں، ان کی نقل اتاری نہ جا سکی،

رابعہ دورانی کے مقبرہ کے صدر دروازہ پر پیتل کا پتر چڑھا ہوا ہے، اس پر ایک طرف یہ عبارت لکھی ہے:

"این روضۂ منورہ در معماری عطاء اللہ بعمل ہیبت رائے طیار شدہ ۱۰۶۱" (باقی)

تاریخ صقلیہ جلد دوم شائع ہوگئی

مرتبہ سید ریاست علی ندوی سب ایڈیٹر معارف

اس جلد میں سسلی کے اسلامی عہد کا تمدنی مرقع ہے، جو اس ماہ میں شائع ہوگئی ہے، کتاب چند ابواب میں ہے، پہلے مسلمانانِ صقلیہ کے قبائلی حالات، اسلامی آبادیاں، اسلامی عہد کی زبان، ادیان، مذاہب اور باشندوں کے اخلاق و عادات کا ذکر ہے، پھر نظام حکومت کا بیان آتا ہے، پھر "معیشت" کے باب میں ان کے معاش و طریق زندگی کی تفصیل ہے، اس ضمن میں مسلمانوں کی صنعت و حرفت، زراعت، تعمیر اور تجارت کے مفصل حالات آگئے ہیں، اسکے بعد علوم و فنون کا باب مسلمانوں کی ذہنی ترقیوں کا آئینہ دار ہے، جس میں مختلف علوم قرآن، حدیث، فقہ، تصوف، تاریخ، کلام، مناظرہ، شعر و شاعری، علوم عقلیات، ریاضیات و طبیعیات کا ذکر ایک فصل میں ہے، اور اسی میں مفسرین، محدثین، فقہا، صوفیہ، متکلمین، ادبا، اور شعرا کے مفصل سوانح حیات، انکی تصنیفات کا ذکر آیا ہے، اور پھر سسلی کے اسلامی تہذیب و معاشرت پر اجمالی نظر ڈالکر یورپ پر سسلی کے اسلامی تمدن کے اثرات دکھائے گئے ہیں، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ ضخامت ۵۰۰ صفحات، قیمت للعہ

"منیجر"

شمس معنوی

یعنے

دیوان شمس تبریز اور مولانا روم

از جناب غلام دستگیر صاحب رشید ایم اے، استاذ فارسی نظام کالج حیدرآباد دکن

(۲)

مولینا کے بعض خاص حالات مولینائے روم[۱] رحمہ اللہ نے بتاریخ ۶ ربیع الاول سنہ ۶۰۴ھ ہجری عالم فانی میں قدم رکھا، مقام پیدائش بلخ ہے، نسباً صدیقی ہیں، نسبت صدیقی کا اثر بزرگان خاندان میں مسلسل ظاہر ہوتا رہا، مولانا کے والد ماجد حضرت سلطان العلماء بہاء الدین علوم ظاہری و باطنی میں اپنے عہد میں بے نظیر کمال رکھتے تھے، برگزیدۂ خالق اور محبوب خلائق تھے،

شیخ عطار کی جوہر شناسی محمد خوارزم شاہ بلخ عزیز اور ارادتمند تھا، لیکن بعض غلط فہمیوں کی بنا پر برگشتہ ہوگیا، تو سلطان العلماء نے مع اپنی جماعت کے بلخ سے ہجرت فرمائی، اثنائے سفر میں قافلہ نیشاپور پہنچا، شیخ عطارؒ سلطان العلماء کی ملاقات کے لئے تشریف لائے، مولانا کمسن تھے لیکن جوہر شناس عطارؒ نے اس قطرۂ نیساں کی قدر پہچان لی، اپنی کتاب اسرار نامہ ہدیۃً دی، اور سلطان العلماء سے فرمایا،

"زود باشد کہ ایں پسر آتش در سوختان عالم برزند"

تعلیم اور فضل و کمال ابتداء میں والد ماجد نے تعلیم و تربیت فرمائی، اس کے بعد تاج المخدومین حضرت سید برہان الدین جیسے متبحر عالم و عارف آپ کے معلم مقرر ہوئے، شوق علم کا یہ عالم تھا کہ حلب، دمشق، اور دیگر مقامات کے علمی مرکزوں میں جاکر اہل کمال کے فیض تعلیم سے مستفید ہوئے، نوجوانی ہی میں علم و فضل پایۂ استناد کو پہنچ گیا،

[۱] یہ حالات مولینا کے معتبر ترین تذکرہ رسالہ سپہ سالار سے لئے گئے ہیں، سپہ سالار ص۱۳

سپہ سالار کا بیان یہانتک ہے کہ حضرت خضر بھی باطنی طور پر اپنے علم لدنی سے مولینا کو فیض پہنچاتے رہتے، خود مولانا فرماتے ہیں،،

"اول از خضرم بہ جملہ علم لدنی را یافتم"

اسی زمانہ سے دین کی راز دانی کا سلسلہ شروع ہوگیا،

والد ماجد کے انتقال کے بعد دوسروں کے اصرار پر تعلیم اور افتار کا سلسلہ شروع فرمایا، اور مسندِ علم پر رونق افروز ہوئے، صاحبِ مناقب راوی ہیں کہ چار سو طلبہ کا ہجوم ہر وقت رہتا تھا، مثنوی کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے، کہ علوم مروجہ پر کسقدر تبحر اور عبور تھا، لیکن اس دفتر بے پایان سے "دل کا چین" حاصل نہ ہوسکا، باطنی طلب کی پیاس باقی رہی،

جوہر طینت آدم زخمیر دگر است، تو توقع زگل کوزہ گراں می داری،

بچپن ہی سے عالم غیب سے ربط اور مناسبت کے آثار ظاہر تھے، لیکن مولینا نے پہلے حضرت سید برہان الدین رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی، اور نو سال تک اصلاحِ باطن میں مصروف رہے، اس کے علاوہ قیامِ دمشق کے زمانہ میں شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربیؒ، شیخ سعد الدین حمویؒ، شیخ عثمانی رومی، شیخ اوحد الدین کرمانیؒ اور شیخ صدر الدین قونوی کی صحبت باسعادت رہی جس میں حقائق و معارف ہی کی گفتگو ہوتی تھی،

حضرت شمس سے ملاقات | حضرت شمس الدین محمد تبریزی باباکمال الدین جندی رح کے مرید، اور صاحبِ کمال تھے، شیخ فخر الدین عراقیؒ حضرت شمس کے پیر بھائی، اور ساتھی ہیں، خانقاہ میں عراقی کا یہ دستور تھا، کہ جن حقائق اور معارف کا انکشاف ہوتا، اور جو احوال مقامات سلوک میں ان پر گذرتے، ان کو اشعار کا جامہ پہناتے، اور شیخ محترم کو سناتے، ایک دن شیخ موصوف نے حضرت شمس سے بھی فرمائش کی، کہ تم بھی اپنے حالات کو صورتِ نظم میں پیش کرو، حضرت شمس نے اصطلاحی علوم اور شعر گوئی سے عدم واقفیت کا عذر فرمایا، حضرت بابا نے پیشنگوئی فرمائی، کہ

"حق سبحانہ تعالیٰ ترا مصاحبے روزی کند کہ معارف وحقائق اولین وآخرین را بنام تو اظہار کند، وینابیع حکم از دل او بر زبانش جاری شود، و بلباس حرف وصورت درآید، وطراز آن لباس بنام تو باشد"

(نفحات الانس جامی تذکرہ شمس الدین محمد بن ملک داد تبریزی)

خود حضرت شمس بھی اس کے متمنی تھے، کہ کوئی ایسا ہمراز ملجائے، جو میرے اسرار اور شدتِ حال کا متحمل ہوسکے، سپہ سالار کی روایت ہے کہ اس کے لئے حضرت شمس دعا فرماتے تھے، غیب سے اشارہ ہوا کہ روم کی طرف جاؤ، ....

"مولانا شمس الدین در وقت مناجات می فرمود کہ ہیچ آفریدہ از خاصانِ تو باشد کہ صحبت مرا تحمل تواند کردن، درحال از عالمِ غیب اشارت رسید کہ اگر حریف صحبت خواہی بطرف روم سفر کن، درحال ازان پائے متوجہ ولایت روم گشت وشہر بشہر جویان گشت تا بمحروسہ قونیہ برسید"

(سپہ سالار در ذکر شمس الدین)

یہاں ایک عارفانہ مکالمہ ہوا اور دونوں میں حُب للہ کا ایسا تعلق قائم ہوا، کہ آج تک اس کا تذکرہ اور چرچا ہے، اس حقایق شناس کی صحبت سے مولانا نے درس وافتا کو ترک کر دیا، اور روز وشب شمس ہی کی خدمت میں رہنے لگے، اخبارِ رسول کا مشغلہ چھوڑ کر اسرارِ رسولؐ سے لذت یاب ہونے لگے، خود فرمایا کرتے کہ علماے ظاہر اخبارِ رسول سے واقف ہیں، اور مولینا شمس الدین اسرارِ رسول سے،

مناقب میں ہے:-

"روزی مولانا فرمود کہ علماء ظاہر واقفِ اخبارِ رسول اند، وحضرت مولانا شمس الدین واقفِ اسرارِ رسول است"

شمس تبریز توئی واقفِ اسرارِ رسول   نامِ شیرینِ تو ہر دل شدہ را درماں باد

اس سے پہلے مولانا کچھ وطن کے ماحول، اور کچھ احتیاط کے مدنظر شعر سے مجتنب تھے لیکن اس صحبت کا ایک نیا رنگ یہ پیدا ہوا کہ مولانا نے سماع اور شعر گوئی کی طرف توجہ فرمائی، رفتہ رفتہ اس مشغلہ کی کثرت ہوئی افلاکی لکھتے ہیں:-

"دائما اسرار و غزلیات می فرمود"

اس میں کچھ ذوقِ حال اور کچھ مصلحت شناسی کو دخل تھا، اس زمانہ میں شعر و شاعری کا بڑا چرچا تھا، مسلمان شعر کی طرف متوجہ تھے، غزلیات اور مثنویات سے دلچسپی پیدا ہو گئی، خصوصاً شاہنامۂ فردوسی کا مطالعہ بہت ہوتا تھا، دینی معارف کی طرف لوگوں کی توجہ نہ رہتی تھی، "عشقِ لیلیٰ" کا ذوقِ شعر نے عام کر دیا تھا، لیکن "عشقِ مولیٰ" کا دلدادہ نہ ملتا تھا، مولانا نے پیرایۂ شعر اور "نالۂ نے" میں عشقِ حقیقی کا وہ صور پھونکا کہ آج تک مردہ دل انکے کلام سے زندہ ہو رہے ہیں، اسکی حقیقت خود بے نقاب فرمائی ہے،

"مردم این ملک از عالمِ عشق مالک الملک قوی بے خبر بودند، چناں مشاہدہ کردیم کہ ہیچ نوع بہ طرفِ حق مائل نہ بودند، و از اسرارِ الٰہی محروم می ماندند، بطریقِ لطائف، سماع و شعرِ موزون، کہ طبائع مردم را موافق افتادہ است، آن معانی را در خورِ ایشان دادیم، چہ مردمِ روم اہلِ طرب و زہرہ بیان بودند"

(مناقب العارفین در تذکرہ مولانا جلال الدین رومی)

تصانیفِ نظم میں مثنوی معنوی شہرۂ آفاق ہے، لیکن اس سے تقریباً دوگنے اشعار کا ایک دیوان ہے، یہ دیوان، دیوانِ شمس تبریز کے نام سے مشہور ہے، بالعموم انہی کا خیال کیا جاتا ہے، صرف اہلِ علم و خبر اس حقیقتِ حال سے واقف ہیں، اس کے مختلف اسباب اور وجوہ آغازِ سخن میں بیان ہو چکے ہیں، ہم تاریخی شواہد اور داخلی دلائل سے اس غلط فہمی کا پردہ اٹھانا چاہتے ہیں، مباحث کا مفصل خاکہ شروع میں درج کیا جا چکا ہے،

آغاز بحث

تاریخی شواہد | اب ہم اپنی بحث کے پہلے جزو یعنی تاریخی شواہد کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اس سلسلہ میں ہم پہلے متاخرین کے بیانات نقل کریں گے، پھر متقدمین کے،

تاریخی شہادتوں کی فراہمی میں مختلف مشکلات کا سامنا ہے، مولانا کے ہم عصر یا قریب العہد تذکرہ نویسون کے تذکرے دستیاب نہیں ہوتے، تاہم استثنائی طور پر بعض اہم اور معتبر تذکرے اور دوسری نوعیت کی ایقان آفرین اور اطمینان بخش شہادتیں ملتی ہیں جن سے دعوی کا ثبوت ملتا ہے، البتہ متاخرین نے اپنے اپنے تذکرون میں مسلسل اس حقیقت کا اظہار کیا ہے،

علامہ شبلی کا بیان | اس سلسلے میں سب سے پہلے ہندوستان کے مشہور مورخ اور ادیب فارسی شاعری کے جوہر شناس علامہ شبلی نعمانی کی شہادت نقل کرتے ہیں، آپنے علاوہ شعرالعجم کے سوانح عمری مولینا روم کے نام سے مولانائے معنوی کی ایک مبسوط سوانح لکھی ہے جس میں ایک مستقل باب کے تحت مولانا کی تصانیف پر بھی نقد و تبصرہ کیا ہے؛ آپ فیہ ما فیہ کے مختصر تذکرہ کے بعد بعنوان "دیوان" تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس[1] میں قریبًا پچاس ہزار شعر ہیں، چونکہ غزلون کے مقطع میں عمومًا شمس تبریز کا نام ہے، اسلئے عوام اسکو شمس تبریز ہی کا دیوان سمجھتے ہیں، چنانچہ دیوان مطبوعہ کی لوح پر شمس تبریز ہی کا نام لکھا ہے، لیکن یہ نہایت ہی فاش غلطی ہے، اولًا تو شمس تبریز کا نام تمام غزلوں میں اس حیثیت سے آیا ہے، کہ مرید اپنے پیر سے خطاب کر رہا ہے، یا غائبانہ اسکے اوصاف بیان کرتا ہے،

دوسرے، ریاض[2] العارفین وغیرہ میں تصریح ہے، کہ مولانا نے شمس تبریز کے نام سے یہ دیوان لکھا، اس کے علاوہ اکثر شعرا نے مولینا کی غزلون پر غزلین لکھی ہیں، اور مقطع میں تصریح کی ہے، کہ یہ غزل مولانا کی غزل کے

---

[1] ص ۳۰، ۲۱، سوانح مولوی روم از شبلی حصہ دوم مطبوعہ شاہجہانی پریس دہلی، [2] اس تذکرہ کا ذکر مولینا شبلی نے علاوہ سوانح مولینا روم کے شعرالعجم میں بھی کیا ہے، لیکن افسوس کہ حیدرآباد میں اس کا کوئی نسخہ نہ ملا؟

جواب میں ہے، اسکے ساتھ مولانا کی غزل کا پورا مصرعہ یا کوئی ٹکڑا اپنی غزل میں لے لیا ہے، یہ وہی غزلیں ہیں جو مولانا کے اس دیوان میں ملتی ہیں، جو شمس تبریز کے نام سے مشہور ہے، مثلاً علی حزیںؒ کہتے ہیں،

این جواب غزل مرشد روم است کہ گفت　　من بوئے تو خوشم نافہ تاتار مگیر،

دوسرا مصرعہ مولینا کا ہے، چنانچہ اس کا پورا شعر یہ ہے،

من بہ کوئے تو خوشم خانہ من ویران کن　　من ببوئے تو خوشم نافہ تاتار مگیر

حزیں کی ایک اور غزل کا شعر ہے:-

مطرب ز نوائے عارف روم　　این پردہ بزن کہ یار دیدم،،

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کی شہادت، انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کی شہادت ہے،[۵]

"جس واقعہ سے ان کی ذہنی اور اخلاقی زندگی سب سے زیادہ متاثر ہوئی وہ صوفی شمس الدین تبریزیؒ سے ان کی ملاقات ہے،

اپنے رہبر طریق کی احسانمندی کا اعتراف مولینا نے بدین صورت کیا ہے، کہ اپنے کلام کا ایک بڑا حصہ ان کے نام موسوم فرمایا، ایک دیوان بھی ان کی تصنیف ہے"[۵۲]

مذکورہ بالا انکار کا بڑا حصہ (a great part of his work) دیوان ہی ہے جو شمس تبریزی کی طرف منسوب ہے، کیونکہ مثنوی تو کسی دوسرے کی طرف منسوب ہی نہیں ہے،

پروفیسر براؤن کا بیان، پروفیسر براؤن (E. G. Brown) اپنی مشہور عالم کتاب ایران کی ادبی تاریخ (۱۹۰۶ء) (Literary History of Persia Vol II. P. 519) میں مولانا کی غزلیات کے متعلق لکھتے ہیں،

نکلسن کی تحریر کے مطابق غزلیات کے متعلق جو دیوان شمس تبریز کے نام سے معروف ہیں دولت شاہ کا یہ بیان ہے کہ یہ خاص طور پر حضرت شمس کے غیاب دمشق کے دوران میں لکھی گئیں لیکن رضا قلی خان کا قیاس یہ ہے کہ یہ مولانا کی یاد

---

[۵۱] ادبی ج [۵۲] انسائیکلو پیڈیا اور دیگر تذکروں میں اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے، کہ مولانا کا دیوان حضرت شمس تبریزؒ سے منسوب ہو گیا، اس واقعہ کو اس پیرایہ میں لیا ہے،

میں لکھی گئیں لیکن نکلسن کا اپنا خیال جو غالباً صحیح ہے یہ ہے کہ دیوان کا ایک حصہ تو شمس تبریز کی زندگی ہی میں لکھا گیا ہے اور ایک بڑے حصے کا زمانہ تصنیف مابعد کا ہے[۵۱]"

نکلسن کا بیان، مندرجۂ بالا عبارت میں براؤن نے ڈاکٹر نکلسن کے حوالہ سے اس واقعہ کا اظہار کیا ہے لیکن ڈاکٹر نکلسن کا بیان ملاحظہ ہو جس میں ایک خاص انداز سے اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ مولینا کا دیوان شمس کے نام سے مشہور ہو گیا۔

"دیوان ہرگز شمس تبریز کے نام سے منسوب یا موسوم نہیں کیا گیا جنکا غالباً اسکی تکمیل سے پہلے وصال ہو گیا پھر کس سبب سے انکا نام سرورق اور اکثر غزلیات کے مقطعوں میں پایا جاتا ہے؟ وہ کون ہیں؟ اور جلال الدین رومی سے ان کا کیا ربط ہے[۵۲]؟

کیوں کسی فردوسی اور حافظ کے مرتبہ کے شاعر کے غیر فانی تغزل کا سہرا ایک غیر معروف درویش کے سر رہا"؟

آتشکدۂ آذر، آتشکدۂ آذر[۵۳] میں حاجی لطف علی بیگ آذر کہتے ہیں:۔

"در اکثر ابیاتِ عاشقانہ و عارفانہ کہ اسم شمس تبریزی بر دغرض شیخ شمس الدین تبریزیست کہ اصلش از خراسان بودہ و خود در تبریز متولد شدہ،

مثنوی اشعار بسیار دارد، آنچہ بہ نظر فقیر قلیلی ازان را بزعم خود انتخاب کردہ، بسمع دوستان میرساند" مثلاً

ایا کہ عشق نداری ترا رواست بخسپ	ترا کہ عشق نداری ترا رواست بخسپ
برو کہ عشق و غم او نصیب ماست بخسپ	برو کہ عشق و غم او نصیب ماست بخسپ
(آتشکدہ)	(دیوان شمس تبریز مطبوعہ منشی نولکشور ۱۹۲۴ء)
بنمائے رخ کہ باغ و گلستانم آرزوست	بنمائے رخ کہ باغ و گلت نم آرزوست

---

[۵۱] مجمع الفصحاء، رضا قلی خان مطبوعہ ایران ۱۲۹۵ھ ص ۲۰۹ [۵۲] منتخب غزلیات دیوان شمس تبریز ڈاکٹر رینالڈ اے نکلسن کیمبرج ۱۸۹۸ء

[۵۳] اس سے مراد یہ ہے کہ ارادۂ تکمیل کے بعد مولانا کی طرف سے حضرت شمس کے نام معنون نہیں کیگئی [۵۴] آتشکدہ آذر ۱۲۹۹ھ مولفہ حاجی لطف علی بیگ صاحب آذر مطبع فتح الکریم بمبئی ص ۲۲۳ اخگر دوم شرارۂ اولی،

آتشکدہ آذر	دیوان شمس تبریز
بکشائی لب کہ قند فراوانم آرزوست	بکشائے لب کہ قند فراوانم آرزوست
یکدست جام بادہ و یک دست زلف یار	یکدست جام بادہ و یکدست زلف یار
رقصی چنین میانۂ میدانم آرزوست	رقصی چنین میانۂ میدانم آرزوست
وی شیخ با چراغ ہمی گشت گرد شہر	وی شیخ با چراغ ہمی گشت گرد شہر
کز دیو و دو ملولم و انسانم آرزوست	کز دیو ملولم و انسانم آرزوست ،
زین ہمرہان سست عناصر دلم گرفت	زین ہمرہان سست عناصر دلم گرفت
شیر خدا و رستم دستانم آرزوست	شیر خدا و رستم دستانم آرزوست
گفتم کہ یافت نی نشرد .... ما	گفتند کہ یافت نیست کہ بس ...... ما
گفت آن کہ یافت می نشود آنم آرزوست	گفت آن کہ یافت می نشود آنم آرزوست
(آتشکدہ آذر)	(دیوان شمس تبریز مطبوعہ نولکشور)

عارفانہ اور عاشقانہ ابیات جنمیں مولانا نے حضرت شمس کا نام درج کیا ہے، دیوان کے اشعار ہیں سوائے مثنوی کے دیگر "اشعار بسیار" سے مراد غزلیات ہی کے شعر ہیں، جن کا مجموعہ کلیات شمس تبریز کے نام سے ہمارے پیش نظر ہے، چنانچہ مثلاً جن اشعار کو حاجی صاحب نے درج فرمایا ہے، دیوان سے انھیں اشعار کو بالمقابل درج کیا گیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے، کہ دیوان مولانا روم ہی کے غزلیات و اشعار کا مجموعہ ہی،

خزینۃ الاصفیا، صاحب[1] خزینۃ الاصفیا، مولٰنا کی غزل گوئی اور حضرت شمس تبریز سے انکی محبت اور کلام میں انکی (طبع ۱۲۹۰ھ) محبت سرائی کے متعلق لکھتے ہیں،

"مولٰنا جلال الدین رومی صاحب مثنوی را کمال اعتقاد و یگانگت با وے بود و ہمیشہ باوے صحبت میداشت و در اشعار خود در اکثر جا ستایش وے کردہ اند"

---

[1] خزینۃ الاصفیا، جلد دوم مصنفہ غلام سرور مطبوعہ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ ۱۸۷۳ء ، ۱۲۹۰ھ صفحہ ۲۶۸

شیخ حسام الدین چلپی کے ذکر میں لکھتے ہیں:۔

"چون حسام الدین الٰہی نامۂ حکیم سنائی و منطق الطیر فرید الدین عطار و مصیبت نامۂ وے بدید بخدمت مولوی عرض کرد کہ حالا غزلیات بسیار شد، اگر بہ طرز الٰہی نامہ و منطق الطیر کتابے منظوم گردد، بر صفحۂ ہستی یادگار بماند"

ان بیانات سے مولانا کی کثرتِ غزل گوئی اور حضرت شمس کی ستایش کا ثبوت بہم پہنچتا ہے، یہ ستایش دیوان شمس تبریزی میں پائی جاتی ہے،

مجمع الفصحا ۱۲۸۴ھ مجمع الفصحا، کا بیان نہایت واضح اور مفصل ہے،

حضرت شمس کے حالات میں لکھتے ہیں :۔

"چون ملتجی شد بہ سیر و سیاحت رغبت فرمود، و بخدمت مشائخ رسید، ارادت بشیخ رکن الدین سجاسی داشت، وی و شیخ فخر الدین ابراہیم ہمدانی متخلص بہ عراقی، شیخ از شمس پرسید کہ فرزند! تو توانی وارداتِ خود را در صورتِ عبارت والفاظ در آوردن"

وی گفت "مرا از علم صورت و نظم بہرہ نیست"

شیخ فرمود، "خداوند بتو فرزند و مصاحبے روحانی خواہد داد کہ بسیارے از علوم اولین و آخرین بنام تو در روزگار از و باقی ماند، پس بجانب روم رو حقیقت معلوم شود، در آنجا نیم سوختۂ ہست آتش درا و زن کہ عالم را روشن کند"

شمس کی سیاحت اور مولینا روم سے ملاقات اور اون کی عقیدتمندی کی تفصیل کے بعد لکھتے ہیں:

"مولینا بنا بر ارادت دیوانی بنام شیخ تمام فرمود و این کہ تا اکنون بہ نظر رسید چہل و پنجاہ ہزار بیت اشعار است و بنہایت نیکوست،

چون مقصود مولانا بقائی نام جناب شیخ است اشعار خود را بنام او گفتہ با آنکہ شمس سوز شاعر نبوؔ

مولانا نے اپنے کلام میں اسرارِ شمس کی ترجمانی فرمائی ہے، اس لئے مدح شمس بھی بڑی کثرت اور شدت سے کیگئی ہے، دیوانِ شمس کے مطالعہ سے یہ بات آئینہ ہو جاتی ہے،

بہارستان سخن شاہ نواز خان عبد الرزاق خان خوافی المخاطب بہ شاہ نواز خان صمصام الدولہ اپنے تذکرہ امرا اہلِ سخن موسوم بہ بہارستانِ سخن[1] میں لکھتے ہیں،

"دیوان فیض نشانِ وے کہ اکثر در فراق شمس الدین تبریزی است و نام شریف وے بطریق تخلص درآن درج کردہ سی ہزار بیت است، چند بیت از دیوان مولانا است

شرابِ شیشۂ انگور خواہم، حریف سرخوش مخمور خواہم،

بیا نزدیکم اے ساقی کہ امروز، من از خود خویشتن را دور خواہم"

داراشکوہ ۱۰۶۹ھ شاہزادہ محمد داراشکوہ اپنے مشہور تذکرۂ صوفیہ "سفینۃ الاولیاء"[2] (سنہ تصنیف ۱۰۴۹ھ) بعنوان "در ذکر شمس تبریز" بیان کرتے ہیں،:-

"مولینا جلال الدین رومی را کمال یگانگی و یکجہتی بایشان بودہ وہمیشہ باہم صحبت میداشتند، و در اشعار خود ہمہ جا ستایش کردہ اند"

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ "در اشعار خود ہمہ جا ستایش کردہ اند" کا مرجع صرف دیوان شمس تبریزی کی غزلیات ہیں، کیونکہ تقریباً ہر غزل میں حضرت شمس کی ستایش کسی نہ کسی صورت میں پائی جاتی ہے، بلکہ اسے حضرت شمس کا ستایشی دیوان کہا جائے تو بہتر ہے،:-

مرأۃ الاسرار عبد الرحمن چشتی ۱۰۹۵ھ تذکرہ مرأۃ الاسرار[3] میں عبد الرحمن چشتی صابری نے اس راز کو بخوبی بے نقاب

---

[1] قلمی نسخہ سنہ کتابت ۱۱۹۲ھ صفحہ ۱۲۵، کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن، شمس کا نام بطور تخلص درج نہیں ہے، بلکہ بطریق ممدوح ہے، [2] سفینۃ الاولیا قلمی کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن، صفحہ ۱۵۰ [3] تذکرہ مرأۃ الاسرار عبد الرحمن چشتی صابری ۱۰۴۵ھ قلمی کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن،

کیا ہے، صاحب تذکرہ تحریر فرماتے ہیں، کہ حضرت خواجہ شمس الدین[1] نے حضرت شمس تبریزی سے فرمایا کہ "حق سبحانہ تعالیٰ ترا مصاحبی روزی کند، کہ معارف حقائق اولیں وآخرین را بنام تو اظہار کند و ینابیع حکمت از دل او بزبانش جاری شود، و بلباس حرف وصوت درآرد و طرزآن لباس نام تو باشد، چنانکہ در تصنیفات مولوی روم ظاہر است، (ص ۱۲۵)

یہ بیان کس قدر واضح ہے، حسب ذیل کلمات قابل غور ہیں،

۱۔ "معارف حقائق اولیں وآخرین را بنام تو اظہار کند،"

۲۔ "طرز آن لباس بنام تو باشد،"

۳۔ "چنانکہ در تصنیفات مولوی روم ظاہر است،"

تصنیفات مولوی روم میں اس کا بہترین مصداق سوائے دیوان شمس تبریز کے اور کوئی کتاب نہین ہے،

یہ پیشینگوئی کیونکر حرف بحرف پوری ہوئی ملاحظہ ہو،

مولانا کے حال میں لکھتے ہیں،

"کار او بصحبت خواجہ شمس الدین تبریزی بکمال رسیدہ چنانکہ در دیوان خود اکثر جا نسبت ارادت خود را بخدمت وے، درست می کند، ازان جملہ یک بیت اینست،"

گر د عطار گشت مولینا، شربت از دست شمس بود ش نوش،

(دیکھو دیوان شمس تبریز لکھنؤ ردیف ش،)

صاحب تذکرہ مرأۃ الاسرار ذکر شمس تبریز کے سلسلہ میں بیان کرتے ہیں، کہ

[1] دیگر تذکرہ نویسوں نے یہ پیشینگوئی باباکمال الدین جندی سے منسوب کی ہے، (دیکھئے نفحات ذکر شمس) غالبًا اس موقع پر صاحب تذکرہ سے غلطی سرزد ہو گئی ہے،

"قیاس کنند کہ خواجہ شمس الدین از جملہ طالبانِ[۱] مولوی روم بودہ وہرگاہ در مصنفات مولوی روم نگاہ کنیم وی خود را از کمترین طالبان و مریدان خواجہ شمس الدین شمردہ است چنانکہ در دیوان اشعار وی چند جا ظاہر یافتہ می شود" از آن جملہ چند بیت،

تا آنکس ہر کہ مردہ از جمالش زندہ شد ۔۔۔ گریہ ہائے وصل عالم از وصالش خندہ شد

آن خنک جائے کہ لطفِ شمس الدین بیافت ۔۔۔ برگذشت از نہ فلک بر لامکان باشندہ شد

چون شمس الدین نظیرے نیست این جا، ۔۔۔ چون شمس الدین نباشد روئے خورشید"

مولانا کے فیض روحانی کے سرچشمہ کا اظہار کرتے ہوئے چند شعر نقل کئے ہیں، جو دیوان میں پائے جاتے ہیں،

"وہم از اشعار وے ظاہر می شود کہ وے را فیض خاص بحسب روحانیت حضرت مصطفوی و مرتضوی تمام بودہ است، چنانچہ از غلبہ شوق بسر وجد حال خود می فرماید، غزل،

زعشق احمد مختار مستیم، ۔۔۔ زعشق احمد مختار مستیم،

ز مہر حیدر کرار مستیم، ۔۔۔ ز بوئے حیدر کرار مستیم،

نسیمے یافستم از شمس تبریز، ۔۔۔ نسیمے یافستم از شمس تبریز،

کہ من زان سالکِ اسرار مستیم" ۔۔۔ کہ از آن سالکِ اسرار مستیم،

(تذکرہ) ۔۔۔ (کلیات شمس تبریز لکھنؤ)

طرائق الحقائق معصوم خان، آقا حاجی مرزا معصوم خان، "طرائق الحقائق" میں بابا کمال الدین جندی کے ذکر میں لکھتے ہیں،:-

"اما بابا کمال جندی کہ شمس الدین تبریزی و از وی بمولی جلال الدین رومی نیز متصل می گردد، چنانکہ گذشت در ذکر سلسلہ مولویہ و بعضے باین اشعار مولینا کہ در غزلیات فرمودہ استشہاد نمودہ نظر او

[۱] مرآۃ الاسرار ص ۲۰۲، [۲] طرائق الحقائق سنہ طباعت ۱۳۱۸ھ کتبخانہ آصفیہ ص ۱۵ جز ثانی،

بہ نجم الدین بودہ"

حسب ذیل اشعار درج ہین، اور یہ دیوان میں پائے جاتے ہین،

تذکرۂ مذکور	دیوان
"ما ازان محتشانیم کہ ساغر گیرند،	ما ازان محتشانیم کہ ساغر گیرند
نہ ازان مفلسگان کہ بز لاغر گیرند،	نہ ازان مفلسگان کہ بز لاغر گیرند،
بیکے دست مے خالص ایمان نوشند	بیکے دست مے خالص ایمان نوشند
بیکے دستِ دگر پرچم کافر گیرند"	بیکے دستِ دگر پرچم کافر گیرند
	(دیوان مطبوعہ لکھنو ردیف د)

حاشیہ نفحات الانس لاری ۹۰۹ھ مولانا عبد الغفور لاری حضرت جامیؒ کے خادم اور ارادتمند ہین، اونھون نے حضرت جامیؒ کے صاحبزادہ مولانا یوسف کے ایما سے تکمیل نفحات الانس کے طور پر ایک تذکرہ لکھا ہے، اس کا نام حاشیہ نفحات الانس ہے، تذکرہ کمیاب بلکہ نایاب ہے، ایک[1] قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں موجود ہے، صاحب حاشیہ نفحات مولانا روم کے حالات درج کرنے کے بعد حضرت شمس کے حال میں لکھتے ہین،

"چنانچہ مولینا تخلص بنام شیخ شمس الدین کردہ"

اس ایک حقیقت کی کہ دیوان شمس تبریز کلام شمس نہیں بلکہ مولانا کی غزلیات کا مجموعہ ہے مختلف تعبیرین ہماری نظر سے گذری ہین، اس حقیقت کی ایک تعبیر خاص یہ بیان بھی ہے،

ظاہر ہے کہ یہ بیان مثنوی معنوی سے متعلق تو نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس کا کوئی محل نہین، مولانا کے کلام میں صرف مجموعہ غزلیات المعروف بہ دیوان شمس تبریزی ہے، جس پر یہ قول صادق آسکتا ہے، کیونکہ کثرت سے مقطع کے اندر بجائے اپنے تخلص کے مولینا شمس کا نام لاتے ہین لیکن اس انداز ہین جیسے

---

[1] سنہ تالیف ۹۰۹ھ قلمی، اس میں اوراق کا شمار ہے، ورق ۹۲،

عقیدتمند مرید اپنے مرشد طریق کا ذکر کرتا ہو مثلاً

شمس تبریز بما راہِ حقیقت بنمود، ما زفیضِ قدمِ اوست کہ ایمان داریم

نفحات الانس جامی ۸۸۳ھ، نفحات[1] الانس مولانائے روم کا مشہور تذکرہ اولیاء ہے، حضرت جامی شیخ نجم الدین کبری رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر فرماتے ہوئے بیان کرتے ہیں، کہ جب کفار تاتار نے خوارزم پر حملہ کیا اور سلطان محمد خوارزم بھاگ نکلا تو کفار تاتار نے خیال کیا کہ وہ خوارزم میں ہی اسلئے داخل خوارزم ہوئے شیخ نے اپنے بعض احباب کو طلب کیا اور فرمایا،

"زود برخیزید و بہ بلاد خود روید کہ آتش از جانب مشرق برافروخت تا نزدیک بہ مغرب خواہد سوخت

این فتنہ ایست عظیم کہ درین امت مثل این واقع نشدہ است، بعض از اصحاب گفتند چہ شود،

اگر حضرت شیخ دعاے کند، شاید کہ این بلا از بلاد مسلمانان مندفع شود، شیخ فرمود کہ این

قضائیست مبرم، دعا دفع نمی تواند کرد، پس اصحاب التماس کردند کہ چارپایان آمدہ است،

چنانچہ حضرت شیخ نیز با اصحاب موافقت کنند......... شیخ فرمود کہ من اینجا شہید خواہم شد

و مرا اذن نیست کہ بیرون روم"

چنانچہ حضرت موصوف نے کفار کے داخل ہونے پر بڑے استقلال سے مقابلہ فرمایا، تفصیل کیلئے نفحات کا اصل صفحہ ملاحظہ ہو،

چون کفار بہ شہر درآمدند شیخ اصحاب باقی ماندہ را بخواند و گفت "قوموا باذن اللہ علی

اسم اللہ تعالی تقاتل فی سبیل اللہ" بخانہ درآمد و خرقہ خود را پوشیدہ و میان محکم بست

...... و بیرون آمد، چو با کفار مقابل شد...... کفار ویرا تیرباران کردند، یک تیر بر سینۂ

مبارک وے آمد، بیرون کشید و بینداخت، و بران برفت،

---

[1] نفحات الانس، قلمی نمبر ۲۹، ۲۰ ورق، کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن، سنہ تصنیف ۸۸۳ھ مؤلفہ محمد عبد الرحمن جامی،

گویند کہ در وقت شہادت پرچم کافوری را گرفتہ بود، بعد از شہادت دہ کس نتوانستند کہ وےرا از دست شیخ خلاص دہند"

خاص توجہ کے قابل مندرجہ ذیل تحریر ہے :۔

"بعضے گفتہ اند حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ در غزلیات خود اشارت باین قصہ وانتساب خود بحضرت شیخ کردہ آنجا کہ گفتہ است،

ما از ان محتشانیم کہ ساغر گیرند	ما ازاں محتشانیم کہ ساغر گیرند
نہ ازان مفلسگان کہ بز لاغر گیرند	نہ ازان مفلسگاں کہ بز لاغر گیرند
بیکے دست مئے خالص ایمان نوشند	بیکے دست مئے خالص ایماں نوشند
بیکے دست دگر پرچم کافر گیرند"	بیکے دست دگر پرچم کافر گیرند"
(تذکرہ)	دیوان شمس تبریز لکھنؤ ردیف د)

دولت شاہ سمرقندی ۸۹۲ھ، تذکرۂ دولت شاہ[1] کا بیان ہے، کہ مولنا شمس الدین تبریز اپنے شیخ کبیر رکن الدین سنجابی کے حکم سے روم آئے، شہر قونیہ میں مولانائے روم سے ملاقات ہوئی، جب کہ وہ اپنے معتقدین اور متعلین کی ایک جماعت کیساتھ جارہے تھے، حضرت شمس تبریز نے از روے فراست اپنے محبوب اور مطلوب کو پہچان لیا اور سوال کیا :۔

"غرض از مجاہدت و ریاضت و تکرار و دانستن علم چیست"

مولانا نے جواب میں کہا :۔

"روش سنت و آداب شریعت"

حضرت شمس نے کہا :۔

[1] تذکرۂ دولت شاہ مصحح براؤن مطبوعہ بریل لیڈن سنہ تصنیف ۸۹۲ھ،

"این ہمہ از روے ظاہر است"

مولانا نے دریافت فرمایا :-

"ورائے این چیست"

شمس عرفان نے اس پر یوں ضیا پاشی فرمائی :-

"علم آنست کہ بمعلوم رسی"

اور سنائی کا یہ شعر پڑھا :-

علم کز تو ترا نہ بستاند، جہل از آن علم بہ بود بسیار،

تذکرہ کے مطابق مولینا جواب سے متحیر ہوئے، اور حضرت شمس کی صحبت اختیار فرمائی، واقعات و حالات کچھ اس نوعیت کے درپیش ہوئے، کہ حضرت شمس شام کی طرف روانہ ہوگئے، مولانا حالت فراق سے نہایت مضطرب اور بےچین ہوئے، اس حالتِ جوش میں کثرت سے غزل فرماتے جن میں شمس کی مدح و تعریف اور ان کے فیض اور اپنی بےچینی اور تڑپ کا اظہار ہوتا،

"شمس الدین عزیمت شام نمود... و در آرزوے او مولینا می سوخت و قوالان را می فرمود تا سرودِ عاشقانہ می گفتند، شب و روز بہ سماع مشغول بودند، واکثر غزلیات کہ در دیوانِ مولانا مسطور است، در فراق شمس الدین گفتہ است"........ و از معارف مولانا ست بنام شمس الدین این غزل،

آنا کہ بسر در طلبِ کعبہ دویدند، چون عاقبۃ الامر بہ مقصود رسیدند،

(باقی)

کتبخانۂ دفتر دیوانی حیدر آباد

میں

کرناٹک کی تاریخ کے مخطوطات،

از جناب محمد غوث صاحب ایم اے، ال ال بی، حیدر آباد، دکن،

تاریخ ہند کو صحیح روشنی میں لکھنے کے لئے فی الوقت عام طور سے جو شوق پیدا ہو گیا ہے اس کے لحاظ سے یہ امر بہت ضروری ہے کہ ایسی کتابیں روشنی میں لائی جائیں جو معلومات کا مستند ماخذ ہوں، اور جن سے حالات اور واقعات کا کماحقہ صحیح علم حاصل ہو سکے،

خان بہادر مولوی ظفر حسن صاحب بی اے، کا طلبۂ تاریخ ہند کو ممنون ہونا چاہئے کہ انھوں نے بڑی محنت اور کاوش کے ساتھ تاریخ ہندوستان کے عہد اسلامی کے ماخذوں کی ایک بہت اچھی فہرست مرتب کر دی ہے، لیکن اس فہرست میں صوبوں کی تاریخ کے ماخذوں کو ترک کر دیا گیا ہے، ضرورت ہے کہ اس کی تکمیل کی جانب بھی توجہ کیجائے،

خاندان مغلیہ کے اختتام کے زمانہ میں کرناٹک کو جو اہمیت حاصل ہو گئی تھی، وہ پوشیدہ نہیں ہے اس حصہ ہندوستان کی تاریخ پر، جہاں تک علم ہے، ارباب تاریخ نے اب تک بہت کم توجہ کی ہے حالانکہ واقعات کی اصلی نوعیت معلوم کرنے کے لئے اس کی تاریخ کے مناسب اور درست معلومات حاصل کرنا بہت ضروری ہے

کتب خانہ دفتر دیوانی حیدر آباد میں جہاں ہندوستان اور دکن کی تاریخ کے خاص خاص اور اہم کتابوں کو فراہم کرنے کی بطور خاص کوشش کیجاتی ہے، وہاں کرناٹک کی تاریخ پر روشنی ڈالنے والی کتابیں بھی بہت

اہتمام سے فراہم کی گئی ہیں، فی الوقت اس کتب خانہ میں جو کتابیں اس نوعیت کی جمع ہوگئی ہیں، وہ بہت اہم ہیں، ان کتابوں سے کرناٹک کی تاریخ کے سب پہلو روشنی میں آجاتے ہیں،

ذیل میں ان کتابوں کا ذکر کیا جاتا ہے:-

اسعید نامہ، تالیف لالہ دکھنی رائے منشی،

اس کتاب میں سعادت اللہ خان (۱۱۲۶ھ-۱۱۴۷ھ) صوبہ دار کرناٹک کے زمانہ کی تاریخ قلمبند کی گئی ہے، کتاب میں ۱۱۲۵ھ تک کے واقعات بیان کئے ہیں، یہ وہ زمانہ ہے جب کہ نواب سعادت اللہ خان کرناٹک میں دوسری خدمات پر مامور تھے،

۲- وقائع نواب سعادت اللہ خان، غلام علی حسین، نوازش محمد خان نے یہ کتاب تالیف کی ہے، اس کتاب میں ۱۱۶۵ھ تک کے واقعات بیان کئے ہیں، جب کہ نواب سعادت اللہ خان کا خاندان ختم ہوگیا، اور نواب انورالدین خان کے خاندان کا دور شروع ہوا،

۳- رسالہ واقعات جانشینی حضرت آصفجاہ، اس کتاب کے مصنف کا نام نور محمد خان ہے، مؤلف نے اپنے چشم دید واقعات بیان کئے ہیں، معرکوں میں خود مؤلف نے حصہ لیا ہے، اور اس وقت جو گفت وشنید، مختلف افراد کے مابین ہوئی تھی، اس میں بھی انھوں نے حصہ لیا تھا،

۴- انورنامہ، میر محمد اسمٰعیل ابجدی نے یہ کتاب لکھی ہے جو نواب انورالدین خان اور نواب محمد علی خان والاجاہ کے زمانہ کی منظوم تاریخ ہے، ابتداء خاندان (۱۱۵۰ھ) سے کتاب کا آغاز ہوا ہے ۱۱۷۴ھ کے واقعات پر یہ کتاب ختم ہوجاتی ہے، یہ وہ زمانہ ہے جب کہ تیسری فرانسیسی جنگ کے بعد پانڈی چری پر نواب محمد علی خان والاجاہ نے قبضہ کر لیا تھا،

۵- توزک والاجاہی، تالیف سید برہان خان ہانڈی، یہ کتاب بھی زمانۂ خاندان انوری کی تاریخ ہے، انورنامہ کی طرح یہ کتاب بھی ۱۱۷۴ھ کے واقعات پر ختم ہوگئی ہے،

۶۔ **قصر والاجاہی**، مؤلفہ سید محمد حبش تنا، اس کتاب کا موضوع بھی خاندان انوری کے حالات ہیں، البتہ واقعات کا سلسلہ ۱۲۰۵ھ تک دراز ہوا ہے،

۷۔ **سراج التواریخ**، قاضی بدر الدولہ نے یہ کتاب لکھی ہے، گو اس کا موضوع ہندوستان کے اسلامی عہد کی عمومی تاریخ ہے، لیکن کرناٹک کے حالات پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے،

۸۔ **تحفۃ الاخبار**، اس کتاب کے مصنف غلام حسین خان ہیں، یہ صاحب میر منشی دار الانشار کمپنی تھے، یہ کتاب کرناٹک کی ایک عام تاریخ ہے، ۱۲۳۳ھ تک کے واقعات ترتیب دیئے ہیں، لیکن زمانہ خاندان انوری پر کتاب کا بڑا حصہ شامل ہے، نواب محمد علی خان والاجاہ کے زمانہ پر خصوصیت سے روشنی ڈالی ہے،

۹۔ **فوز عظیم**، مؤلف کے نام کا پتہ نہ چل سکا، یہ کتاب بھی انور نامہ کی طرح منظوم ہے، البتہ انور نامہ سے مختصر تر ہے، ۱۲۱۰ھ کے واقعات بیان کرکے کتاب ختم کردی گئی ہے،

۱۰۔ **نشان والاجاہی**، حیدر نواز خان، اس کتاب کے مؤلف ہیں، نواب محمد علی خان والاجاہ کے ابتدائی حالات سے کتاب شروع کی گئی ہے، تسلسل بیان قائم رکھنے کیلئے پہلے کے حالات بھی نظر انداز نہیں کر دیئے ہیں، ۱۲۵۰ھ کتاب کا سنہ تالیف ہے، اور اس سنہ کے واقعات پر کتاب ختم کردی گئی ہے،

۱۱۔ **سرگذشت زمانہ نیابت**، نواب غلام محمد غوث خان آخری نواب کرناٹک کی صغر سنی میں ان کے چچا نواب عظیم جاہ نائب قرار پائے تھے، وہی اس کتاب کے مؤلف ہیں، اپنے زمانہ نیابت میں جو اہم واقعات ۱۲۴۱ھ سے ۱۲۵۱ھ تک پیش آئے ان کو بیان کیا ہے،

۱۲۔ **بہار اعظم جاہی**، مصنف کا نام غلام عبد القادر، قادر عظیم خان ناظر ہے، ۱۲۳۸ھ میں نواب اعظم جاہ، نواب کرناٹک نے ناگور کا سفر اختیار کیا تھا، یہ کتاب اس سفر کے حالات کا تذکرہ ہے، ضمناً واقعات اور حالات تاریخی پر بھی جا بجا بحث آگئی ہے،

۱۳۔ **تذکرۃ الانساب**، یہ کتاب مصطفیٰ علی خان خوشدل کی تالیف ہے، اور گویا خاندان انوری

کا شجرہ اور مشاہیر خاندان کے حالات کا تذکرہ ہے،

۱۴- **گلستانِ نسب**، اس کتاب کے مؤلف کا نام بھی غلام عبدالقادر، قادر عظیم خان ناظر؛ گو یہ کتاب مشاہیر اہل نوایط کے تذکرہ کے طور پر ہے تاہم زمانۂ خاندانِ انوری کی تاریخ کرناٹک پر اس سے کافی روشنی پڑتی ہے،

۱۵- **وقائع امیر الامراء**، اس کتاب کو محمد عنایت حسین خان نے مرتب کیا ہے، نواب امیر الامرا نواب والاجاہ کے فرزند تھے، اور تنجاور کے انتظام پر مامور، مؤلف نے اس کتاب میں امیر الامرا کی زندگی کے بعض اہم اور خاص حالات فراہم کئے ہیں،

۱۶- **تشرید النوم موعظۃ القوم**، کے نام سے نواب امیر الامرا نے مشائخ طریقت کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے، آخر میں اپنے ذاتی حالات لکھے ہیں، کتب خانہ کا یہ مخطوطہ انھی ذاتی حالات پر مشتمل ہے؛

۱۷- **حدیقۂ مرتضوی**، اس کو سید مرتضیٰ خادم نے تالیف کیا ہے، اور مرتضیٰ خان قلعہ دار ایلور کے حالات پر شامل ہے، مرتضیٰ خان نواب سعادت اللہ خان کے زمانہ میں اس خدمت پر مقرر تھے،

۱۸- **شرف نامہ**، اس کتاب کا دوسرا نام تاریخ حفیظ اللہ خانی ہے، مولف کا نام محمد حفیظ اللہ خان حافظ یار جنگ ہے، یہ کتاب مؤلف کی خود نوشتہ سوانحعمری ہے، لیکن آخری نواب کرناٹک غلام محمد غوث خان کے زمانہ کے کافی حالات اس تالیف سے معلوم ہوتے ہیں،

۱۹- **دستور الالقاب**، نواب عظیم الدولہ نواب کرناٹک کے زمانہ میں مختلف افراد کے لئے مراسلت سرکاری میں جو القاب مقرر تھے ان سب کو مع ہر ایک کے نام و خدمت کی تفصیل کے اس رسالہ میں جمع کیا گیا ہے،

۲۰- **مجموعۂ مکاتیب شاہانِ انگلستان و ایسٹ انڈیا کمپنی**، یہ ان مکاتیب کا ایک مجموعہ ہے، جو شاہانِ انگلستان اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے مختلف عہدہ داروں نے نواب والاجاہ کو سنہ ۱۱۶۴ھ

سے ۱۱۹۲ھ تک وقت بوقت لکھے،

۲۱- مجموعۂ فرامینِ شاہ عالم ثانی بنام نوابانِ کرناٹک، یہ ان فرامین کا ایک مجموعہ ہے، جو شاہ عالم ثانی کی جانب سے از ۱۱۷۳ھ تا ۱۲۱۱ھ کرناٹک کے نوابوں کے نام صادر ہوئے،

۲۲- گلشن سعادت، محمد امین کی تالیف ہے، اور نواب سعادت اللہ خان کی جانب سے جو مراسلت عمل میں آتی تھی یہ اس کا مجموعہ ہے،

۲۳- مجموعۂ مکاتیب نواب والاجاہ، یہ نواب والاجاہ کے ان مکاتیب کا مجموعہ ہے جو ان کی جانب سے امرائے عرب کو روانہ کئے جاتے تھے،

۲۴- فرامین ورقعاتِ والاجاہ، اس مجموعہ میں نواب صاحب کے مختلف احکام اور واقعات فراہم کئے گئے ہیں،

۲۵- رقعاتِ والاجاہ، نواب صاحب نے اپنے ماتحت حکام وعہدہ داروں کے نام جو احکام جاری کئے تھے، یہ اس کا ایک بہت ضخیم مجموعہ ہے،

۲۶- مراسلاتِ امرائے کرناٹک، اس میں مختلف امرائے کرناٹک کی باہمی مراسلت یکجا مرتب کی گئی ہے،

۲۷- کتاب نوشت وخواند با نظام الدولہ وسرکار، یہ دراصل اس مراسلت کا رجسٹر ہے جو نواب مغفرت مآب نظام علی خان اور نواب محمد علی خان والاجاہ کے مابین عمل میں آئی تھی، ۱۱۷۹ھ سے ۱۱۹۳ھ تک جو مراسلت عمل میں آئی اس کا بہت بڑا حصہ اس رجسٹر میں محفوظ ہے،

۲۸- انشائے فضائل خانی، کرنول کے نواب نظامت خان کے مکاتیب کا مجموعہ ہے، جو محمد معمور خان پنی نے مرتب کیا ہے،

۲۹- انشاءِ دانش آرا، مؤلف کا نام منشی غلام حسین ہے، کرناٹک کے مشاہیر کے مکاتیب

جمع کئے ہیں،

۳۰۔ رقعات عبدالقادر خان قلعہ دار اودگیر، نواب والاجاہ کے زمانہ میں عبدالقادر خان اودگیر کی قلعہ داری پر فائز تھے، اس کتاب میں ان کی سرکاری مراسلت فراہم کی گئی ہے،

۳۱۔ مکاتیب محمد غوث، شرف الملک، یہ نواب عظیم الدولہ کے عہد میں دیوان تھے ان کے مکاتیب کا یہ مجموعہ ہے،

۳۲۔ انشاء حبیب اللہی، یہ کتاب میر محمد علی کی تالیف ہے، انھوں نے اس مجموعہ میں حافظ محمد حبیب اللہ کے مسودات ایک جگہ کر دیئے ہیں، حافظ موصوف عبدالحلیم خان حاکم کڑپہ کے منشی تھے، اس طرح یہ مجموعہ ان رقعات و عرائض پر مشتمل ہے، جو نواب صاحب موصوف نے اپنے معاصرین کو روانہ کئے،

۳۳۔ تذکرۃ البلاد والحکام، تالیف میر حسین علی کرمانی، اس تاریخ میں مؤلف نے ان بلاد اور حکام کا ذکر کیا ہے جن کا تعلق بالاگھاٹ (کرناٹک) سے تھا، ۱۲۱۵ھ کے واقعات پر یہ کتاب ختم ہوئی ہے،

۳۴۔ وقائع نعمۃ امیرالامرا ناصر جنگ فی دیار التنگ، اس نام سے نظام الدین احمد نے عربی میں ایک رسالہ نواب ناصر جنگ کے کرناٹک میں آنے اور نواب مظفر جنگ پر فتح پانے کے حالات میں لکھا ہے،

۳۵۔ گلدستۂ کرناٹک، مؤلف کا نام حکیم باقر حسین خان ہے، کتاب کا موضوع کرناٹک کے فارسی شعراء کا تذکرہ ہے،

۳۶۔ جغرافیۂ علاقہ مدراس، مرتبہ سید شاہ ابوالحسن، یہ کتاب ۱۸۸۰ء میں بزبان اردو تالیف پائی ہے،

ان کتابوں کے علاوہ میسور اور سلطنت ہند پر جو کتابیں مخزون ہیں ان سے بھی تاریخ کرناٹک کے متعلق معلومات حاصل ہوئے ہیں، ان کی تفصیل اس وقت موجب تطویل ہوگی،

تاریخ عتیقہ

پنڈوہ اور لکھنوتی کے چند آثار

از جناب سید شاہ حسین الدین احمد صاحب سجادہ نشین خانقاہ منعمیہ ابوالعلائیہ گیا

"حضرت مخدوم نور قطب العالم پنڈوی کا سلسلہ اس ناچیز تک تین چار سلسلوں کے واسطوں سے پہنچا ہے اسلئے پنڈوہ کی زیارت کا ایک مدت سے دل میں اشتیاق تھا حسن اتفاق کہ یہ دیرینہ تمنا اس سال ماہ رجب ۱۳۵۴ھ میں برآئی اور پنڈوہ اور لکھنوتی وغیرہ کی زیارت سے مشرف ہوا، یہ شہر جو کبھی بنگال کے پایہ تخت تھے آج ویران پڑے ہیں تاہم وہ آج بھی اپنے عہد کے بڑے بڑے مشائخ کے ابدی خوابگاہ ہونے کی وجہ سے روحانی تسکین کا ذریعہ ہیں، ذیل میں یہاں کے چند آثار کے حالات پیش کئے جاتے ہیں"،

"فقیر حسین الدین احمد منعمی ابوالعلائی"

پنڈوہ کا راستہ، میں ۱۹ رجب یوم جمعہ ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو چند احباب و اعزہ کے ساتھ صبح کی ٹرین سے ساڑھے ۶ بجے بہار ریلوے سے روانہ ہو کر بھاگلپور پہنچا، یہاں تاتارپور کی مسجد میں نماز جمعہ ادا کی، بعدہٗ حضرت مولینا شاہ شہباز رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوا، یہاں فرخ سیر کے وقت کی خانقاہ و مسجد کی عالیشان عمارتیں ہیں، تقریباً پانچ ہزار روپیہ کی آمدنی بھی خانقاہ کے متعلق اوسی وقت سے وقف ہے، یہ بزرگ دراصل موضع (اوساس) دہیورہ ضلع گیا کے رہنے والے تھے، بھاگلپور میں اب پورا خاندان آباد ہے، آپ کے خاندان کی مثل مشہور ہے "چڑھے گھوڑا اوڑے باز پھر شہباز کا شہباز" ۳ بجے دن کو بی اینڈ این ڈبلیو ریلوے کے ذریعہ تھانہ بہہ پور روانہ ہوا، ۸ بجے کٹیہار پہنچا، پھر کٹیہار سے ای بی ریلوے میں سوار ہو کر ۱۱ بجے شب کو ادینہ پہنچا، اور یہاں سے بیل گاڑی پر ۴ بجے شب کو درگاہ

پنڈوہ پہنچا، یہان سے فراغت کے بعد لکھنوتی گیا،

لکھنوتی، بنگال کے اسلامی عہد حکومت مین ابتداءً دو شہرون لکھنوتی اور پنڈوہ کو شہرت حاصل رہی ہو، انسائکلو پیڈیا برٹینکا سے ظاہر ہوتا ہے کہ پال خاندان کے راجہ لکشمی نے گیارہوین صدی عیسوی مین بنگال کے ایک قدیم شہر گور کو اپنے نام پر لکھنوتی سے موسوم کرکے اسے راجدھانی بنایا، سنہ ۱۱۹۸ء مین قطب الدین ایبک کے ایک جنرل بختیار خلجی نے اوسے فتح کیا، اور لکھنوتی ہی دار السلطنت رکھا، اسوقت سے دو سو برس تک یہ مقام بنگال کا دار السلطنت رہا، اور بختیار خلجی اور اسکے ہمراہیوں اور جانشینوں نے یہان اپنی یادگارین، مسجدین، دار العلوم اور خانقاہین بنوائین جن کے آثار آج تک یہان موجود ہین،

پنڈوہ، پھر ہندوستان کی اسلامی تاریخ مین پنڈوہ کا نام اسوقت سے آتا ہے جب سنہ ۷۵۴ھ مطابق ۱۳۵۳ء مین حاجی الیاس حاکم بنگالہ نے بادشاہ دہلی (سلطان فیروزشاہ) سے باغی ہوکر اپنا نام سلطان شمس الدین شاہ رکھا، اور بنارس تک قبضہ کرکے پنڈوہ کو دار السلطنت بنایا، جو مالدہ کے قریب ہے، بادشاہ اوس کی سرکوبی کے لئے ملک بنگالہ پہنچا، اور چند لڑائیان لڑکر تمام ملک بنگالہ پر گذر گیا، بالآخر مسلمانون کے قتل کے مواخذہ سے بچنے کے لئے اوس سے صلح کرکے دہلی واپس آیا، بعد مراجعت بادشاہ شمس الدین شاہ نے پھر سر اوٹھایا، اور حاکم سنارگاؤن ملک فخر الدین کو مار ڈالا، بادشاہ کو خبر ملی تو دوبارہ سنہ ۷۶۰ھ مطابق ۱۳۵۹ء مین لکھنوتی پر چڑھ آیا، لیکن بادشاہ کے پہنچنے کے قبل شمس الدین شاہ مرچکا تھا، اوس کا بیٹا سکندر شاہ جانشین ہوا، اوس نے بادشاہ سے معمولی مقابلہ کے بعد چالیس (اور بروایت تاریخ فرشتہ ۴۸) ہاتھی اور کچھ زر نقد سالانہ پر صلح کرلی، انسائیکلوپیڈیا برٹینکا (طبع یازدہم) مین پنڈوہ کے متعلق ہے:-

> یہ مشرقی بنگال اور آسام کے صوبۂ مالدہ کا ایک ویران شہر ہے جو کسی زمانہ مین مسلمانون کا دار السلطنت تھا، یہ مالدہ کے شمال مشرق جانب سات میل پر اور دوسرے ایک بڑے ویران شہر گور (لکھنوتی) سے تقریباً بیس میل پر واقع ہی، گور کی آب و ہوا کے خراب ہونے کی وجہ سے اسکو نئے طور پر آباد کیا

گیا تھا، اور غالباً اسی کی وجہ سے اس کی وقعت بڑھ گئی تھی، بنگال کے پہلے خود مختار سلطان حاجی شمس الدین الیاس نے ۱۳۵۳ء میں گور کے بجائے پنڈوہ کو اپنا پایہ تخت قرار دیا، لیکن اس شہر کی سرسبزی صرف چند روزہ تھی، اسلئے کہ ۱۵۰۲ء میں پھر گور بنگال کا دار السلطنت ہو گیا، موجودہ زمانہ میں صرف ایک مسجد آدینہ باقی رہ گئی ہے، جو جمیس فرگسن کے خیال کے مطابق پٹھانوں کی باقی ماندہ عمارتوں میں ایک بہترین عمارت ہو، سکندر شاہ نے ۱۳۶۹ء میں اس عظیم الشان مسجد کی بنیاد رکھی تھی، گور کے مانند پنڈوہ بھی آج ویران جنگل ہو"

پنڈوہ کے اس اسلامی دور حکومت میں یہاں مسلمانوں کے مختلف تمدنی آثار قائم ہوئے جن میں سے بعض قدیم چیزیں جو موجود ہیں یہ ہیں، بست ہزاری درگاہ (یعنی بڑی درگاہ جسکو اب بائیس ہزاری کہتے ہیں) درگاہ حضرت مخدوم نور قطب عالم، سنہری مسجد، ایک لاکھی مقبرہ، عالیشان و دلکش آدینہ مسجد،

بائیس ہزاری درگاہ، | یہ دراصل حضرت مخدوم شیخ جلال الدین تبریزیؒ کا چلہ ہو، اس میں ایک لاکھ بگہ زمین وقف ہو، آپ کا زمانہ حضرت مخدوم علاء الحقؒ سے پہلے گذرا ہے، صاحب اخبار الاخیار لکھتے ہیں، کہ ان کے مناقب کتب چشتیہ میں بہت کچھ مندرج ہیں، فوائد الفواد میں حضرت محبوب الٰہی سلطان المشائخ نظام الدین اولیاؒ سے منقول ہو، کہ شیخ جلال الدین تبریزی شیخ ابو سعید تبریزی کے مرید تھے، اپنے پیر کی وفات کے بعد حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ایسی خدمت کی کہ کسی مرید یا غلام سے ویسی خدمت بن نہ آئی، شیخ کی خدمات انجام دینے کے سلسلہ میں بعض خارق عادت کرامات بھی تذکروں میں قلمبند ہیں،

شیخ جلال الدین تبریزیؒ کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ سے بہت محبت و مودت تھی، چنانچہ اس کا تذکرہ بزرگان چشت کی کتابوں میں موجود ہے، اور دہلی میں آپ کے قیام کا یہی سبب ہوا، مگر دہلی کے زمانہ قیام میں ان سے شیخ الاسلام شیخ نجم الدین صغری کو کچھ

شکر رنجی ہوگئی، اور انہی وجوہ سے مجبوراً آپ کو دہلی چھوڑ کر بنگالہ کی طرف روانہ ہونا پڑا جس کا تذکرہ صاحب سیر المتاخرین نے بھی کیا ہے (جلد اص ۲۳۱) ان دونوں کے تعلقات سے متعلق تذکروں میں بعض واقعات درج ہیں، نیز انہی میں آپ کے مفصل سوانح حیات و کرامات وغیرہ ہیں،

صاحب اخبار الاخیار کی روایت کے بموجب آپ کا مزار بنگالہ میں ہے، مگر یہاں پنڈوہ میں مزار کا کوئی نشان موجود نہیں، یہاں ان دنوں آپ کا صرف وہی چلہ ہے جو بائیس ہزاری درگاہ کے نام سے موسوم ہے، پھر صاحب سیر المتاخرین کی یہ روایت نظر سے گذری کہ آپ بندر دیو محل میں مدفون ہیں، (جلد اص ۲۳۱)

اس بائیس ہزاری درگاہ میں متعدد پختہ عمارتیں ہیں، منجملہ ان کے ایک عمارت اندر سے مسجد نما بنی ہوئی ہے، اس میں پیش امام کے مصلے کی جگہ پر ایک چبوترہ چار انگشت اونچا، مصلی کی شکل کا بنا ہوا ہے، جسکو قدم رسول کی جگہ کہا جاتا ہے، مگر اب یہاں پر قدم رسول کا بھی کوئی نشان موجود نہیں ہے، اس کے لئے دوسری جگہ ہے، اسی مسجد نما کمرے میں پورب اوتر کے گوشہ میں ویسا ہی ایک دوسرا چبوترہ مصلی نما بنا ہوا ہے، جس کو حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کا چلہ کہا جاتا ہے، اس کے باہر سیاہ پتھر پر حسب ذیل کتبہ ہے،

"چو ایں عالی عمارت یافت ترتیب شدہ تاریخ، روشن آستان باد
۱۰۵۷ھ
بسم اللہ الرحمن الرحیم، یا اللہ یا اللہ وسلّمہ یا اللہ، این عمارت حضرت
شاہ جلال پشت وارہ کند،"

صحن مسجد سے اوتر ایک دوسری عمارت ہے، جس میں دالان کے بعد ایک کوٹھری میں مصلا نما چبوترہ ہے، جناب شاہ نعمت اللہ صاحب اسکو حضرت شیخ جلال الدین تبریزیؒ کا چلہ بتاتے ہیں، اس کے باہر کا دالان صوفی خانہ کے نام سے موسوم ہے، یہاں کے متولی سید محمود المظفر الموسوی ہیں، حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی نسبت سے اپنے کو موسوی کہتے ہیں، یہ علی گڈھ کے تعلیم یافتہ، روشن خیال خوش عقیدہ جوان صالح ہیں،

مقبرۂ حضرت اخی سراج الدین عثمانی، حضرت اخی سراج الدین عثمانی کا مولد و مدفن دونون لکھنوتی ہی ہی،
(جسے اب پھر گور کہا جاتا ہے) مورخین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے، کہ اخی سراجؒ کے آبا و اجداد کا
موروثی مکان لکھنوتی میں تھا، ابتدائی تعلیم کا زمانہ وہین بسر ہوا، پھر تحصیل علم و عرفان کیلئے دلی پہنچے، وہان
پہنچکر آپ حضرت محبوب الٰہی سید نظام الدین اولیاؒ کے حلقۂ عقیدت مین داخل ہوئے، پھر حضرت بابا فریدالدین
گنج شکرؒ کے حضور میں حاضر ہوکر شرف بیعت سے سرفراز ہوئے، حضرت باباؒ نے بیعت ہی کے وقت فرمایا، اس
راہ میں سب سے پہلا درجہ علم کا ہی چنانچہ آپ حضرت مولینا فخر الدین زرادیؒ کی خدمت میں جن کا اسوقت دہلی
میں طوطی بول رہا تھا، حاضر ہوکر علم حاصل کرتے رہے، مولانا نے ان کے واسطے ایک کتاب علم صرف میں عثمانی
تصنیف کی، اسکے بعد اس زمانہ کے جید عالم و اہل باطن مولینا رکن الدین سے کافیہ مفصل اور قدوری مجمع
البحرین وغیرہ پڑھی، ابھی علوم شرعی سے فراغت بھی نہ ہوئی تھی، کہ آپ کے پیر حضرت شیخ فریدالدین
گنج شکرؒ نے انتقال کیا، اور انتقال کے وقت سلطان المشائخ سید نظام الدین اولیاؒ سے حضرت نے ان
کو خرقہ خلافت عطا فرمانے کے لئے ارشاد فرمایا، چنانچہ پھر آپ حضرت محبوب الٰہی سلطان اولیاء کی خدمت
میں کامل تین برس تک حاضر رہ کر تعلیم پاتے رہے، خرقۂ خلافت و اجازت کے حصول کے بعد مقام لکھنوتی
تشریف لائے، اور مخدوم شاہ علاء الحق پنڈوی کو مرید کرکے اپنا خلیفہ اور جانشین قرار دیکر سنہ ۷۶۲ھ مین
انتقال فرمایا،

آپ کا مزار لکھنوتی مین ہے، آپ کے مقبرہ میں اس وقت دو قبرین ہین،
نقل ہے، کہ پیر سے کچھ کپڑے بطور تبرک آپ کو ملے تھے، آپ نے اپنے خادمون سے فرمایا کہ ان تبرکات
کو زمین میں قبر کی صورت بناکر دفن کر دو، اور اسی قبر کے پائین مین مجھے بھی دفن کرنا، چنانچہ دونون قبرین
اسوقت تک موجود ہین، آپ کے مزار پر عمارتین نصرت شاہ بن حسین شاہ کی بنوائی ہوئی ہین، اس زمانہ مین اس
مقام کو سعد اللہ پور کہتے تھے، ان دونون پیران پیر کے نام سے مشہور ہے، مالدہ اسٹیشن سے تقریباً آٹھ میل پر واقع ہی

جامع مسجد سعد اللہ پور، سعد اللہ پور میں ایک مسجد جامع بھی ہے، جسے سلطان محمود بن سلطان علاء الدین حسین نے تعمیر کرایا ہے، (ریاض السلاطین صـ۱۲۲)

مقبرہ حضرت مخدوم علاء الحق پنڈوی بن عمر بن اسعد لاہوری عمر بن اسعد بنگالہ کے امرائے وقت میں تھے، بلکہ آپ کے کل اقربا و اعزا امرائے سلطنتِ بنگالہ سے تھے، صاحبِ اخبار الاخیار نے مخدوم علاء الحق کو ابن اسعد لاہوری لکھا ہے، مگر اور مورخین ابنِ عمر بن اسعد لاہوری لکھتے ہیں، اور سیر المتاخرین میں صرف عمر اسعد چھپا ہے (جلد ا صـ۲۲۳) اور انکے بیان کے مطابق آپ کے آبا و اجداد لاہور کے رہنے والے تھے، مگر والد بزرگوار کے قیام بنگال کی وجہ سے حضرت مخدوم بنگال ہی میں پیدا ہوئے، عہدِ طفولیت میں والد ہی کی آغوش عاطفت میں پرورش پائی، جب سن تمیز کو پہنچے تو تحصیل علوم کی طرف متوجہ ہوئے، اس وقت بنگالہ علم و فن کا مرکز بنا ہوا تھا، کچھ تو اساتذہ کی شفقت، اور کچھ اپنی جودتِ طبع و خدا داد ذہانت سے تھوڑے ہی زمانہ میں تبحر علمی سے مالا مال ہوئے، تکمیلِ علوم کیساتھ ہی تعلیم و تدریس کا مشغلہ جاری رہا، دور دور سے طلبہ حصول علم کی غرض سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے، اور دولتِ علم سے مالا مال ہو کر واپس جاتے،

کلمات الواصلین ملفوظا حضرت سید شاہ غلام حسین داناپوریؒ میں ہے کہ شان و شوکت سے زندگی بسر فرماتے تھے، فرش مکلف، اس پر صدر میں چاندی کی چوکی بچھی رہتی، اس پر مسند بچھا کر آپ رونق افروز ہوتے، طلبہ و وابستگان دامنِ دولت فرش پر آکر بیٹھتے، دنیاوی شان و تمکوہ سے فقر و فاقہ مستی کی طرف آنے کے واقعات بہت پر لطف ہیں، لیکن افسوس کہ یہ انکی تفصیل کا موقع نہیں، الغرض حضرت محبوب الٰہی سلطان المشائخ نظام الدین اولیاؒ حضرت کی فقیری و درویشی کا باعث ہوئے، اور حضرت اخی سراج الدینؒ کو دہلی سے پنڈوہ بھیج کر انھیں ان کا مرید کرایا، پھر ان کے شیخ نے ان کی زندگی ہی بدل دی ریاضات و مجاہدات میں مصروف ہوگئے، اور اپنے شیخ کی صحبت سے فیض اوٹھا کر خود شیخ وقت بنکر اٹھے، اور ان کی وفات کے بعد ان کے جانشین بنے، آپکے سوانح اخبار الاخیار و تذکرۃ الکرام وغیرہ میں مفصل مذکور ہیں،

سنہ ۸۰۰ھ میں پنڈوہ میں آپ کا وصال ہوا، وصال کے وقت آپ نے فرمایا کہ ایک سید تشریف لائے ہیں، میرے جنازے کی نماز وہی پڑھائیں گے، چنانچہ حضرت مخدوم سید جلال الدین جہانیان جہان گشت نے پہنچکر کل مراسم تجہیز و تکفین ادا کئے، اور نماز جنازہ پڑھائی، اور حضرت مخدوم شاہ نور قطب عالم کو آپ کا جانشین بنایا، چندے بپاس خاطر حضرت مخدوم شاہ نور قطب عالم وہیں پنڈوہ میں مقیم رہے، (آئینۂ اودھ ۱۲۹)

حضرت مخدوم علاء الحق پنڈوی کا مزار پنڈوہ میں بڑی مسجد سے دکھن اور تالاب سے پچھم واقع ہے، آپ کے گیارہ صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تھیں چاروں صاحبزادیوں کی قبریں بھی حضرت مخدوم علاء الحق کے مزار سے متصل بہ سمت مشرق واقع ہیں،

حضرت مخدوم علاء الحق کی اہلیہ محترمہ حافظ بی بی جمال تھیں، کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت مخدوم سید بدر الدین پیر بدر عالم بہاری کی بہن تھیں، مگر کسی کتاب سے اس کا ثبوت نہ مل سکا، انکا مزار حضرت مخدوم کے پائین میں احاطہ سے نیچے سیڑھی کے پچھم واقع ہے[۱]

چلہ حضرت جہانیان جہان گشت، یہاں حضرت مخدوم علاء الحق جہانیان جہاں گشت کا چلہ بھی بڑی مسجد سے پورب اور تالاب سے اتر، اور پچھم گوشہ پر واقع ہے، جو آجتک زیارت گاہ خاص و عوام ہے، سچ کہا ہے کسی نے، ؎

برزمینے کہ نہادی قدم ناز ہمان ، سجدہ گاہ ہمہ گبر و مسلمان شد نیست

مقبرہ حضرت مخدوم شاہ نور قطب عالم پنڈوی، حضرت مخدوم شاہ نور الدین احمد معروف بہ نور قطب عالم پنڈوی، حضرت مخدوم شاہ علاء الحق پنڈوی کے خلف الرشید اور خلیفہ و جانشیں تھے، آپکے بہ کثرت خارق عادت حالات بیان کئے جاتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ آپ کی ولادت کے قبل بغداد شریف سے ایک بی بی

[۱] آپ کے دو خلفاء سے ہندوستان میں آپ کا سلسلہ زیادہ پھیلا ہے، اول حضرت مخدوم نور قطب عالم اور دوسرے حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی کچھوچھوی، انکے علاوہ سید عطاء اللہ بغدادی (بن حسین بن علا بن سلطان ابن ابراہیم گیسو دراز) کے واسطہ سے بھی مجھے سلسلہ پہنچا ہے، یعنی یہ بھی حضرت مخدوم علاء الحق پنڈوی کے خلیفہ و مجاز تھے،

تشریف لائیں، اور انھون نے بیان کیا کہ میں حضرت غوث الثقلین قطب ربانی مولانا محی الدین سید عبد القادر جیلانی کے خاندان سے ہوں، مجھے بشارت ہوئی کہ بنگالہ میں ایک نور روشن ہونے والا ہے، اس کی پرورش تیرے سپرد ہے، چنانچہ کچھ دنوں رہنے کے بعد حضرت نور قطب العالم اپنی والدہ ماجدہ کے بطن سے پیدا ہوئے، ولادت ہی کے وقت آپ کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوگیا، اور طفل نوزائیدہ کی پرورش بغدادی بی بی صاحبہ کے سپرد ہوئی، بغدادی بی بی رحمہا اللہ کا مزار تالاب نکل کر درگاہ پر آنے کے راستہ کے گوشہ میں واقع ہے، ابتدائی فارسی عربی تعلیم کے بعد شیخ حمید الدین کنج نشین سے علوم کی تحصیل کی، سلطان غیاث الدین بکا ہمسبق تھے، ریاض السلاطین حصہ دوم صفحہ ۱۰۰ میں ہے کہ

"سلطان غیاث الدین (ابن سکندر شاہ ابن شمس الدین الیاس شاہ) از ابتدائے حال با حضرت نور قطب عالم قدس اللہ سرہ اعتقاد تمام داشت وہمعمر وہم سبق بودند، چنانچہ ہر دو بخدمت شیخ حمید الدین کنج نشین ناگوری کسب علم نمودہ بودند"

تحصیل وتکمیل علوم ظاہر سے فرصت ہوئی، تو ریاضات ومجاہدات کی طرف متوجہ ہوئے، خصوصاً آپ نے مجاہدات نفسی بہت کئے ہیں، کئی برس تک اپنے پیر ومرشد یا والد بزرگوار کی خانقاہ میں جاروب کشی وہیزم کشی وغیرہ کی خدمت انجام دیتے رہے، (ریاض السلاطین، رفیق العارفین ملفوظ حضرت شاہ حسام الدین مانکپوری واخبار الاخیار وغیرہ)

حضرت نور قطب عالم کا وصال ۹ ذیقعدہ ۸۱۳ھ میں ہوا ہے، اور بعض روایات کے اعتبار سے ۸۱۸ھ اور سیر المتاخرین کے بیان کے بموجب ۸۵۱ھ میں،

آپ کے مزار کے چاروں گوشہ پر چار مینار بلند ہیں، جن میں شامیانہ کی ڈور باندھی جاتی ہے، اور پانچوان مینار سرھانے ہے، جو چراغدان کے کام میں آتا ہے، اسمیں ذیل کی عبارت کندہ ہے:

"تاریخ شہر ربیع الاول سنہ ہزار وبست کمترین گدا ابن خان الملک پریزاد خان، این

ستون را بملک ہسپانیہ آتا ستانہ حضرت برہان الحق والدین شیخ نور قطب عالم بہ نذر فرستا"

یہ پانچون ستون بظاہر سُرخ رنگ کے ہین، مگر ہاتھ سے رگڑنے سے ہاتھ زرد ہوجاتا ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ مینارے زبرجد کے ہین،

صاجزادون کے مزار، آپ کے خلفار میں دو خلیفے جلیل القدر ہوئے، اوران دونون سے آپ کا سلسلہ بہت شائع ہوا، اول مخدوم سید شاہ فریدالدین طویلہ بخش بہاری[1] اور دوسرے حضرت مخدوم شاہ حسام الدین مانکپوری حضرت نور قطب عالمؒ کے دو صاجزادون کا تذکرہ اخبارالاخیار مین ہے، بڑے مولانا شیخ رفعۃ الدین نہایت بزرگ ومتواضع ومنکسر وصاحب حال تھے، دوسرے مولانا شیخ انور دونون کے مزار والد بزرگوار کے پائین میں ہین،

مزار شیخ زاہد، حضرت مخدوم مولانا شاہ زاہد نبیرہ حضرت نور قطب عالم مرید ومسترشد حضرت شیخ حسام الدین مانکپوری کے متعلق عوام مین شہور ہے، کہ مولانا شیخ انور کے صاجزادے ہین، مگر ریاض السلاطین کی عبارت بتلاتی ہے، کہ مولانا شیخ انور کے برادر زادہ ہین یعنی مولینا رفعۃ الدین کے صاجزادہ ہیں، آپکا مزار حضرت مخدوم قطب العالمؒ کے مزار سے دکھن جنتی دروازہ کی راہ کے بعد دوسرے احاطہ مین ہی،

---

[1] حضرت مخدوم سید شاہ فریدالدین طویلہ بخش بہاری، ابن سید ابراہیم ابن سید جمال اولیا ابن سید محمد بداونی، ابن سید علی بخاری جد حضرت محبوب الٰہی قدس سرہ حضرت محبوب الٰہی کے والد بزرگوار سید احمد بداؤنی و سید محمد بداؤنی، دونون حقیقی بھائی تھے، صاحب فخرالانساب ص۲۲ میں فرماتے ہین، کہ حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی کے دہلی پہنچنے کے قبل آپ کے حقیقی بھائی سید محمد جمال الدین نے قصبہ بداؤن مین ایک لڑکا سید ابراہیم چھوڑ کر انتقال فرمایا، اور یہ لڑکا تربیت میں حضرت محبوب الٰہی کے پرورش پایا، حضرت مخدوم اخی سراج الدین جب بنگالہ تشریف لائے تو ان کے ہمراہ سید ابراہیم بھی آئے، یہان حضرت مخدوم علاء الحق پنڈوی نے اپنی سالی سے ان کی شادی کردی، صاحب مخزن الانساب لکھتے ہین،

مسجد حضرت مخدوم نور قطب عالم، حضرت نور قطب عالم کے مزارسے او تر ایک چھوٹی قناتی مسجد ہے جو انکی وفات کے بعد سلطان شمس الدین ابوالمظفر یوسف شاہ کے عہد میں ۸۸۴ھ میں تعمیر کی گئی، اس مسجد پر حسب ذیل کتبہ کندہ ہے:-

(کتبہ مسجد بالین حضرت مخدوم نور قطب عالم،)

"قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم، من بنی مسجداً بنی اللہ لہ قصراً فی الجنۃ

بنی ھذا المسجد فی عھد السلطان العادل شمس الدنیا والدین ابوالمظفر

یوسف شاہ سلطان ابن السلطان محمود شاہ سلطان خلد اللہ ملکہ

وسلطنتہ فی سنۃ ثمانمائۃ اربع عشرین رجب" ۸۲۴ھ

اک لاکھی مقبرہ، اک لاکھی مقبرہ میں بنگال کا سلطان جلال الدین مدفون ہے، اس علاقہ کا ایک ہندو زمیندار کنس نامی تھا، اس نے سلطان شمس الدین کے بعد آہستہ آہستہ اپنا اقتدار بڑھانا شروع کیا، پھر سلطان شمس الدین ثانی کے انتقال کے بعد ۸۰۸ھ میں راجہ بن بیٹھا مسند حکومت پر بیٹھ کر ظلم وسفاکی کرنے لگا، حضرت

(بقیہ حاشیہ ص۱۳۱) "سید ابراہیم ہمراہ حضرت اخی سراج رحمۃ اللہ علیہ بہ لکھنوتی آمد، و در آنجا رسم ازدواج ادائے نمود و با ہمشیرۂ زوجہ حضرت شیخ علاء الحق پنڈوہ کتخدا گردید، و یرا یک پسر سید اشد مخدوم شیخ فرید الدین طویلہ بخش کہ حضرت ایشان در بہار محلہ چاند پورہ حسب ہدایت چشتیان اقامت پذیر شدند"

حضرت مخدوم سید فرید الدین طویلہ بخش کی شادی حضرت مخدوم علاء الحق پنڈوی کی صاحبزادی سے ہوئی انھیں سے اولاد ہوئی، آپ حضرت مخدوم شاہ نور قطب عالم کے مرید و خلیفہ تھے، آپ سے بھی بہت سلسلہ پھیلا ہے بہار محلہ چاند پورہ میں آپ کا مزار مرجع خاص و عام ہے، ۸۰۹ھ میں وصال ہوا ہے،

حضرت مخدوم علاء الحق پنڈوی کے دوسرے داماد مولینا تاج الدین اصفہانی تھے، آپ کا بہت مختصر تذکرہ اخبار الاخیار ص۱۵۱ میں زیر تذکرہ شیخ سمانی مندرج ہے،

نور قطب عالم نے یہ رنگ دیکھ کر سلطان ابراہیم شرقی کو خط لکھا، وہ آپ کی طلبی پر جونپور سے روانہ ہوا، کنس یہ سن کر گھبرایا، اور پریشان خاطر ہو کر حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوا کہ کسی طرح سلطان ابراہیم سے اس ملک کو بچائیے، حضرت نے فرمایا کہ وہ تو میرے اشارہ ہی سے آرہا ہے میں کچھ نہیں کر سکتا بجز اس کے کہ تو مسلمان ہو جا اوس نے اس کو بھی منظور کیا، مگر اسکی بیوی مانع ہوئی، بالآخر کنس نے اپنے دوازدہ سالہ لڑکے جدو[1] نامی کو لاکر پیش کیا کہ اسے مسلمان کر کے تخت سلطنت پر بٹھایئے میں دست بردار ہو کر گوشہ گیر ہوتا ہون، چنانچہ حضرت نے اسکو مسلمان کر کے جلال الدین نام رکھا اوسی وقت منادی کر دی گئی، اور خطبہ سلطنت اس کے نام کا پڑھا گیا اور سلطان ابراہیم شرقی واپس گیا اسکے بعد کچھ دنوں تک تو امور شرع کی تبیع سلطنت رہی، پھر جب کنس نے سلطان ابراہیم شرقی کے انتقال کی خبر سنی، تو اس نے جلال الدین کو معزول کر کے سلطنت کی باگ سنبھال لی، اور چاہا کہ جلال الدین بھی دین و مذہب سے پھر جائے، مگر وہ اس پر آمادہ نہیں ہوا، اور کنس نے مسلمانوں پر پھر ظلم وستم شروع کر دیا، اور خصوصاً آپ کے خادمون اور متعلقین پر مظالم ڈھانے لگا، یہان تک کہ خانقاہ کا اسباب و اثاثہ لوٹ لیا، آپ کے صاحبزادے شیخ انوار اور آپ کے نبیرہ شیخ زاہد کو گرفتار کر کے سنارگاؤن لے گیا، اور وہان شیخ انور کو قتل کرا دیا، لیکن تائید ایزدی سے اس اثنا میں خود اسکی قضا آپہنچی، اس کے بعد پھر جلال الدین نے تخت سلطنت پر جلوس کیا، اور حضرت شیخ زاہد کو سنارگاؤن سے بلا کر اعزاز و احترام سے جگہ دی،[2]

جلال الدین نے سترہ سال تک پنڈوہ میں سلطنت کی، اور ۸۱۲ھ میں وفات پائی، کہا جاتا ہے، کہ اس کی وفات کے بعد اس کے خاندان والون نے ایک لاکھ کی لاگت سے پنڈوہ میں اوس کا مقبرہ

[1] تاریخ فرشتہ میں اس لڑکے کا نام جن مل ہی، [2] یہ تفصیلات ریاض السلاطین سے ماخوذ ہیں، فرشتہ مین بھی راجہ کنس کا سرسری ذکر آیا ہی، اسکے بیان کے مطابق اس نے خود اسلام قبول کر لیا تھا لیکن دل سے مسلمان نہیں ہوا تھا اسکے بعد جلال الدین نے سچے دل سے اسلام قبول کیا،

بنوایا، اسی مناسبت سے اِک لاکھی مقبرہ کے نام سے مشہور ہوا، مقبرہ میں اسکی بیوی اور لڑکے کی قبرین بھی اس کے پہلو میں ہیں، (ریاض السلاطین)

سونا مسجد، اِک لاکھی مقبرہ کے بائین جانب ایک بہت وسیع مسجد بھی تعمیر کی گئی ہے، لوگ اسے سونا مسجد کہتے ہین، کہا جاتا ہو کہ اس کی چھت کسی زمانہ میں سونے کی تھی، یا اس پر سنہری قلعی تھی، اسوقت چھت موجود نہیں ہو، صرف ننگی دیوارین کھڑی ہیں،

آدینہ مسجد، آدینہ مسجد پنڈوہ کے مشہور آثار مین ہے، اس کو الیاس شاہ کے بیٹے سکندر شاہ نے ۷۶۶ھ میں تعمیر کرایا تھا (ریاض السلاطین ص۱۰۰) سکندر شاہ کا مزار بھی مسجد کے بغل میں واقع ہو، مسجد کی عمارت عالیشان اور دلکش ہے، اور اسوقت تک اچھے حال میں ہو، انسائیکلو پیڈیا برٹینکا کے اقتباس بالا میں اسی کا ذکر آیا ہے،

سیرۃ النبی جلد پنجم

اس جلد کا موضوع عبادات ہے، اس میں پہلے عبادت کی حقیقت اور اس کے انواع و اقسام کا بیان ہو، پھر فرائض خمسہ، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، اور جہاد میں سے ہر ایک پر علٰحدہ علیحدہ سیر حاصل بحثیں ہین، پھر توکل، صبر، اخلاص، تقوی، اور شکر کے معانی و مطالب قرآن مجید کی تعلیمات کی روشنی میں سمجھائے گئے ہین،

تقطیع کلان، ضخامت ۱۰۳۳ صفحات، قیمت قسم اعلیٰ ۵ قسم دوم للعہ

چینی مسلمان

چین کے مسلمانون کا تعلق آغاز اسلام سے رہا ہو اس زمانہ میں بھی کروڑون مسلمان وہان آباد ہین، وہان کے مسلمانون کے مستند مذہبی اخلاقی، تمدنی سیاسی اور اقتصادی حالات کا ایک دردمند صاحب قلم چینی مسلمان نے ہندوستانی زبان میں لکھے ہین، کہ مسلمانان ہند اپنے ان دور افتادہ بھائیوں کے حالات سے آگاہ ہون ضخامت ۱۴۴ صفحے قیمت صرف ۱۲؎ "منیجر"

تلخیص و تبصرہ

جامعۂ طہران کا شعبۂ دینیات وفلسفہ

رسالہ مسلم ورلڈ امریکہ بابت ماہ جنوری ۱۹۳۶ء میں جامعہ طہران کے شعبۂ دینیات وفلسفہ پر ایک مقالہ شائع ہوا ہے، اس کی تلخیص درج ذیل ہے:-

رضا شاہ پہلوی کے فرمان کے بموجب سپہ سالار کلیۂ دینیہ جو مسجد سپہ سالار، طہران میں قائم تھا، جامعہ طہران کا شعبۂ دینیات وفلسفہ قرار دیدیا گیا ہے، جامعہ طہران ایران کی وزارت تعلیم کی جدید یونیورسٹی ہے (جس کے بنا و تاسیس کے حالات معارف جلد ۴۴ نمبر ۳ ستمبر ۱۹۳۹ء میں شائع ہو چکے ہیں) ۱۸۷۹ء (۱۲۹۶ھ) میں حاجی مرزا حسین خان سپہ سالار نے ایک مسجد اور اس کے اندر مدرسہ کے قیام کے لئے کچھ زمین اور سرمایہ وقف کر دیا تھا، اور اس وقف کا متولی شاہ ایران کو قرار دیا تھا، تعمیر کا کام شروع ہونے کے چند ہی دنوں بعد حاجی مرزا حسین خان کا انتقال ہو گیا، لیکن ان کے انتقال کے بعد بھی سات سال تک تعمیر کا سلسلہ ان کے ایک بھائی یحییٰ خان مشیر الدولہ کے زیر نگرانی جاری رہا، تاہم اس طویل مدت میں تعمیر مکمل نہ ہو سکی، اور یحییٰ خان کی وفات کے بعد یہ نامکمل ہی رہ گیا، تقریباً چالیس سال کے بعد ۱۲ جنوری ۱۹۳۱ء کو رضا شاہ پہلوی نے وزارت تعلیم کو حکم دیا کہ اس مدرسہ کی ازسرنو تنظیم کی جائے، اور عمارت مکمل کر دی جائے، چنانچہ اسی سال ایک جدید نصاب تعلیم مرتب کیا گیا، جس میں ثانوی تعلیم کے لئے چھ سال اور اعلیٰ تعلیم کے لئے تین سال کی مدت مقرر کی گئی، داخلہ کے لئے مقابلہ کے امتحانات رکھے گئے، اور پہلے سال تیس امیدواروں کو داخل کیا گیا جنہیں سے ۵ کے لئے ایک سو بیس ریال ماہانہ وظیفہ مقرر ہوا ہے، اور تعلیم بلا معاوضہ رکھی گئی ہے،

وزارتِ تعلیم کے اس جدید نظام سے ان حالات کی بہت کچھ اصلاح ہو گئی، جو اس سے پیشتر موجود تھے، پہلے باوجود اس کے کہ کلیہ سپہ سالار میں دینیات کے طلبہ رہتے اور تعلیم پاتے تھے، تعلیم کا کوئی باقاعدہ نصاب نہ تھا، اور نہ داخلہ اور تکملہ کے امتحانات مقرر تھے، مختلف اساتذہ وقتاً فوقتاً درس دیا کرتے تھے، اور درس کی شرکت کے لئے بھی طلبہ پر کوئی پابندی نہ تھی، اب یہ تمام باتیں جدید نظام نے بدل دی ہیں، کلیۂ دینیہ میں نہ صرف تعلیم کا نصاب باقاعدہ طور پر مرتب کر دیا گیا ہے، بلکہ دوسری بے عنوانیاں بھی موقوف ہو گئی ہیں، مثلاً پہلے مسجد کی عمارتوں میں بہتیرے ایسے طلبہ رہتے تھے، جو کلیہ دینیہ میں تعلیم حاصل نہ کرتے، بلکہ غیر مذہبی مدرسوں میں جاتے تھے، حالانکہ ان میں سے بعض کو کلیہ کے وقف سے تعلیمی وظائف بھی دیئے جاتے تھے، وزارتِ تعلیم نے مسجد اور اسکی عمارتوں کو اپنی نگرانی میں لینے کے بعد پہلا کام یہ کیا، کہ اُن تمام لوگوں کو جو وہاں رہتے تھے، نکال دیا، اور پھر عمارتوں کی مرمت اور اس کے مختلف حصوں کی تکمیل کا کام جاری کر دیا، کلیہ کے بانی نے تقریباً چار ہزار کتابیں جنمیں بہت سے بیش قیمت قلمی نسخے بھی تھے، مدرسہ کے لئے وقف کر دی تھیں، وزارتِ تعلیم نے ان کتابوں کی ایک فہرست مرتب کرا دی ہے اور جدید کتابوں کا اضافہ بھی کیا ہے،

۱۹۳۴ء میں جامعہ طہران کے قائم ہونے پر سپہ سالار کلیہ دینیہ کے نصاب تعلیم پر نظر ثانی کی گئی، اور یہ کلیہ جامعہ طہران کا شعبہ دینیات و فلسفہ قرار پایا، اسمیں دینیات، فلسفہ، اور ایران و عرب کے ادب کی تعلیم دی جاتی ہے، پوری تعلیم کی مدت نو سال ہے، جو تین تین سال کے تین دوروں میں تقسیم ہے، پہلا ابتدائی دور وزارتِ تعلیم کے ثانوی مدارس کے دوسرے دور کے برابر ہے، جو طلبہ شعبۂ دینیات و فلسفہ کے پہلے دور میں داخل ہونا چاہتے ہیں، انھیں ثانوی مدارس کے پہلے دور کی سند حاصل کرنا ضروری ہے، پہلے تین سال کی تعلیم حقیقۃً جامعہ کی تعلیم میں شامل نہیں ہے، بلکہ یہ مدت شعبۂ دینیات کے داخلہ کی تیاری کے لئے رکھی گئی ہے، چنانچہ کلیہ دینیہ کے داخلہ کے لئے ضروری ہے کہ دینیات کے اس ابتدائی

دور کی سند حاصل ہو چکی ہو،

کلیّہ کی اعلیٰ تعلیم کے طلبہ اپنے لئے ان تین مضامین میں سے کوئی ایک مضمون منتخب کر لیتے ہیں یعنی دینیات، فلسفہ اور ادب تین سال کی تعلیم کے بعد ان میں سے ہر مضمون میں ایک آخری اور جامع امتحان ہوتا ہے، جو طلبہ اس امتحان میں کامیاب ہوتے ہیں، انھیں اپنے شعبہ کی سند فراغ مل جاتی ہے، یہ سند جامعہ کے دوسرے شعبوں کی سند فراغ کے برابر ہوتی ہے، جو لوگ کلیہ دینیہ کے آخری تین سال کے دور میں بھی شریک ہوتے ہیں، اور اس کے آخری امتحان میں کامیاب ہو جاتے ہیں ان کو وہ سند ملتی ہے، جو جامعہ کے دوسرے شعبوں کے ڈاکٹر (فاضل) کی سند کے برابر ہوتی ہے، چنانچہ جو لوگ اس آخری دور کی تکمیل دینیات میں کرتے ہیں، ان کو فقیہ کی سند ملتی ہے، جو فلسفہ میں کرتے ہیں، انھیں حکیم کی، اور جو ایرانی اور عربی ادب میں کرتے ہیں، انھیں ادیب کی سند ملتی ہے،

سند فراغ حاصل کرنے والے حکومت ایران کے کسی ثانوی مدرسہ میں اپنے مضمون کے اُستاذ مقرر ہو سکتے ہیں، اسی طرح فضیلت کی سند حاصل کرنے والے اپنے مضمون کے استاد جامعہ میں مقرر ہو سکتے ہیں، اگر فضیلت کی سند رکھنے والوں نے شاہی کلیہ اساتذہ (اسٹیٹ ٹیچرس کالج) سے فن تعلیم کی سند بھی حاصل کر لی ہے، تو تقرر کے وقت انھیں کو ترجیح دیجاتی ہے،

معمولی درسوں اور امتحانوں کے علاوہ ہر مضمون میں اساتذہ مختلف طلبہ کے لئے مختلف موضوع منتخب کر دیتے ہیں جن پر وہ مقالات لکھ کر بحث و مباحثہ کے لئے اساتذہ اور اپنے ہمدرسوں کے سامنے پیش کرتے ہیں، اسی طرح ہر دور کے آخر میں آخری امتحانات کے علاوہ امیدواروں کو کسی خاص موضوع پر ایک مقالہ بھی پیش کرنا پڑتا ہے،

اس جدید نظام کے جاری ہونے کے بعد پہلی بار جون ۱۹۳۴ء میں سند فراغ کے آخری امتحان میں طلبہ شریک ہوئے، اور ۱۹۳۵ء میں شرکت کرنے والوں کی تعداد ستائیس تک پہنچ گئی، ابھی تک فضیلت

کے امتحان کے لئے کوئی طالب علم تعلیم کی پوری مدت ختم نہین کر سکا ہی،

اسوقت شعبۂ دینیات و فلسفہ مین چودہ اساتذہ ایسے ہین، جو پورا وقت تعلیم مین دیتے ہین، اور آٹھ ایسے ہین، جو کچھ وقت دیتے ہیں، یہ لوگ اپنی علمی لیاقت اور سابق تجربہ کی بنا پر منتخب کئے گئے ہین، جہانتک علمی لیاقت اور معلومات کا تعلق ہے، اس شعبہ کی حیثیت بہت بلند ہے،

شعبۂ دینیات و فلسفہ مین جن مضامین کی تعلیم ہوتی ہے، وہ حسب ذیل ہین، اس فہرست میں صرف آخری چھ سال کے دو دورون کا نصاب درج ہے، ابتدائی دور میں جو پہلے تین سال پر مشتمل ہی، منجملہ دیگر مضامین کے ایرانی زبان و ادب، عربی قواعد، زبان و ادب، تاریخ ایران، مبادیات فقہ، اصول فقہ، خطابات اور کچھ ریاضیات کی تعلیم دی جاتی ہی،

۱- شعبۂ دینیات

وہ مضامین جو پہلے سہ سالہ دور میں پڑھائے جاتے ہیں:-

(۱) فقہ، (۲) اصول، (۳) کلام، (۴) تفسیر، (۵) علوم ادبیہ (عربی زبان کی تعلیم، عربی قواعد اور بلاغت، عربی نظم، کچھ ایرانی ادب)، (۶) علوم درایت (احادیث کی جرح و تعدیل)، (۷) منطق و فلسفہ الہیات، (۸) تاریخ ادب عربی، (۹) فرانسیسی زبان،

وہ مضامین جو دوسرے سہ سالہ دور مین پڑھائے جاتے ہین:-

(۱) فقہ (۲) اصول، (۳) فلسفہ، (۴) تفسیر، (۵) تاریخ ملل و نحل و دینیات اسلام، (۶) فقہ الحدیث شیعی اسلام کی حدیثیں (یعنی وہ حدیثین جو بارہ امامون سے منسوب ہین) مع ان مسائل کے جوان حدیثون سے مستنبط کئے گئے ہین (۷) علوم ادبیہ،

۲- شعبۂ فلسفہ

وہ مضامین جو پہلے سہ سالہ دور مین پڑھائے جاتے ہین:-

(۱) کلام، (۲) منطق حکمت نظری وعملی، (۳) تاریخ ادب عربی، (۴) علوم ادبیہ، (۵) تاریخ ملل ونحل و تاریخ دینیاتِ اسلام (۶) تفسیر، (۷) فرانسیسی زبان،

وہ مضامین جو دوسرے سہ سالہ میں پڑھائے جاتے ہین :۔

(۱) فلسفہ اشراق ومشائیہ، (۲) تاریخ فلسفہ، (۳) تفسیر (۴) عرفان (تصوف)

۳۔ شعبۂ ادب

وہ مضامین جو پہلے سہ سالہ دور میں پڑھائے جاتے ہین :۔

(۱) صرف ونحو عربی، (۲) تاریخ ادب عربی، (۳) معانی وبیان وبدیع عربی (۴) ایرانی زبان، اور تاریخ ادب ایران، (۵) معانی وبیان وبدیع فارسی (۶) تاریخ ایران اور عمومی تاریخ عالم، (۷) فقہ واصول، (۸) منطق وفلسفہ، (۹) فرانسیسی زبان،

وہ مضامین جو دوسرے سہ سالہ دور میں پڑھائے جاتے ہین :۔

(۱) صرف ونحو عربی، (۲) معانی وبیان وبدیع، (۳) عروض وقوافی، (۴) فقہ واصول، (۵) تفسیر (۶) فلسفہ اور تاریخ فلسفہ، (۷) تاریخ ادب ایران، (۸) قراۃ الشعر (نقد وتقریظ) (۹) تاریخ ملل ونحل (۱۰) فرانسیسی زبان، "ع ۔ ت"

روس کا آہنی مرد

سویٹ روس کے مختار مطلق کو ملک نے اسٹالن کا لقب دے رکھا ہے، اسٹالن کے معنی فولاد ہین، اس کا اصلی نام یوسف ویساریونوویچ جوگاش ویلی (YOSEF VISSARIONOUITCH DJUGASHUILI) ہے، اب سے چھپن سال پہلے وہ جیارجیا کے علاقہ مین تفلس کے قریب گورا نامی ایک موضع میں ایک نہایت غریب گھر میں پیدا ہوا تھا، آج وہ دنیا کا سب سے بڑا ڈکٹیٹر ہے،

اسکی صورت شکل میں کوئی امتیازی خصوصیت نہین ہے، اس کا قد صرف پانچ فٹ پانچ انچ ہے،

اُسکے گھنے بالون میں کچھ سفیدی آرہی ہے، اُسکی مونچھین اور بھوین سیاہ اور گھنی ہین آنکھین بہت چمکدار ہین چہرا بیضاوی، اور ناک طوطے کی چونچ جیسی ہے، اُسکا وزن اوسط درجہ کا ہے،

اُس کا باپ ایک کسان تھا، جو موچی کا پیشہ کرتا تھا، اس کی ماں بھی کسان تھی، لیکن اُس نے اُس لڑکے کو باپ کا پیشہ اختیار کرنے کی اجازت نہ دی، بلکہ اُسے ایک مذہبی مدرسہ مین بھیجا، یوسف نے اس مدرسہ میں چار سال رہ کر تعلیم چھوڑ دی، بعض لوگون کا بیان ہے کہ تعلیم چھوڑنے کا سبب صحت کی خرابی تھی، بعض کہتے ہین کہ سیاسی تحریکون مین حصہ لینے کی وجہ سے وہ مدرسہ سے خارج کردیا گیا، بہرحال مدرسہ سے نکلنے کے بعد وہ ایک "پیشہ ور انقلابی" ہوگیا، اور پھر بتدریج ترقی کرتا ہوا بولشیوک جماعت کا ایک رکن ہوگیا، اور اس جماعت کے اعلیٰ عہدون پر فائز ہوتا رہا،

اسٹالن روس کا مختار مطلق ہونے کے باوجود ضابطہ کے لحاظ سے سویٹ حکومت کا صرف ایک معمولی عہدہ دار ہے، وہ حکومت کی مرکزی مجلس عاملہ کا جس کے ارکان کی تعداد تین سو یا اس سے کچھ کم وبیش ہے ایک معمولی رکن ہے، تاہم وہ اس وقت روس کا سب سے زیادہ طاقتور آدمی ہے، وہ روس کی کمیونسٹ پارٹی کا سکریٹری ہے لیکن خود روسی نہیں ہے، اس کی تعلیم ایک مذہبی مدرسہ مین ہوئی ہے لیکن وہ اپنی قوت سے مذہب کو فنا کرنے کی کوشش کر رہا ہے، وہ کوئی اقتصادیات کا ماہر نہین ہے، لیکن اقتصادی تعمیر کی سب سے بڑی تجویز یعنی روس کی "پنج سالہ تجویز" اُسی کے دماغ کی پیداوار تھی،

یون تو ہر شخص کو اسٹالن سے متعلق کچھ نہ کچھ واقفیت ہے لیکن حقیقۃً کوئی بھی اُسے نہیں جانتا یہان تک کہ اُس کا معتمد سکریٹری بھی اسے نہیں جانتا، اُسے نمایش کا بالکل خیال نہیں ہے، جاڑون میں وہ گہرے سبز رنگ کا فوجی وضع کا کوٹ اور خاکی برجیز پہنتا ہے، یہی لباس اس کے پیرودن نے بھی اختیار کر لیا ہے، وہ برابر پائپ پیتا رہتا ہے، اور بیان کیا جاتا ہے، کہ پائپ کے لئے اُسے امریکا کی تمباکو زیادہ پسند ہے لیکن اس غیر روسی پیداوار کو علانیہ استعمال کرنے مین اُسے تامل ہوتا ہے،

دسترخوان پر بھی مختلف کھانوں کے درمیان وہ تمباکو پیتا رہتا ہے،

اسٹالن کتب بینی کا بہت عادی ہے، وہ شطرنج اور شراب کا شائق ہے لیکن اعتدال سے زیادہ نہیں پیتا، تھیٹر کا بھی اُسے بہت شوق ہے،

روس کے باہر لوگ خیال کرتے ہیں، کہ اسٹالن کا طرز معاشرت ویسا ہی ہوگا، جیسا دنیا میں اشتمالیت کے سب سے بڑے قائد کا ہونا چاہئے، لیکن ایسا نہیں ہے، اسٹالن کے طرزِ معاشرت سے روس پر اوسی قدر مالی بار پڑرہا ہے جسقدر اُن زاروں کی ذات سے پڑتا تھا، جنھوں نے روس کو ایک سلطنت بنادیا تھا، چنانچہ اُس نے اپنے رہنے کے لئے وہ محل منتخب کیا ہے، جس میں زار آیوان ہیبت ناک (IVAN THE TERRIBLE) رہا کرتا تھا،

لیکن اپنی حقیر جائے پیدائش سے زار کے محل تک پہنچنے کی راہ ایک طویل اور پرخار راہ تھی، اس راہ میں اسٹالن کو مصائب، جلاوطنی، اور قید سب ہی کا سامنا کرنا پڑا، کئی بار اُسے جلاوطن کرکے سائبریا بھیجدیا گیا، پہلی بار وہ ۱۹۰۲ء میں سائبریا بھیجا گیا تھا،

فروری ۱۹۱۷ء کے منشیوک انقلاب (MEN SHEVIK REVOLUTION) کے بعد وہ قید سے رہا کیا گیا، اور اسی سال نومبر کے انقلاب میں وہ لینن کا دست راست بن گیا، ۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۰ء میں اُس نے مزدوروں اور کسانوں کی نمایندگی کی، اور پھر ۱۹۲۰ء سے ۱۹۲۳ء تک جمہوریہ روس کی انقلابی فوجی کونسل کا رکن رہا، بتدریج وہ اپنے حریفوں کو علحدہ کرتا گیا، ۱۹۲۷ء میں اُس کا سب سے بڑا مخالف ٹروٹزکی اور اس کے اٹھانوے ساتھی کمیونسٹ پارٹی سے نکالے گئے، ۱۹۲۸ء میں ٹروٹزکی وغیرہ جلاوطن کردیئے گئے، ٹروٹزکی آج بھی بیماری اور افلاس کی حالت میں جلاوطنی کی زندگی بسر کررہا ہے،

اسٹالن جذبات سے بالکل معرّا ہے، اپنے اوپر قابو رکھنے اور مخالف کی ہجو بلیغ کرنے میں اُسے کمال حاصل ہے، اور یہی دونوں چیزیں اُس کے خاص آلاتِ حرب ہیں، مخالف کی قوت کو پاش پاش کردینے

کیلئے اسٹالن کی ایک تیز نگاہ بسا اوقات کافی ہوجاتی ہے،

اسٹالن میں صبر، استقلال اور کسی ایک امر پر توجہ مبذول کرنے کے اوصاف خصوصیت کیساتھ پائے جاتے ہیں، اُس میں چالاکی اور عیاری بھی ہے، جہان صاف گوئی اس کے مقصد میں معین ہوتی ہے، وہان اُس سے بڑھ کر صاف گو کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا، وہ اتنی اخلاقی جرأت بھی رکھتا ہے کہ اپنی غلطیون کا اعتراف کرلیتا ہے، یہ بات دوسرے ڈکٹیٹرون میں بہت کم پائی جاتی ہے، دولت سے اُس کو مطلق دلچسپی نہیں ہے، دوسرے سویٹ لیڈرون کی طرح وہ ایک غریب آدمی ہے، جہان تک دولت کا تعلق ہے ابتک ان میں سے کسی پر کوئی حرف نہیں آسکا، حالانکہ اگر اسٹالن چاہتا، تو روس میں کوئی ایسی دولت نہیں ہے جو اُسے مل نہ سکتی،

(ل ڈ) "ع ز"

مقالاتِ شبلی جلد پنجم (تاریخی)

مولانا شبلی مرحوم کا خاص فن تاریخ تھا، انھون نے تاریخی کتابون کے علاوہ مختلف تاریخی موضوع پر بکثرت مستقل مقالات بھی لکھے تھے، جو الندوہ وغیرہ میں شائع ہوئے تھے، یہ ان مقالات کا مجموعہ ہے جو اکابر اسلام کے سوانح سے متعلق ہیں، جس میں علامہ ابن تیمیہؒ ابن رشد وغیرہ جیسے اہم مقالات کے علاوہ وہ معرکۃ الآرا مضمون بھی ہے جسے مولانا نے انڈین میگزین اینڈ ریویو کے ایک آرٹکل کے جواب میں جو زیب النسا، کی سوانح عمری کے متعلق تھا، لکھا تھا جس میں عاقل خان رازی کے عشق و محبت کے افسانہ کی پرزور الفاظ میں تردید و تغلیط کی ہے، اور سوانح زیب النسا کے متعلق صحیح معلومات پیش کئے ہیں، ضخامت ۱۴۰ صفحات، قیمت: ۱۲ عہ

"منیجر"

اخبارِ علمیہ

آسمانون کی خبر

اب تک غبارون کے ذریعہ سے ۲۳۹۵ ، فٹ بلندی کے حالات معلوم ہو سکے ہین، اس سے اوپر فضا کی حالت ہنوز لامعلوم ہے، ماہرینِ سائنس کا خیال ہو کہ اس سے اوپر منجمد آکسیجن کی ایک چادر ہے، جو ہمین آفتاب کی ہلاکت خیز الٹرا وایولٹ شعاعون سے محفوظ رکھتی ہے، وہان وہ غیر مرئی برقی آئینے بھی ہیں، جن سے ٹکرا کر ریڈیو کی لہرین زمین پر واپس آتی ہین، جو نشر الصوت کو ممکن بناتی ہین، بعض ماہرینِ سائنس کا خیال ہو کہ وہان ایک ایسی تہ ہے، جس کی حرارت کھولتے ہوئے پانی کی حرارت کے برابر ہے جو زمین کی ہر گرم چیز سے زیادہ گرم ہے،

ان معلومات پر بعض ماہرینِ سائنس شبہہ ظاہر کرتے ہوئے استفسار کرتے ہیں کہ اگر یہ صورتِ حال ہے تو ُنیا اس نامعلوم حصہ کا طیارہ یا کسی اور ذریعہ سے طواف کیا جاسکتا ہے، لیکن ماہرینِ سائنس کے دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ وہان کسی طیارہ اور نہ کسی بشر کی رسائی ہو سکتی ہے، ہان روشنی کی شعاعین اس تاریک اور بلند سطح تک پہنچائی جاسکتی ہین، ہوا کے ذرات کے ذریعہ روشنی کی شعاعون میں زمین کی طرف انعکاس ہوگا، جس سے ماہرینِ طبعیات معلوم کر سکین گے، کہ ذرات سرد ہین یا گرم، برق شدہ ہین یا تعدیلی، آپس مین گنجلک ہیں یا علٰحدہ علٰحدہ، پانچ سال قبل ایک برطانوی ماہر طبعیات نے ثابت کیا تھا، کہ آسمانی راز روشنی کی شعاعوں کے ذریعہ آشکارا کئے جاسکتے ہین، اوس نے برطانوی فوج اور بیڑے کے سینکڑوں نہایت طاقتور سرچ لائٹ کو جمع کر کے اوپر فضا کے ایک خاص مقام پر روشنی ڈالنا شروع کیا، ماہرینِ سائنس

نے یہ طور پر دکھایا کہ معکوس روشنی رات کی آسمانی روشنی کی طرح تھی، ان لوگون کا خیال ہو کہ اگر ان شعاعون مین "انگلی کے نشانات" دیدیے جائین، تو پھر ان کی معکوس روشنی آسانی سے پہچانی جاسکتی ہے، واشنگٹن کے تین ماہرین سائنس نے اس قسم کی نشان زدہ شعاعیں تیار کرلی ہین، اور اب باضابطہ فوجی سرچ لائٹ کے ذریعہ سے تجربے کئے جانے والے ہین، اور اسکی کامیابی پر مفید نتائج مترتب ہونے والے ہیں، جریدۂ سائنس سروس کے ایک مقالہ نگار کا خیال ہے کہ سائنس زیادہ سے زیادہ زمین سے ۷۰ سے ۵۰ میل تک کی بالائی چیزون کے حالات معلوم کرسکتا ہے، لیکن سائنس کی ترقی کی رفتار بہت تیز ہے، مثلاً ۳۱ء میں ایک بلجین ماہر سائنس ایک کشتی کے ساتھ جو کہ ایک ہائی ڈروجن غبارہ مین آویختہ تھی، دس میل اوپر کئی گھنٹون تک رہا، لیکن اس سے اوپر ایک روسی ہواباز کشتی لے گیا، لیکن وہ کشتی اترتے وقت ٹوٹکر بالکل برباد ہوگئی اور اس سے کوئی سائنٹفک معلومات فراہم نہ ہوسکے، ممالکِ متحدہ میں اب تک اس قسم کے کئی تجربے کئے جاچکے ہین،

ریت کا سمندر

گذشتہ جنوری مین مسٹر کینیڈی شا کی رہنمائی میں ایک گروہ جس میں ایک خاتون بھی شریک تھین، جنوبی لیبیا کے صحرا کے سفر مین گیا، اس گروہ نے اس صحرا میں گذشتہ زمانہ کی انسانی آبادی کے بہت سے آثار پائے، انھون نے غارون میں اور چٹانون پر مصوری کے بعض بہترین نمونے پائے، تصویرین جن کی تعداد بچپیں تھی، سُرخ اور سفید تھین، اور ان میں انسانون اور جانورون کی شکلیں بنی تقیں، مویشی ۰۰۰ء یا ۰۰۰ء قبل مسیح کے زمانے کے معلوم ہوتے تھے، ان کی گردنون کے پٹے اور ڈوریون سے پتہ چلتا ہے، کہ وہ پالتو تھے، اس صحرا میں ایک دریا بھی ہے، جو ۲۹۵ میل لمبا ہے، لیکن اسوقت بالکل خشک ہے، انھیں حصون میں پتھر کے سینکڑون مقبرے ہین، ایک لاش کی گردن میں عقیق کے کچھ دانے اور کمر مین سیپ تھے، اس کے علاوہ پالش کی ہوئی کلہاڑیان، اور کئی قسم کی چکیان ملین، ان

مشاہدات سے پتہ چلتا ہے کہ اس صحرا میں انسانی آبادیاں تھیں، جوان مویشیوں اور اوزاروں کے ذریعہ سے زراعت کا کام کیا کرتی تھیں، اس صحرا کے متعلق مسٹر کینیڈی بہت ہی دلچسپ بیان دیتے ہیں، اس ریت کے سمندر کا رقبہ آئرلینڈ کے برابر ہے، اور جس طرح سمندر میں تغیر و تبدل ہوا کرتا ہے، اوس طرح یہاں بھی تغیرات محسوس ہوتے ہیں، سرد دنوں میں یہ مقام اتنا خوشگوار ہو جاتا ہے، کہ اس سے دلکش مقام شاید ہی کوئی اور ہوتا ہو، لیکن جب گرم ہوائیں چلنے لگتی ہیں، تو ریت پگھل کر سیال ہونے لگتی ہے اور موٹر مشکل سے چند گز آگے بڑھ سکتا ہے، پانی ایک سو میل کے اندر کہین نہیں دکھائی دیتا، اور پھر اس سے بڑھکر شاید ہی کوئی ناخوشگوار مقام ہوتا ہو، صحرا کے بعض حصے بالکل صاف ہین، وہاں نہ کوئی درخت ہے، نہ جانور اور نہ مٹی، لیکن ایک ایسا مقام بھی ہے، جہان ہم اپنے کو دو طوفانی موجون کے درمیان پاتے ہین، اس کا پانی تھوڑی دیر تک منجمد رہتا ہے، لیکن پھر یکایک اس میں ایسی حرکت پیدا ہو جاتی ہے کہ ہم کو تھپیڑون میں بہا لیجائے،

ڈائنامائٹ کا قائم مقام

سائنس کی تحقیق سے ڈائنامائٹ کی جگہ بند ہوا، بڑی بڑی چیزون کو پاش پاش کرنے میں بے حد مفید ثابت ہوئی ہے، خصوصاً کوئلہ کی کانون میں اس کا تصرف نہایت موثر ہوا ہے، ایک دھات کے ظرف میں ہوا بھر دی جاتی ہی، جس کا دباؤ ۱۵۰۰۰ پونڈ ہوتا ہے، یہ ظرف کوئلون کی دو بڑی چٹانون کے درمیان والے سوراخ مین ڈال دیا جاتا ہے، اور پھر دور سے یہ ہوا کھول دی جاتی ہی، ہوا ڈائنامائٹ کے گیس کے مقابلہ میں کم سُرعت کیساتھ پھیلتی ہے، اس لئے اس کے ذریعہ سے کوئلے چھوٹے چھوٹے ٹکڑون میں نہیں ٹوٹتے، بلکہ کوئلے بڑے بڑے ٹکڑوں میں ٹوٹ کر آہستہ آہستہ اپنی جگہوں سے حرکت کرتے ہیں، کوئلون کے بڑے بڑے ٹکڑے تجارتی حیثیت سے مفید ثابت ہوتے ہین، یہ دھات کا ظرف مسلسل استعمال کیا جا سکتا ہے، اس سے کان کن ان تمام خطرات سے محفوظ رہتے ہین، جو ڈائنامائٹ کے ذریعہ سے بعض اوقات

پیدا ہو جاتے ہین، لطف یہ ہے کہ ہوا بھرنے اور کھولنے مین صرف ۰ و سکنڈ لگتے ہین،

آواز کی قوت

بویریا کے ماہرین سائنس تجربہ کر رہے ہین کہ انسانی آواز زیادہ سے زیادہ کتنی دور تک پہنچ سکتی ہے، اب تک انسانی آواز بغیر کسی آلہ کی مدد کے ڈھائی میل کے فاصلہ تک سُنی گئی ہے، لیکن بویریا کے ماہرین سائنس نے ۱/۲ ۹ میل کے فاصلہ سے بھی آواز سُنی، مگر یہ واضح رہے کہ ڈھائی میل کے فاصلہ پر جو آواز سُنی گئی تھی، وہ ہوا کے ذریعہ سے پھیلی، لیکن ۱/۲ ۹ میل پر جو آواز سننے مین آئی وہ کانسٹینس جھیل کے پانی کی سطح کے اندر بولی گئی، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسانی آواز پانی کے اندر زیادہ پھیل سکتی ہے،

"ض ع"

شور و غل کے خلاف نیویارک کا جدید قانون

رائے عامہ سے متاثر ہو کر نیویارک (امریکہ) نے شور و غل کے خلاف جو قانون وضع کیا تھا، اس کا نفاذ باقاعدہ طور پر یکم اکتوبر ۱۹۳۵ء سے ہو گیا، اس روز نیویارک کے میر (MAYOR) نے پولیس کو ہدایت کی، کہ اس قانون کی خلاف ورزی کرنے والون کی تنبیہ کرین، اور گرفتاری کے بغیر شروع میں زبانی سرزنش پر اکتفا کرین، اس قانون کے رو سے موٹرون کے بگل کی آواز گیارہ بجے رات سے سات بجے صبح تک ممنوع قرار دی گئی ہے، اور لوگون کو ہدایت کی گئی ہے کہ اپنے لاسلکی آلون کی آواز دھیمی کر دین، پہلے تین دنوں میں ۱،۰۴۷ آدمیون کو زبانی سرزنش کی گئی، اور ۹ سمن جاری کئے گئے، شور و غل کے خلاف شکایتون کی تحقیقات کے لئے ایک دفتر بھی قائم کیا گیا ہے، اس میں موٹرون کے بگل اور کتون کے بھونکنے کی شکایتیں بہت زیادہ پہنچتی رہتی ہیں،

"ع ز"

ادبیات

نذرِ اخلاص

قطعۂ ذو قافیتین بہ تہنیت صحتیابی برادر مکرم علامہ سید سلیمان ندوی مد فیوضہم

از اقبال احمد سہیل ایم اے (علیگ) ایڈوکیٹ اعظم گڈھ

۱۰ فروری ۱۹۳۶ء کو حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی کی صحتیابی کی خوشی میں شبلی منزل میں ایک مجلس دعوتِ طعام ترتیب پائی تھی، جس میں شہر کے احباب و معززین بھی شریک تھے، ہمارے شہر کے شاعر خوش نوا جناب اقبال احمد صاحب سہیل نے اسی مجلس میں چند شعر فی البدیہہ کہہ کر سنائے، اور پھر عنوان بالا سے ہمیں اشاعت کے لئے عنایت فرمائے،

"اڈیٹر"

للہ الحمد شبِ تار، بپایاں آمد،	صبح چون طالعِ بیدار، درخشاں آمد،
از بخارِ دلِ عشاق کہ شبنم شدہ بود	لالہ را صد گہرِ شہوار، بداماں آمد،
کشت و صحرا ہمہ خرم شدہ چوں باغِ بہشت	رشحۂ ابر گہر بار، نم افشاں آمد،
شیخ با سبحہ و سجادہ بہ مسجد بشتافت	رند با ساغرِ سرشار، بہ بُستاں آمد،
کبکِ سرمست بکہسار خراماں گردید	مُرغِ خوش لہجہ بگلزار، پر افشاں آمد،
شاہدِ لالہ ز جلبابِ ورق رُخ بنمود	یوسفِ مصر بہ بازار، ز کنعاں آمد،
جعدِ سُنبل بہ پراگند چو بادِ سحری	نفحۂ نافۂ تاتار، پریشاں آمد،

سزد ار جن و پری سجدۂ شکرانہ کنند ۔ کاندریں بزم دگر بار سلیماں آمد
دیدہ از جلوۂ دیدار سعادت اندوخت ۔ سینہ چوں عالم انوار، چراغاں آمد
کیست در ہند کنوں جز تو کہ در بزم کمال ۔ کاشف عقدۂ اسرار، بدنبیاں آمد
نوک کلک تو زبس لعل و گہر می پاشد ۔ ہند را برزن و بازار، بدخشاں آمد
مرجع علم و ادب ہستی ہموارہ ترا ۔ کرم و اور داوار، نگہباں آمد

اینک از مرقد استاد صدا می آید،
"کہ بہار آمد و بسیار بساماں آمد" (شبلیؒ)

نذر تہنیت بتقریب[1] صحتیابی

بجناب حضرت مولانا سید سلیمان ندوی متعنا اللہ والمسلمین بطول بقائہ

از محمد یحییٰ، اعظم گڈھ،

نسیم صبح گاہی عطر بیز و مشکبار آئی، ۔ بحمد اللہ گلزار معارف میں بہار آئی،
رخ اقدس سے اک موج تبسم عاریت لیکر ۔ لب ہر غنچہ تک موج صبا مستانہ وار آئی
دعاہائے سحر گاہی میں وہ تاثیر پنہاں تھی ۔ اجابت بارگاہ کبریا سے بیقرار آئی
زبان سبزہ و گل پر یہی پیہم دعائیں تھیں ۔ خوش آں روزے کہ دیگر بہر سیر لالہ زار آئی
یہی مست نگاہ فیض مشتاقانہ کہتے تھے ۔ زہے ساعت کہ "در بزم رفیقاں" بوئے یار آئی
خدائے دو جہان نے آپ کو کامل شفا بخشی ۔ بحمد اللہ موافق گردش لیل و نہار آئی
عقیدت کے صحیفہ کی ابھی تکمیل کرنی تھی ۔ بقائے ذات سامی کی مشیت ذمہ دار آئی

[1] یہ نظم جناب منشی عبد الحفیظ صاحب منتظم مطبع معارف نے کارکنان مطبع معارف و دفتر دار المصنفین کی جانب سے پیش کی، اور اس کی مطبوعہ کاپیاں حاضرین مجلس میں تقسیم کی گئیں، (معارف)

ازل سے آستان بوسی شہنشاہِ رسالت کی
زہے قسمت کہ زیبِ خامۂ سیرت نگار آئی

زبس مطلوب تھی قدوسیون کو آپکی صحت
بشارت لیکے شانِ رحمتِ پروردگار آئی

دوا کے ساتھ پہیم یہ دعاے دردمندان بھی
نویدِ رحمتِ قدوس بن کر سازگار آئی

معالج اور بھی تھے آپ کے لیکن خوش قسمت
کہ صحت کی سعادت حاصلِ سعیِ کدار آئی[1]

بر آئی رحمتِ حق سے تمنا ملک و ملت کی
دعائے علم و عرفان باریابِ کامگار آئی

عقیدت سرورِ عالم کی خدمت علم و مذہب کی
ترے سیماے روشن کے لئے آئینہ دار آئی

نہ تنہا فرش پر ہم خاکیون نے التجائین کین
دعاے نوریانِ عرش بھی بروے کار آئی

حریم قدس کے پردون سے اس تقریبِ صحت پر
صدا صلی علیٰ و مرحبا کی بار بار آئی

ہوئے پھر جلوہ آرا آپ بزمِ علم و عرفان مین
نگاہِ شوق پھر ہر سمت سے پروانہ وار آئی

تماشا می توان کردن بہارِ گلشنِ خود را
کنون وقت است اے **شبلی** کہ بیرون از مزار آئی

بلے زیبد اگر اے ساقی خم خانۂ عرفان
کنون از مقدمِ خود بزم سرمستان بہار آئی

رہے تا دیر قائم اے خدا "ظلِ سلیمانی"
زبانِ خامہ پر اب یہ دعا بے اختیار آئی

خدا رکھے سلامت تا ابد **مسعود و سید** کو
کہ ان کی ذاتِ والا انتخابِ روزگار آئی

یہی ہیں در حقیقت باغبانِ گلشنِ شبلی رح
ابھی آتی ہے، ان سے نکہتِ پیراہنِ شبلی،

---

[1] جناب ڈاکٹر کدار ناتھ صاحب گوڑ، ایم بی، بی ایس،

بابُ التقریظ والانتقاد

ہندوستانی زبان کے چند نئے رسالے

گذشتہ ۲ ماہ میں ہندوستانی زبان کے جو نئے رسالے ریویو کے لئے موصول ہوئے، وہ حسب ذیل ہیں،

طلوع اسلام دہلی ماہانہ، مدیر جناب سید نذیر نیازی بی اے، سابق استاذ جامعہ ملیہ دہلی،

حجم ۱۱۲ صفحے تقطیع ۲۰×۲۶ قیمت سالانہ ۵ر، پتہ دفتر طلوعِ اسلام قرول باغ نئی دہلی،

یہ ایک ملی و اسلامی رسالہ ہے، جو ماہ اکتوبر ۱۹۳۵ء سے جاری ہوا ہے، اس کا افتتاح ڈاکٹر سر محمد اقبال کی ایک تازہ نظم سے کیا گیا ہے، اسکے بعد فاضل مرتب نے رسالہ کو چند مستقل عنوانات "مقالات" "مسائلِ حاضرہ" "آثار ملیہ" "تاریخ و سیاسیاتِ عالم" اور "بزمِ طلوعِ اسلام" وغیرہ میں تقسیم کیا ہے جنمیں قابل قدر مضامین و مباحث پیش کئے گئے ہیں، مثلاً "مقالات" میں "ملتِ اسلامیہ ہند" (مدیر) "سیاستِ معاشی" (ڈاکٹر ذاکر حسین خان) "ختم نبوت" اور "اردو ادب کی اسلامی تحریک" کے عنوانوں سے مضامین ہیں، مسائلِ حاضرہ میں قضیۂ شہید گنج، اور آثار ملیہ میں مسجد شاہ چراغ پر اظہار خیال کیا گیا ہے، پھر اسی طریقہ سے بین الاقوامی دنیا" "سیاسیاتِ ہند" "بلادِ اسلامیہ" "رجال و مشاہیر" اور "آثار و مقامات" کے ذیل میں پر معلومات مضامین و مباحث ہیں،

رسالہ کے اجرار کا اصل مقصود مسلمانوں کو اسلامی نصب العین اختیار کرنے کی دعوت دینا ہے، اسکے نزدیک "اسلام کا اجتماعی نصب العین، ہندوستان کی سیاست وطنی کے جدید عمرانی تصور نیشنلزم سے یکقلم بیگانہ ہے کہ اسلام نے اپنے پیرووں کو کسی جغرافی حد میں محدود نہیں کیا، لیکن فاضل مرتب کو اس کا احساس ہے کہ ہندوستان میں یہ بلند نصب العین صحیح قیادت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا، اور جو بظاہر اسوقت مفقود ہے

اسکے ساتھ فاضل مرتب کے نقطۂ نظر سے ملتِ اسلامیہ ہند کا قیام صرف آزاد ہندوستان ہی میں ممکن ہے، اسلئے ہندوستانی مسلمانوں کو آزادی کی سچی تڑپ اپنے دل میں رکھنی چاہئے، لیکن "سیاستِ ہند" کے ذیل میں مختلف مسائل پر جس نقطۂ نظر کے ساتھ اظہار خیال کیا گیا ہے، افسوس کہ اسمیں یہ مطمحِ نظر شامل نہیں ہے،

رسالہ میں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ مسئلہ ختم نبوت بھی جو دراصل موجودہ ہندوستان میں جدید علمِ کلام کا ایک اہم مسئلہ ہے اسکی توجہ کا خاص مرکز ہے، چنانچہ اس موضوع پر ایک سے زیادہ متین اور سنجیدہ مضامین چھاپے گئے ہیں ہم عزیز معاصر سے مجموعی حیثیت سے ہندوستانی زبان میں ایک قابلِ قدر اسلامی رسالہ کا اضافہ ہوا ہے جسکا ہم پرجوش خیر مقدم کرتے ہیں،

الاصلاح سرائے میر اعظم گڈہ (ماہانہ) اڈیٹر مولوی امین احسن صاحب اصلاحی حجم ۶۴ صفحے، تقطیع ۲۰×۲۶/۸ قیمت سالانہ للعہ، ہر پرچہ ۲ر پتہ، مدرسہ اصلاح المسلمین سرائے میر اعظم گڈہ"

مولنا حمید الدین فراہی علیہ الرحمۃ کے سانحۂ وفات پر جو نقوش معارف کے صفحات پر ثبت کئے گئے تھے، اون میں مرقوم تھا کہ "اواخر عمر میں مرحوم کی سب سے بڑی کوشش یہ تھی کہ وہ چند مستعد طلبہ کو اپنے مذاق کے مطابق تیار کریں ..... کہ وہ مدرسہ اصلاح المسلمین کو سنبھال لیں، جو مرحوم کی سب سے بڑی مادی یادگار ہے، تفسیر کے جو اجزا مکمل ہوں گے انکی اشاعت کی فکر کیجائیگی، مگر آہ اس ناقدر شناس دنیا میں ان جواہر ریزوں کی کون قدر کرے گا، اور کون سرمایہ بہم پہنچائے گا"

مقام مسرت ہے کہ اقتباس بالا میں جس آرزو کی تکمیل کی طرف اشارہ کیا گیا تھا، وہ پوری ہوئی، اُم اللہ تعالیٰ نے چند ارباب خیر کو توفیق بخشی کہ انھوں نے سرمایہ فراہم کرکے مولانا مرحوم کے تلمیذ رشید مولوی امین احسن اصلاحی کو اس قابل بنایا کہ وہ خدا کا نام لیکر مدرسہ اصلاح المسلمین سرائے میر میں **دائرۂ حمیدیہ** کی داغ بیل ڈال کر مولانا مرحوم کے اجزاء تفسیر کی اشاعت کا سامان بہم پہنچائیں، اسی کے ساتھ ایک زمانہ سے یہ ضرورت بھی محسوس کیجا رہی تھی کہ مولانا مرحوم کی تصنیفات کو جو زیادہ تر عربی زبان میں ہیں ہندوستانی

زبان میں منتقل کیا جائے، خوشی کی بات ہو کہ اس دیرینہ تمنا کی تکمیل کا وقت بھی آپہنچا، اور زیر نظر رسالہ الاصلاح جو دائرۂ حمیدیہ کا ماہانہ مجلہ ہے، دراصل اسی دینی و علمی خدمت کے لئے نکلا ہے،

رسالہ کا پہلا پرچہ ماہ جنوری ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا ہے جس میں چند مستقل عنوانات، "باب التفسیر" "معارف قرآن" "موعظۂ حسنہ" "ادبیات" اور "تلخیصات" قائم کئے گئے ہیں، "باب التفسیر" میں مولانا مرحوم کی تفسیر سورۂ فیل کے ہندوستانی ترجمہ کی ایک قسط چھپی ہو، "معارف قرآن" میں چند دوسرے مضامین کے علاوہ مولانا مرحوم کا ہندوستانی زبان میں لکھا ہوا ایک مضمون "ترتیب و نظم قرآن" شائع کیا گیا ہو، اور "موعظۂ حسنہ" میں مولوی امین احسن صاحب اصلاحی نے "نماز" پر قرآن مجید کی تصریحات کی روشنی میں پرمغز اور مؤثر گفتگو کی ہو، دعا ہے کہ یہ رسالہ زندہ اور اپنے مسلک پر استوار رہ کر مسلمانوں کی علمی و دینی خدمات انجام دے اور قبول عام حاصل کرے،

کلیم دہلی (مصور ماہانہ) مدیر جناب جوش ملیح آبادی، حجم ۴۰ صفحے، تقطیع ۲۲×۱۸، قیمت عہ فی پرچہ عہ، پتہ دفتر رسالہ کلیم دہلی

جناب جوش ملیح آبادی ہماری زبان کے مشہور ادیب اور شاعر ہیں، اب انھوں نے صحافت کے میدان میں قدم رکھا ہو، اور ان کی ادارت میں کلیم نامی ایک ادبی رسالہ جنوری ۱۹۳۶ء سے جاری ہوا ہے، ادھر کچھ دنوں سے بعض ہندوستانی روزنامے موصوف کو "شاعر انقلاب" کے خطاب سے یاد کرتے ہیں، صحیفۂ کلیم سے یہ حقیقت پہلی مرتبہ آشکارا ہوئی، کہ موصوف نے بھی اس خطاب کو قبول فرمالیا ہو، چنانچہ انھوں نے کلیم کے صفحات کو کوہ طور کی چوٹی قرار دیکر اسکی بلندی سے انقلاب! انقلاب! کی ہنگامہ خیز صدا بلند کی ہو، ان کے خیال میں "ہندوستانی زبان، ہندوستانی تہذیب، ہندوستانی معاشرت، ہندوستانی علم، ہندوستانی ادب، ہندوستانی زندگی، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ہندوستانی روح کو اسوقت صحیح رہنمائی اور زبردست انقلاب کی اسقدر شدید اور فوری ضرورت ہو کہ اب مزید تاخیر روا نہیں رکھی جا سکتی..... چنانچہ اسی نقطۂ نظر کو پیش نگاہ رکھتے ہوئے کلیم کی بنیاد ڈالی گئی" اسکے ساتھ رسالہ کے سر صفحہ پر اغراض و مقاصد کی لمبی فہرست بھی چھاپی گئی ہو جس سے اندازہ ہوتا ہو کہ زندگی و عمل کا شاید کوئی شعبہ اور سیاست آمیز فلسفیانہ نظریوں میں سے

مسئلہ کوئی نظریہ ایسا باقی نہ چھوڑا گیا ہو جسکی تکمیل کا ادعا، اسکے مقاصد مین داخل نہ ہو، چنانچہ وہ "حکیمانہ و محققانہ مقالات کے ذریعے ہندیوں کے باسی دماغون میں کامل حریتِ فکر کی نشو و نما... اور ہندی عقل کی اس طرح تربیت کرنا چاہتے ہین، کہ وہ "روایات و اوہام، تقلید و جمود، اور تعصبات و تنگ نظری کو فنا کرکے ہندوستانی ذہنیت کو اس بلند سطحِ فکر تک لے آئین، جہان سے نوعِ انسانی کی دماغی نجات کا چشمہ پھوٹتا ہے، (اور انھین) تعلیم یہ دیجائے کہ انسانیت، نسل، رنگ، معاشرت، رسوم، لباس، زبان، وطن اور مذہب سب سے بالاتر ہے" اور ایسے "عام علمی، اقتصادی، زرعی، تجارتی، اور صنعتی مضامین (شائع کئے جائین) جو اہلِ ہند کو زندگی، بیداری، خودشناسی، خودداری، آزادی، قربانی، معاملہ فہمی، اور رواداری کا درس دین، اور جسمانی صحت، مردانہ سیرت، معاشرتی اصلاح، **دماغی توازن** اور سیاسی تدبر و تفکر کی اہلیت پیدا کرین اور خصوصیت کے ساتھ ہندو مسلم اتحاد کی ایسی زبردست متصل اور پیہم تبلیغ کرین کہ ہندوستان میں متحدہ قومیت کی ایسی مضبوط بنیاد پڑ جائے، کہ باہمی ازدواج ہونے لگے"، پھر اسی طرح "لسانیات" "انسانیات" اور "انتقادات" وغیرہ کے متعلق بلند بانگ دعاوی ہین، پھر یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ انقلاب ہند کا یہ علمبردار جو بصیرت کی نگاہون سے مستقبل میں ہندوستان کی سرزمین کو خون کے چھینٹون سے رنگین دیکھ رہا ہے، جب وقتی سیاسی مسائل پر قلم اٹھاتا ہے، تو اس حد تک کہہ جاتا ہے کہ اگر ہندو اور مسلمانون کے مناقشے طے پا جائین، تو جدید آئین ہند اس کے نزدیک قابلِ قبول ہو سکتا ہے، جسکے معنی یہ ہین، کہ اگر کمیونل اوارڈ پر دونون قومون کا تصفیہ ہو جائے، تو جدید آئین ہند کامیابی سے ملک میں نافذ کیا جا سکتا ہے، ادب و شاعری میں لائق مدیر یہ انقلاب پیدا کرنا چاہتے ہین، کہ غزل گوئی کے موجودہ طریقہ کو قطعی ترک کرکے "غزل مسلسل" کا رواج دیا جائے، اس قسم کی بعض غزلین چھاپی بھی گئی ہین،

یہ اور اسی قسم کی پورے رسالہ میں پھیلی ہوئی شاعرانہ لن ترانیون سے قطع نظر کرکے اگر دیکھا جائے تو اسے ایک دلچسپ ادبی صحیفہ کہا جا سکتا ہے، رسالہ کے قابلِ ذکر مضامین یہ، "مسائلِ حیات" کے عنوان

سے مدیر کا ایک "مولفانہ ترجمہ" ہے، جو اپنے اندر کچھ نہ کچھ ندرت رکھتا ہے، منشی پریم چند بی اے نے "قومی اتحاد کیونکر ہو سکتا ہے؟" کے عنوان سے ہندو مسلم اتحاد پر اظہار خیال کیا ہے، ہمین موصوف کی نیک نیتی پر پورا بھروسہ ہے، لیکن افسوس کہ ہندو مہاسبھا کے خیالات کی ترجمانی کرنے والے اخبارون کے اثرات انکی تحریرین بھی موجود ہین، پنڈت برج موہن لال دتاتریہ کیفی نے "اردو تنظیم" کے عنوان سے اسکی ترقی کیلئے چند قابل قدر اور لائق غور مشورے پیش کئے ہین، اور نواب جعفر علی خان صاحب اثر لکھنوی نے بال جبریل پر چند مطبوعہ اعتراضات کے معقول جوابات لکھے ہین، "بدحواسیان" کے عنوان سے فاضل مرتب نے ایک مزاحیہ مضمون لکھا ہے، لیکن مناسب ہوتا کہ وہ اس صنف ادب کی طرف توجہ نہ فرماتے، اسی طرح چند افسانے بھی چھپے ہین، اگر کلیم کوہ طور کی بلندی سے نیچے اوتر آئے، اور ہماری چلتی پھرتی دنیا میں آکر ادب کی کچھ خدمت انجام دے، تو وہ ہندوستانی زبان کا ایک نیا خدمت گذار بن سکتا ہے، رسالہ مصور ہے، جنمیں اکثر تصویرین نیم عریان ہین، اور "انقلاب انگیز"

کنول آگرہ، (مصور ماہانہ) ادارہ جناب منظر اکبرآبادی و جناب مہرلال ضیا، ایم اے حجم ۶۴ صفحے تقطیع $\frac{20\times30}{8}$ قیمت ۳؍ فی پرچہ ۵؍ پتہ:۔ ہینگ کی منڈی، آگرہ،

یہ ایک سنجیدہ ادبی رسالہ ہے، جو ماہ جون ۱۹۳۵ء سے جاری ہے، رسالہ محنت سے مرتب کیا جاتا ہے، اور کارآمد مضامین چھپتے ہین، "ماثرین اردو" کے مستقل عنوان سے ہندوستانی زبان کے دور حاضر کے ادیبون کے سوانح لکھے جاتے ہین، اور ان کے طرز تحریر پر رائین ظاہر کیجاتی ہین، ایک دوسرے مستقل عنوان "طرز نگارش" کے ذیل میں نومشق و نوجوان ادیبون کی تحریری غلطیان اور خامیان دکھائی جاتی ہین، رسالہ میں اناطول فرانس کے مشہور افسانہ تائیس کا ترجمہ باقساط چھاپا جارہا ہے، حالانکہ ہندوستانی زبان کے مشہور مترجم جناب عنایت اللہ صاحب سابق ناظم دارالترجمہ حیدرآباد اس کا عمدہ ترجمہ کر چکے ہین، اور وہ دارالاشاعت پنجاب سے شائع ہو چکا ہے، رسالہ مجموعی حیثیت سے مفید ادبی خدمت انجام دے رہا ہے، ضرورت ہے کہ اسے زندہ رکھا جائے،

ساربان لاہور (ماہانہ) اڈیٹر جناب غلام محمد خانصاحب بی اے، حجم ۵۰ صفحے تقطیع $\frac{20\times30}{8}$

قیمت سالانہ عہ پتہ:- اسٹریلیا بلڈنگ لاہور،

یہ رسالہ انگریزی کے سیاسی رسالون کے طرز پر ملک کی سیاسی و معاشی خدمت انجام دینے کیلئے نکلا ہی اور متوسط تعلیم یافتہ طبقہ کے سامنے ہند و بیرون ہند کے مختلف سیاسی، معاشرتی، اور اقتصادی مسائل پر سنجیدہ مضامین چھاپتا ہی، اور ملک کی سیاسی تحریکون اور معاشرتی و اقتصادی ضرورتون پر غور و فکر کے ساتھ رائے زنی کرتا ہی، ان حیثیات سے ہندوستانی زبان مین یہ اپنی نوعیت کا منفرد رسالہ ہی، خدا کرے اسکی یہ خصوصیات قائم رہین، اور یہ ملک کی خدمت انجام دے،

ادب لکھنؤ (ماہانہ) مرتب جناب ناصری لکھنوی، حجم ۶۰ صفحے تقطیع $\frac{20 \times 26}{8}$، قیمت سالانہ للعہ پتہ دفتر ادب، لکھنؤ،

رسالہ ادب لکھنؤ کا ایک وقیع ادبی پرچہ تھا، جو ادھر چند سال سے بند ہو گیا تھا، اور اب جناب ناصری لکھنوی کی مساعی جمیلہ سے اسے حیات تازہ نصیب ہوئی ہی، اور ماہ نومبر ۱۹۳۵ء سے یہ دوبارہ جاری ہو گیا ہے، پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیب، جو اسکے دور اول میں اسکے مدیر تھے، اور جناب سید حسن عابد صاحب جعفری سابق مدیر شمع وغیرہ کے مضامین اسکے پہلے نمبر مین شائع ہوئے ہین، اور شعراء میں لکھنؤ کے موجودہ دور کے اساتذہ، آرزو، جلیل، محشر، ثاقب، اور اثر وغیرہ کے کلام چھپے ہین، توقع ہی کہ یہ رسالہ اپنی قدیم روایت کو قائم رکھ کر ہندوستانی زبان کی مفید خدمت انجام دے گا،

مصحف، عمرآباد، (ماہانہ) ادارہ جناب شاکر نائطی، سید صبغۃ اللہ بختیاری و قاسم شریف بی اے، حجم ۲۵ صفحے تقطیع $\frac{20 \times 30}{8}$ قیمت سالانہ ے، پتہ عمرآباد ضلع شمالی ارکاٹ، مدراس،

یہ رسالہ جامعہ دارالسلام عمرآباد، مدراس سے ماہ اگست سے نکلنا شروع ہوا ہی، اور کامیابی کیساتھ اسوقت تک جاری ہی، یہ دراصل ہمارے ہاتھون میں ہندوستانی زبان کے ملک کی متحدہ زبان ہونے کی ایک دستاویز ہے، رسالہ صوری و معنوی دونون حیثیتون سے قابل قدر ہے، مختلف علمی، مذہبی، ادبی اور اخلاقی موضوعون

پر سنجیدہ مضامین چھپتے ہین، اور یہ دیکھکر خوشی ہوتی ہو کہ اسکے لکھنے والون مین بیشتر تعداد صوبہ مدراس ہی کے صاحب قلم کی ہو جن کی تحریرین زبان اور طریق ادا کی حلاوت مین شمالی ہند کے رسالون مین چھپنے والی عام تحریرون کے مانند ہین، ہم کارکنان رسالہ کو اسکے اجرا پر دلی مبارکباد پیش کرتے ہین،

کوثر، بنگلور (ماہانہ) اڈیٹر جناب محمود خانصاحب محمود بنگلوری، حجم ۳۲ صفحے، تقطیع ۲۲×۱۸،

قیمت عہ سالانہ، پتہ منیجر کوثر ڈکنس روڈ، بنگلور،

جناب محمود خانصاحب محمود بنگلوری، مصنف تاریخ سلطنت خداداد میسور کی ادارت مین یہ ماہانہ رسالہ نکلا ہی، جو بنگلور کا واحد ادبی مجلہ ہو، اور جس مین میسور اور جنوبی ہند کے مضمون نگارون کے مضامین چھپتے ہین، رسالہ کے اجرا کا مقصد جنوبی ہند مین ہندوستانی زبان کی ترویج و اشاعت کی خدمت انجام دینا ہو، رسالہ کے ادبی مضامین کا پایہ ابھی کچھ زیادہ بلند نہین، اور بعض دوسرے رسالون کے مطبوعہ مضامین (مثلاً افسانہ ایک دن مین سب کچھ) بھی بلا حوالہ اس کے صفحات پر نظر آتے ہین، لیکن مقامی معلومات سے متعلق اسکے مضامین کا حصہ قابل قدر ہے، جس سے میسور اور اسکے اطراف کے آثار و ہان کے علمی و ادبی خدمات روشنی مین آتے ہین، اس سلسلہ مین میسور کے اسلامی عہد حکومت کی نثر و نظم کی نادر کتابون کے متعلق مضامین اور انکے اقتباسات بھی چھاپے جاتے ہین، رسالہ کی قیمت اسکی ظاہری و معنوی خوبیون کے لحاظ سے بہت کم ہے، امید ہے کہ اسکی قدر کیجائیگی،

بہارستان امراوتی (ماہانہ) مدیر جناب محمد احسان اللہ خان صاحب مضطر، حجم ۴۰ صفحے،

تقطیع ۲۰×۲۶، قیمت سالانہ عہ، پتہ گورنمنٹ اردو نارمل اسکول، امراوتی، برار،

یہ گورنمنٹ اردو نارمل اسکول امراوتی (برار) کا تعلیمی و ادبی ماہنامہ ہی، یہ چند سال سے جاری ہی، ماہ دسمبر ۱۹۳۵ء سے اسکے ایک نئے دور کا آغاز ہوا ہی، اور رسالہ اپنی ظاہری شکل و صورت کے لحاظ سے اچھے قالب مین آگیا ہو، بیشتر مضامین تعلیم و تدریس سے متعلق چھپتے ہیں، اور اچھے ہوتے ہین،

کلیم الہ آباد (ماہانہ) اڈیٹر جناب شمیم خانصاحب شاہجہانپوری، حجم ۴۸ صفحے، تقطیع ۲۰×۲۶/۸ قیمت سالانہ ۲ روپے

پتہ فرینڈز لٹریری کمپنی، الہ آباد،

یہ ادبی رسالہ ماہ نومبر ۱۹۳۵ء سے جاری ہوا ہے، رسالہ مین خاص ندرت یہ رکھی گئی ہو، کہ مضامین کیلئے چند مستقل عنوان منتخب کرلئے گئے ہین، جنکے مضمون کا نمبر شمار اپنی اپنی جگہ علحدہ شروع ہوتا ہو، اس طریقہ سے سال بھر میں مختلف سرخیون کے ماتحت چھپنے والے مضامین کے مجموعون سے علحدہ علحدہ کتابین تیار ہوجائین گی، جن کے سرورق بھی دفتر سے مہیا کئے جائیں گے، رسالہ کا پہلا مضمون "کلام وفا رامپوری" کے عنوان سے جناب کیفی چریا کوٹی کا ہو، جسمین اونھون نے وفا کے کلام پر علم معانی کے نقطۂ نظر سے نظر ڈالی ہو، پھر "خیابستان" کے عنوان سے خیالی افسانے، "سبدِ گل" مین غزلیات، "مینائے فطرت" میں چند نظمیں، اور "خیابانِ ادب" کے ذیل مین "موسولینی" "دوزنہ" اور "ٹماٹر کی چٹنی" جیسے متنوع مضامین ہین،

اورنگ میان میر، لاہور، ادارہ جناب غلام احمد مضطر ہاشمی وجناب اختر شیرانی و نعام اللہ خان صاحب ناصر، حجم ۴۲ صفحے، تقطیع ۲۰×۳۰/۸، قیمت سالانہ للعہ، پتہ میانمیر مغلپورہ، لاہور،

یہ بھی ادبی رسالہ ہو، جو ماہ جون ۱۹۳۵ء سے جاری ہو، اسمین چھوٹے چھوٹے ادبی مضامین اور افسانے چھپے ہین، افسوس کہ مضامین نہ صرف دوسرے رسالون سے بلا حوالہ منقول ہین، بلکہ دوسرون کے مضامین اپنے نام سے چھاپے گئے ہین، چنانچہ جناب بسمل عظیم آبادی کی ایک نظم "بلبل اور پپیہا" شاید رسالہ ندیم گیا میں چھپی تھی، وہ بلا حوالہ نقل کیگئی ہو، اور ایک افسانہ "گناہ کی تاریکی میں نورِ عرفان کی جھلک" الہلال کلکتہ کے دور جدید کے کسی پرچے سے نقل کرکے اوسے "ادارۂ اورنگ" کے نام سے چھاپا گیا ہو،

اشرف العلوم سہارنپور (ماہانہ) مدیر مولوی ظہور الحسن صاحب کولوی، حجم ۳۰ صفحے تقطیع ۲۰×۲۶/۸ قیمت سالانہ عہ، فی پرچہ عہ، پتہ ؟

یہ مذہبی رسالہ ہو، جس میں مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے ملفوظات اور مواعظ وخطب التزام سے

اس طرح پر چھپتے ہین کہ سال کے آخر میں ان سے علٰحدہ علٰحدہ کتابیں تیار کر لیجاتی ہین، ان ملفوظات و مواعظ مین مختلف دینی، مذہبی، اخلاقی، اور اصلاحی مباحث بیان کئے جاتے ہیں، اور چھپنے سے پہلے مولانائے موصوف ان پر نظر ثانی فرماکر جا بجا حسب ضرورت حواشی بھی ثبت فرماتے ہین،

المفتی دیوبند (ماہانہ) مدیر مولوی شبیر احمد صاحب صدیقی حجم ۴۴ صفحے، تقطیع ۲۰×۲۶/۸ قیمت عہ سالانہ

پتہ دار الاشاعت دیوبند، ضلع سہارنپور،

دار العلوم دیوبند کے مشہور مذہبی مرکز ہونے کی وجہ سے اطراف ہند سے وہان استفتاآتے ہین جن کے جوابات دیئے جاتے ہین، کارکنان دار العلوم نے یہ مفید تجویز کی ہے کہ ان فتاوی کو ماہ بماہ شائع کردیا جائے، اسی غرض سے یہ رسالہ المفتی جاری ہوا ہے، اس میں دو مفتی صاحبون کے علٰحدہ علٰحدہ فتاوی شائع کئے جاتے ہین، سال کے آخر مین فقہی ابواب کی ترتیب سے فہرست بھی شائع کیجائے گی، امید ہے کہ اس رسالہ سے فائدہ اٹھایا جائے گا، کہ فقہی مسائل سے مزاولت رکھنے کا یہ ایک بہتر ذریعہ ہے،

باغبان لاہور (ماہانہ) ادارہ جناب ایس ڈی اپل و جناب رحمت خان تارڑ حجم ۴۰ صفحے تقطیع ۲۰×۳۰/۸ قیمت سالانہ عار، فی پرچہ ۴ر پتہ بازار تیرابیان، لاہور،

یہ رسالہ زراعت و باغبانی کے معلومات فراہم کرنے کیلئے جاری ہوا ہے، زمینداروں کو اقتصادی و معاشرتی صلاح دیتا ہے، اور زراعت و باغبانی کے وسائل بتاتا ہے، اور فصلون، پودون اور سبزیون کے متعلق ضروری معلومات بہم پہنچاتا ہے، رسالہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے مفید اور کارآمد ہے،

اقتصادی دنیا، لاہور (ماہانہ) حجم ۴۴ صفحے، تقطیع ۲۰×۳۰/۸ قیمت سالانہ سے، فی پرچہ ۵ر

پتہ نمبر ۱۰، چمبرلین روڈ، لاہور،

یہ رسالہ تعلیم یافتہ طبقہ کو وسائل معاش کی طرف متوجہ کرنے کیلئے جاری ہوا ہے، نوجوانون کو صنعت و حرفت اور تجارت کے طریقے بتاتا ہے، اور انکے متعلق مفید مشورے دیتا ہے، اور معلومات فراہم کرتا ہے، رسالہ کے مضامین کارآمد ہوتے ہین،

مطبوعات جدید

فلسفۂ تعلیم اسلام (جلد اول) از مولوی سید حمید صاحب شاہی امام مسجد جامع دہلی، ضخامت ۳۲۰ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت عہ، پتہ دفتر فلسفہ تعلیم اسلام، امام منزل چتلی قبر دہلی

جدید علم کلام کی تدوین کا خیال صاحب نظر علما کے سامنے مدت سے رہا ہے، اور وقتاً فوقتاً اس پر کتابیں لکھی گئی ہیں، شمس العلما مولینا سید احمد صاحب امام مسجد جامع دہلی کے خلف الصدق مولوی سید حمید صاحب نے بھی اس ضرورت کا احساس کیا، اور اس موضوع پر ایک سلسلۂ تصنیف تیار کیا، جسکی جلد اول شائع ہوئی ہے، یہ جلد مباحث ایمانیات پر مشتمل ہے، جنہیں ائمۂ متقدمین کی کتابوں کے علاوہ سیرۃ والکلام وغیرہ سے بھی مدد لی گئی ہے، لائق مصنف نے مسائل و عقائد کی تشریح کا طریقہ یہ رکھا ہے، کہ اولاً عقائد اسلامی کو عقل و فطرت کے مطابق دکھاتے ہوئے ہر عقیدہ کے متعلق قرآن مجید و احادیث کے بیانات درج کئے ہیں، پھر اس پر قرآن مجید کے طریق استدلال کو پیش کیا ہے، اسکے بعد قدیم علم کلام کے استدلال کی بنیادوں پر گفتگو کر کے انکو دور جدید کی تحقیقات اکتشافات اور قابل فہم سائنٹفک مسائل و فلسفیانہ نظریات و بیانات کی تمثیلات سے دلنشین انداز بیان میں سمجھایا ہے، اس تصنیف سے ہندوستانی زبان میں اوسط درجہ کی ایک اچھی مذہبی کتاب کا اضافہ ہوا ہے، امید ہے کہ اسکی بقیہ جلدیں بھی جو تیار ہو چکی ہیں، جلد شائع کیجائیں گی، لیکن ایک امر کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے کہ کتاب کی زبان عام اردو خواں طبقہ کیلئے کسی قدر دشوار ہو گئی ہے، اصطلاحات سے تو چارہ نہیں، لیکن افادۂ عام کیلئے مسائل کی تشریح میں عربی کے نامانوس الفاظ کا استعمال ترک کر دیا جائے تو مناسب ہوگا، اگرچہ معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے کے بعد مصنف کو بھی اس کا احساس ہوا ہے، اور جا بجا الفاظ کی تشریح

میں حواشی بڑھائے ہیں، لیکن یہ تشریحات بہ کثرت الفاظ میں سے محض معدودے چند کی ہو سکی ہیں، توقع ہو کہ دوسری جلدوں میں اسکا خاص طور پر لحاظ کیا جائے گا، کہ کتاب کے افادہ کے زیادہ امکانات پیدا ہوں،

شعرستان، از جناب سید محمود اعظم فہمی ترمذی، ضخامت ۱۴۰ صفحات تقطیع چھوٹی، پتہ مکتبہ جامعہ دہلی قیمت عہ،

یہ جناب سید محمود اعظم فہمی کے کلام کا منتخب مجموعہ ہے جس میں مختلف اخلاقی وادبی نظمیں اور غزلیں شامل ہیں، حضرت جگر مرادآبادی نے اشارات کے عنوان سے اس مجموعہ کا تعارف لکھا ہے، اور کلام فہمی کی تحسین کی ہے،

مسلمان بیبیاں مرتبہ جناب اعجاز الحق قدوسی، ۲۰۰ صفحے، تقطیع چھوٹی قیمت ۶ر پتہ، مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی،

یہ گویا اسوۂ صحابیات کا ایک مختصر خاکہ ہے، جو دلآویز انداز میں تیار کیا گیا ہے، اس کا مطالعہ مسلمان لڑکیوں کیلئے مفید ہوگا،

چالیس حدیثیں مرتبہ جناب خواجہ عبدالحی صاحب فاروقی استاذ جامعہ ملیہ ناشر مکتبہ جامعہ دہلی، ضخامت ۴۲ صفحے، تقطیع چھوٹی قیمت ۲ر

زمانہ سلف سے چہل احادیث کے مجموعے تیار کرنے کا دستور چلا آتا ہے، اس رسالہ میں جناب مؤلف نے یہ جدت کی ہے، کہ بچوں کے لئے علٰحدہ علٰحدہ چالیس اخلاقی و معاشرتی عنوانوں پر حدیثیں جمع کی ہیں، اور انھیں اس نام سے موسوم کیا ہے، رسالہ بچوں کے پڑھنے کے لائق ہے،

کرشن جی از جناب رئیس احمد صاحب اسلامیہ ہائی اسکول، بریلی، ۱۵ صفحے تقطیع چھوٹی، قیمت ۱ر ناشر بچوں کا کتبخانہ، نمبرہ کلائیو روڈ، نئی دہلی،

اسمیں بچوں کیلئے کرشن جی کے اجمالی سوانح آسان زبان میں لکھے گئے ہیں،

"ر"

جلد ۳۷ | ماہ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۳۶ء | عدد ۳

مضامین

شذرات

آج سے ۲۰ برس پہلے معارف بابتہ ماہ نومبر ۱۷ء میں مسلمانانِ ہند کے نظامِ شرعی کا ایک مفصل خاکہ پہلی مرتبہ پیش کیا گیا تھا، پھر ماحول کے لحاظ سے یہ تحریک اٹھائی گئی کہ اگر اسلامی محکمۂ قضا کا قیام دشوار ہو تو برطانوی ہند کے مسلمان حکام کے ذریعہ یہ خدمت لیجائے، اور مسائلِ نکاح وطلاق کے وہ اسلامی قوانین موجودہ قانونِ ملکی میں شامل کرلئے جائیں جو بدقسمتی سے موجود نہیں ہیں، اس کا کم سے کم یہ اثر مترتب ہوا کہ یوپی کونسل کی مقرر کردہ مجلسِ نکاح وطلاق کی چند مجلسیں ہوئیں، لیکن اس کا مرتب کردہ مسودہ قانون آج تک زیرِ غور ہے، پھر جب ایک غیر مسلم محرک کی تحریک سے نابالغوں کے نکاح کا مسودہ اسمبلی میں آیا تو معارف نے اس کی طرف ملک کو دوبارہ متوجہ کیا، خدا کے فضل سے اس وقت تک علماے دین کی ایک کارفرما جماعت جمعیۃ العلماء قومی وملی مسائل کی نگہبانی کے لئے تیار ہوچکی تھی، معارف نے نومبر ۲۸ء میں اس مقدس جماعت کو اس طرف متوجہ کیا، پھر دسمبر کے پرچہ میں ۱۷ء کی تحریکِ نظامِ شرعی کی تجدید کی اور پانچ چھ نمبروں میں مسلمان عورتوں کے حقوق کا مسئلہ کے عنوان سے ان کے مختلف پہلو نمایاں کئے، مقامِ مسرت ہے کہ اسی وقت سے مولانا کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ ومولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب نائب امیر شریعت بہار نے اس مسئلہ کو جمعیۃ العلماء کی توجہ کا خاص مرکز قرار دیا، اور انہی اربابِ فکر کی مساعی سے اسمبلی کے مسلمان ارکین نے اس ضرورت کا احساس کیا، چنانچہ جناب غلام بھیک صاحب نیرنگ اور جناب محمد احمد صاحب کاظمی نے کم سے کم مسلمان عورتوں کے حقوقِ فسخِ نکاح کی حفاظت کے لئے ایک مسودۂ قانون اسمبلی میں بھیج کر دوسرے کی ضابطہ کی منظوری حاصل کرلی،

لیکن اتفاقاً اس ابتدائی مسودہ میں وہ روح موجود نہ تھی جو کم سے کم ہندوستان کے مسلمانوں کے شرعی

نظام کا بدرجۂ اقل قائم مقام بن سکتی، اس لئے مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب نے ایک جداگانہ مسودہ قانون مرتب کر کے شائع کیا، جس میں اس مسودہ کی خامیاں دور کر دی گئیں، اور یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ جناب محمد احمد صاحب کاظمی نے خوشی دل سے اس نئے مسودہ کو قبول کر کے اسی کی بنیاد پر اسمبلی میں ایک دوسرا مسودہ تیار کر کے بھیج دیا، اور اس کے بعد جمعیۃ العلماء کی مجلس عاملہ نے بھی ۱۷ فروری کو مراد آباد کے اجلاس میں اس مسودہ کی عملاً تصدیق کر دی، اگرچہ اس نے غایت احتیاط میں ایک مستقل مسودۂ قانون مرتب کیا ہے، تاہم ہم نے جناب کاظمی کے ترمیم شدہ اور جمعیۃ العلماء کے مرتب کردہ دونوں مسودوں کو بامعان، لفظاً بلفظ ملا کر دیکھا، اور ہماری خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہی جب ہمیں بجز ایک اصولی مسئلہ اور ایک دو جزوی بلکہ لفظی اختلاف کے لفظاً و معنیً دونوں میں کوئی فرق نظر نہ آیا، اس لئے یہ سمجھنا چاہئے کہ جناب کاظمی کے ترمیم شدہ مسودہ قانون کو جمعیۃ العلماء کی متفقہ حمایت حاصل ہوگئی ہے، والحمد للہ علیٰ ذٰلک،

مسلمانوں کو اس وقت سب سے بڑی ضرورت سر جوڑ کر کام کرنے ہی کی ہے، علماء و محرکین مسودہ میں صرف نکاحِ مرتدہ کے فسخ نہ ہونے کے مسئلہ میں اختلاف ہے لیکن جناب کاظمی صاحب کے ایک تشریحی بیان سے اس اختلاف کا اندیشہ بھی جاتا رہا ہے کہ ان کے بیان کے مطابق" چونکہ مسودہ کو پیش ہوکر پاس ہونے میں ابھی عرصہ لگیگا، اور اس میں مزید غور کی گنجایش ہے، اگر حضرات علماء نے متفقہ یا بہ کثرت اس کو نامنظور کر دیا تو یہ دفعہ خارج ہو جائے گی"

چونکہ جمعیۃ العلماء نے اپنے مسودہ میں اس دفعہ کو حذف کر دیا ہے اس لئے اب اس دفعہ کے افادہ و نقصان کے پہلوؤں پر غور کرنا بے سود ہے، اسے تائید ایزدی سمجھنا چاہئے کہ ایسے مسائل میں جنیں بکثرت فرقہ وارانہ شاخسانے نکل سکتے تھے، رشتۂ اتفاق ہاتھ آگیا ہے، اس لئے ہمیں توقع ہے کہ مسودۂ قانون کے لائق محرک اسمبلی میں اس کے پیش ہونے کے وقت اس دفعہ کو حسب اعلان واپس لے لیں گے، اسمبلی کے موجودہ سشن کے نئے مسلمان ارکین لائق صد ستایش ہیں، کہ ان کی مساعی سے قانون فسخ نکاح و قانون شریعت جیسے مفید مسودے اس وقت اسمبلی

میں پیش ہیں، خداوند تعالیٰ انکی مساعی کو بار آور فرمائے،

آل انڈیا اورینٹیل کانفرنس کے اجلاس میسور کی افتتاحی کارروائیوں کا تذکرہ ماہ جنوری کے ان صفحات میں کیا جاچکا ہے، اس سال اس کے شعبۂ اسلامیات کی صدارت کی خدمت جناب ڈاکٹر محمد نظام الدین صاحب صدر شعبۂ فارسی جامعہ عثمانیہ حیدرآباد نے انجام دی، موصوف نے اپنے پرمغز خطبہ میں اسلامی تہذیب وتمدن اور اسکی اشاعت ووسعت پر عالمانہ نظر ڈالی ہے، اس سلسلہ میں ہندوستان کے ان متعدد علمی اداروں کا جو تحقیق وتدقیق، درس وتدریس، اور اشاعت علوم کے فرائض کسی طرح پر انجام دے رہے ہیں، تذکرہ کیا ہے، اس ذیل میں موصوف نے دار المصنفین کو بھی یاد فرمایا ہے، فرماتے ہیں:-

"اسکے بعد ہم دار المصنفین اعظم گڈھ کا ذکر کرینگے جو مولنا شبلی مرحوم کی یادگار ہے، اس ادارہ نے جس درجہ علوم اسلامی کی تبلیغ اور حمایت میں ہمت صرف کی ہے اور اس کے مفاد کو پیش نظر رکھا ہے، شاید ہی کوئی اور ادارہ اسکی ہمسری کر سکے، اس ادارہ نے تالیفات کا ایک گرانقدر سلسلہ جاری کیا ہے، جو اردو داں نسلوں کے لئے بے مثال شاہکار کی صورت اختیار کریگا، سیرت النبی اور مشاہیر اسلامی کی سوانحعمریاں جو عام مسلمانوں کی ہدایت کیلئے لکھی گئیں وہ اس ادارہ کے لئے سرمایۂ ناز ہیں۔۔۔۔ اس ادارہ کی علمی تصنیفات کی تعداد اور اہمیت دوسرے اداروں کے مقابل میں بہت بڑھی ہوئی ہے، ہم اب اس ادارے کے مخلص شیدایان علم کی ستایش میں رطب اللسان ہیں، معارف اس ادارہ کا ایک ماہانہ اردو رسالہ ہے، جو اسلامی دنیا کی مختلف سرگرمیوں کی نمایندگی کرتا ہے، مولوی سید سلیمان ندوی جنکی صحتیابی کے ہم متمنی ہیں، اس ادارہ کے روح رواں ہیں، تمام ہندوستان کے مسلمان ان کے اسلامی جوش اور علمی تبحر کے بے حد مرہون منت ہیں"

ادارۂ معارف اسلامیہ لاہور کا دوسرا سالانہ اجلاس وسط ماہ اپریل ۱۹۳۶ء میں لاہور میں منعقد ہونا قرار پایا ہے، امید ہے کہ ملک کے مختلف حصوں کے اکابر اہل علم اس میں شریک ہوکر اسلامی تہذیب وتمدن اور علوم وفنون پر اپنے مقالات سنائینگے،

مقالات

تاج محل اور لال قلعہ کے معمار

(۲)

لطف اللہ مہندس احمد معمار کے دوسرے بیٹے لطف اللہ مہندس کی اس وقت متعدد یادگارین دنیا میں باقی ہین، اور کہنا چاہئے کہ یہی وہ سپوت ہے جس کے ذریعہ اس کے باپ کا نام دنیا کو معلوم ہوسکا، سندیلوی نے اپنے تذکرہ مخزن الغرائب میں جو ۱۲۱۸ھ کی تصنیف ہے، مہندس کے بیٹے امام الدین ریاضی کے تحت میں مہندس کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے

"مولوی لطف اللہ مہندس بودہ است، ایشان ہم بگفتن اشعار میل تمام داشتند و مہندس تخلص می کردند، و در علم ریاضی مثل این ہر دو پدر و پسر در بلاد ہند نبودند" (نسخۂ قلمی دار المصنفین ص ۱۵۳)

اور سفینۂ خوشگو میں ہے،

"خلف ملا لطف اللہ مہندس تخلص لاہوریست کہ قلعۂ ارک دار الخلافۃ شاہجہان آباد بتجویز و صوابدید او بنا یافتہ"

یہی فقرہ حسین قلی خان کے نشتر عشق میں ہے، اسکی سات تصنیفات کے نام ہمکو معلوم ہوسکے ہین جن کے نسخے اس وقت ہندوستان اور یورپ کے کتب خانون میں موجود ہیں، لیکن ان تصانیف کے علاوہ اسکی

عجیب وغریب یادگار اس کا ایک آہنی کتبہ ہے جو سلاطین مالوہ کے پایہ تخت مانڈو میں وہاں کے مشہور بادشاہ ہوشنگ غوری (۸۰۸ھ تا ۸۳۸ھ) کے مقبرہ کے دروازہ کے داہنے ہاتھ پر لگا ہوا ہے، یہ ۱۴ انچ لمبا اور ۴ ۱/۴ انچ چوڑا کتبہ ہے، جس میں بخط خفی حسب ذیل عبارت چار سطرون میں منقوش ہے،

۱- بتاریخ نہم ربیع الثانی سنہ ہزار و ہفتاد ہجری،

۲- فقیر حقیر لطف اللہ مہندس ابن استاد احمد معمار شاہجہانی،

۳- و خواجہ جادورائے و استاد شیورام و استاد حامد،

۴- بجہت زیارت آمدہ بود،

اثریات ہند کے ماہر جناب ظفر حسن صاحب بی اے (محکمہ آثار قدیمہ ہند) نے مانڈو کے کتبات پر انگریزی میں جو مقالہ لکھا ہے، اس میں یہ کتبہ سترہوین پلیٹ پر چھاپ دیا ہے، اور وہ اس وقت میرے سامنے ہے؛ غالباً ان معمار سیاحون کے لئے اس کتبہ کے یہان لگانے کا محرک یہ امر ہوا ہے کہ یہان اکبر بادشاہ نے اپنے سفر و گذر کی تاریخین ثبت کرائی ہیں، انہیں کو دیکھ کر ان معمارون نے بھی اپنا یادگاری کتبہ لگا دیا ہے،

اس کتبہ سے متعدد باتون پر روشنی پڑتی ہے،

۱- اس عہد کے استادان تعمیر دوسری عمارتوں کو بھی فن کی حیثیت سے دیکھنے کے لئے جایا کرتے تھے،

۲- ہندو مسلمان باکمالون میں فن کی یکجہتی کا رشتہ خاصہ مستحکم اور مضبوط تھا،

۳- ہندو شاہی معمارون کے نامون کے ساتھ خواجہ اور استاد کا بونا یکسا عام تھا، خواجہ جادورائے اور استاد شیورام کبھی کیسی عزت کے الفاظ تھے،

۴- لطف اللہ مہندس گو شاعر و مصنف تھا، تاہم اس میں اس کے موروثی فن تعمیر کا ذوق اتنا تھا کہ وہ دوسرے معمارون کے ساتھ کسی عمارت کے دیکھنے کے لئے سفر کی زحمت گوارا کرسکتا تھا،

لطف اللہ کی جن سات کتابون کے نام ہم کو ملے ہیں وہ حسب ذیل ہیں،

۱۔ صورِ صوفی،

۲۔ رسالہ خواصِ اعداد،

۳۔ شرحِ خلاصۃ الحساب،

۴۔ منتخب الحساب؛

۵۔ تذکرۂ آسمانِ سخن،

۶۔ دیوانِ مہندس،

۷۔ سحرِ حلال،

پہلی کتاب ہیئت میں اور بعد کے تین رسالے علم حساب میں ہیں، اور دوسری کو چھوڑ کر کہ وہ عربی میں ہے، بقیہ چھ کی زبان فارسی ہے، جن میں سے تین اول الذکر اور آخری نثر میں ہیں، اور چوتھی اور پانچویں دو کتابیں نظم میں۔ اب ذیل میں ہم ہر ایک تصنیف پر مختصر تبصرہ کرتے ہیں،

۱۔ صورِ صوفی | مشہور مسلمان ہیئت دان عبد الرحمٰن الصوفی المتوفی ۳۷۶ھ نے ستاروں کے اشکال و صور پر جو بلند پایہ تصنیف صورُ الکواکب کے نام سے لکھی تھی، لطف اللہ نے ۱۰۸۰ھ میں اپنے باپ احمد معمار کے حکم سے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا، اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس کی عمر کا پہلا کام ہے کہ اس کا دیباچہ کسی بادشاہ کے نام کے بجائے خود اس کے باپ کے نام نامی سے مزیّن ہے، اور اس میں یہ نوجوان مصنف یہ ظاہر کرتا ہے، کہ اس کی محنت کا بہترین صلہ یہ ہے کہ اس کا باپ اس کے اس کام کو دیکھکر خوش ہو، اس کتاب کا اصل مسودہ جو خود لطف اللہ کے ہاتھ کا لکھا ہے، مسلم یونیورسٹی لائبریری (نمبر۱۳ فارسی علوم) میں موجود ہے، دیباچہ کی عبارت یہ ہے،

"رخشندہ ترین کواکبی کہ از مشرق طبع بر فلک ظہور آمد حمد مبدعی و شکر مخترعی"۔۔۔۔۔۔

اما بعد چنین گوید محتاج الی اللہ القادر الغفار، لطف اللہ بن احمد المعمار، مد اللہ ظلہ علی رؤس لاولاد

بحرمۃ النبی وآلہ الامجاد کہ چوں اشارۂ آنحضرت بسوے ایں فقیر حقیر شد کہ کتاب عمدۃ الاسلام قدوۃ الانام مولانا عبد الرحمٰن ابن صوفی افاض اللہ علیہ شآبیب الغفران واسکنہ فرادیس الجنان، کہ در معرفت نجوم ثابتہ کتابیست معتمد ورسالہ ایست کافیہ، بجہت عموم فائدۂ کلام، وسہولت فہم مرام، بعبارت فارسی سادہ ترجمہ کردہ آید، تا بر ترغیب خاطر فارسی خوانان حقیقت طلب باعث تر شود، کمر اطاعت بر میان جان بستہ، دست را بنوشتن نگارین کرد، امید کہ باین ہدیۂ مرضیۂ من در عقبیٰ ماجور، و ترجمۂ من در دنیا مقبول باشد، وطالبان ایں فن ازیں ترجمہ مستفید شوند، چنانکہ از اصل ایں، واگر خطائے باشد اصلاح فرمایند، الحمد للہ والمنۃ کہ در فرصتے اندک ہمگی بوجہ احسن وشائستہ میسر شد، وسنۃ یکہزار وپنجاہ ہجری اتمام پذیرفت، اما احسن وشایستہ تر وقتی کہ از نظر مبارک والد بزرگوار من بگذرد، وبعین عنایت وچشم کرمت نگاہ کنند و قبول فرمایند"

خاتمہ کی عبارت :-

. . . . ہزار در ہزار حمد ایزد دادار کہ ترجمۂ کتاب صور صوفی حسب الحکم قبلۂ صورت ومعنی کعبۂ ظاہر و باطن، خداوند حقیقت ومجاز، ابویم المسمی باحمد المخاطب بنادر العصر سلمہ اللہ تعالیٰ من بلیات الزمان وآفات الدہر بآخر رسید واتمام پذیرفت،

بقلم شکستہ رقم لطف اللہ کہ مؤلف ایں رسالہ ومترجم ایں مقالہ است، کتاب باتمام رسید الحمد للہ علی نعمائہ والصلوٰۃ علی انبیائہ لاسیما علی محمد وآلہ واصحابہ اجمعین،

واغفر لی ولوالدی بحرمتہم یا ارحم الراحمین"

کتاب کے آخری صفحہ پر آفتاب اور سہا کی مناسبت سے کچھ فقرے مشق کئے گئے ہیں، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خاندانی یادگار کے طور پر اس گھر کے ارکان نے محفوظ رکھا تھا، یہ مشق میرے خیال میں اس کے بھائی عطاء اللہ کے قلم سے ہے، کہ آخر میں ایک شعر میں جو اوپر عطاء اللہ کے حال میں نقل کیا جا چکا ہے، اس کا نام لکھا ہے :

۲- رسالۂ خواص اعداد، یہ فارسی میں علم حساب پر سات صفوں کا رسالہ ہے، اور چار مقالوں پر منقسم ہے، اس میں اعداد کے خواص اور قیمتوں پر بحث کی گئی ہے، اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم کے کتب خانہ میں ایک مجموعہ کے اندر ہے، جس میں دو رسالے لطف اللہ کے ہیں، اور تیسرا عطاء اللہ کی وہی خلاصۂ راز ہے جس کا ذکر اوپر آچکا، (ریو ۲۱۷) اس کا آغاز یہ ہے:-

آلحمد للہ . . . . می گوید فقیر لطف اللہ متخلص بہ ہندس۔

اس کا دوسرا نسخہ کتبخانۂ سعیدیہ حیدرآباد دکن میں نظر سے گذرا ہے، نسخہ جدید الخط ہے، ۱۲۶۵ھ میں نقل ہوا ہے، آغاز یہ ہے؛

"الحمد للہ رب العالمین، والصلوٰۃ علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین،

اما بعد، میگوید فقیر لطف اللہ متخلص بہ ہندس، ابن استاد احمد لاہوری کہ این رسالہ ایست مختصر

درعلم ارسماطیقی (ارثماطیقی) یعنی خواص اعداد، بدان اسعدک اللہ فی الدارین"،

اس رسالہ کا کوئی خاص نام نہیں معلوم ہوتا، کتبخانۂ سعیدیہ میں اسکا نام رسالۂ ارسماطیقی مندرج ہے،"

اسی نام سے یہ رسالہ خاندان دیوان مدراس کے کتبخانہ میں بخط مولوی محمد غوث شرف الملک موجود ہے،

۳- شرح خلاصۃ الحساب، علم حساب میں بہاء الدین محمد بن حسین آملی المتوفی ۱۰۳۰ھ کی مشہور عربی تصنیف خلاصۃ الحساب کی ممزوج شرح ہے، اس کی شرحیں متعدد علماء نے لکھی ہیں، جنہیں خود اس کے معاصر عصمۃ اللہ سہارنپوری کی عربی شرح جو ۱۰۸۰ھ میں لکھی گئی ہے، بہت مفصل ہے، اور چھپ بھی چکی ہے اور جس کا نام انوار خلاصۃ الحساب ہے، دوسری یہ لطف اللہ ہندس کی ہے، اس کا ایک نسخہ انڈیا آفس کے کتب خانہ میں ہے، (نمبر ۶، مخطوطات عربی) اس میں مصنف کا نام لطف اللہ المتخلص بالمھندس ابن الاستاذ احمد المعمار، لکھا ہے، اور اس کا آغاز ان لفظوں سے ہے، الحمد للہ الواحد الفرد الصمد، یہ نسخہ ایک خاص حیثیت سے ممتاز ہے، جس کا ذکر آگے آئے گا، اس کتاب کا دوسرا نسخہ ہندوستان میں

رامپور کے کتب خانہ میں ہے (نمبرہ ۴ ریاضی) اس نسخہ کے صفحات کی تعداد ایک سو بیس[۱۲۰] ہے،

۴۔ **منتخب**، یہ بہاء الدین آملی کی مذکورۂ بالا تصنیف خلاصۃ الحساب کا فارسی ترجمہ اور خلاصہ ہے، انگلستان اور ہندوستان میں اس کے متعدد نسخے ہیں، دو نسخے انڈیا آفس کے کتبخانہ میں ہیں، تیسرا برٹش میوزیم لائبریری میں، چوتھا کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں[۱]، پانچواں مسلم یونیورسٹی علی گڈھ میں، چھٹا جامعہ ملیہ دہلی میں اور ساتواں کتبخانۂ دیوانِ مدراس میں بخطِ سید محمد قاسم مکتوبہ ۱۲۱۸ھ ہے، اس رسالہ کا منتخب نام تاریخی ہے، اس سے ۱۰۹۲ھ کی تاریخ نکلتی ہے، مقدمہ میں لکھا ہے کہ یہ کتاب خاندانِ وزارت کے رکن رکین میر محمد سعید بن میر محمد یحییٰ کی فرمائش سے لکھی گئی ہے،

اس کا آغاز اور دیباچہ حسب ذیل ہے:-

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد والہ واصحابہ اجمعین

اما بعد می گوید فقیر لطف اللہ مہندس ابن استاد احمد معمار لاہوری غفر اللہ لہ ولوالدیہ، واحسن الیہما والیہ، کہ کتاب حساب را کہ تصنیف است از محقق وتحریر مدقق شیخ بہاء محمد بن حسین عاملی (آملی) رحمۃ اللہ علیہ مشتمل بر قواعد شریفہ، وفوائد لطیفہ، باشارات خلاصۂ دودمانِ سیادت، منتخب خاندان وزارت میر محمد سعید بن میر محمد یحییٰ ادام اللہ اقبالہ وضاعف اجلالہ ترجمہ کردم کہ چون آن نسخہ خلاصہ نام داشت این نسخہ را منتخب نہادم . . . . نام تاریخ تالیف این رسالہ است و این رسالہ بنا بر ترتیب کتاب مرتب است بر مقدمہ وابواب،

آخر میں ایک حسابی مسئلہ کا حل نظم میں ہے، جس کا خاتمہ ان دو شعروں پر ہے، ؎

منکہ ہستم فقیر لطف اللہ   بمہندس شہیر در افواہ

خاکپاے ہنروران کبار   پور استاد احمد معمار

---

[۱] برٹش میوزیم کے نسخہ کا نمبر ۱۶۷۴۳ اور انڈیا آفس کے نسخہ کا نمبر ۲۲۵۳ اور ۲۲۵۴ اور آصفیہ باب ریاضیات فارسی کا ۱۱۱ ہے،

انڈیا آفس لائبریری کا نسخہ نمبری ۲۲۵۴ ۳ شعبان ۱۱۴۵ھ کا لکھا ہوا ہے، اور حیدر آبادی نسخہ کی تاریخ ۱۲۴۲ھ ہے، اور کتبخانہ میں اس کا ۲۱ ریاضیات فارسی ہے، مسلم یونیورسٹی کا نسخہ سبحان اللہ خان لائبریری میں ہے، اس کا نمبر ۱۱/۵ ہے، اور وہان اس کا نام ترجمۂ خلاصۃ الحساب ہے، اور کتابت کا سال ۱۸۳۹ء ہے، جامعہ ملیہ کے نسخہ کا نمبر ۶، سلسلۂ مخطوطات ہے، اور تاریخ سے خالی ہے،

۵۔ **آسمان سخن**، دولت شاہ سمرقندی کا فارسی شعرا کا تذکرہ جو ۸۹۲ھ میں تالیف پایا ہے، بایں ہمہ اغلاط دلچسپ ضرور ہے، اور اسی لئے اہل سخن کی محفلون میں اس کا تذکرہ رہا کیا ہے، یہ کتاب فارسی نثر میں ہے، اور سات طبقوں پر منقسم ہے، اکبر کے زمانہ میں فانفی کرمانی نام ایک شاعر نے اس کو نظم کر ڈالا، اور سات طبقون کے بجائے اس کو دس طبقون میں مکمل کیا، لطف اللہ مہندس نے فانفی کے نسخہ میں دو طبقون کا اضافہ کرکے اس کو ۱۲ طبقون میں پورا کر دیا، اور بارہ برجون کی مناسبت سے اُسکا نام آسمان سخن رکھا، یہ تمام واقعات لطف اللہ مہندس نے کتاب کے دیباچہ میں ذکر کئے ہیں، اس کا نسخہ شاہِ اودھ کے کتبخانہ میں تھا، ڈاکٹر اسپرنگر نے اس کتب خانہ کی فہرست میں صفحہ ۱۱۶ پر اس کتاب کا ذکر کیا ہے، اب کسی اور کتب خانہ میں اس کا نشان نہین ملتا، معلوم نہیں گردشِ چرخ نے اس آسمانِ سخن کو کس خاک میں ملا دیا، لطف اللہ مہندس کے اس اضافہ میں کل ۲۵۰ بیتین تھین، ایک ایک بیت میں ایک ایک شاعر کا بیان تھا، اس کا پہلا شعر یہ تھا،

نخست شکر خدائے کہ آسمان سخن	بیافرید محیط نہ آسمانِ کہن

فہرست مذکور میں ڈاکٹر اسپرنگر نے اس کے بارھویں طبقہ کے ۱۳ شعر نقل کئے ہیں، ان شعرون میں شاہجہانی شعراء کے نام نظم کئے گئے ہیں، اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ لطف اللہ نے دورِ اکبری کے بعد جو دو طبقے بڑھائے تھے، ان میں سے پہلے میں جہانگیری عہد کے اور دوسرے میں شاہجہان کے زمانہ کے سخنورون کے نام ہونگے، وہ ۱۳ شعر یہ ہین،

وحید دہر آمانی ابن مہابت خاں | وے بخان زمان است شہرۂ دوراں
دگر یگانہ ظفر خان تخلص احسن | ربودہ گوئے سخن از سخنوران چو فن
دگر وحید زمن آشنا عنایت خاں | بود بحر سخن آشنا عنایت خاں
دگر وحید زمن شاد مان غم پرور | بیان شادی غم در کلام او مضمر
دگر سخنور کشمیر محسن فانی است | بقاے نام وی از دولت سخندانی
مہ سپہر سیادت یگانہ میر عماد | کہ بود در غزل و مدح و مثنوی استاد
لبیب عصر محمد حسین آشوب است | سخنوری کہ سخنهاش جملہ مرغوب است
دگر وحید زمان است طالبائے کلیم | کہ شعر او ید بیضا است نزد طبع سلیم
دگر فرید جہاں قدسی محمد خاں | بعہد شاہجہاں گو ربودہ از اقراں
الٰہی ہمدانی است در سخن استاد | سخنورے است کہ داد سخنوری می داد
لبیب از منہ اُمّی نخواندہ ہیچ کتاب | ز فیض حق شدہ مفتوح بر رخش صد باب
دگر وحید زمن باقیا ترانۂ او | خوش است ہمچو غزلہاے عاشقانۂ او
فصیح از منہ فہما کہ چوں غزل میگفت | چو عندلیب غزلخواں در و گہر می سفت

نویں شعر سے ظاہر ہوتا ہے کہ لطف اللہ نے یہ دادِ سخن عہد شاہجہانی (۱۰۶۸ھ) کے بعد ہی دی۔

۷۔ دیوان مہندس | یہ پورا دیوان چھوٹی تقطیع کے چیانوے ۹۶ صفحوں میں ہے، سب سے پہلے دیوان کے شروع میں دس صفحوں میں چار قصیدے ہیں، پہلا نعت میں ہے، دوسرا دارا شکوہ کی، اور تیسرا شاید دارا شکوہ کے بیٹے سلیمان کی مدح میں ہے، اور چوتھا کسی معشوق کا سراپا ہے، اس کے بعد نئی بسم اللہ سے غزلیں شروع ہوتی ہیں، جو حروف تہجی پر مرتب ہیں، یہ گیارہویں صفحہ سے شروع ہو کر صفحہ ۸۷ پر تمام ہوئی ہیں، پھر نئی بسم اللہ سے وہ مثنوی شروع ہوتی ہے جس میں اس نے اپنے خاندان کا احوال

لکھا ہے، پھر ایک دو مختصر مثنویاں اور چند قطعے ہیں، جن میں سے دو چار قطعے تاریخی ہیں، پہلے نعتیہ قصیدہ کی تشبیب بہت پرزور ہے،

خسرو مہر چو بنشست بر اورنگ عمل ‏ رستم روز در اقلیم شب افگند خلل

رومی روز بر افراختہ رایت بمصاف ‏ زنگی شب سپر انداخت ہنگام جدل

کیمیا ساز نبود است گرایں عالم رنگ ‏ مس شب را بزر روز چرا کردہ بدل

روز افزودہ و شب کاستہ زآنرو کہ مہر ‏ کردہ آئینہ ایام دیا لی صیقل

سنگ از تربیت مہر شود لعل و کنوں ‏ اخگر از تربیتش لعل شود در منقل

وقت آن ست کہ در قافلہ از فیض بہار ‏ آب زمزم شود اکنون نمی باب بدل

وقت آنست کہ واعظ چو نہد مجلس وعظ ‏ صورت شیشہ شود نسخۂ واعظ بہ بغل

اس قصیدہ کے آخر میں شاعر نے اپنا اور اپنے باپ کا نام اور اپنے مشاغل تدریس و تدریس کا ذکر کیا ہے،

دل داناے مرا فخر بعلم است و بفضل ‏ جاہل است آنکہ بناز د بحلیؔ و بحلل

باش لطف اللہ احمد چہ کنی فخر بعلم ‏ جہل ازیں علم تو بہتر کہ نیاید بعمل

عمر در درس بسر بردی و در آخر کار ‏ ہیچ حاصل نہ شد از مدرسہ جز بحث و جدل

دارا شکوہ کے مدحیہ قصیدہ میں اپنی مدح خود ان شعروں میں کرتا ہے،

مہندسم کہ کنم صورت فلک تصویر ‏ کشم بروے زمیں گر خطوط پرکاری

چناں بلند نہادم اساس قصر خرد ‏ کہ بر سپہر زنم طعنۂ نگونساری

چناں منیر شود شبہ عمارت من ‏ کہ نور مہر بود نزد نور او تاری

دمی کہ من بعمارت گری شوم مشغول ‏ ملک مصالح کار آورد بسر باری

بدستیاریِ لطفِ شہِ بلند اقبال　　بلند پایہ زمن گشت قدرِ معاری

سپہر مرتبہ دارا شکوہِ دریا دل　　کہ ہمچو ابر کفش می کند گہر باری

بعہد دولتِ تو راجہ ہاے کوہستاں　　ز فرقِ خویش نہادہ کلاہِ جباری

بیک نگاہ کہ کردی بسوے کوہستاں　　گرفتہ پست و بلندیِ کوہ ہمواری

ان اشعار میں جن واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اس کا پتہ موجودہ تاریخوں میں نہیں چلا،

لطف اللہ مہندس کے اکثر اشعار سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نام و نمود کا حریص اور معماری جیسے پیشہ سے اپنے کو بلند سمجھتا ہے، چنانچہ اس قصیدہ میں وہ کہتا ہے،

شہا اگرچہ عمارت گریست پیشۂ من　　وگرچہ نیست ضمیرم ازیں ہنر عاری

کنوں کہ ملک دلم شد خرابِ عشق بتاں　　تو خود بگو کہ چہ نسبت مرا بمعماری

غزلوں کا عام انداز وہی ہے، جو اس عہد کے دوسرے ملا شاعروں کے کلام میں ہے، زبان میں کہیں کہیں ہندیت ہے، اس کے مقطعوں میں خاص خصوصیت یہ ہے کہ وہ اس میں مہندس کی مناسبت سے کوئی بات ضرور پیدا کرتا ہے، مثلاً

مہندس اگرچہ آگہ بود زیں پیش　　فرامش کرد قانونِ شفا را

باشد ز فلک مہندس آگاہ　　با آنکہ نشستہ بر زمین است

اے مہر بے مہر در چشم مہندس بے رخت　　از حضیضِ خاک تا اوجِ ثریا آتش است

رو مہندس بعلم یک دو سہ شکل　　ایں ہمہ افتخار بے معنی است

اے مہندس روکہ در علمِ نظر　　احتیاجِ مسطر و پرکار نیست

ہاں حرف زمیں بگو مہندس　　تا کے ز فلک کنی حکایت

از مہندس مپرس سرِ فلک　　کیں معما ز ہیچ کس نکشود

ذیل کے مقطوں میں اس مہندس کے لفظ سے کتنا لطیف استدلال کیا ہے،

در حقِ من گمانِ خطا می بری خطاست ... ہرگز شنیدۂ کہ مہندس خطا کند

تا کے نشکلِ زمیں خواہی کشید ... رو مہندس صورتِ افلاک کش

کہنہ شد آسماں مہندس خیز ... تا بناہاے نو نہادہ شود

حسب ذیل غزل اس کے بہترین کلاموں میں سے ہے،

یاران ہلالِ عید برآمد نظر کنید ... ماہِ صیام رفت مغان را خبر کنید

یاراں دگر بکوری مفتی و محتسب ... امروز خاکِ میکدہ کحل بصر کنید

آں کس کہ از برآمدنِ مہ خبر کند ... او را باحترام دہن پر شکر کنید

اکنون رسید کوکبۂ عیش و انبساط ... اے درد و غم ز مملکتِ دل سفر کنید

گر در من و نگار مہندس شود حجاب ... دستش گرفتہ زود ز محفل بدر کنید

ذیل میں اس کے دیوان کے وہ اشعار نقل کئے جاتے ہیں، جن سے اس کے کچھ حالات معلوم ہوتے ہیں، اس کا نام:-

باش لطف اللہِ احمد چہ کنی فخر بعلم ... جہل ازیں علم تو بہتر کہ نیاید بعمل

خواہم کہ کشم بادہ چو لطف اللہِ احمد ... تا چند کشم محنتِ دورِ قمری را

ہمچو لطف اللہ احمد کوسِ دانش می زدم ... چوں شدم عاشق بجہلِ خویش کردم اعتراف

ان شعروں میں لطف اللہ اوس کا، اور احمد اس کے باپ کا نام ہے، لاہور اس کا وطن تھا

کے بود آمدنِ قاصدِ فرخندہ پیام ... مدتے شد کہ ز لاہور نیامد خبرے

ہندسہ و منطق و حکمت میں اس کو غلو تھا،

بر منِ ہیچدان کشف شد از فیضِ ازل ... رازِ سربستہ کہ بر ہندسہ داں مشکل بود

صرف در منطق و حکمت شدہ ایں عمر عزیز   لیک آں نکتہ نخواندم کہ در و حاصل بود

معماری و ہندسی میں نامور تھا،

لطف اللہ معمار ہندس شد و استاد   گر کار درایت نکند پس چہ کند کس

درس و تدریس کا بھی شغل تھا،

عمر در درس بسر بردی و در آخر کار   ہیچ حاصل نہ شد از مدرسہ جز بحث و جدل

کسی شہزادہ کے نام ایک مثنوی ہے جس سے مراد غالباً دارا شکوہ ہے، کہ شہزادۂ بلند اقبالؒ کے نام سے وہی مخاطب تھا اس میں وہ کہتا ہے،

لطفِ شہ می کند مددگاری   ورنہ آگہ نیم ز معماری

خواندہ ام یک دو نسخہ از ہر باب   ہیئت و ہندسہ و نجوم و حساب

نہ نویسم ز بیم بے ادبی   کہ چہا خواندام من از عربی

. . . .

لطفِ شہزادۂ بلند اقبال   گر شود بندہ را معاونِ حال

خدمتِ بندہ را بفرماید   کہ از و علم رفتہ باز آید

گر یکے از مقربانِ بساط   در دم عیش و در زمانِ نشاط

ایں سخن از مقیم ایں درگاہ   برساند بسمع حضرت شاہ

اجر باید ز کردگارِ کریم   نہ کہ اجرِ قلیل اجرِ عظیم

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دارا شکوہ کے توسط سے شاہجہان تک پہنچنا چاہتا ہے،

کہیں کہیں غزلوں کے مقطع میں بھی ادھر اشارہ ہے،

ہان ہندس بندۂ شاہِ بلند اقبال باش   آنکہ گر فرماں دہد جمشید فرمان بر شود

ایک مثنوی میں کسی ایسے خانوادۂ وزارت کے کسی رکن کی مدح وہ کرتا ہے، جس کو سیادت کی عزت بھی حاصل تھی،

اخترِ برجِ حشمت و جلال | گوہرِ درجِ دولت و اقبال
نیرِ آسمانِ بینائی | آفتابِ سپہرِ دانائی
منبعِ جود و مخزنِ احسان | مظہرِ فیض و معدنِ ایقان
زبدۂ دودمانِ مصطفوی | نخبۂ خاندانِ مرتضوی
امرا را شرف امارتِ او | وزرا را شرف وزارتِ او
امرا از امارتش منصور | وزرا از وزارتش دستور
آبِ شرع است سیف مسلولش | دست عدلست رمحِ مصقولش

میرا خیال ہے کہ اس مدح کا موضوع وہی ہستی ہے، جس کے نام پر شاعر نے اپنی کتاب منتخب الحساب لکھی ہے، یعنی "خلاصۂ دودمان سیادت، منتخبِ خاندانِ وزارت میر محمد سعید بن میر محمد یحییٰ ادام اللہ اقبالہ و ضاعف جلالہ"،

لطف اللہ اور اس کے بھائیوں کی تصانیف سے یہ ہویدا ہے کہ ان لوگوں کو شاہجہان کے بعد جس سے تعلق رہا ہے وہ شہزادہ داراشکوہ ہے، چنانچہ لطف اللہ کے بھائی عطاء اللہ رشیدی نے اپنا رسالہ خلاصۂ راز شہزادہ موصوف ہی کے نام سے معنون کیا ہے، لطف اللہ کے اس دیوان کے اکثر اشعار سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس کو اسی شہزادہ کے دربار میں رسوخ و اعتبار حاصل تھا، نعت کے بعد جو پہلا قصیدہ اس دیوان میں ہے، وہ اسی کی مدح میں ہے،

بدستیاریِ لطفِ شہِ بلند اقبال | بلند پایہ زمن گشت قدر معاری
سپہر مرتبہ داراشکوہ دریا دل | کہ ہمچو ابر، کفش می کند گہرباری

اس کی ایک غزل کا ایک مطلع ہے،

گر بادشہ بلطف نظر بر گدا کند ۔۔۔ بر بادشہ نظر بعنایت خدا کند

اس کی دوسری غزل کا مطلع ہے،

اے شاہِ زمن بیا و بنگر ۔۔۔ در دلِ من بیا و بنگر

ایک پوری غزل مدح میں ہے،

اے زجودِ تو کامرانیِ دہر ۔۔۔ وز وجودِ تو پاسبانیِ دہر

بخدا اے خدایگانِ زماں ۔۔۔ بتو زیبا خدایگانیِ دہر

دہر را مدحِ تو وظیفہ بود ۔۔۔ گوش کن بر وظیفہ خوانیِ دہر

بتو زیبا است خلعتِ شاہی ۔۔۔ ز تو پیدا است کامرانیِ دہر

باشد از لطفِ تو مہندس شاد ۔۔۔ اے ز لطفِ تو شادمانیِ دہر

ان موقعوں پر لفظ لطف کا لطف اہلِ ذوق سے پوشیدہ نہیں،

ایک اور مدحیہ غزل سنئے جس کے مطلع میں دادا بیٹا اور پوتا تینوں کے نام یکجا ہیں،

دارا شکوہ، شاہجہاں بانیِ جہاں ۔۔۔ بروے مبارکست سلیمانِ جہاں

شاہجہاں، داراشکوہ بن شاہجہاں اور سلیمان شکوہ بن داراشکوہ بن شاہجہان،

پروردگار باد نگہبانِ دولتت ۔۔۔ زانرو کہ کارِ تست نگہبانیِ جہاں

تا ز آب و آتش است نشاں در زمانہ یاد ۔۔۔ روشن ز خاک پائے تو پیشانیِ جہاں

اے بانیِ جہاں کہ جہاں در ثنائے تست ۔۔۔ یک لحظہ گوش دار ثنا خوانیِ جہاں

تا کے مہندس است پریشاں چو زلف یار

اے از تو دور گشتہ پریشانیِ جہاں

ایک قطعہ ہے

دولتِ جاوید و بختِ سرمد و ملکِ دوام ہمعنان و ہمدم شاہِ بلند اقبال باد

از کفِ دستش زر و گوہر برد در بارگاہ تا ابد دریا و کاں زیں فیض مالامال باد

می کند احسانِ او درماندگان را یاوری یاد او را ایزدِ ذوالمجد والافضال باد

دوسرا قطعہ

ثنا خوانِ ترا شاہا چہ حاجت شرح جم گفتن بجام بادہ حاجت نیست مست جام سرمد را

چو می خواہد کہ باشد بانیِ قصرِ ثنائے تو بکار خشت و گل مگذار لطف اللہ احمد را

اس قطعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ معماری کے پیشہ کو اپنے سے کم درجہ جانتا تھا،

داراشکوہ نے اس سے اپنا محل بنوایا ہے، اس کی تاریخ نکالتا ہے۔

چو بنا کردہ قصرِ جاہ و جلال ظلِّ حق بادشاہ عالی ملک

شبہہ ایں عمارت والا نافت چوں مہر بر حوالیِ ملک

گفت معمارِ قصر، تاریخش قصرِ داراشکوہ والی ملک

اس مصرع سے تاریخ بنا ۱۰۶۰ھ نکلتی ہے، اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ داراشکوہ کا یہ قصر اسی شاعر معمار نے بنایا تھا، داراشکوہ نے کوئی کنجی بنوائی ہے، اس کی تاریخ کہی ہے،

چو طیار شد ایں کلیدِ ظفر بفرمانِ دیں پرورِ حق پژوہ

پئے سالِ تاریخ انجام وے خرد گفت "مفتاحِ داراشکوہ"

"مفتاحِ داراشکوہ" سے ۱۰۶۶ھ نکلتے ہیں، جس کے ایک سال بعد داراشکوہ کی تاریخ کا صفحہ بدل جاتا ہے، داراشکوہ کے بیٹے سلیمان شکوہ کی کدخدائی کی تاریخ یہ لکھی ہے،

کدخدا گشت باقبالِ بلند پورِ دارائے زمان شاہِ زمین

دو زمانے کہ مرا دات جہاں — بود در دست چو در دست نگیں

گفت جبریل امیں تاریخش — بسلیماں شدہ بلقیس قریں

آخری مصرع سے ۱۰۶۳ھ نکلتے ہیں،

اوپر کے اشعار سے صاف ظاہر ہے کہ اس کا اور اس کے خاندان کا تمام تر تعلق داراشکوہ سے تھا، اہل تاریخ سے اس واقعہ سے دوسرا نتیجہ پیدا کرنا بہت آسان ہے، یعنی یہ کہ اس کو داراشکوہ سے جس قدر وابستگی ہوگی اسی قدر عالمگیر کے دربار سے اس کو دوری ہوگی، داراشکوہ کے مدحیہ قصیدہ میں کچھ ایسے شعر بھی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں داراشکوہ کے حریف مقابل یعنی اورنگزیب پر طعن و تعریض ہے، مثلاً

زہیبتش نتواں یافت نیم قطرۂ خوں — ہزار بار دل خصمش ار بیفشاری

بزخم تیر کہ زد در دلِ معاند او — ربودہ رنگ دلم را سپہر زنگاری

دراں دیار کہ بخت حسودِ تست بخواب — ندیدہ دیدۂ مردم بخواب بیداری

مدام باد ہوا خواہِ دولتِ تو بعیش — نصیب خصم تو جاوید باد خونخواری

ان اشعار میں "خصم" اور "معاند" اور "حسود" سے غالباً اورنگزیب ہی کی طرف اشارہ ہے، اس بنا پر ۱۰۶۸ھ کے انقلاب میں جب شہزادۂ بلند اقبال کی جگہ اورنگزیب عالمگیر زیب اورنگ ہوا تو اس شخص کی کس مپرسی محتاج بیان نہ ہوگی، لطف اللہ کے دیوان میں ایک قطعہ بند غزل ہے،

شہا گوش برداد خواہی نداری — بحالِ گدایاں نگاہے نداری

رقیباں بقتلم نوشتند فتویٰ — وگرنہ تو ہرگز گناہے نداری

جہاں سر بسر خیر خواہِ تو باشد — دلے ہمچو من خیر خواہے نداری

بیاری صبا سوے بلبل پیامے — مگر سوے گلزار راہے نداری

تہندس از آں رو نداری وقارے — کہ چوں زاہدان خانقاہے نداری

میرے خیال میں اس غزل کا خطاب اورنگزیب ہی کی طرف ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ اس کو داراشکوہ کے عہد میں اس گلہ و شکایت کا موقع نہ تھا، اور نہ زاہدوں کی خانقاہ پر تعریض کی حاجت تھی،

اوپر کے اشعار میں مہندس نے اپنی تعمیری مہارت فن کا بھی جا بجا اظہار کیا ہے، کہتا ہے ع

"بلند پایہ زمن گشت قدر معماری"

ایک جگہ فخریہ کہتا ہے ع

"ما ہمہ معمار و عمارت گریم"

ایک جگہ کہتا ہے کہ میرے بنائے ہوئے نقشے آفتاب کی طرح روشن ہوتے ہیں؛

چناں منیر شود شیشۂ عمارت من | کہ نور مہر بود نزد نور او تاری
دمے کہ من بعمارت گری شوم مشغول | ملک مصالح کار آورد بسر باری

مگر با ایں ہمہ یہ نہیں معلوم کہ اس کی بنائی ہوئی عمارتیں کون ہیں، اوپر کے ایک تاریخی قطعہ سے داراشکوہ کے ایک محل کے بنانے کا حال معلوم ہوتا ہے، تذکرۂ سفینۂ خوشگو، اور نشتر عشق حسین قلی خاں میں ۱۰۹۵ھ میں، مہندس کے بیٹے ریاضی کے حال کے ضمن میں ہے، "ملا لطف اللہ مہندس تخلص لاہوری است کہ قلعۂ ارک دار الخلافۂ شاہجہان آباد بتجویز و صوابدید او بنا یافتہ" (خوشگو) اس سے معلوم ہوتا ہے قلعۂ دہلی کے شاہجہانی عمارات کی تعمیر میں یہ بھی اپنے باپ اور چچا کے ساتھ شریک تھا، سحر حلال میں یہ اپنی نسبت لکھتا ہے

"ملوک ہوا دار ولد احمد معمار گوہر عمر را در کارگاہ وگل کاسد کردہ . . . . "

اس فقرہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی عمر کا بڑا حصہ عمارت گری میں صرف ہوا،

۷۔ سحر حلال | یہ فارسی رسالہ علم اخلاق میں ہے، اور صنعت غیر منقوطہ میں لکھا گیا ہے، اسی لئے مصنف کا نام لطف اللہ کے بجائے "ولد احمد معمار" لکھا گیا ہے، اس کے شروع کی عبارت یہ ہے:-

"اللہ علا اسمہ در اوّل کلام حمد کردگار آور دم مالک، ملک، علام و احد صمد سلام . . . "

حمد و نعت کے دو صفحوں کے بعد دو صفحوں میں "مدح داور کامگار ادام اللہ ملکہ" کے عنوان سے بادشاہ عصر کی تعریف ہے، ممدوح کا نام حسب ذیل صورت معمہ میں ہے،

"اسم اکرم او حامل دو کلمہ آمد کلمۂ اول سر عدل (ع) و دل داد (الف)، و دل علم (ل) و سر مراد (م)، کلمۂ دوم سر گل (گ) و دل سرو (ر) در سر گل و دل سرو ده (ی) در آمده، ملک علام و صمد سلام ہموارہ سرو اورا محور سماے کرم و گل اورا محسود دوحۂ ارم دارا د"

اس صورت معمہ سے جو نام نکلتا ہے، وہ عالمگیر ہے، تعجب ہوتا ہے کہ داراشکوہ کے مداح نے عالمگیر کی مدح کیونکر لکھی، شاید اس اخلاقی رسالہ کو عالمگیر کے نام سے پیش کرکے اس کی ہمدردی اپنی طرف مائل کرنی چاہی، جو معلوم نہیں کہ ہوئی یا نہیں،

بادشاہ کی مدح کے بعد "مدح رسالہ و حال محرر اصلح اللہ حالہ" کے عنوان سے تین صفحوں میں اپنا اور اپنے رسالہ کا حال لکھا ہے، جس کا اقتباس درج ذیل ہے،

"مملوک ہوا دار ولد احمد معمار رسالۂ کہ مداد کہ مداد او کحل مدامع اہل حال آمد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
حامل سطور معدودہ کردہ در درگاہ سالار کامگار ادام اللہ ملکہ آوردہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
مامول کہ در حال سعد ۔ ۔ ۔ ۔ در مطالعہ والا در آمدہ معلوم مدرکۂ اکرم گردد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
سرو را مملوک ہوا دار ولد احمد معمار گوہر عمر را در کارگاہ دگل کاسد کردہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
مسئول کہ ہر کس در مسالک علم ۔ ۔ ۔ ۔ اطلاع دارد و رسالۂ مملوک ہوا دار اصلاح دہد، احمد معمار والد مملوک دادار سہ ولد دارد، اول عطاء اللہ سلمہ اللہ سالک مسالک علم و عامل در عمل ہر عمل محمود کمال عالم عامل و علامۂ عصر کہ در او علم و عمل آمدہ حصر رسالہا در علم اعداد مسطور کردہ، حامل صحاح و کسور و ولد دوم اوسط ہر سہ مملوک درگاہ کردگار و اسم مملوک حامل دو کلمہ آمد، کلمۂ دوم "اللہ" علامۂ کلمۂ اول لام وطا و معادل عدد عطا، و ولد سوم در مسالک علم و حال ہر عمل محمود کمال مسا ہم عطاء اللہ آمدہ اسم او ہم دو کلمہ

وارد، کلمۂ دوم "الله" علا است کلمۂ اول معادل عدد سطاوو او و بار اصلح الله حاله اصل فتہ لالم علوم اہل عالم گروہ کہ اسم سحر وا لا سحر حلال آمد . . . معلوم اہل کمال کہ سحر حلال را در ماہ محرم الحرام مسطور کردہ ، سال رسم سحر حلال ملہم اہل حال و معلم اہل کمال را سوال کردم صدا در داد کہ سحر حلال در وہ اہل حال آمد و درس لمح کمال"

اس آخری فقرہ سے رسالہ کی تصنیف کی تاریخ سنہ ۱۰۷۲ھ نکلتی ہے ،

اس تمہید کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے، جس میں مختلف اخلاقیات کو سرِ عنوان بنا کر مدح و ذم لکھا گیا ہے، مثلاً مدحِ عدل، مدحِ سماح، تحریم امساک، تحریم حسد، تحریم طول امل، تحریم حرص و طمع، تحریم کسل، مدحِ کد، مدحِ علم، مدحِ دلدار و حالِ اہلِ دل، ہوسِ وصلِ دلدار، حصول وصلِ دلدار، تحریم ہوس و دوامِ وصل، مدحِ مُل، مدحِ سرود، کلامِ اہلِ دل، اسی پر رسالہ ختم ہوگیا ہے ،

اس رسالہ کے دو نسخوں کا مجھے علم ہے، پہلا مدرسہ محمدی مدراس کے کتب خانہ کا، جس کا نمبر ۲۶۸ ہے، اس نسخہ کو غلام عبد القادر المخاطب بہ قادر عظیم خاں نے سنہ ۱۲۲۱ھ میں نقل کیا ہے، جو مدراس کے ایک مشہور علمی خاندان کے رکن تھے[1]، یہ نسخہ ۹۲ صفحوں میں ہے،

دوسرا نسخہ بمبئی یونیورسٹی کے کتب خانہ میں ہے، جس کا نمبر اس کے کیٹلاگ میں جلد ۱۸ ہے، اور صفحہ ۹۱ اس کو ابھی ابھی ہمارے مخلص دوست پروفیسر شیخ عبد القادر (پونہ) نے مرتب کرکے شائع کیا ہے[2]،

(باقی)

[1] اس خاندان کے نوجوان رکن جناب محمد غوث صاحب ایم اے (حیدرآباد دکن) کا ممنون ہوں کہ انھوں نے میرے لیے اس رسالہ کے اقتباسات میری فرمائش پر نقل کرکے بھیجے، [2] اس کیٹلاگ کے فاضل مرتب نے اس رسالہ کا مصنف لطف اللہ کے چھوٹے بھائی نور اللہ کو ظاہر کیا ہے، یہ کسی غلط فہمی پر مبنی ہے،

ہمایون کا علمی ذوق

از

جناب سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب بی اے (علیگ) رفیق دار المصنفین

ہمایون ۹۱۳ھ ماہ ذیقعدہ میں کابل میں پیدا ہوا، یہ وہ زمانہ تھا جب کہ بابر اپنی قوت و اقتدار کی خاطر ایک مقام سے دوسرے مقام کو پریشان حال پھر رہا تھا، بابر کی تمام زندگی ہولناک مصیبت مگر حیرتناک جرأت کی سبق آموز داستان ہے، وہ کبھی باپ کی متروکہ مملکت سے محروم ہو کر پہاڑوں کی برفانی چٹانوں پر اپنی جان بچانے کے لئے بھاگتا نظر آتا ہے، کبھی برف کاٹ کر فوج کے لئے راستہ بناتا ہوا دکھائی دیتا ہے، پھر وہ کبھی اپنی جودت جہانگیری سے کابل کا بادشاہ بن بیٹھتا ہے تو کبھی عزیزوں اور دوستون کی کج ادائیوں سے اسی شہر کی گلیوں میں برہنہ پا پھرتا دکھائی دیتا ہے، اس کی تمام زندگی انقلاب روزگار اور زمانہ کی شعبدہ بازیوں کا تماشہ ہے،

ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں وہ اپنی اولاد کی تعلیم خاطر خواہ نہ دلا سکا ہوگا، پھر بھی یہ عجیب بات نظر آتی ہے کہ اس کی تمام اولاد علم و ہنر سے مالا مال تھیں، کامران ایک کامیاب شاعر تھا، ترکی اور فارسی دونوں میں اشعار کہتا، اور قبول عام کی سند لیتا تھا، اس کا ایک قلمی دیوان خدابخش خان کے مشرقی کتب خانہ پٹنہ میں اب تک محفوظ ہے جس میں سولہ فارسی اور اکانیس ترکی غزلیات، مختلف قطعات رباعیات، افراد اور ابیات ہیں، یہ سب کے سب برجستگی، بے تکلفی اور سلاست کے لحاظ سے ایک نمایاں درجہ رکھتے ہیں، اور بعض اشعار میں بادۂ تصوف کی بھی سرمستیاں ہیں[1]،

---

[1] جناب محمد محفوظ الحق صاحب ام اے (لکچرار پریسیڈنسی کالج کلکتہ) نے اس دیوان پر ایک مبسوط مقدمہ لکھ کر اسکو شائع کیا ہے!

ہندال اور عسکری نے بھی شعر و شاعری میراث میں پائی تھی، تذکرہ نویسوں نے دونوں کا ذکر شاعروں کی فہرست میں کیا ہے، اور دونوں کی شاعری کے نمونے دیئے ہیں، ہندال کی ایک رباعی ہے جو ندرت خیال کے لحاظ سے خوب ہے،

زاں قطرۂ شبنم کہ نسیم سحری — از ابر جدا کرد بصد حیلہ گری

تا بر رخ گل چکاند اے رشک پری — حقا کہ ہزار بار پاکیزہ تری[۱]

عسکری کے اشعار ہیں،

چناں بیخود شدم از دوری آں گلعذار امشب — کہ ہردم گریہ دارو مید ہد بے اختیار امشب

چنیں کہ خوے گرفتم بآشنائی تو — ہلاک میکندم آں قدر جدائی تو[۲]

بابر کی بیٹی گلبدن بیگم تاریخ اور تاریخ نویسی کا نہایت بلند مذاق رکھتی تھی، اس کی تصنیف ہمایوں نامہ اپنی نوعیت کی بے مثل کتاب ہے، بقول علامہ شبلیؒ فارسی زبان میں سادہ اور صاف واقعہ نگاری کا عمدہ نمونہ تزک جہانگیری اور رقعات عالمگیری ہیں، اور اس میں شبہ نہیں کہ یہ کتابیں سادگی اور لطافت کے لحاظ سے اس قابل ہیں کہ ہزاروں ظہوری اور وقائع نعمت خاں ان پر نثار کر دیجائیں، لیکن انصاف یہ ہے کہ ہمایوں نامہ کچھ ان سے بھی آگے بڑھا ہوا ہے، اس کے چھوٹے چھوٹے فقرے، سادہ اور بے تکلف الفاظ، روزمرہ بول چال، طرز ادا کی بے ساختگی دل کو بے اختیار کر دیتی ہے[۳]،

ہمایوں کی تعلیم و تربیت ہمایوں اسی دودمان علم و ہنر کا ایک معزز فرد تھا، میراث میں نہ صرف اس نے سلطنت پائی، بلکہ باپ کا علمی مذاق اور شعر و شاعری کا ذوق بھی پایا تھا، افسوس ہے کہ اس کی تعلیم و تربیت کے متعلق کوئی مستقل بیان موجود نہیں، اس کی پیدائش کے تھوڑے دنوں کے بعد تزک بابری کی تحریر کچھ عرصہ تک بند رہتی ہے جو ہمایوں کی طفولیت اور تعلیم و تربیت کا زمانہ ہے، اس لئے بابر اس کے

[۱] مخزن الغرائب قلمی نسخہ دار المصنفین، [۲] صبح گلشن مصنفہ نواب صدیق حسن خان ص ۲۸۵، [۳] مقالات شبلی جلد چہارم ص ۵۶،

متعلق لکھنے سے قاصر رہا، تذکرۃ السلاطین سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ہمایوں جب چار سال چار مہینہ اور چار روز کا ہوا تو رسم مکتب کی تقریب ادا کی گئی[1] مگر اس کی تعلیم کے تفصیلی حالات کہیں نہیں ملتے، بابرنامہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بابر کی تالیفات اس کی اولادوں کے زیر مطالعہ رہیں، بابر نے دیوان کے علاوہ تین کتابیں تالیف کیں، ایک تو مثنوی مبین، جس میں دو ہزار اشعار ہیں، اور یہ تمام اشعار مذہبی اور اخلاقی موضوع پر ہیں، دوسری والدیہ، جو ایک رسالہ کا منظوم ترکی ترجمہ ہے، جسے اس نے اپنی علالت کے زمانہ میں نظم کیا تھا، اور جو جامی کی سبحۃ الابرار کی بحر میں ہے، تیسری اس کی تزک ہے، مسز بیورج کا خیال ہے کہ بابر نے اپنی مثنوی مبین کامراں کی تعلیم کی غرض سے لکھی تھی[2]

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہمایوں کو بھی جو کامراں سے صرف ایک یا دو سال عمر میں بڑا تھا، اس کے ذریعہ سے مذہب و اخلاق کا درس نہ دیا گیا ہو، تمام مورخین اس پر متفق ہیں کہ مذہب و اخلاق میں ہمایوں کی تربیت اعلیٰ قسم کی ہوئی تھی، وہ صوم وصلوٰۃ کا سخت پابند تھا، کبھی وہ قسم نہ کھاتا اور نہ کبھی فحش لفظ زبان پر لاتا تھا، کسی سے بہت خشمگین ہوتا تو صرف لفظ سفیہ کہہ دیتا، معمولی احکام شرعی پر اس پابندی سے عمل کرتا کہ مسجد میں کبھی پہلے بایاں پاؤں اندر نہ رکھا، اور خوش اعتقادی یہاں تک تھی کہ بے وضو خدا ے عز وجل کا نام کبھی نہیں لیا[3] ممکن ہے کہ یہ مذہبی اور اخلاقی جلا باپ ہی کی تربیت اور اس کی تالیف کردہ مثنوی کے ذریعہ سے پیدا ہوئی ہو،

بادشاہ بنکر ہمایوں نے جو علمی مذاق کا ثبوت دیا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی تعلیم ویسی ہی ہوئی تھی جو ایک شہزادہ کے لئے ضروری ہوتی ہے، تمام معاصر مورخین اس کو ایک بلند پایہ شاعر اور علم ریاضی و ہیئت کا ماہر و عالم بتاتے ہیں،

ہمایوں کی شعر و شاعری اس کے اعلیٰ علمی مذاق کا ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ اس کی تمام زندگی جنگ و جدل میں

---

[1] پرد ہوشن آف محمڈن لرننگ، نریندر ناتھ لا ص ۱۲۵ [2] بابرنامہ انگریزی ضمیمہ مؤلفہ مسز بیورج ص ۴۳۱ ، [3] بدایونی جلد اول ص ۴۶۶

گذری پھر بھی فرصت کے اوقات میں شعر و سخن کا مشغلہ جاری رکھا، ابو الفضل لکھتا ہے،

"توجہ عالی بشعر و شعرا نیز داشتند و از آنجا کہ طبع موزون از خصائص فطرت سلیم است در خلال اوقات واردات قدسی را چہ از حقیقت و چہ از مجاز در سلک نظم می کشیدند و دیوان آنحضرت در کتاب خانۂ عالی موجود است"[1]

افسوس یہ ہے کہ اس دیوان کا اب کہیں پتہ نہیں، مگر بعض مورخوں نے ہمایوں کی نظمیں، رباعیات اور اشعار نقل کئے ہیں جو ناظرین کی دلچسپی کے لئے یہاں درج کئے جاتے ہیں،

ابو الفضل نے ہمایوں کے دیوان کا ذکر کرتے ہوئے نمونے کے طور پر اس کی چند رباعیاں اکبر نامہ میں نقل کی ہیں، نیز تاریخ فرشتہ میں اسکی چند نظمیں اور رباعیاں ہیں، اکبر نامہ میں جو رباعیاں درج ہیں وہ حسب ذیل ہیں[2]

اے دل مکن اضطراب در پیش رقیب ۱ حال دل گوئے با ہیچ طبیب
کارے کہ ترا آباں جفا کار افتاد بس قصہ مشکل ست و بس امر عجیب

۲

اے دل ز حضور یار فیروزی کن در خدمت او بصدق دل سوزی کن
ہر شب بخیال دوست خرم بہ نشیں ہر روز بوصل یار نوروزی کن

۳

اے آنکہ جفاے تو بعالم علم ست روزے کہ ستم بہ بینم از تو ستم ست
ہر غم کہ رسد از ستم چرخ بدل مارا چو غم عشق تو باشد چہ غم

ہمایوں جب شیر خان سے شکست کھا کر بے وفا بھائیوں کی مدد حاصل کرنے کے لئے لاہور پہنچا، تو مرزا کامران نے بہ ظاہر موافقت اور در پردہ مخالفت کی، شیر خان آگے بڑھتا چلا آرہا تھا،

---

[1] اکبر نامہ صفحہ ۲۰۴ [2] ایضاً صفحہ ۳۱۵، و تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۲۴۴،

کامران نے اس کا مقابلہ کرنے کے بجائے خفیہ طور پر اس سے سازش کرلی کہ وہ پنجاب لے کر اسے کابل قندھار، اور غزنی کا تنہا مالک چھوڑ دے، اور ظاہراً ہمایوں سے شیر خان کے خلاف جنگ کرنے کی تدبیروں کے متعلق مشورے کرتا رہا، یہانتک کہ شیر خان بہت ہی قریب پہنچ گیا اور ہمایون کے پاس اپنا ایک قاصد بھیجا، مرزا کامران نے شیر شاہ کے قاصد کا پر جوش استقبال کیا، اور اس کی آمد میں بڑا جشن منایا، ہمایوں نے اس موقع پر ایک رباعی کہی،

در آئینہ گرچہ خود نمائی باشد پیوستہ ز خویشتن جدائی باشد
خود را بنمائی غیر دیدن عجب است ایں بوالعجبی کار خدائی باشد

یہ رباعی کہہ کر مرزا کامران کے پاس بھیجدی، گلبدن بیگم کا خیال ہے کہ ہمایوں نے کامران کے پاس نہیں بھیجی بلکہ قاصد کے ذریعہ سے شیر خان کے پاس ارسال کی[1]،

ہمایوں ایسے موقعوں پر بہت متاثر ہو کر اشعار کہتا تھا، اور جب کبھی اپنے حال کے موافق کوئی شعر سنتا تو بے اختیار ہو جاتا تھا، جب ہندوستان کا تخت و تاج کھو کر شاہ طہماسپ کی دعوت پر ایران جا رہا تھا تو ہرات میں سلطان محمود مرزا نے اس کا استقبال کیا، اور خاص طور پر جشن شاہانہ مرتب کیا، صابر قاق نے جو خراسان کا ایک مشہور گویا تھا، ایک غزل گانا شروع کی جس کا مطلع یہ تھا،

مبارک منزلے کاں خانہ را ماہے چنیں باشد ہمایوں کشورے کاں عرصہ را شاہے چنیں باشد

جب وہ اس شعر پر پہنچا،

ز رنج و راحتِ گیتی مرنجاں دل مشو خرم کہ آئینِ جہاں گاہے چناں گاہے چنیں باشد

تو ہمایوں کے دل پر ایک سخت چوٹ لگی، اور اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے[2]،

ہمایوں جب ایران پہنچا تو شاہ طہماسپ نے اس کا پر جوش خیر مقدم کیا، اور بھائی بنا کر اپنے

---

[1] ہمایوں نامہ، گلبدن بیگم ص ۴۵ [2] ماثر رحیمی جلد اول ص ۵۷۰، کلکتہ،

یہاں رکھا، مگر امیروں اور درباریوں کو یہ بات ناگوار گذری، اور رفتہ رفتہ شاہ کے کان بھر کے ہمایوں سے اس کو برگشتہ کردیا، ہمایوں مصیبت کا مارا تھا، بیرم خاں کی صلاح کے موافق احتیاط کو مدنظر رکھا، اسی دوران میں شاہ طہماسپ کی بہن سلطانہ بیگم اور قاضی جہاں قزوینی اور حکیم نورالدین ایسے حاشیہ نشینوں نے باہم یک رائے ہوکر یہ کوشش شروع کی کہ شاہ کے دل سے غبارِ کدورت دور کردیں، چنانچہ ایک روز سلطانہ بیگم نے ہمایوں کی یہ رباعی پڑھکر سنائی،

ہستیم زجان بندۂ اولادِ علی | ہستیم ہمیشہ شاد با یادِ علی
چوں سرِ ولایت زعلی ظاہر شد | کردیم ہمیشہ ورد خود نادِ علی

شاہ طہماسپ اس رباعی کو سنکر بے حد خوش ہوا، اور ہمایوں کی جانب سے اس کے دل کی کدورت جاتی رہی[1]

اسی غریب الوطنی کے زمانہ میں ہمایوں نے تبریز کی سیر کی، عہد ماضی کے آثارِ قدیمہ اور سیرگاہیں دیکھیں، ان کو دیکھ کر دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ اس کی نظروں کے سامنے پھر گیا، اور اس وقت یہ رباعی کہی[2]

افسوس کہ سرمایہ زکف بیروں شد | وزدستِ اجل بسے جگرہا خوں شد
کس نامد ازاں جہاں کہ تا پرسم ازو | کاحوال مسافرانِ عالم چوں شد

ہمایوں کی قسمت نے جب ایک بار پھر ساتھ دیا تو وہ ازسرِ نو فوج ترتیب دے کر کامران کے خلاف قندھار پر حملہ آور ہوا، اس وقت ہمایوں کا رفیق بیرم خاں قلعۂ قندھار کے محاصرہ میں ساتھ تھا، قلعۂ قندھار بہت ہی مستحکم تھا، اس کی دیوار کا عرض سات گز تھا، اس کو تسخیر کرنا آسان نہ تھا، لیکن بیرم خاں کی سپہگری اور جوانمردی سے آخر میں یہ فتح ہوا، ہمایوں نے اس مسرت میں ایک نظم کہی اور بیرم خاں کے پاس بھیجدی، وہ نظم حسب ذیل ہے[3]

باز فتحے زغیب روے نمود | کہ دلِ دوستاں ازاں بکشود

---

[1] نزہتہ ص ۲۳۶ نولکشور پریس [2] اکبر نامہ ص ۲۲۱ نولکشور [3] خافی خاں حصۂ اول ص ۱۲۵،

شکر للہ کہ باز شادانیم | بررخ یار و دوست خندانیم
دوستاں را بکام دل دیدیم | میوۂ باغِ فتح را چیدیم
روزِ نوروز بیرم است امروز | دلِ احباب بے غم است امروز
شاد بادا ہمیشہ خاطرِ یار | غم نہ گردد بگرد دیار و دیار
ہمہ اسباب عیش آمادہ است | دل بفکر و جہالت افتادہ است
گوشش خرم شود زگفتارت | دیدہ روشن شود ز دیدارت
در حریم حضور شاد بہم | بنشینم خرم و بے غم
بعد ازیں فکر کار ہند کنیم | عزم تسخیر ملک سند کنیم

مقیم نامی ایک شخص کے متعلق اس نے حسب ذیل شعر کہا،

مقیم شد غم تو در دلم چہ چارہ کنم | عجب غمیست مگر دل زسنگ خارہ کنم[1]

سفینہ خوشگو میں اس کی ایک رباعی مذکور ہے،

یارب کہ رضاے دلِ درویشاں دہ | ایں ریش دل شکستہ را درماں دہ
حد نیست کہ گویم ایں مدہ یا ایں دہ | چیزے کہ رضاے تو در انست آں دہ

ہمایوں کی وفات کے دن جب قریب آئے تو ایک روز اس نے کہا کہ آج صبح کی نماز کے بعد ملہم غیبی نے یہ رباعی سنائی ہے،

یارب بکمال لطف خاصم گرداں | واقف بحقائق خواصم گرداں
ازعقل جفاکار دل افگار شدم | دیوانۂ خود خواں وخلاصم گرداں

اس رباعی کو پڑھ کر رونے لگا، ان دنوں ہمیشہ وہ کہتا کہ عالم فانی سے بوے موت آتی ہے، چنانچہ

[1] لطائف نامہ فخری ص ۲۱۲ شائع کردہ اورنیٹل کالج میگزین، لاہور،

محل کے طاق پر شیخ آذری کا یہ مطلع نہایت خوشخط لکھا ہوا تھا،

شنیدہ ام کہ بریں طارم زراندود است خطے کہ عاقبت کار جملہ محمود است[1]

ظاہر ہے کہ ہمایوں کے شعر و سخن کے ذوق کے سبب اس زمانہ کے شعرا شاہی جود و کرم سے ہمیشہ فیضیاب ہوتے رہے ہونگے، بدایونی کا بیان ہے،

"شعرائے بسیار نادرۂ روزگار از دامنِ او برخاستہ اند"[2]

ان میں ایک مولانا بدخشی معمائی تھے، جو اپنے قصائد کے لحاظ سے سلمان ساوجی پر فوقیت رکھتے تھے، دوسرے شیخ زین الدین خافی المتخلص بہ وفائی تھے، جن کے متعلق بدایونی کہتا ہے،

"در معما و تاریخ و در بدیہہ یافتن و شعر و سایر جزئیات نظم و نثر بے قرینۂ زمان بود"[3]

اور جاہی تیمان اپنی ہجو گوئی میں یکتائے روزگار تھا، ان کے علاوہ قابل ذکر شعرا میں مولانا نادری سمرقندی، شیخ ابوالواجد فارغی، حیدر تونیائی، شاہ طاہر خواندی دکنی، اور خواجہ ابواب ابن خواجہ ابوالبرکات تھے، ملا عبدالقادر بدایونی نے ان شعرا کا بہ تفصیل تذکرہ کیا ہے، اور ان کے بعض معرکۃ الارا قصائد، رباعیات اور ادبیات کے نمونے بھی درج کئے ہیں[4]

ہمایوں ان شعرا کو اپنی علم پرور صحبتوں میں ہمیشہ شریک رکھتا، اور شعر و شاعری کی مجلسیں برابر گرم رہتیں، ہمایوں کی نکتہ سنجی، دقتِ نظر اور معانی آفرینی کی جلا ان صحبتوں میں خوب ہوئی، جس کے باعث وہ اکثر اساتذہ کے کلام میں بلا تکلف اصلاحیں دیتا تھا، ایک بار ملا حیرتی نے اسکے سامنے یہ شعر پڑھا،

ہمچو پروانہ بشمعے سروکار است مرا پس اگر پیش روم بال و پرم می سوزد

ہمایوں نے دوسرے مصرعہ میں یہ اصلاح دی،

می روم پیش اگر بال و پرم می سوزد

---

[1] اکبر نامہ ص ۲۹۸ [2] بدایونی ص ۴۶۹ جلد اول [3] ایضاً ص ۴۷۱ [4] ملاحظہ ہو منتخب التواریخ ص ۴۶۸ تا ص ۴۹۲

ملا حیرتی اس اصلاح سے بہت محظوظ ہوئے[1]

جاہی یتان نے شاہ محمد خان شاپوردالی کابلی سے ناراض ہوکر اس کی ہجو کہی، ہمایوں کے سامنے وہ ہجو پڑھی گئی:-

شاعر شاہ ہمایونم و خاک در گہ ... می زند کو کبہ شاعریم طعنہ بمہ

خسرو شوم و ابیات خوشم خیل و سپہ ... دیدم از قحبہ زنی ظلم نہ جرم و نہ گنہ

پارہ کاغذ اگر از ہذیان گشتہ سیہ ... سوے ہجوش اگر اندیشہ شود درد برہ

غرض آنست کہ ایں خرصفتان ابلہ ... عزت و حرمت ایں طائفہ دارند نگہ

وائے آنکس کہ بخیل شعرا بستیزد ... ہر کہ با ما بستیزد بہ بلا بستیزد

آخری مصرعہ کو سنکر ہمایوں نے فی البدیہہ کہا کہ اس کو اس طرح پڑھو،

ہر کہ با ما بستیزد بخدا بستیزد[2]

ہمایوں اور علم ہیئت ہمایوں علم ہیئت و نجوم سے خاص شغف رکھتا تھا، اور اس فن میں بہت اچھی استعداد بہم پہنچائی تھی، بدایونی لکھتا ہے،

"در علوم نجوم و ہیئت و سائر علوم غریبہ بے نظیر"[3]

اکبرنامہ میں ہے،

"توجہ اقدس باصطرلاب و کرہ و سائر آلات رصدی درجۂ کمال داشت"[4]

ہمایوں نے ہیئت کا فن علامہ الیاس اردبیلی سے سیکھا تھا، جو ہیئت کے تمام فنون اور رصد بندی میں ماہر تھے، وہ ہمایون کو اس قدر عزیز تھے کہ ان سے کسی حال میں جدا ہونا گوارا نہ کرتا تھا، چنانچہ جب تخت و تاج کھو کر ہندوستان سے دور عراق و ایران میں غریب الوطن پھر رہا تھا تو اس مصیبت

---

[1] مآثر رحیمی ص ۶۱۲ جلد اول [2] منتخب التواریخ بدایونی، جلد اول ص ۴۷۵، [3] ،، ص ۴۶۷ [4] اکبرنامہ صفحہ ۲۲۱،

اور پریشان حالی میں بھی علامۂ موصوف سے ہیئت و نجوم کا درس لیتا تھا، اس سفر میں شیخ ابوالقاسم جرجانی بھی ساتھ تھے، یہ دونوں عالم ہمایوں کو قطب شیرازی کی کتاب درۃ التاج کا سبق دینے میں مشغول رہتے، اکبر نامہ میں ہے:-

"واز ہیں حدود مولانا نورالدین محمد ترخاں رابجہت طلب شیخ ابوالقاسم جرجانی و مولانا الیاس اردبیلی کہ بفضائل صوری و کمالات معنوی آراستگی داشتند فرستادند و در کابل آمدہ بشرف ملازمت مشرف شدند واز آمدن ایں دو عزیز بسیار منبسط و منشرح گشتند و مذاکرہ کتاب درۃ التاج درمیان آوردند[1]"

آوارہ غربت ہونے کے باوجود اس فن سے ہمایوں کی دلچسپی برابر قائم رہی، اور جب کبھی وہ کسی نئے شہر میں داخل ہوتا تھا، ہیئت اور نجوم کے آلات تلاش کرتا تھا، اکبر نامہ میں ایک دلچسپ لطیفہ لکھا ہے کہ جب وہ تبریز پہنچا تو اپنے ملازم بیگ محمد آختہ بیگی کو کہا کہ یہاں کوئی کرہ تلاش کرو، فارسی میں کرہ گھوڑے کے بچھڑے کو کہتے ہیں، خوش فہم نوکر نے آقا کے اس حکم کی تعمیل اس طرح کی کہ چند بچھڑے لیکر خدمت شاہی میں حاضر ہوا، بادشاہ اس غول بیابان کو دیکھکر ہنس پڑا[2]،

ہمایوں کی مہارت فن کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ علما کی طرح ہیئت و ریاضی کا درس دیتا تھا، نورالدین ترخاں نوری سفیددونی نے جو ریاضی، نجوم اور حکمت کے ممتاز عالم تھے، ہمایوں ہی سے درس حاصل کیا تھا، مآثر الامراء میں مولانا مذکور کے حال میں ہے،

"مولانا بفضل وکمال وشجاعت وسخاوت انصاف داشت و بہ ہیئت و ہندسہ و اصطرلاب شوق مند بود . . . . وصحبتش با جنت آشیانی (ہمایوں) کوک گشتہ، واز جملہ ندیمان و مجلس نشینان بزم ہمایونی گردید . . . . گاہے بادشاہ ازو استفادہ علوم می کرد"

---

[1] اکبر نامہ ص ۲۱۲ ج ۱ نولکشور، [2] اکبر نامہ ص ۲۱۳ ج ۱،

دگاہے او از علم ریاضی خصوص اصطرلاب از جناب ہمایونی کہ دریں فن مہارت تام داشت استفاضہ می نمود[1]

بادشاہ نہ صرف خود ان علوم میں مہارت حاصل کرتا رہا، بلکہ ملک کے نجومیوں کی واقفیت میں بھی اضافہ کرنے کی کوشش میں لگا رہا، اس نے کئی جگہ رصد خانے بنانے کا ارادہ کیا اور بہت سے آلاتِ رصد ترتیب دیئے[2] سلطان سلیمان خان کے ترکی امیر البحر کو جو علم ہیئت کا بہت بڑا عالم تھا، کئی مہینے اپنے دربار میں روک رکھا کہ وہ چاند اور سورج کے گرہنوں کا حساب تیار کرے، اور ہندوستان کے نجومیوں کو آفتاب کی گردش اور خط استوار کے نکات کے پڑھنے میں مدد دے، ترکی امیر البحر کئی مہینے کام میں مصروف رہا اور نجومی مشاہدات ختم کئے[3]،

ہمایوں کو اس فن میں اس قدر انہماک تھا کہ اس نے اپنی عزیز جان تک اسی فن کی خدمت میں گنوادی، پرانی دہلی میں قلعہ کے اندر شیر شاہ نے شیر منڈل کے نام سے ایک بہت بلند سہ منزلہ عمارت بنوائی تھی، ہمایوں نے اس عمارت کی برجی کو بلندی کے سبب سے رصد خانہ بنا دیا تھا، ایک شام کو ستارۂ زہرہ کے طلوع ہونے کا گمان کیا جارہا تھا، بادشاہ ریاضی دانوں کی ایک جماعت کیساتھ اسی برجی میں بیٹھ کر مباحث میں مصروف تھا، اور زہرہ کے طلوع کا انتظار کر رہا تھا کہ مغرب کی اذان ہوئی بادشاہ اذان سنکر اٹھنا چاہتا تھا کہ زینہ سے پھسل کر گرا، اور سخت زخمی ہوگیا، اور پھر اس زخم سے جانبر نہ ہو سکا[4]

بادشاہ کو جو نجومیات و فلکیات سے جو انس تھا اس کے اثر سے ملک میں بھی علم ہیئت کا ذوق پیدا ہوا، اور ملک میں عام طور پر آلات فلکی بننے لگے،

---

[1] مآثر الامرا جلد اول ص ۳۵۳ [2] اکبرنامہ ص ۳۶۰ [3] ترجمہ مرآۃ الممالک پروفیسر ویمبری باب ہشتم، بحوالۂ معارف جلد ۲۲ ص ۳۸ [4] اکبرنامہ ص ۳۹۹ ،

کرے اور اصطرلاب جو عموماً مدارس میں آج نظر آتے ہیں، ان کا ابتدائی رواج دینے والا ہمایوں ہی تھا، اس نے خود ایک خاص قسم کا اصطرلاب ایجاد کیا تھا، جو اصطرلاب ہمایونی کے نام سے مشہور ہے، چنانچہ اس عہد کے اکثر اصطرلاب اور کرات اب تک مختلف مقامات میں محفوظ ہیں[1]

ہمایوں کے سپہ سالار خانخاناں نے ایک قصیدہ اس کی مدح میں لکھا ہے، اس میں اصطرلاب سے تشبیب کی ہے، جو ہمایوں کے فلکیاتی ذوق کا بین ثبوت ہے، کہتا ہے،

آں چرخ چیست کا مدہ بر محورش مدار	آں مدرکز میانہ شہابش کند گذار
با آنکہ می کند بہ وخور برابری	آمد بجاں زحلقہ بگوشانِ شہریار
نارد بچشم کوکبۂ آفتاب را	چوں بجۂ لوائے شہنشاہ نامدار
پیوستہ آسمان وزمیں زیر حکم اوست	ہمچو نگین خاتم شاہِ جم اقتدار
برکف نہادہ خواں زری پر ز اشرفی	تا بر قدوم اشرف شاہاں کند نثار
شاہِ بلند قدر ہمایون کہ از شرف	بر در گہش سپہر نہد روئے افتقار[2]

ہمایوں کے تمام خانگی، ملکی اور سیاسی کاموں میں ہیئت اور نجوم کے اصول کا لحاظ رکھا جاتا تھا ہمایوں نامہ میں گلبدن بیگم لکھتی ہے کہ جب ہمایوں کی شادی حمیدہ بانو سے قرار پائی تو ہمایون نے خود اصطرلاب اٹھا کر ستاروں کی گردش معلوم کر کے تاریخ مقرر کی[3] اکبر جب امرکوٹ کے صحرا میں پیدا ہوا تو ہمایون نے دریافت کیا تو پتہ چلا کہ ماہتاب برج اسد میں ثابت ہے، اس نے اسی وقت پیشینگوئی کی کہ اکبر صاحب اقبال اور دراز عمر ہوگا[4] جو مستقبل میں حقیقت ثابت ہوئی،

ہمایوں اپنے فلکیاتی ذوق کے سبب سعد اور نحس کا اس قدر قائل تھا کہ وہ ملک کے تمام کاموں کو اسی اصول کے ذریعہ سے انجام دینے کی کوشش کرتا تھا، جس زمانہ میں کابل کا انتظام اس کے

[1] دیکھو مضمون "لاہور کا ایک فلکی آلات ساز" از مولانا سید سلیمان ندوی، معارف جلد ۱۰ نمبر ۲ ص ۸۸ [2] بدایونی ص ۱۹۲ جلد سوم [3] شرح ہمایوں نامہ از گلبدن بیگم ص ۵۸ لندن، [4] ایضاً ص ۵۸،

سپرد تھا، اس نے ایک روز ان تین آدمیون کے نام فال لئے جو ایک مقررہ دن اس کو راہ میں ملے، ان تین آدمیون کے نام مراد خواجہ، سعادت خواجہ اور دولت خواجہ تھے، ہمایون نے اپنی سلطنت کی اساس انہی نامون پر رکھی، ممالک محروسہ اور ملازمون کو تین حصّون میں تقسیم کیا، دولت، سعادت، مراد، کل سپاہیون کا نام اہل دولت رکھا، کیونکہ انہی کی مساعدت پر دولت و اقبال کا انحصار ہے، حکما، علما، مشائخ اور شعرا کو اہل سعادت کہا، کیونکہ ان کے ذریعہ سے سعادت ابدی حاصل ہوتی ہے، بقیہ لوگون کو اہل مراد سے موسوم کیا۔[1]

اسی فلکیاتی اصول پر ہفتہ کے دنون کو بھی ان جماعتون سے منسوب کیا، روز شنبہ و پنجشنبہ کو اہل سعادت سے متعلق کیا، ان دو دنون میں وہ علم و عبادات کے ناظمون کے ساتھ وقت گذارتا تھا، اہل سعادت کیساتھ ان دنون کے مخصوص کرنے کی یہ وجہ تھی کہ شنبہ زحل کے ساتھ منسوب ہے اور زحل مشائخ کا قدیم مربی سمجھا جاتا ہے، پنجشنبہ مشتری سے متعلق ہے، وہ علمار کا ستارہ ہے، یکشنبہ و سہ شنبہ اہل دولت سے متعلق تھے، ان دنوں میں امور سلطنت انجام پاتے تھے، یہ دن اس لئے مقرر کئے گئے تھے کہ یکشنبہ آفتاب سے متعلق ہے، اس کی تربیت کے پرتو سے سلطنت و فرمانروائی ہوتی ہے، سہ شنبہ متعلق ہے مریخ سے اور مریخ سپاہی کا مربی ہے، ہمایون نے جمعہ کا مبارک دن اپنے لئے مخصوص کر رکھا تھا، بقیہ دو دن اہل مراد کے لئے وقف تھے۔[2]

ہمایون نے دو خرگاہ بنائے تھے جن کی ساخت خالص ہیئت کے اصول پر مشتمل تھی، ایک خرگاہ کو آسمان کے برجون کی طرح بارہ حصون مین تقسیم کیا تھا، اور ہر برج میں ایک پنجرہ آویزان تھا، جس کے سوراخون سے کواکب دولت کے انوار چمکتے تھے، دوسرا خرگاہ یونانی ہیئت کے نو ون آسمانون کی پوری نقل تھی، ہر آسمان میں جو ستارے ہیں ان کے نمونے اس میں بنے تھے۔[3]

---

[1] ہمایون نامہ، الیٹ جلد پنجم صفحہ ۱۲۰۔ [2] ۱۱۹ [3] ایضاً

ہمایوں کی سب سے دلچسپ نجومی اختراع بساط نشاط تھی[۱]، اس بساط میں فلکی دوائر و کرات عناصر بنائے تھے، پہلا دائرہ جو فلک اطلس سے منسوب تھا، سفید تھا، دوسرا کبود، تیسرا زحل کی مناسبت سے سیاہ، چوتھا مشتری کے لحاظ سے صندلی، پانچواں مریخ کے تعلق سے سرخ، چھٹا نیر اعظم یعنی آفتاب کی مناسبت سے زریں، ساتواں زہرہ کے سبب سے سبز، آٹھواں عطارد کے لحاظ سے سوسنی، نواں ماہتاب کے تعلق سے سفید، ماہتاب کے دائرہ کے بعد آگ اور ہوا کے کرے بالترتیب بنے ہوئے تھے، اس کے بعد کرۂ خاک و آب تھا، کرۂ خاک میں ساتوں اقلیموں کے نقشے بنے ہوئے تھے، ہر دائرہ مختلف قسم کی جماعت کیلئے مخصوص تھا، مثلاً امراء ہندی کو دائرہ زحل میں اور سادات و علما کو دائرہ مشتری میں بیٹھنے کا حکم تھا، ہمایوں نے اپنی ذات کے لئے دائرہ زریں اختیار کیا تھا، اسی طرح نجوم کے قاعدہ سے ہر روز کے ستارہ کا جو رنگ ہوتا اس دن وہی رنگ پورے دربار کا ہوتا تھا، مثلاً یکشنبہ کو آفتاب کے رنگ کے لحاظ سے زرد لباس اور دوشنبہ کو ماہتاب کے رنگ کی مناسبت سے سبز لباس پہنا جاتا،

ہمایوں اور علم ریاضی نجوم و ہیئت کے لئے علم ریاضی ایک لازمی چیز ہے، اسلئے ہمایوں اس علم میں بھی بڑی اچھی استعداد رکھتا تھا، اس عہد کے تمام ممتاز ریاضی داں اس کے حضور میں حاضر رہتے، اکبر نامہ میں ہے،

"در اقسام خاصہ ریاضی در زمان خود نظیر و سہیم نداشتند"[۲]

ایک دوسری جگہ ہے:-

"در اقسام علوم ریاضی آنحضرت را پایہ بلند بود و ہموارہ باریاب حکمت صحبت می داشتند و ممتازان علم ریاضی در پایہ سریر والا کامیاب سعادت بودند"[۳]

فرشتہ لکھتا ہے:-

"در علم ریاضی علم مہارت می افراشت، مدار صحبتش با علماء و فضلا بودہ، ہمہ وقت در مجلس او مسائل علمی

---

[۱] ہمایوں نامہ ایلیٹ جلد پنجم ص ۱۱۹ [۲] اکبر نامہ ص ۳۶۵ ، [۳] ایضاً ص ۱۰۱،

مذکور ہی شد [۱]

ہمایوں اور کتب خانہ کا ذوق

ظاہر ہے کہ ہمایون نے اپنے علمی ذوق کے سبب کتابوں کا ذخیرہ جمع کیا ہوگا، چنانچہ جب وہ ہندوستان کے تخت و تاج کا از سرِ نو مالک ہوا، اور اس کو کچھ اطمینان نصیب ہوا تو دہلی کے شیر شاہی قلعہ میں شیر منڈل کے نام سے جو سہ منزلہ عمارت بنی ہوئی تھی، اس کی تیسری منزل پر اس نے اپنا کتب خانہ قائم کیا، یہ اپنی بلندی کے سبب سے کسی قدر رصد خانہ کا کام بھی دیتی تھی، یہاں بیٹھکر اہل علم سے اکثر علمی مباحثہ کرتا تھا، شاہی کتب خانہ کا مہتم نظام المعروف بہ بازبہادر تھا، [۲]

کتابوں سے ہمایوں کا شوق اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ میدان جنگ میں بھی ایک چھوٹا سا کتب خانہ اپنے ساتھ رکھتا، چنانچہ جب وہ کیمپے کا محاصرہ کر رہا تھا تو اس کے ساتھ منجملہ اور کتابوں کے تاریخ تیمور لنگ کا وہ نسخہ بھی تھا جس کو بہزاد نے اپنے کمال فن سے مصور کیا تھا، اس محاصرہ میں ایک جنگلی قبیلہ نے شاہی خیمہ پر شبخون مارا تو لوٹ کے مال میں یہ نادر نسخہ بھی جاتا رہا، لیکن پھر بعد ہی یہ واپس مل گیا، [۳]

جب ہمایوں آوارۂ غربت عراق، ایران اور افغانستان میں پھر رہا تھا تو اس وقت بھی چیدہ چیدہ کتابیں اس کے ساتھ تھیں اور اس کے کتب خانہ کا مہتم اس کے ہمرکاب تھا، [۴]

ہمایوں اور تعلیمی ادارے

ہمایوں کا زمانۂ حکومت زیادہ تر طوائف الملوکی اور پریشان حالی میں گذرا، اس لئے اس کو عام طور تعلیمی مدارس اور ادارے قائم کرنے کا موقع نہیں ملا، پھر بھی دہلی میں اس نے ایک مدرسہ قائم کیا جس کے ایک مدرس شیخ حسین تھے [۵]، پھر اسی عہد میں شیخ زین الدین خوانی نے جو نظم و نثر کے بہت بڑے عالم تھے، آگرہ میں اپنا ذاتی مدرسہ قائم کیا، [۶]

---

[۱] فرشتہ جلد اوّل مقالہ دوم ص ۲۴۳، [۲] تزک جہانگیری [۳] تذکرۃ السلاطین بحوالہ پروموشن آف محمڈن لرننگ مصنفہ نریندر ناتھ لا ص ۱۳۲، [۴] اکبرنامہ دفتر اوّل [۵] آئین اکبری، [۶] منتخب التواریخ بدایونی ص ۴۷۱،

شمس معنوی

یعنی

دیوان شمس تبریز اور مولینا روم

از جناب غلام دستگیر صاحب رشید ایم اے استاذ فارسی نظام کالج حیدرآباد دکن

(۳)

مدینۃ العلوم ازنیقی قبل ۸۹۲ھ، ازنیقی رومی[1] مدینۃ العلوم میں زیر عنوان "مولینا رومی[2]" رقمطراز ہے:-

"علماے حنفیہ سے شیخ جلال الدین قونوی بھی ہیں، اون کا نسب محمد بن محمد بن حسین بن احمد کے سلسلہ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ تک پہنچتا ہے، مذہب کے ماہر اور فقہ پر وسیع نظر رکھتے تھے، انھیں خلافیات اور دیگر مختلف علوم میں تبحر حاصل تھا، ...... پھر انقطاع تعلق اور تجرد اختیار فرمایا، تصنیف اور دیگر مشاغل ترک کر دیئے، باعث اس کا یہ ہوا، کہ وہ ایک دن گھر پر بیٹھے ہوئے تھے، ان کے اطراف کتب اور طلبہ کا حلقہ تھا، کہ حضرت شیخ شمس تبریزی تشریف فرما ہوئے، سلام کے بعد بیٹھ گئے، شیخ (رومیؒ) سے ان کی کتابوں اور شغل کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ یہ کیا ہے، ؟ مولانا جلال الدین نے جواب دیا کہ آپ ان چیزوں کو نہیں جانتے، مولانا رومی ابھی یہ الفاظ پورے بھی نہ کرنے پائے تھے، کہ

---

[1] ازنیقی خود رومی ہے، اور محمود بن محمد بن قاضی زادہ رومی کا شاگرد (وفات ۸۴۲ھ) [2] قلمی صفحہ ۲۰۰، کتبخانہ حکیم عبدالحسیب صاحب دریابادی، توسط مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی مدیر صدق، ہم اس نمبر کا نہ عنایت کے لئے ان ہر دو حضرات کے ممنون ہیں،

گھر اور کتابوں میں آگ لگ گئی، مولانا جلال الدین رومی نے شیخ تبریزی سے استفسار فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ حضرت نے فرمایا تم اُسے نہیں سمجھ سکتے، پھر وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور وہاں سے روانہ ہوگئے، پھر تو شیخ جلال الدین نے بھی تجرید کی راہ اختیار کی، اور اولاد، حشم و خدم اور مدرسے سے قطع تعلق کر لیا، مختلف شہروں کی سیاحت فرماتے، اور بہ کثرت اشعار کہتے؛

ملاقات اور اس کی تفصیل کے متعلق ارتیقی کی روایت مشکوک ہے، کیونکہ اس بارے میں مختلف روایتیں ہیں، البتہ آخری جملہ اہم ہے، کیونکہ دیگر معتبر روایات سے اس کی مطابقت ہوتی ہے، اور یہی ہمارے موضوع سے متعلق ہے، سبب یہ ہے کہ مولانا حضرت شمس کی جدائی سے نہایت مضطرب الحال تھے، اور کثرت سے اس حال میں اشعار لکھے ہیں، جو درد فراق و جوشِ اضطراب کے ترجمان ہیں، اور دیوان میں اکثر پائے جاتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کلام مولینا کا ہے، مثلاً

ہجر شمس میں مولانا کی آنکھ خونریز ہو گئی ہے؛

نہ چشم مرا حاصل شدہ آئینِ خونریزی، ز ہجرانِ خداوندی شمس الدین تبریزی

مولانا شب و روز شمس ہی کی جستجو میں بے قرار رہتے ہیں،

اندر طلب تو شمس تبریز، تا کشتہ شود ہمہ معانی،

اپنے خونِ جگر کو صورتِ شعر میں ظاہر کرتے تھے،

خون ہیو شد مش از شعر رنگے می دہم تا ز خون آلودہ گردد جامہ خون آلا شئے

الجواہر المضیہ ابن عبدالقادر قبل ۷۷۵ھ مدینۃ العلوم کی شہادت کا ماخذ ایک اور مشہور عربی تذکرہ الجواہر المضیہ[1] فی طبقات الحنفیہ ہے، اس کا مؤلف مولانا کا قریب العہد تذکرہ نویس ہے، کچھ حصہ حذف کر کے تقریباً لفظاً لفظاً اس

---

[1] الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ جزء ثانی ص ۱۲۳، ۱۲۴، ۵-۱۱، تالیف شیخ الامام محدث محی الدین ابی محمد عبد القادر

تذکرہ سے یہ بیان اخذ کیا گیا ہے، ملاحظہ ہو اس میں بہ عنوان رومی یہ عبارت درج ہے

كان عالماً بالمذهب واسع الفقه	مذہب کے ماہر اور فقہ پر وسیع نظر رکھتے
عالماً بالخلاف وبانواع من العلوم	تھے، انھیں خلافیات اور دیگر مختلف علوم
......مات في خامس جمادى الآخرة	میں تبحر حاصل تھا......۶۷۲ھ میں واصل
سنة اثنتين وسبعين وست مائة	بحق ہوئے، انھوں نے انقطاع تعلق، یکسوئی
ثم ان الشيخ جلال الدين انقطع	اور تجرد اختیار فرمایا، تصنیف اور دیگر
وتجرد وهام وترك الدنيا والتصنيف	مشاغل ترک کر دئیے، باعث اس کا یہ ہوا
والاشتغال وسبب ذلك انه كان	کہ وہ ایک دن گھر پر بیٹھے ہوئے تھے، ان
يوماً جالساً في بيته، وحوله الكتب	کے اطراف میں کتب اور طلبہ کا حلقہ تھا،
والطلبة. فدخل عليه الشيخ شمس الدين	حضرت شیخ شمس تبریزی تشریف فرما
التبريزي الامام الصالح المشهور	ہوئے، سلام کے بعد بیٹھ گئے، شیخ (رومی) سے
فسلم وجلس وقال للشيخ ما هذا	سے ان کی کتابوں اور شغل کی طرف
واشار الى الكتب والحالة التي	اشارہ کر کے پوچھا کہ یہ کیا ہے ؟ مولانا
هو عليها فقال له، مولانا جلال	جلال الدین نے جواب دیا، کہ آپ ان
الدين. هذا لا تعرفه. فما فرغ	چیزوں کو نہیں جانتے، مولینائے رومی
الشيخ جلال الدين من هذا	ابھی یہ الفاظ پورے بھی نہ کرنے پائے تھے
اللفظ الا والنار عمالة في البيت	کہ گھر اور کتابوں میں آگ لگ گئی، مولانا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۰) ابن ابی الوفا محمد قرشی حنفی مصری (ولادت ۶۹۶ھ وفات ۷۷۵ھ) یہ مولانا کے قریب العہد تذکرہ نویس ہیں، کیونکہ مولانا کا وصال ۶۷۲ھ میں ہوا، مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن،

والکتب فقال مولانا جلال الدین	جلال الدین نے شیخ تبریزی سے استفسار
للتبریزی ماھذا فقال له التبریزی	فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ حضرت نے فرمایا تم اسے
ھذا لا تعرفه ثم قام وخرج من	نہیں سمجھ سکتے، پھر وہ اٹھ کھڑے ہوئے، اور
عنده فخرج الشیخ جلال الدین	وہان سے روانہ ہو گئے، پھر تو شیخ جلال الدین
علی قدم التجرید وترك اولاده	نے بھی تجرید کی راہ اختیار کی اور اولاد،
وحشمه ومدرسته وساح	خشم وخدم اور مدرسہ سے قطع تعلق کر لیا،
فی البلاد و ذکر اشعار کثیرة،	مختلف شہرون کی سیاحت فرماتے، اور کثرت

یہان بھی قابلِ توجہ یہی امر ہے، کہ مولینا شمس الدین کی جدائی کے بعد بے انتہا مضطرب ہوئے، اور اس مضطربانہ حال میں کثرت سے اشعار فرماتے رہے، (وذکر اشعار کثیرة) دیوان شمس تبریز مین کثرت سے ایسے اشعار ملتے ہین، جس مین "دیوانۂ روئے شمس" نے شمس کی جدائی اور فراق کے صدمہ کا طرح طرح سے ذکر کیا ہے، یہ کھلی دلیل ہے کہ یہ اشعار یا یہ مجموعۂ کلام شمس کا نہیں، بلکہ شمس کے واحد معلوم ومشہور عاشق مولینا کا ہے، چنانچہ اشعار ملاحظہ ہون، تاکہ واقعاتِ حیات سے انکی مطابقت ہو جائے،

جانِ ما را باز بین اے خواجہ ما شمس دین زان کہ ما ہیتیم و عالم جملگی در کار مست

حضرت شمس کی واپسی کے خیال پر سرور کا اظہار فرماتے ہین:-

چو باز آید بسوئے من ز تبریز، ازان حضرت رخش چو ماہتاب است

اس سلسلے میں ساقی سے مخاطب ہو کر فرماتے ہین:-

مکن تاخیر از بہر (کبابے) شرابے[1]، کہ دلہا در فراق او کباب است

بعض تذکرے ایسے ہین کہ ان میں کوئی واضح بیان تو موجود نہیں، لیکن صرف بطور نمو

---

[1] غالباً شرابے ہو گا،

بعض اشعار درج ہیں،

مولینا کے حالات میں لکھا ہے کہ جب سلطان العلما بہاء الدین وطن چھوڑ کر جانے لگے، تو دوران سفر میں حضرت شیخ عطار سے ملاقات ہوئی، مولینا کم عمر تھے لیکن شیخ عطار نے اپنی کتاب "اسرار نامہ" تحفہ دی، اور مولینا سے فرمایا:-

روز[1] باشد کہ این پسر آتش در سوختان عالم برزند"

مولانا نے سنائی اور عطار سے معنوی اور ادبی فیض پایا جس کا مختلف مقامات میں ذکر فرماتے ہیں، مثلاً:- ؎

عطار روح بود و سنائی دو چشم او　　　ما از پئے سنائی و عطار آمدیم،

مولوی محمد قیام الدین عرف قاضی خان اپنے تذکرہ حقائق[2] الاولیا (۱۱۵۴ھ) میں مولینا پر حضرت عطار کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں:-

"این روایت از کلام فصاحت انجام ایشان ظاہر می گردد کہ فرمودہ اند" بیت،

گر عطار گشت مولینا　　　شربت از دست شمس بود ش نوش

(دیوان شمس تبریز نولکشور، ردیف ش)

اس سلسلہ میں دوسرا تذکرہ ہفت[3] اقلیم (۱۰۰۲ھ) ہے جس کے مؤلف امین احمد رازی ہیں بعنوان "ذکر مولینا" انھوں نے مندرجہ ذیل تمہید کیساتھ اشعار درج کئے ہیں،

"بیتے چند جہت انبساط خاطر افسردہ دلان واندمال جراحت خستگان آوردہ شد"،

تذکرہ	دیوان
اے شاہ جسم و جان ماخندہ کن دندان ما	اے شاہ جسم و جانِ ماخندہ کن دندانِ ما

[1] تذکرہ دولت شاہ سمرقندی ص قلمی نسخہ ۱۱۵۴ھ کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن [2] ہفت اقلیم و اقلیم چہارم قلمی کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن سنہ تصنیف ۱۰۰۲ھ ص ۲۳۴،

سرمہ کش چشمانِ ما اے چشمہارا توتیا	سرمہ کش چشمانِ ما اے چشمہارا توتیا
ما گوئی سرگردانِ تو اندر خمِ چوگانِ تو	ما گوئی سرگردانِ تو اندر خمِ چوگانِ تو
گو خوانیش سوے طرب گر رانیش سوے بلا	گر خوانیش سوے طرب گر رانیش سوے بلا
زیاکہ عشق نداری ترا رواست بخسپ	ترا کہ عشق نداری ترا رواست بخسپ
بروکہ عشق وغم او نصیب ماست بخسپ	بروکہ عشق وغم او نصیب ماست بخسپ
نماے ارخ کہ باغ وگلستانم آرزوست	بنماے رُخ کہ باغ وگلستانم آرزوست
تا نقش خیال دوست باماست،	گر نقش خیال دوست باماست،
مارا ہمہ عمر خود تماشا نست،	مارا ہمہ عمر خود تماشا نست،

ان کے علاوہ اور بھی اشعار ہیں، لیکن دیوان کے موجودہ نسخوں میں نہیں پائے جاتے، جیسا کہ اوپر ظاہر کیا گیا ہو تذکرہ کے یہ اشعار مولانائے روم کے "دیوان شمس" میں پائے جاتے ہیں، ان سے ثابت ہوتا ہو کہ دیوان شمس تبریز مولانا کے کلام کا مجموعہ ہو،

مرأۃ الخیال (۱۱۰۲ھ) سے ہمارے دعوے کی حقیقت بالکل آئینہ بن جاتی ہے، اسکے مؤلف تذکرہ شیر خان لودھی میں "عنوان رومی" کے تحت لکھتے ہیں :-

"من اشعارہ اللطیفۃ الفارسیۃ

تذکرہ	دیوان
اے شاہ جسم وجانِ ما خنداں کن دندانِ ما	سرمہ کش چشمانِ ما اے چشم جان را توتیا
	اے شاہ جسم وجانِ ما خنداں کن دندانِ ما
	سرمہ کش چشمانِ ما اے چشم جان را توتیا
ما گوئی سرگردانِ تو اندر خمِ چوگانِ تو	ما گوئی سرگردانِ تو اندر خمِ چوگانِ تو

گہ خوانیش سوے طرب گہ رانیش سوے بلا
گہ جانب خوابش کشی گہ سوے آسایش کشی
گہ جانب شہر بقا گہ جانب دشت فنا

(تذکرہ مراۃ الخیال)

گہ خوانیش سوے طرب گہ رانیش سوے بلا
گہ جانب خوابش کشی گہ سوی آسایش کشی
گہ جانب شہر بقا گہ جانب دشت فنا

(دیوان شمس تبریزی لکھنو)

بعض اشعار ایسے ہیں جنھیں مختلف تذکرہ نویسون نے اپنے اپنے تذکروں میں درج کیا ہے، یہ غزل بھی انکی ایک مثال ہے، ہفت اقلیم میں بھی یہ اشعار ہیں، اگرچہ مختلف اصحاب نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق اشعار انتخاب کئے ہیں، یہ بھی ایک دلیل ہے، جو ہمارے اس دعوی کو ثابت کرتی ہے، کہ "دیوان شمس تبریز" درحقیقت مولینا ہی کے مجموعۂ کلام کا نام ہے،

ابتک ہم نے جو بحث اوپر کی، وہ دو طرح کی تھی، ایک تو یہ کہ اولیائے کرام اور شعراء کے تذکرہ نویسون کے واضح اور صاف بیانات کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ دیوان شمس تبریز مولینا ہی کے کلام کا مجموعہ ہے، دوسری یہ کہ بعض تذکرون میں اسکی وضاحت تو نہیں لیکن انھون نے عنوان رومی اور ذکر رومی کے تحت مثالاً چند شعر لکھدئے ہیں، جنھے یہ اشعار دواوین سے منتخب کرکے بالمقابل درج کردئے، یہ بھی ہمارے دعوی کی ایک خاص دلیل تھی، لیکن یہ شعراء اور اولیا کے عام تذکرے تھے، اب ہم مولینا روم کے خاص حالات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو انہی کے وابستگان دامن سعادت نے لکھے ہیں، انمیں کہیں اس نوعیت کا بیان تو نہیں ہے کہ مولینا نے اشعار حضرت شمس کے نام سے لکھے ہیں، کیونکہ یہ دراصل واقعہ ہی نہ تھا، مولینا شمس کے نام سے نہیں لکھتے تھے، بلکہ حضرت شمس کا ذکر مختلف طریقون سے کرتے تھے، اور انکے اسرار کی ترجمانی فرماتے تھے، اسکے علاوہ دیگر شعراء کی طرح غزل میں اپنا تخلص لکھنے کا کوئی خیال تھا نہ اہتمام، صرف انہی اسباب سے یہ کلام بعد میں حضرت شمس کی طرف منسوب ہو گیا اور دیوان جو بعد کو مرتب ہوا، اور مدت دراز کے بعد طبع ہوا دیوان شمس تبریز کے نام سے شائع ہوا، اور غلط فہمی بھی عام ہوئی، البتہ ان تذکرہ نویسون نے مولینا کی غزل گوئی کا تذکرہ خصوصیت سے کیا ہے اور کثرت سے

اپنے تذکرہ میں مولانا کی مثنوی اور غزلیات کے اشعار درج کئے ہین ہم آگے چل کر ہم ان اہم تذکرون کے اشعار ذیل میں درج کرین گے، اور انکے مقابل دیوان کے اشعار لکھدین گے جس سے صاف ظاہر ہو جائے گا کہ دیوان شمس تبریز مولینائے روم کے اشعار ہی کا مجموعہ ہے،

دو خاص دلائل، ہمنے ابھی بیان کیا کہ اس بحث کے متعلق ان تذکروں میں کوئی واضح بیان نہیں، ان اہل صحبت تذکرہ نویسون کا اس مسئلہ میں خاموش ہونا ہی اس دعوی کی ایک ضمنی شہادت ہے کہ اس عہد میں یہ خطرہ بھی محسوس نہ ہوا تھا کہ کبھی یہ کلام حضرت شمس کا سمجھا جائیگا، کیونکہ وہ صاف دیکھتے تھے کہ اسمیں تو حضرت شمس کی مدح اور انکا مخلصانہ تذکرہ ہے اگر ایسا ہوتا تو وہ ضرور تشریح کرتے کہ یہ دیوان شمس کا نہیں بلکہ مولینا کا ہے، وہ مولینا کے دیوان کو مولینا ہی کا سمجھتے رہے، اور کوئی دوسرا وہم انکے سامنے نہ تھا،

دوسرا پہلو خاص توجہ کا مستحق ہے وہ یہ ہے کہ افلاکی سپہ سالار اور سلطان[1] ولد وغیرہ نے اپنے اپنے تذکرون اور کتابون میں مولینائے روم اور ان سے متعلق بزرگان دین کے احوال تفصیل سے لکھے ہین ان لوگون نے نہ صرف انکے حالات بلکہ مناقب ومدارج بھی بیان کئے ہین،

انہیں جو شعرا تھے انکے مشغلۂ شعر کا ذکر کیا ہے چنانچہ مولینائے روم اور سلطان ولد کے حال میں انکی شاعری کا تفصیلی ذکر ہے ان کے ہر قسم کے اشعار موقع بہ موقع درج کئے ہین اسی طرح شمس کا بھی حال لکھا ہے اور ایک مستقل باب باندھا ہے[1] لیکن عجیب بات یہ ہے کہ ان مین سے کسی نے حضرت شمس کی شاعری کا ذکر تک نہین کیا، حالانکہ تذکرہ نویسون میں سلطان ولد اور سپہ سالار بھی ہیں جو حضرت شمس کے دیکھنے والے انکے حالات سے واقف اور انکے معتقد اور کمالات کے معترف ہیں اگر حضرت شمس شاعر ہوتے تو وہ ضرور اسکا تذکرہ کرتے اور جیسے اونھون نے دوسروں کے حالات میں کیا ہے انکے اشعار درج کرتے یہ ممکن نہیں کہ شمس اسقدر پر گو شاعر ہون جیسے دیوان سے ظاہر ہوتا ہے اور خاص معتقد تذکرہ نویس اسکا ذکر تک نہ کرین، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت شمس شاعر ہی نہ تھے اور انکا کوئی کلام نہ تھا، جو کلام ان کی طرف منسوب ہوگیا ہے وہ مولینائے روم ہی کا ہے کیونکہ انکے اشعار مختلف طور پر تذکرون مین ہین، جو دیوان شمس تبریز میں بھی ملتے ہین،

[1] مناقب العارفین، ۲ سپہ سالار ذکر خلفا حضرت شمس،

مناقب العارفین کی شہادت، اس سلسلہ کو ہم مناقب العارفین (۷۱۰ھ)[1] سے شروع کرتے ہیں، اسکے مصنف شمس الدین افلاکی ہیں، جو دو واسطون سے مولانا کے سلسلہ میں شامل ہوتے ہیں، یعنی یہ چلپی عارف کے مرید اور مولانائے روم کے دیکھنے والے اور صحبت یافتہ ہیں، سنہ تالیف ۷۱۰ھ ہے، افلاکی نے اس تذکرہ میں مختلف مواقع پر مولینا کے اشعار لکھے ہیں، بعض مقامات پر اسکی صراحت ہے، اور بعض مقامات پر اشعار کی تصریح درج ہے، اشعار مثنوی کے بھی ہیں، اور غزلیات کے بھی، مثلاً مثنوی کے اشعار یہ ہیں،

از خدا خواہیم توفیق ادب، بے ادب محروم گشت از فضل رب
بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد، بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد،

لکھتے ہیں، ۔

"روزے در معنی این بیت معرفت می فرمود"

چون چنین خواہد خدا خواہد چنین، می دہد حق آرزوے متقین،
ہمنشین مقبلان چون کیمیاست، چون نظر شان کیمیائی خود کجاست
آن دلے کز آسمانہا برتر است، آن دلے ابدال یا پیغمبر است،
مسجدے کان در درون اولیاست، سجدہ گاہ جملہ است آنجا خداست
دست را مسپار جز در دست پیر، حق شدست آن دست او را سخت گیر
ہر کہ اندر عشق یابد زندگی، کفر باشد پیش او جز بندگی،
گر نہ بودی نوح را از حق یدی، او جہانے را چرا برہم زدی،
معنی قرآن ز قرآن پرس بس، وز کسی کاتش زدست اندر ہوس
گرچہ قرآن از لب پیغمبر است، ہر کہ گوید حق نہ گفت او کافر است

[1] مناقب العارفین سنہ تالیف ۷۱۰ھ،

خاصۂ آن آواز از خود شہ بود، گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود،

نے حدیث راہ پر خون می کند قصہ ہاے درد مجنوں می کند،

باکہ گویم چون ندارد گوش جان بہر گوش است اے امیر این خوش بیان

من شدم عریان ز من او از خیال می خرامم در نہایات الوصال

ہر کہ اندر وجہ او باشد فنا کل شیء ہالک نبود جزا،

(ص ۳۰۲)

اسی طرح مختلف مقامات پر غزلیات کے اشعار بھی لکھے ہیں، ذیل میں ایک طرف یہ اشعار مع تصریح محل بیان، تذکرہ سے درج کئے جاتے ہیں، اس کے مقابل دیوان سے اشعار لکھے جاتے ہیں جس سے صاف طور پر اس امر کی شہادت ملجائے گی، کہ دیوان شمس تبریز مولینا کا کلام ہے، نسخون[1] کے اختلاف کو بھی نمایاں کر دیا گیا ہے،

مناقب العارفین[2]	دیوان شمس تبریز
جزو در وشیند جملہ نیک و بد،	جزو در وشیند جملہ نیک و بد،
(م ۱۱۱) ہر کہ نبود او چنین درویش نیست،	گر نباشد این چنین درویش نیست،
	(کلیات شمس تبریز مطبع نولکشور ص ۱۵۹)
م ہیچ می دانی چہ می گوید رباب،	ہیچ می دانی چہ می گوید رباب،
(م ق ۱۱۱) زاشک چشم و در جگر ہاے کباب،	زاشک چشم وز جگر ہاے کباب،
	(دیوان شمس تبریز مطبوعہ لکھنؤ ص ۴)

[1] ن سے مراد نسخون کا اختلاف ہے، بعض جگہ یہ اختلاف نسخون کا نہیں، بلکہ کتابت اور خرابی طباعت سے پیدا ہو گیا ہے، [2] تذکرہ مناقب کے بھی کئی نسخے میرے پیش نظر ہے، اور یہ سب کتبخانہ آصفیہ کے ہیں،

صاحبِ مناقب[۱] لکھتے ہیں کہ مجلسِ سماع میں مولینا نے یہ غزل پڑھی،

مرا اگر تو ندانی بہ پرس از شبہا — چو عشق را تو ندانی بہ پرس از شبہا

(ق م ص۱۲۱) بپرس از رخِ زرد وز خشکیٔ لبہا — بپرس از رخِ زرد وز خشکیٔ لبہا (ک ص۸۰)

ایک رات مولینا نے شیخ بدر الدین تبریزی کیمیا ساز کو ہدایت فرمائی کہ کوشش کرو کہ وجود کا تانبا سونا ہو جائے، بلکہ گوہر اور وہ بھی باعظمت؛ پھر یہ شعر پڑھا،

عیسی مست را زر کند ور زر بود گوہر کند — عیسی مست را زر کند ور زر بود گوہر کند

گوہر بود بہتر کند بہتر ز ماہ و مشتری — گوہر بود بہتر کند بہتر ز ماہ و مشتری

(م ق ص ۱۳۰) — (ک ۸۶۸)

بزیر عشق مرا گفت من ہمہ نازم، — بزیر عشق مرا گفت من ہمہ نازم

ہمہ نیاز شو آن لحظہ کہ ناز کنم، — ہمہ نیاز شو آن لحظہ کہ ناز کنم،

چون ناز را بگذاری ہمہ نیاز شوی — چون ناز را بگذاری ہمہ نیاز شوی

من از برائے تو خود را ہمہ نیاز کنم — من از برائے تو خود را ہمہ نیاز کنم

(م ص ۱۲۱) — (ک ۵۷۰)

(بقیہ حاشیہ ص۲۰۸) ایک قلمی نسخہ ہے، ایک اردو ترجمۂ مناقب بھی ہے، ایک آگرہ کا مطبوعہ فارسی نسخہ ہے، میں نے اشعار زیادہ تر اسی آخری فارسی نسخے سے منتخب کئے ہیں لیکن ابتدا میں چند اشعار قلمی نسخہ اور ترجمہ سے بھی لئے گئے ہیں، چونکہ اشعار کے متعلق ماخذ کا حوالہ دینا ضروری ہے اسلئے ہر جگہ نام کا تفصیلی اندراج طولِ عمل ہے، اس وجہ سے میں نے خاص نشانات سے کام لیا ہے جسے یہاں درج کئے دیتا ہوں، "ق م" سے مراد قلمی نسخۂ مناقب ہے، اور صرف "م" سے مراد مناقب فارسی مطبوعہ نسخہ آگرہ ہے سنہ طباعت ۱۸۹۷ء اسی طرح مقابل میں "د" سے مراد دیوان شمس تبریز مطبوعہ لکھنؤ ہے، اور "ک" سے مراد کلیات شمس تبریز نسخۂ مطبوعہ منشی نولکشور ہے، "ص" سے مراد صفحہ ہے، انکے علاوہ اور نسخوں سے اشعار لئے گئے ہیں، تو ان کا تفصیلی حال درج کر دیا جائے گا،

[۱] اشعار کے محلِ وقوع کے متعلق سارے تشریحات مناقب ہی سے لئے گئے ہیں،

ما قصر چار طاق درین عرصۂ فنا،	ما قصر چار طاق دریں عرصۂ فنا،
چون عاد چون ثمود مقرس نمی کنم،	چون عاد چون ثمود مقرس نمی کنم،
جز صدر و قصر عشق دران ساحت علوّ	جز صدر و قصر عشق دران ساحت علوّ
چون نوح چون خلیل موسس نمی کنم	چون نوح چون خلیل موسس نمیکنم
(م ص ۱۴۳)	(ک ۵۶۶)

ایک خادم نے عرض کی کہ عجیب بات ہے کہ اس روز آپ باجو خان کے لشکر سے نہیں ڈرے فرمایا خداوندگار ما رسول اللہ علیہ وسلم پہلوان عظیم بودہ است .... پھر یہ قصیدہ پڑھا،

مناقب العارفین	دیوان شمس تبریز
من این ایوان نہ تو را نمیدا نم،	من آن افلاک نہ تو را نمیدانم
من این نقاش جا دورانمیدانم،	من این نقاش جا دورانمیدانم
بدستم بر بقا آمد ازان خان ہمہ خانان	بدستم بر بقا آمد ازان خان ہمہ خانان
من این ماجوّد با تورانمیدانم	کہ من خود خان بجزا درانمیدانم
(م ص ۱۵۶)	(د ص ۱۳۲، ۱۳۳)

اہم روایت، "اصحاب عظام روایت کردند کہ ملک شمس الدین ملک ملک شیراز بود در تقدیر بخدمت اعذب الکلام شیخ سعدی علیہ الرحمۃ والغفران اصدار کردہ استدعا نمودہ کہ غزلے غریب کہ محتوی بر معانی عجیب باشد، ازان ہر یک کہ باشد بفرستی تا غذاے جان خود سازم شیخ سعدیؒ غزل نو ازان حضرت مولینا کہ دران ایام بشیراز بردہ بودند و خلق بکلی ربودۂ آن شدہ بنوشت و ارسال کرد، و آن غزل اینست"،

ہر نفس آواز عشق میرسد از چپ و راست	ہر نفس آواز عشق می رسد از چپ و راست

مابفلک می رویم عزم تماشا کراست	مابفلک می رویم عزم تماشا کراست
مابفلک بوده ایم یار ملک بوده ایم	مابفلک بوده ایم یار ملک بوده ایم
باز همانجا رویم کہ آن شہر ماست	باز همانجا رویم کہ آن شہر ماست
ماز فلک برتریم وز ملک افزون تریم	خود زفلک برتریم وزملک افزون تریم
زین دو چرا نہ گذریم منزلِ ما کبریاست	زین دو چرا نہ گذریم منزلِ ما کبریاست
(الی آخرہ ص ۱۵۰-۱۵۱)	(دیوان ص ۹۳ مطبوعہ ۱۳۲۶ھ)

"شبے بہ فخر النسا (ان کا ارادہ حج کا تھا) فرمود کہ باین نگاہ کن کہ مقصود حاصل شدہ است....

می بیند کہ کعبۂ معظم بر بالائے مولانا طواف می کند.... فخر النسا شہقہ بزد و چون بہوش آمد....

ہمانا حضرت مولانا این غزل را از سرِ نو آغاز فرمود"

کعبہ طواف می کند بر سرِ کوئے یک بتے	کعبہ طواف می کند بر سرِ کوئے یک بتے
این چہ بتے ست ایخدا این چہ بلا وآفتے	ایں چہ بتے ست اے خدا این چہ بلا وآفتے
ماہ درست پیشِ او قرص شکستہ بستہ	ماہ درست پیشِ او قرص شکستہ بستہ
بر شکرش بنا تہا چون مگسے ست زحمتے	بر شکرش بنا تہا چون مگسے ست زحمتے
جملہ ملوک راہ دین جملہ ملائکِ امین	جملہ ملوک راہ دین جملہ ملائکِ امین
سجدہ کنان کہ اے صنم بہر خدا رحمتے	سجدہ کنان کہ اے صنم بہر خدا رحمتے
اہلِ ہزار بحر و کف گوہرِ عشق را صدف	اہلِ ہزار بحر و کف گوہرِ عشق را صدف
زان سوے عزت و شرف سخت بلند ہمتے	زان سوے عزت و شرف سخت بلند ہمتے
اے تبریز مرحمت شمس ہزار مکرمت	اے تبریز مرحمت شمس ہزار مکرمت
گشتہ سخن بسوصفت پر نم بے نہایتے	گشتہ سخن بسو صفت پر نم بے نہایتے
(ہ ص ۱۸۱)	(ص ۴۴۴-۴۴۵)

اہم تنبیہ، مولینا کی غزلیات کے متعلق غلط فہمی کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہو کہ اکثر غزلوں کے آخر میں عام طریقہ کے مطابق مولینا کا تخلص نہیں ہوتا، بلکہ اکثر شمس کا نام ہوتا ہے، لیکن یہ شبہہ اس غزل کو دیکھ کر بالکل رفع ہو جاتا ہے، کیونکہ اس غزل کے مقطع میں بھی مولینا کا تخلص نہیں، بلکہ حضرت شمس ہی کا نام نامی ہے، لیکن ان کی مدح میں یہی حال دیوان کی، اور غزلون کا بھی ہے، لیکن صاحبِ تذکرہ نے تمہیداً تصریح کر دی ہے، کہ یہ غزل مولینا کی ہے، اور وہ کس موقع پر پڑھی گئی، اور کس طرح اس موقع پر فی البدیہہ کہی گئی، اس کی اور مثالیں ہین، دیوان دیکھو تو اس مین بھی یہی رنگ ہو جس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہین، کہ مقطع غزل مین شمس کا نام ہونیکے باعث اس امر میں شبہہ نہ کرنا چاہیے کہ وہ مولینا کا کلام نہین،

لکھا ہے کہ ایک موقع پر اہلِ ارادت ساتھ تھے، مولینا کے طفیل ان پر پتھر جو ذکر تسبیح کرتے ہین (سبوح قدوس) کا انکشاف ہوا، مولانا نے یہ غزل فرمائی، (م ۲۲۲)

مناقب العارفین	دیوان
دل چو دانہ ما مثالِ آسیا،	دل چو دانہ ما مثالِ آسیا،
آسیا کے داند این گردش چرا،	آسیا کے داند این گردش چرا،
تن چو سنگ و آب او اندیشہا	تن چو سنگ و آبِ او اندیشہا،
سنگ گوید آب داند ماجرا	سنگ گوید آب داند ماجرا
ماجرا بسیار خواہد شد خموش	ماجرا بسیار خواہد شد خموش،
از خدا وا پرس تا گوید ترا،	از خدا وا پرس تا گوید ترا،
(م ص ۲۲۲)	(ک ۰۰)

افلاکی ایک دن کا حال لکھتے ہین، "از پئے سماع شد و این غزل از سر آغاز کرد و گفت" (م ۲۵۱)

گر حریف منی پس بگو کہ درش چہ بود گر حریف منی پس بگو کہ درش چہ بود،

میان این دل وآن یار مے فروش چہ بود	میان این دل وآن یا مے فروش چہ بود
اگر بچشم بدیدی جمال ماہ مدوش	اگر بچشم بدیدی جمال آن مہ دوش
مرا بگو کہ دران حلقہائے گوش چہ بود	مرا بگو کہ دران حلقہاے گوش چہ بود
اگر تو بامن ہم خرقہ وہم رازی	وگر تو با من ہم خرقہ و ہم رازی
بگو کہ صورت آن شیخ خرقہ پوش چہ بود	بگو کہ صورت آن شیخ خرقہ پوش چہ بود
اگر فقیری و ناگفتہ رازی شنوی	اگر فقیری و ناگفتہ رازی شنوی
بگو اشارت آن ناطق خموش چہ بود	بگو اشارت آن ناطق خموش چہ بود
(م ص ۲۵۳)	(ک ۳۱۹)

مولینا ہمین غزل را از سرآغاز فرمود،

صلایا ایہا العشاق کان مہ رو بکار آمد	صلایا ایہا العشاق کان مہ رو نگار آمد
میان بندید عشرت را کہ یار اندر کنار آمد	میان بندید عشرت را کہ یار اندر کنار آمد
(م ص ۲۹۳)	(ک ۳۰۶)

افلاکی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مولانا نے ایک ہفتہ چلہ کشی فرمائی اسکے بعد احوال دل کی ترجمانی فرمانے لگے، "از خزینۂ دل اسرار و معانی فرمودن گرفت و این غزل را از سرآغاز کرد"؛

باز آمدم باز آمدم تا وقت را میمون کنم	باز آمدم باز آمدم تا وقت را میمون کنم
باز آمدم باز آمدم تا در عشق افزون کنم	باز آمدم باز آمدم تا در عشق افزون کنم
باز آمدم باز آمدم تا بہر بیماران دل	باز آمدم یا ز آمدم تا بہر بیماران دل
از اشک چشم وآہ شب از خون دل معجون کنم	از اشک چشم وآہ شب از خون دل معجون کنم
باز آمدم باز آمدم تا سوز درد عشق را	باز آمدم باز آمدم تا سوز و درد عشق را

در گوشہائے دل نہم در گنج سر مخون کنم | در گوشہائے دل نہم در گنج سر مخون کنم

(م ص ۱۹۰) (دیوان شمس تبریز ص ۱۹۰)

ایک روز پروانہ کے مکان پر سماع کی محفل تھی، معین الدین پروانہ کچھ دیر آرام کی خاطر سو گئے، حضرت مولینا بیتاب تھے،

حضرت مولانا در حالت چرخی کہ چرخہ افلاک حیران چنان چرخ گشتہ بود، غزل از سر آغاز فرمود و گفت، (م ۲۲۰-۳۶۸)

گر نہ خسپے شبکے جان چہ شود، | گر نہ خسپے شبکے جان چہ شود،

ور بکوبی در ہجران چہ شود، | ور بکوبی در ہجران چہ شود،

ور بیاری شبکے روز آری، | ور بیاری شبکے روز آری،

از برائے دل یاران چہ شود | از برائے دل یاران چہ شود،

ور سلیماں سوے موران آمد | ور سلیماں سوے موران آمد،

تا شود مور سلیمان چہ شود، | تا شود مور سلیماں چہ شود،

ور دو دیدہ ترا روشن گردد، | ور دو دیدہ بتو روشن گردد،

کوری دیدہ شیطان چہ شود، | کوری دیدہ شیطاں چہ شود،

(م ۲۲۰-۳۲۰) (ک ۲۹۶)

افلاکی حالت مرگ کے قریب کا حال لکھتے ہیں، کہ حضرت مولینا این غزل را از سر آغاز کردہ میگفت و جمیع اصحاب جامہ دران نعرہ زنان فریادی کردند،

چہ دانی تو کہ در باطن چہ شاہی ہمنشیں دارم | چہ دانی تو کہ در باطن چہ شاہی ہمنشیں دارم

رخ زرین من منگر کہ پائے آہنین دارم | رخ زرین من منگر کہ پائے آہنین دارم (باقی)

(م ۲۴۹) (ک ۳۳۲)

تلخیص و تبصرہ

لندن میں چینی آرٹ کی نمائش

رائل اکاڈمی، لندن میں چینی آرٹ کی جو نمائش ہو رہی ہے، وہ اپنی وسعت اور جامعیت کے لحاظ سے اس قدر عظیم الشان ہے کہ اس سے قبل چینی مصنوعات کی کوئی ایسی نمائش تمام یورپ میں نہیں دیکھی گئی، اس میں ایک بڑی تعداد ان منتخب نوادر کی ہے جو حکومت چین نے بھیجے ہیں، اور ان کے علاوہ دنیا کے ہر ملک کے عجائب خانوں اور ذاتی ذخیروں سے بھی چینی آرٹ کے بہترین نمونے فراہم کئے گئے ہیں، یہ چیزیں جن کی تعداد تین ہزار سے زیادہ ہے پینتیس ۳۵ صدیوں کی صناعی کا نمونہ ہیں، ان میں مصوری، پارچہ بافی، خوشنویسی، مینا کاری، روغن کاری، سنگ تراشی، اور چینی مٹی اور کانسہ کے ظروف کے شاہکار پیش کئے گئے ہیں، ان مصنوعات میں اس زمانہ کی چیزیں بھی شامل ہیں، جب چین دنیا کی سب سے زیادہ طاقتور سلطنت تھی، اور یورپ ہنوز عہد حجری سے نکلا نہ تھا،

کانسہ کی قدیم چیزوں میں سے اکثر خاندان چو (۱۱۲۲ نغایہ ۲۴۹ ق۔م) کے زمانہ کی بتائی جاتی ہیں، جس کی بنیاد شہنشاہ ووَ (Wu Wang) نے رکھی تھی، کانسہ کی صنعت کو چین نے یونانیوں سے ایک ہزار سال قبل تکمیل تک پہنچا دیا تھا، اس کی بیشتر مصنوعات پر چاندی اور سونے کی میناکاری ہے، نقش و نگار میں قدرتی چیزوں یا علم ہندسہ کی شکلیں بنی ہوئی ہیں، چڑیوں، جانوروں، عنقا اور اژدہوں کی شکلیں کثرت سے ہیں، مختلف اقسام کے آئینے بھی ہیں، جن میں سے بعض آفتاب کی "خالص آگ" کو حاصل کرنے کے لئے مجوف بنائے

گئے تھے، یہ آگ "مذہبی رسوم میں استعمال کیجاتی تھی، بعض وہ آئینے ہیں جو درختوں پر لٹکا دیئے جاتے تھے اور آدھی رات کے وقت ان کے ذریعہ ماہ کامل سے "خالص پانی" لیا جاتا تھا، وہ "طلسمی آئینے" بھی ہیں جو آفتاب کی روشنی میں کسی دیوار پر لٹکا دیئے جاتے تھے، اور ان سے مختلف شکلون کے عکس سامنے کی دیوار یا پردہ پر پڑتے تھے، ان آئینون کے سامنے کا شیشہ بظاہر بالکل چکنا اور مسطح ہے، لیکن پشت پر ابھری ہوئی شکلین اس صنعت کے ساتھ بنی ہوئی ہیں کہ ان کا عکس صاف اور شفاف آئینوں سے سامنے کی چیزون پر پڑتا ہے،

کانسہ کی جو چیزین اس نمائش میں دکھائی گئی ہیں وہ عموماً چھوٹی چھوٹی ہیں، مثلاً وہ ظروف جو خانگی استعمال یا مذہبی رسوم میں کام آتے تھے، گوتم بدھ کے مجسمے، موسیقی کے آلے، وغیرہ، لیکن اہل چین بعض بہت بڑی بڑی چیزیں بھی بناتے تھے، مثلاً ۱۴۰۳ء اور ۱۴۲۴ء کے درمیان انھون نے کانسہ کی پانچ زبردست گھنٹیاں بنائی تھیں جو پیکنگ میں موجود ہیں، ان میں سے ہر گھنٹی کا وزن ایک لاکھ بیس ہزار پونڈ، بلندی چودہ فٹ، کنارہ کا قطر چوبیس فٹ اور دبازت نو انچ ہے، وہ ایک بڑی شہتیر پر لٹکائی گئی تھین، اور ان کے لٹکنے کے لئے نیچے کی زمین کھود دی گئی تھی،

مٹی کے برتنون پر روغن کرنے کی صنعت سب سے پہلے خاندان ہان (۲۰۶ ق م تا ۲۲۰ء) کے زمانہ مین رونما ہوئی، تاہم بغیر روغن کے مٹی کے برتنون کی مقبولیت خاندان تانگ کے اختتام (۹۰۶ء) تک قائم رہی، چینی کے برتن تمام تر اہل چین کی ایجاد ہیں، چنانچہ آٹھویں صدی میں بھی سفید چینی کے برتنون کا ذکر تاریخوں میں ملتا ہے، تانگ اور سنگ عہدون کے درمیان شہنشاہ شیہ ٹسنگ کے حکم کے موجب چائے کے وہ ظروف تیار کئے گئے جو "بارش سے دھلے ہوئے آسمان جیسے نیلے، آئینہ جیسے روشن اور کاغذ جیسے باریک تھے، اور ان سے ویسی ہی شیرین آواز نکلتی تھی، جیسی کسی نفیس پتھر سے پیدا ہوتی ہے"، ان ظروف کے چند نمونے اس وقت تک موجود ہین، چینی کے برتنون کی صنعت خاندان سنگ (۹۶۰ء تا ۱۲۷۹ء) کے زمانہ میں اپنے کمال تک پہنچ گئی تھی،

عہد تاتار کے اختتام پر خاندان منگ (۱۳۶۸ء لغایتہ ۱۶۴۴ء) کے ساتھ ساتھ مختلف صنعتوں کی نشاۃ ثانیہ بھی شروع ہوئی، اور چینی کے برتنوں کی صنعت میں خصوصیت کے ساتھ نئی نئی چیزیں ایجاد ہوئیں، عہد یانگ لو کے پیالوں کی نفاست اپنا جواب نہیں رکھتی، یہ پیالے بالکل شفاف ہیں، اور روشنی کے سامنے رکھنے سے ان کے اندر کچھ ہلکے ہلکے سے نقوش نظر آتے ہیں، ان برتنوں کے کارخانوں میں دس لاکھ آدمی کام کرتے تھے، شاہی کارخانے ان کے علاوہ تھے، پھر خاندان چنگ (۱۶۴۴ء لغایتہ ۱۹۱۲ء) کے زمانہ میں نیلگوں اور سفید چینی کے برتنوں کا رواج ہوا جو حد درجہ مقبول ہوئے، یہ برتن ابتداءً خاندان منگ کے دور میں ۱۴۲۶ء اور ۱۶۱۹ء کے درمیان بنائے گئے تھے،

چین میں مصوری زیادہ تر ریشمیں پٹیوں پر کیجاتی تھی، یہ پٹیاں لپیٹ کر رکھی جاتی تھیں، اور چونکہ بہت نازک ہوتی تھیں اس لئے قدیم ترین مصوری کے نمونے بہت کم محفوظ ہیں، بعض قدیم نمونے جو چین میں اب تک محفوظ ہیں، وہ بھی اپنی نزاکت کی وجہ سے اس قدر بوسیدہ ہوگئے ہیں کہ نمائش میں لائے نہ جاسکے، تاہم سنگ، یوان، اور منگ خاندانوں کے بعض نادر نمونے نمائش میں پیش کئے گئے ہیں، تصویریں زیادہ تر مناظر فطرت کی ہیں، ایک تصویر چنگیز خان کی بھی ہے، یہ ایک البم میں ہے، جس میں اس کے درباریوں کی تصویریں بھی ہیں، چنگیز کے شاہی محلسرا کی خواتین کی تصویریں بھی ہیں، لیکن چونکہ یہ خواتین پردہ نشین تھیں اور مصور کے سامنے بے نقاب نہیں آسکتی تھیں، اس لئے ان کی تصویر لینے میں ایک خاص اور عجیب اہتمام کیا جاتا تھا، مصور ہزاروں نقشے آنکھ، ناک، کان وغیرہ کے کھینچتا اور یہ سب نقشے محلسرا کی ایک خاتون کے سامنے پیش کئے جاتے جو ان خواتین کے چہروں سے مقابلہ کرکے ان نقشوں میں سے انتخاب کرلیتی، انتخاب کے بعد مصور تصویر کو مکمل کر دیتا، مناظر فطرت کی مصوری کا فن چین میں بمقابلہ یورپ کے سینکڑوں برس پہلے رائج تھا، مناظر فطرت سے شیفتگی کے باعث اس فن کا ارتقاء اہل چین کے لئے بالکل قدرتی تھا، عہد تانگ کی ایک تصویر "لطف موسیقی" کے صرف چند ٹکڑے نمائش میں رکھے گئے ہیں، کیونکہ اس عہد کی شاید ہی کوئی

چیز محفوظ رہ سکی ہے، لیکن عہد سنگ کے بہترین مصوروں کے چھپن شاہکار پیش کئے گئے ہیں، جن میں متعدد تصویریں شہنشاہ ہوئی ٹسنگ کے ہاتھ کی بھی ہیں، جو ایک مشہور ادارۂ مصوری کا بانی تھا،

روغن کاری اور سنگ تراشی کے فن کو بھی اہل چین نے کمال تک پہنچا دیا تھا، روغن کاری کے ذریعہ یا تو ہموار سطح پر مختلف نقش و نگار بنائے جاتے تھے یا تلے اوپر بہت سی تہیں دے کر ابھرے ہوئے نقوش بنائے جاتے تھے، اکثر چیزوں پر روغن کاری کی بیس بیس تہیں، اور بعض پر تیس تیس تہیں بھی ملتی ہیں، روغن کے ساتھ سیپ، سونا، اور قیمتی پتھروں کے ٹکڑے بھی شامل کر دیتے تھے، جن سے چیزوں کا حسن دوبالا ہو جاتا تھا،

زمانۂ قبل مسیح کی چینی سنگ تراشی کے نمونے بہت کم محفوظ ہیں، البتہ پکنگ میں دس بڑے سنگی نقارے خاندان چو کے عہد (۱۱۲۲ لغایۃ ۲۴۹ ق م) کے موجود ہیں، یہ نقارے ۸۰۰ ق م کے بنے ہوئے ہیں، جیسا کہ ان کے کتبوں سے معلوم ہوتا ہے، چین کی جن تاریخوں میں سنگ تراشی کا ذکر آتا ہے وہ خاندان چین (۲۲۱ لغایۃ ۲۰۶ ق م) اور اس کے بعد کی تاریخیں ہیں،

خاندان ہان کے زمانہ کے بہت سے مٹی اور کانسہ کے مجسمے بھی ہیں، پھر جب ہندوستان سے نکل کر بودھ مذہب چین میں داخل ہوا، اور وہاں ۶۷ء میں سرکاری طور پر تسلیم کر لیا گیا تو سنگ تراشی کے فن کو اور بھی ترقی ہوئی، اور گوتم بودھ کے مجسمے کثرت سے بنائے جانے لگے، ان میں سے ایک مجسمہ جو امریکہ سے نمایش میں بھیجا گیا ہے، اپنی صناعی کے لحاظ سے خاص اہمیت رکھتا ہے، اور سنگ تراشی کے بہترین نمونوں میں شمار کیا جاتا ہے، اس کی بلندی (۱۷۹) سنٹی میٹر ہے، سنگ مرمر کا ایک اور مجسمہ بھی گوتم بودھ کا ہے، جس کا قد بیس فٹ اور وزن بیس ٹن ہے، یہ ۵۸۵ء کا بنا ہوا ہے، اور اس نمایش میں نیویارک سے لایا گیا ہے،

(ا - د)

"ع ز"

امبیدکر کا مسئلہ

لندن کے مشہور "عقلی" رسالہ لٹریری گائڈ (فروری ۳۶ء) میں مسٹر گولڈ (F. J. GOULD)
کا ایک دلچسپ مضمون عنوانِ بالا سے شائع ہوا ہے، جس میں مقالہ نگار نے اچھوتوں کی حالت پر اظہار
خیال کرتے ہوئے اس موقعہ سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے، جو ڈاکٹر امبیدکر کے اعلان سے مختلف
مذاہب کے مبلغین کو ہاتھ آگیا ہے، "عقلیت" کی جو تحریک یورپ اور امریکہ میں کچھ عرصہ سے جاری ہے،
مسٹر گولڈ اب اسے ایشیا میں بھی رواج دینا چاہتے ہیں، اور اس کے لئے ہریجن کا میدان نہایت وسیع
اور امید افزا نظر آرہا ہے، مضمون کا خلاصہ درج ذیل ہے،

"میں نے قدیم اور جدید دنیا کے سیکڑوں مدرسے دیکھے، لیکن ان میں سب سے زیادہ خراب حالت
بمبئی کے کماٹھی پورہ نراشرتا کی پائی، یہ مدرسہ ایک نہایت معمولی عمارت میں واقع تھا جس میں ناہموار
بنچوں کے علاوہ اور کوئی سامان نہ تھا، تاہم ۱۹۱۳ء میں وہاں جن بچوں سے میں نے ہاتھ ملایا وہ تیز
اور ذہین معلوم ہوتے تھے، وہ بچے چنڈال اور مہر فرقوں کے تھے جو ہندوستان کی اچھوت قوموں سے
ہیں جن کی تعداد چار کرور سے زیادہ ہے،

موجودہ وقت جسے اخبار نویس اشخاص "بحران" کا وقت کہتے ہیں، اس درجہ حوصلہ پرور اور
امید افزا ہے، کہ تمام دنیا میں مظلوم قومیں، فرقے، اور جماعتیں ذلت اور غلامی کی خاک سے اٹھ کر عزت کے
فرش پر قدم رکھ رہی ہیں، یہ تحریک سب سے زیادہ ہندو اچھوتوں میں نمایاں ہے، ہزاروں برس سے
اونچی ذات کے ہندو برہم، وشنو، اور شیو کی مفروضہ رضامندی کی بنا پر ان اچھوتوں کے ساتھ حقارت
کا برتاؤ کرتے آئے ہیں، انھوں نے ان مظلوموں کے لئے عام کنووں، تالابوں، اور مردہ گھاٹوں کے
استعمال کو ممنوع قرار دے رکھا ہے، ان کو مدرسوں اور مندروں میں جانے کی اجازت نہیں دیتے،

ذلیل ترین پیشے ان کے لئے مخصوص کر دیئے ہیں، اور اگر ان کا کوئی فرد کسی عام شاہراہ پر کسی برہمن سے چالیس قدم کے فاصلہ پر بھی آجاتا ہے تو اس پر لعنتوں اور بد دعاؤں کی بوچھار کر دیتے ہیں،

مسٹر پی۔ این۔ بوس (P.N. BOSE) آنجہانی کا جو ایک روشنخیال ہندو تھے، دعوی تھا کہ ہندوستانی روح اپنی بلند مذہبی کیفیت میں ذات پات کی مخالف ہے، بودھ مذہب نے ذاتوں کی تقسیم مٹا ڈالی، اور انسانوں کا فرق صرف ان کے اخلاقی مدارج کے لحاظ سے تسلیم کیا، بہتیرے ہندو بزرگوں نے بھی جو بودھ مذہب کے زوال کے بعد پیدا ہوئے، اسی کشادہ ذہنی کا اظہار کیا، ذات پات پر زور صرف مذہب کی ادنیٰ ذہنیت نے ڈالا، یعنی گہری معاشرتی تقسیمیں پروہتوں اور ان کی روایتوں اور اداروں نے قائم کیں، ڈاکٹر برنچ پائی نے بیان کیا ہے کہ ذاتوں کے نظام میں دخل دینے کی اگر کچھ بھی کوشش کیجاتی ہے، تو اسے مذہب کے خلاف سمجھا جاتا ہے، اور اس کی مخالفت کیجاتی ہے، یہی شدید قدامت پرستی نیچی ذاتوں کی اصلاح میں ایک بڑی روک ہے، حکومت برطانیہ نے اتنا کیا ہے کہ ان کے لئے مدرسے کھول دیئے ہیں، اور کسی قدر سیاسی نمایندگی دے رہی ہے، علاوہ برین ہندو مصلحین کی جماعتین ہریجن کی آزادی کے لئے کوشاں ہیں، اور اس باب میں مہاراجہ بڑودہ کا شاندار کارنامہ جدید ہند کے لئے عزت کا باعث ہے،

ڈاکٹر امبیدکر اچھوت ذاتوں کے ایک نہایت محترم نمایندہ ہیں، انھون نے اعلان کیا ہے کہ ہریجنوں کے لئے جو تعداد میں کئی کروڑ ہیں مناسب ہے کہ اسلام کے حلقہ بگوش ہو جائین (معارف؟) پر جوش مسلمانون نے ایک ہزار مبلغین کی جماعت تیار کرنے کی ایک تجویز بھی مرتب کرلی ہے اور ان کا خیال ہے کہ پچاس سال کی مدت میں تمام اچھوت اسلام میں داخل ہو جائینگے، (معارف؟)

اس مسئلہ میں مجھے دو باتیں پیش کرنی ہیں، پہلی بات تو یہ ہے کہ عقلیت یا مخالف مذہب آزاد خیالی کو اس میدان میں کام کرنا چاہئے جو عقلیت اور عیسائیت کی جنگ سے ماوراء ابہت دور تک

پھیلا ہوا ہے، ایشیا کو عقلیت اور مذہب انسانیت کی شدید احتیاج ہے، جو آزاد خیال اس فرض کی ادائی سے گریز کرتا ہے، وہ حقیقۃً قرونِ وسطی کے راہب کا کوئی دوری رشتہ دار ہے،

دوسری بات یہ ہے کہ تمام دنیا اور بالخصوص ایشیا میں مختلف مذاہب اقتصادی، تمدنی اور روایتی نظاموں سے بہت زیادہ وابستہ ہیں، لہذا ان مذاہب پر حملہ کرنے کے لئے صرف ان معاشرتی نظاموں کا مطالعہ ہی کافی نہیں، بلکہ تمدن کے ایک جدید تعمیری نصب العین کی بھی ضرورت ہے جو ان الٰہی مذاہب سے آزاد ہو، اس تعمیری نصب العین کو حاصل کرنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے یعنی تعلیم عام خواہ وہ حکومت کی نگرانی میں ہو خواہ غیر سرکاری ہو جو آزاد خیال اس دوسرے فرض کی ادائی سے گریز کرتا ہے، وہ اس مخلوق کا دوری رشتہ دار ہے جو قرونِ وسطی کے راہب سے بھی زیادہ قدیم ہے،

"ع ز"

دو نئی کتابیں

تاریخ صقلیہ جلد دوم

مرتبہ: سید ریاست علی ندوی

اس میں سسلی کے عہد اسلامی کے تمدنی جغرافیہ، نظام حکومت، زراعت، صنعت، حرفت، تعمیر، تجارت، تہذیب و معاشرت، اور علوم و فنون کا تفصیلی مرقع دکھا کر یورپ پر سسلی کے اسلامی تمدن کے اثرات دکھائے گئے ہیں، ضخامت ۵۰۰ صفحے، قیمت: للعہ

مقالات شبلی جلد پنجم (تاریخی)

یہ مولانا شبلی مرحوم کے ان مقالات کا مجموعہ ہے، جو اکابر اسلام کے سوانح سے متعلق ہیں، اس میں علامہ ابن تیمیہ، ابن رشد، اور زیب النساء کی سوانحعمری، وغیرہ جیسے اہم مضامین ہیں،

ضخامت ۱۴۰ صفحے، قیمت: عہ

"منیجر"

اخبار علمیہ

چند جدید طبیعیاتی ایجادات

جنوبی کننگٹن کی طبیعیاتی مجلس کی نمایش میں بعض سائنٹفک ایجادیں ایسی دکھائی گئین، جو روزانہ کی زندگی میں بڑی مفید اور دلچسپ ثابت ہون گی، ایک سکہ جب اچھالا جاتا تھا، تو اس کے رُخ اور پشت کو تیقن کیسا تھ بتایا نہیں جاسکتا تھا، لیکن اب ایک ایسا آلہ معلوم ہو گیا ہے جس کے ذریعہ سے یقین کے ساتھ بتایا جاسکتا ہے، کہ سکہ کس جانب گرے گا، اسی طرح گراموفون کی مشین پر ایک تیل کا پیالہ گھماکر اس پاس کی سطح پر مقناطیسی قوت کا صحیح اندازہ لگایا جاسکتا ہے، پھلوں کیلئے ایک دلچسپ آلہ ایجاد کیا گیا ہے، جس سے ٹماٹرون کے پختہ ہونے کا ٹھیک اندازہ لگایا جاسکتا ہے، ایک آلہ گوشت میں نمک کی صحیح مقدار دریافت کرنے کے لئے ایجاد کیا گیا ہے، کمرون، سڑکون، اور پانچ ہزار فیٹ بلندی پر طیارون کے شور کا اندازہ بھی صحیح طور پر لگانے کے لئے بہت سے آلات دکھائے گئے، کچھ ایسے آلات بھی نمایش میں تھے، جن سے بہرون کی سماعت کی کمی بتائی جاسکتی تھی، دو چیزین سب سے زیادہ دلچسپ دکھائی گئین، ایک تو ٹیلیفون کا ایک ایسا آلہ تھا، جس کے ذریعہ سے ایک آدمی کافی دور پر بیٹھ کر آوازین سن سکتا ہے، دوسری چیز ایک ایسی گھڑی تھی، جو ٹیلیفون پر دریافت کرنے والون کو خود ٹھیک وقت بتادیا کرے گی، یہ دونون چیزین بہت جلد ڈاکخانون میں استعمال کی جانے والی ہین،

درختون کو انجکشن

انگریز ماہرین زراعت کا خیال ہے کہ اگر درختوں کو غذا پہنچائی جائے، تو ان کی نشوونما بہت سرعت

کے ساتھ ہوسکتی ہے، کھاد کی جو صورت مروج ہے، اس سے نتائج بہت دیر میں ظہور پذیر ہوتے ہین، لیکن اب انجکشن کے ذریعہ سے جو غذا پہنچانے کی صورت نکالی گئی ہے، اس سے ایک بہت بڑے باغ کو آسانی سے فروغ دیا جاسکتا ہے، درخت میں ½ انچ کا ایک سُوراخ کھود دیا جاتا ہے، اور اس کے ایک طرف ایک شیشہ کی نلکی لگادی جاتی ہے، جس میں ایک ربر کے ذریعہ سے ہوا بھر دی جاتی ہے، سوراخ کی دوسرے جانب کو ربر سے بند کئے رہتے ہین، شیشہ کی نلکی ایک خمدار نلکی (سیفن) سے منسلک رہتی ہے، جس سے انجکشن کے لئے سیال ڈالا جاتا ہے، اس انجکشن کے نتیجے بہت ہی مفید اور دلچسپ مترتب ہوتے ہین، اس سے پھل کے درختون کی بالیدگی تیزی سے ہونے لگتی ہے، کمزور درختون کے لئے یہ انجکشن نہایت مفید ثابت ہوئے،

علامتی زبان

لندن کے رائل انسٹیٹیوشن میں سر رچرڈ پیجٹ نے علامتی زبان پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ تمام ملکون کے بہرون اور گونگون کی علامتی زبان فطری اور عام ہے، اور یہ زبان دنیا کے بعض حصون میں مستعمل رہی اور ہے، شمالی امریکہ کے سُرخ ہندوستانی گفتگو میں علامتی زبان ہی استعمال کرتے تھے، سنہ ۱۹۲۹ء میں ولیم ٹاملن نے "عام ہندوستانی علامتی زبان" کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے، جس میں ۸۰۰۰ علامات بتائے تھے، جنوبی مغربی کوئنس لینڈ کی علامتی زبان کے متعلق سنہ ۱۸۹۷ء میں والٹر ای روتھ نے لکھا تھا، گیرک میلری نے نیوپولیٹن کی علامتی زبان کے متعلق لکھا، حال ہی میں روس کی مجلس سائنس نے علامتی زبان کے متعلق کچھ معلومات فراہم کئے ہین، جو بارہوین سے سترہوین صدی تک روسی آرمینیا میں عورتون میں مروج تھی، کیمرون میں مسٹر اوین سینڈریین نے اس قسم کی زبان دریافت کی ہے، ان زبانون کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے، کہ وہ تمام تر ایک واحد زبان (DIALECT) سے ماخوذ ہے، اور وہ بنی نوع انسان کے اشارون والی زبان ہے، لیکن اب تک اشارون والی زبان نظر انداز کردی گئی ہو، علامتی زبان بہت زیادہ ترقی کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے، اس کے ذریعہ سے مجرد خیالات کا بھی اظہار کیا جاسکتا ہے؛

اور اس اظہار میں کیفیت اور کمیت دونوں پیدا کیجا سکتی ہیں، اس علامتی زبان کے لئے کل ۵۰۰ الفاظ ہیں لیکن سمجھا جاتا ہو کہ ابھی اسمیں اور کمی کرنے کی ضرورت ہو،

برطانیہ میں سینما

برطانیہ کی سینما کی مجلس نے حال ہی میں ایک روئداد شائع کی ہو جس سے پتہ چلتا ہے کہ ......۹۵ (پنچانوے کرور ستر لاکھ) ٹکٹ فروخت ہوئے، جس کی آمدنی .... ۹۵۰۴ پونڈ (چار کرور پنچانوے لاکھ پونڈ) ہوئی، حکومت نے ......۸ پونڈ (اڑسٹھ لاکھ پونڈ) محصول وصول کئے، ہر ہفتہ سینما کے جانیوالون کی تعداد اوسطاً .....۱۸۵ (ایک کرور پچاسی لاکھ) ہے، ۱۹۳۴ء میں برطانیہ عظمیٰ میں ۴۳۰۵ سینما گھر تھے، اور ہر سینما میں ۹۰۰ آدمیوں کی جگہیں تھیں، شہر لندن کے اندر صرف ۴۱ سینما گھر تھے، لنکاشائر کے ضلع میں ۶۹۹، مڈلینڈ میں ۵۰۵، یارک شائر میں ۴۲۵ تھے، لندن میں ہر ۱۴ آدمی کے درمیان ایک شخص سینما ضرور جاتا ہے، لنکاشائر میں بیس آدمیوں میں ایک، اور مشرقی اضلاع میں انیس میں ایک کا تناسب ہے، ان اعداد شمار سے مغرب کی تعیش پسند زندگی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے،

مصر میں اطالوی باشندے

مصر میں اطالوی باشندوں کی بڑی تعداد آباد ہے، جن کے اعداد و شمار حسب ذیل ہیں،

اصل اطالوی باشندے،	مجموعی تعداد، ۵۲۴۶۲	مرد ۲۴۶۲۵	عورت ۲۷۶۳۷
جن لوگوں نے اطالوی قومیت محفوظ رکھی،	″ ۳۶۲۸۰	″ ۱۶۵۱۴	″ ۹۶۶۲
یونانی جنھوں نے اطالوی قومیت اختیار کرلی ہو	″ ۴۹۳۲	″ ۲۳۱۱	″ ۲۹۳۱
ایطالوی یہود،	″ ۴۹۴۹	″ ۲۴۲۸	″ ۲۵۲۱
طرابلسی جنھوں نے اطالوی قومیت اختیار کرلی	″ ۱۲۳۶	″ ۲۴۲۸	″ ۲۵۲۱

اس وقت مصر میں ۷۵ اٹالین مدرسے ہیں، جن میں اگیارہ ہزار طالب العلم تعلیم حاصل

کرتے ہین، اور جن میں پانچ ہزار مرد اور چھ ہزار عورتین ہین، لیکن ان میں صرف ایک ہزار مصری طالب العلم ہین،

پانی کی گہرائی کی سیاحت

گذشتہ اگست ۱۹۳۵ء میں بیالوجی کے ماہرین نے خلیج چیسا پیک کے اندر جاکر آبی جانورون مچھلیون کیکڑون اور کیڑوں کی زندگی کا مطالعہ کرنیکی کوششیں کی ہین، وہ لوہے کی بکس نما کشتی میں جو غوطہ زنی اور پانی کے اندرونی سفر کیلئے خاص طور پر بنائی گئی تھی، مختلف اوقات میں اندر گئے، اور دیر تک رہے، اور مچھلیون اور دوسری آبی مخلوقات کے حرکات وسکنات کا مطالعہ کرتے رہے، جہان گھانس پات زیادہ تھے وہان پر ان مخلوقات کی آبادی بھی زیادہ تھی شب کو ان کی زندگی زیادہ دلچسپ ہوجاتی ہی، شب کے وقت جب وہ لوگ پانی کے اندر پہنچے، تو مچھلیوں نے آکر انکو گھیر لیا، اور جب انھون نے روشنی دیکھی، تو ہزارون کی تعداد میں آکر اوسی روشنی سے لطف اٹھانے لگین، اور جب یہ روشنی گل کردیجاتی تو خود انکی روشنی سے آنکھوں میں چکا چوند پیدا ہوجاتی تھی، ان غوطہ زنون نے ایک مرتبہ صبح کو پانی کے اندر کی سیر کی، آفتاب کے بلند ہونے کے ساتھ ساتھ اندر کی سطح کا رنگ بدلتا جاتا تھا، پہلے انھون نے ہلکا گلابی رنگ اپنے چارون طرف دیکھا، پھر گہرا سرخ، پانی کا رنگ بھی بدلتا جاتا تھا، پہلے زردی مائل سبز، پھر گہرا زرد، اور آخر میں نارنگی کی طرح سرخ ہوگیا، اور جب دن چڑھ گیا، تو رنگ زرد ہوکر آخر میں سبز ہوگیا، ان آبی مخلوقات کا مطالعہ روشنی کے ذریعہ سے بھی کرنیکی کوشش کی گئی ہی، ڈاکٹر بیب (نیویارک) نے الٹرا وائلٹ سرچ لائٹ کے ذریعہ سے نصف میل پانی کے اندر کی تمام مخلوقات کا معائنہ کیا، اس روشنی سے تمام مچھلیان کھینچکر ایک جگہ چلی آتی تھیں، آیندہ سال ڈاکٹر موصوف کا ارادہ ہے کہ اس سے زیادہ طاقت کی روشنی استعمال کریں گے، اس روشنی سے جب مچھلیوں کی آنکھیں چکا چوند ہوجائینگی، تو پھر وہ آسانی سے ان کو جال میں پکڑ سکیں گے،

"ص ع"

باب التقریظ والانتقاد

ہندوستانی زبان کے رسالوں کے چند سالنامے اور خاص نمبر

ہندوستانی زبان کے رسالوں کے سالناموں کی ترقی یافتہ صورت یہ نمودار ہوئی ہے کہ بعض رسائل صرف سالنامہ ہی کی شکل میں شائع ہونے لگے ہیں، چنانچہ سہیل علی گڑہ، جوہر دہلی اور سالنامۂ انجمن طلبۂ قدیم سٹی کالج اسی طرز کے رسالے ہیں، ان کے علاوہ حسب دستور سال کے آغاز میں مختلف ادبی رسالوں کے سالنامے اور خاص نمبر شائع ہوے ہیں، انھیں ذیل میں پیش کیا جاتا ہے،

سالنامۂ سہیل، مرتبہ جناب رشید احمد صاحب صدیقی و آل احمد صاحب سرور حجم ۱۴۸ صفحے تقطیع ۲۰×۳۰ دفتر سہیل، مسلم یونیورسٹی، علی گڑہ،

مسلم یونیورسٹی کی انجمن اردوے معلّٰی کے علمی و ادبی سہ ماہی رسالہ سہیل سے ناظرین معارف ناواقف نہیں، خوشی ہوئی کہ ہندوستانی زبان کے ارتقار و ترویج کا یہ خدمتگذار ہماری نئی توقعات کے ساتھ پھر سامنے آیا ہے، اگرچہ وہ سالنامہ ہی کی شکل میں سہی، رسالہ کے محنت وسلیقہ سے ترتیب پانے کے لئے اس کے لائق مرتب کا حسن مذاق ضامن ہے، بیشتر مضامین دلچسپ، مفید اور قابل قدر ہیں، شذرات سے رسالہ کا افتتاح کیا گیا ہے، جن میں رسالہ کی ترتیب واشاعت کے علاوہ، ہندوستانی زبان اور تحریک علی گڑہ، علی گڑہ کی پچھلی ادبی خدمات اور موجودہ علمی مشاغل کا ذکر آیا ہے، پھر ہندوستان کی قومی زبان کے مسئلہ پر گفتگو کرکے دکھایا ہے کہ اردو، آریائی زبان ہی کی ایک شاخ ہے، جو ترقی

کے بڑے مدارج طے کر چکی ہے، اس کے مقابلہ میں ایک دوسری غیر ترقی یافتہ زبان یعنی ہندی کو ہندوستان کی مشترک زبان منوانے کی کوشش کرنا ایک ناانصافی ہے، پھر "یادِ رفتگاں" کے عنوان سے گذشتہ سال ہم سے جدا ہونے والے ادیبوں اور شاعروں کی وفات پر ماتم کیا گیا ہے، اس کے بعد مضامین شروع ہوتے ہیں، جو ملک کے ممتاز اہل علم، اور ان کے پہلو بہ پہلو یونیورسٹی کے ہونہار تلامذہ شعبۂ اردو کے نتائج فکر ہیں، قابلِ ذکر مضامین میں "مصوری کے میلاناتِ نو" (ڈاکٹر سلیم الزماں) "تعلیم اسلامی معاشرت" (خواجہ غلام السیدین) "غزلگوئی پر ایک نظر" (جناب اقبال احمد سہیل) "حافظ کے کلام میں کلام" (ڈاکٹر عبدالستار صدیقی)" حالی ایک محب وطن کی حیثیت سے" (ڈاکٹر ذاکر حسین) اور "قومی ادب اور ہندی ہمیلن" (ڈاکٹر اشرف) وغیرہ ہیں، یونیورسٹی کے تلامذہ میں سے حضرت مضطر خیرآبادی مرحوم کے لائق صاحبزادے جناب جاں نثار حسین صاحب اختر نے اپنے والد ماجد کے سوانح اور کلام کے نمونے سنجیدہ اسلوب بیان میں پیش کئے ہیں، اسی طرح "اردو اور اس کے تاریخی ماخذ" (جناب محمد ابواللیث صدیقی متعلم) اور "بہار اور اردو شاعری" (جناب معین الدین دردائی) کے عنوانوں سے اچھے مضامین ہیں، جن میں اس وقت تک کی تحقیقاتوں سے فائدہ اٹھایا گیا ہے، اور چند نے قلمی تذکروں اور یادداشتوں کا تعارف کرایا گیا ہے، چند افسانے بھی مترجمہ وطبعزاد دونوں قسم کے ہیں، آخر میں "باب تنقید" کے عنوان سے ہندوستانی زبان کی سال بھر کی مطبوعات پر نظر ڈالی گئی ہے، سب سے آخر میں لائق مدیر نے "گو بڑ" کے انوکھے عنوان پر لکھا ہے، جس کی تہ میں بڑے بڑے گن بھرے ہیں، تہذیب، معاشرت، سیاست، قومیت، صحافت اور ادب و شعر سب ہی کچھ اس میں سما گیا ہے، اور پھر انداز خاص میں ہر ایک کا "گو بڑ" الگ الگ دکھایا گیا ہے، مشاہیر شعرا میں سے جناب اصغر، جگر، اثر، سہیل اور جوش کے کلام شائع ہوئے ہیں، رسالہ مصور ہے، تمام تصویریں مغربی مصوروں کے فنی نمونے ہیں، جن کے لئے ان کے مختصر سوانح بھی پیش کئے گئے ہیں، اس سالنامہ سے ہندوستانی زبان میں ایک

اچھے علمی و ادبی صحیفہ کا اضافہ ہوا ہے، جس کا ہم دلی خیر مقدم کرتے ہیں، خدا اس کی عمر دراز فرمائے،

انجمن طلبۂ قدیم سٹی کالج کا سالنامہ، (مصور) مرتبہ جناب ڈاکٹر سید محی الدین قادری حجم ۲۲۳ صفحے، تقطیع ۲۰×۳۰/۲ قیمت ۸/ پتہ:- سٹی کالج بکڈپو، حیدرآباد، دکن،

حیدرآباد کا سٹی کالج دراصل اس درسگاہ کی ترقی یافتہ شکل ہے، جس میں حیدرآباد میں پہلی مرتبہ انگریزی زبان اور جدید علوم کو علوم مشرقی کے پہلو بہ پہلو نصاب تعلیم میں داخل کیا گیا، جامعہ عثمانیہ کی تاسیس سے پہلے یہی کالج حیدرآباد میں علوم جدیدہ کی تعلیم کا ذریعہ تھا، اسلئے دور حاضر میں حیدرآباد میں جو ارباب فضل و کمال ہیں وہ اسی کالج کے دامنِ فیض کے تربیت یافتہ ہیں، ان طلبۂ قدیم نے اپنی مادر علمی سے وابستگی قائم رکھنے کے لئے انجمن طلبۂ قدیم کی بنیاد ڈال رکھی ہے، اور یہ صحیفہ اسی انجمن کا سالنامہ ہے، جس کے مضامین میں یہ امتیاز رکھا گیا ہے کہ وہ وہیں کے فارغ التحصیل اہل علم کے لکھے ہوئے ہوں، اور بیشتر مضامین سٹی کالج ہی کے متعلق ہوں، ان کے علاوہ چند دیگر علمی و ادبی مضامین بھی ہیں، آخر میں "سٹی کالج کے بعض طلبۂ قدیم" کے عنوان سے یہاں کے فارغ التحصیل مشاہیر ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، صدر شعبۂ عربی و فارسی الہ آباد یونیورسٹی، ڈاکٹر نظام الدین صدر شعبۂ فارسی جامعہ عثمانیہ، ڈاکٹر میر ولی اللہ پروفیسر فلسفہ، جناب عبدالقادر سروری پروفیسر اردو، جناب سید محمد لکچرر سٹی کالج، اور اسی طرح حیدرآباد کے ممتاز وکلا، حکام اور چند ممتاز عہدہ داروں کے سوانح حیات لکھے گئے ہیں،

جوہر سالنامہ، مدیر جناب حامد علی صاحب، حجم ۱۹۲ صفحے، تقطیع ۲۰×۲۶/۸، قیمت ۱۲/ پتہ:- منیجر رسالہ جوہر، جامعہ ملیہ، قرول باغ، دہلی،

جامعہ ملیہ میں طلبہ کی ایک علمی انجمن اتحاد ہے، اس کا ترجمان جوہر کے نام سے شائع ہوا ہے، رسالہ میں اچھے اور سطحی دونوں قسم کے مضامین ہیں، لائقِ ذکر مضامین میں "مولانا محمد علی کی محشی کتابیں" اپنے اندر خاص ندرت رکھتا ہے، "انشا پردازی کے آداب" جناب محمد مجیب صاحب بی اے آکسن استاذ

جامعہ نے سکھائے ہیں، "ہندوستان میں تعلیمی تحریک" پر لائق مدیر کا ایک پر مغز مضمون ہے، اسی طرح ایک مضمون "ہندوستان دوسرے ممالک کے مقابلہ میں" کے عنوان سے ہے، جس میں ہندوستان کے معاشی و تعلیمی حالات کا موازنہ دوسرے ممالک سے کیا گیا ہے، دوسرے سطحی مضامین بھی طلبہ کی استعداد کے لحاظ سے امید افزا ہیں،

اسمٰعیلی کا گولڈن جوبلی نمبر

اڈیٹر جناب علی محمد جان صاحب چنارہ، حجم تقریبًا ۳۰۰ صفحے، تقطیع ۲۰×۲۶/۴، پتہ :- دفتر ہفتہ وار اسمٰعیلی، بمبئی،

ہز ہائینس سر آغا خاں کی سنہری جوبلی کی شاندار تقریب ماہ جنوری ۳۶ء میں انجام پائی، اسی تقریب میں اسمٰعیلی فرقہ کے ہفتہ وار اخبار اسمٰعیلی نے گولڈن جوبلی نمبر کے نام سے اپنا ایک ضخیم خاص نمبر نفیس کاغذ اور اہتمام کی لکھائی چھپائی کے ساتھ شایع کیا ہے، اس کے مضامین ہندوستانی (اردو) گجراتی، اور انگریزی زبانوں میں ہیں، جن میں خاندان فاطمی اسمٰعیلی اور فرقۂ اسماعیلیہ کی اجمالی تاریخ اور ان کے ائمہ، قواد، دعاۃ، اور شعراء کے مختصر سوانح پیش کئے گئے ہیں، تاریخی واقعات کے بیان میں قدرۃً اسماعیلی فرقہ کا نقطۂ نظر ملحوظ رکھا گیا ہے، لیکن بعض واقعات سرے سے تاریخی حیثیت سے صحیح نہیں، مثلاً قائد القواد جوہر صقلی کو "ابن عبداللہ الکاتب" لکھ کر کہا گیا کہ وہ اتفاقاً مصائب روزگار کا شکار ہوگیا، المعز نے اسے آزاد کرایا، حالانکہ اسے صارب صقلبی نے سسلی میں گرفتار کیا تھا، اور مختلف ہاتھوں سے فروخت ہوتا ہوا، المنصور کے دربار میں پیش کیا گیا، اور اسی نے اسے آزاد کیا، اور وہ اسی زمانہ سے حکومت کے معاملات میں رفتہ رفتہ حصہ لینے لگا، "الکاتب" اس کے باپ کا لقب نہیں، خود اس کا تھا، المعز کے عہد میں ابتداءً عہدۂ کتابت پر سرفراز کیا گیا تھا، اس کے بعد سپہ سالاری کا منصب ملا، اور اس نے مختلف ملکی خدمات کے بعد مصر کو فتح کرکے قاہرہ اور جامع ازہر کی بنیاد ڈالی، اسی طرح شمس الدین تبریزی کے نام سے جو چند شخصیتیں مشہور ہیں ان میں سے مولانا روم کے شمس تبریزی کو

بھی فرقہ اسماعیلیہ کا داعی بتایا گیا ہے، کہ ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت قلعہ الموت میں انجام پائی، یہ بے اصل بات ہے، ایسی کوئی روایت تاریخ میں نظر سے نہیں گذری، البتہ وہ شمس الدین تبریزی جنکا مزار ملتان میں ہے غالبًا اسمٰعیلی تھے، اس ضخیم مجلہ سے فرقۂ اسماعیلیہ کے متعلق یکجا سرسری معلومات حاصل ہوتے ہیں، جو شاید ہندوستانی زبان (اردو) میں خود اسی فرقہ کی طرف سے ذمہ دارانہ طور پر پہلی مرتبہ منظرعام پر لائے گئے ہیں، رسالہ صوری اعتبار سے ہندوستانی زبان کے تمام سالناموں میں بڑھا ہوا ہے، اسماعیلی ائمہ، دعاۃ، شعراء، حکماء، اور موجودہ ہزہائنس اور ان کے کنبہ کی متعدد رنگین تصویریں شائع کی گئی ہیں، سر اقبال، مشیر حسین قدوائی اور خواجہ حسن نظامی وغیرہ کے مضامین اور پیغامات بھی ہیں،

زمانہ کا حالی نمبر، اڈیٹر جناب دیانرائن نگم، بی اے، حجم تقریبًا .. اصفحے، تقطیع $\frac{۲۰ \times ۲۶}{۸}$

قیمت: ۱۲ ار پتہ:- دفتر زمانہ کانپور،

رسالہ زمانہ کانپور، ہندوستانی زبان کا قدیم خدمتگذار ہے، مولانا حالی مرحوم کی صد سالہ یوم ولادت کی تقریب میں اس نے اپنا حالی نمبر شائع کیا ہے، جس کے مختلف مضامین میں مولانا حالیؒ کی سیرت اور ان کی خدمتِ علم و ادب کے مختلف پہلو نمایاں کئے گئے ہیں، اور نظموں کے اقتباسات درج کئے گئے ہیں، نیز مولانا حالیؒ کے چند خطوط بنام مدیر زمانہ اس میں چھپے ہیں، "علمی نوٹ اور خبریں" رسالہ زمانہ کا مستقل عنوان ہے، وہ اس نمبر میں بھی موجود ہے، اس میں سودیشی تحریک سے متعلق چند استفسارات کے جوابات مولانا حالیؒ کے قلم کے لکھے ہوئے شائع کئے گئے ہیں، یہ استفسارات ۱۹۰۶ء میں مدیر زمانہ ہی نے کئے تھے، اور اسی زمانہ میں شائع کئے تھے، جن لوگوں نے مولانا حالیؒ کو فرقہ وار شاعر قرار دے کر ان کی صد سالہ سالگرہ میں بعض اکابر کی شرکت پر طعن و طنز کئے تھے ان کے لئے رسالہ زمانہ کا یہ حالی نمبر جو سراپا اخلاص سے شائع کیا گیا ہے، تازیانہ عبرت سے کم نہیں ہے،

سالنامۂ ادبی دنیا، (مصور) اڈیٹر جناب منصور احمد صاحب بی اے، حجم ۱۰۹ صفحے،

تقطیع ۲۶×۲۰/۴ قیمت: ؏ پتہ: دفتر ادبی دنیا، کرشل بلڈنگس، مال روڈ، لاہور،

رسالہ ادبی دنیا کا سالنامہ صوری و معنوی دونوں حیثیتوں سے اچھا خاصہ شاندار شائع ہوا ہے، جس میں افسانے، ڈرامے، اور علمی و ادبی ہر قسم کے مضامین ہیں، جناب کیفی دہلوی نے اپنے مضمون "تاریخ اردو کا مطالعہ" میں اردو زبان کی پیدائش و نشو و نما سے متعلق ان نظریوں پر نظر ڈالی ہے، جن میں اس کا مولد دکن اور پنجاب کو قرار دیا گیا ہے، اور ان کا رد کر کے اسے پھر دہلی ہی کی طرف لوٹا لائے ہیں، حالانکہ اب یہ نظریہ ہی سرے سے لائق بحث نہیں رہا کہ اردو کی پیدائش کو کسی خاص صوبہ میں منحصر کر دیا جائے، اس سلسلہ میں مختلف عرب سیاحوں اور جغرافیہ نویسوں مسعودی (۳۰۳ھ) اصطخری (۳۴۰ھ) ابن حوقل (۳۶۷ھ) اور بشاری (۳۷۵ھ) کے بیانوں سے یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ ان زمانوں سے بہت پہلے عربی و فارسی زبانوں کا اختلاط ہندوستان کی صوبہ وار زبانوں سے ہو چکا تھا، ورنہ یوں اگر دیکھا جائے تو مسلمانوں کے ورود ہند کے تعلق سے جن دیسی زبانوں سے عربی و فارسی زبانیں پہلی مرتبہ مخلوط ہوئیں وہ سندھی ملتانی، پھر پنجابی اور دہلوی ہیں، اس سلسلہ میں موصوف نے محمود غزنوی کے ہندی لشکر اور حکیم تلک کے غزنین میں موجود ہونے کے واقعات کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ ابھی تک اردو کی پیدائش کے ضمن میں ان کا تذکرہ نہیں کیا گیا، حالانکہ ارباب نظر اپنے مقالات میں اس سے پہلے اس سے ثبوت لا چکے ہیں، اور انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مضمون "اردو" میں بھی اول الذکر واقعہ موجود ہے،

عالمگیر کا خاص نمبر (مصور) اڈیٹر جناب محمد عالم صاحب، حجم ۲۰۴ صفحے، تقطیع ۲۶×۲۰/۴

قیمت ؏، پتہ:- دفتر عالمگیر، بازار سید مٹھا، لاہور،

لاہور کے مشہور ادبی رسالہ عالمگیر کا سالنامہ بھی خاص نمبر ۳۶ء کے نام سے ماہ جنوری میں شائع ہوا ہے، جس میں مختلف دلچسپ ادبی مضامین اور افسانے چھپے ہیں، جناب سید حسن برنی نے البیرونی کی کتاب الہند کا ترجمہ شروع کیا ہے، اس کا پہلا باب، اس سالنامہ کا پہلا مضمون ہے، اس کے

علاوہ "خواجہ محمود گاواں" "آنسکرو اللہ کے خطوط" "حضرت مضطر خیر آبادی" (کے چند مکاتیب) کے عنوانوں سے مضامین ہیں، اور شعراء میں سے حضرت شاد عظیم آبادی، مضطر خیر آبادی، جلیل مانک پوری، امجد حیدر آبادی اور شفق عماد پوری وغیرہ کے کلام ہیں،

سالنامہ ادب لطیف، (مصور) اڈیٹر جناب چودھری برکت علی صاحب بی اے وجناب میرزا ادیب بی اے، حجم ۲۲۲ صفحے تقطیع ۲۰×۳۰/۸، قیمت عہ، پتہ پنجاب بکڈپو نمبرہ لوئر مال لاہور،

رسالہ ادب لطیف تقریباً ایک سال سے جاری ہے، اور اس نے ادبی رسالوں میں اپنی اچھی جگہ حاصل کرلی ہے، اس کا سالنامہ ماہ دسمبر ۳۵ء میں شائع ہوا ہے، جو ادبی و تاریخی مضامین پر مشتمل ہے، تاریخی مضامین میں "اکبر اور دین الہیٰ" "عہد فیروز شاہی میں شاہی جشن"، "کیا فیروز تغلق غاصب تھا" اور "مصحفی کا قیام دہلی" لائق ذکر ہیں، آخر الذکر مضمون میں مولوی عبد الحق صاحب کے مقدمہ مشتمل بر سوانح مصحفی کے بعض مسامحات کی تصحیح، مصحفی کے تذکروں میں سے ان کے معاصر شعراء کے حالات کے اقتباسات سے کیگئی ہے، جن میں مصحفی نے ضمناً اپنا بھی ذکر کیا ہے، حصہ نظم میں مولانا ظفر علی خاں کی ایک تازہ نظم "بلاستان" سر صفحہ پر ہے، اسی طرح حضرت جلیل، حکیم الشعراء امجد، بیدم وارثی وغیرہ کے کلام ہیں،

ہمایوں کا سالگرہ نمبر، (مصور) اڈیٹر جناب بشیر احمد صاحب بیرسٹر و جناب حامد علی صاحب بی اے، حجم ۱۲۰ صفحے، تقطیع ۲۰×۳۰/۸، قیمت ۱۲/-، پتہ: دفتر ہمایوں نمبر ۲۳، لارنس روڈ لاہور،

رسالہ ہمایوں ہندوستانی زبان کا قابل قدر سنجیدہ ادبی رسالہ ہے، جو اپنی ایک روش پر گامزن ہے، اس کا سالگرہ نمبر ماہ جنوری میں شائع ہوا ہے، جو مختلف دلچسپ مضامین نظم و نثر کا حامل ہے، بزم ہمایوں میں سال بھر کے ہندوستانی رسالوں کا جائزہ لیتے ہوئے انکے مضامین "بے سود" و "سود مند" دو حصوں میں تقسیم کر کے نام بنام گنا دیئے گئے ہیں، لیکن ارباب شعور کو یہ بھی اجازت دیگئی ہے کہ وہ "سود مند" کو "بے سود" اور "بے سود" کو "سود مند" سمجھیں، اس موقع پر یہ مصرع بے اختیار

یاد آگیا، سے کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی،

ساقی کا جاپان نمبر، (مصور) اڈیٹر جناب شاہد احمد صاحب بی اے، دہلوی، حجم ۱۸۴ صفحے، تقطیع ۲۰×۳۰/۸، قیمت عہ پتہ :- دفتر ساقی، کوچہ چیلاں، دہلی،

اس سال رسالہ ساقی کا سالنامہ "جاپان نمبر" کے نام سے شائع ہوا ہے، جسے پروفیسر نور الحسن صاحب برلاس استاذ اردو، مدرسۃ السنہ غیر ٹوکیو جاپان کی مدد سے ترتیب دیا گیا ہے، انھوں نے اپنے مضامین کے علاوہ جاپان کے مدارس کے دوسرے اساتذہ سے بھی مضامین حاصل کرکے ان کے ترجمے بھیجے ہیں، اسی طرح دوسرے مسلمانانِ ہند مقیم جاپان، جناب عبد القدیر نیاز، طفیل احمد چغتائی، سید لطیف حسین دہلوی، سید محمد شاکر تراب علی ندوی، ایم سہائے، قمر النساحسن حنیفہ رشید فتح علی، اور مسز برلاس نے بھی مضامین سے معاونت کی ہے، ان مضامین سے جاپان کی تاریخ، آثار، تہذیب، معاشرت، سیاست، تجارت اور علم وادب کے حالات آشکارا ہوتے ہیں، اوران گوناگوں معلومات کے لحاظ سے اس نمبر کو جاپانی تمدن کا آئینہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا،

سالنامۂ سفیر سخن، (مصور) اڈیٹر جناب ابو الکیف کیفی، حجم ۲۰۰ صفحے، تقطیع ۲۰×۳۰/۸،

قیمت عہ، پتہ :- دفتر سفیر سخن، پشاور (سرحد)

سفیر سخن، پشاور کا کامیاب ادبی مجلہ ہے، اس کا سالنامہ ماہ جنوری میں شائع ہوا ہے، اور یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ یہ صوری ومعنوی دونوں حیثیتوں سے اپنے پچھلے سالنامہ سے بہتر ہے، اس کے مضمون نگاروں میں بیشتر صوبہ سرحد ہی کے ارباب قلم ہیں، جن کے مضامین سے صوبہ سرحد کی ادبی وتعلیمی سرگرمیوں کا اندازہ ہوتا ہے، نیز ملک کے چند دوسرے اہل قلم نے بھی مضامین بھیجے ہیں، جنین سے اکثر اچھے اور پر معلومات ہیں، کارکنانِ رسالہ ہندوستانی زبان کی اہم خدمت انجام دے رہے ہیں، خدا ان کی مساعی بار آور فرمائے،

تنویر کا سالگرہ نمبر، اڈیٹر جناب حمید اخترؔ، حجم ۱۲۰ صفحے، تقطیع ۲۰×۳۰/۸، قیمت: ۸/ر

پتہ :- دفتر تنویر، رام سوامی کوارٹر، کراچی،

یہ رسالہ ایک سال سے کراچی سے جاری ہے، اور ہندوستانی زبان کی مفید خدمت انجام دے رہا ہے، اس کا سالگرہ نمبر ماہ ستمبر میں شائع ہوا ہے، جس میں مختلف ادبی مضامین نظم و نثر ہیں، رسالہ کو اس کے ارکن باوجودیکہ حکومت بمبئی نے ڈیکلریشن تک دینے سے انکار کر دیا ہے، زبان کی خدمت کے جذبہ کے ساتھ کامیابی سے چلا رہے ہیں، اور یہ ہماری ہندوستانی زبان کے "ہندوستانی" ہونے کی ایک بڑی نشانی ہے،

سالنامۂ شاہجہاں، اڈیٹر جناب سید وصی اشرف صاحب دہلوی، حجم ۱۰۸ صفحے،

تقطیع ۲۰×۳۰/۸، قیمت ۸/ر پتہ :- دفتر شاہجہاں دہلی،

اس رسالہ میں صرف افسانے چھپتے ہیں، اور اس کا سالنامہ بھی صرف افسانوں پر مشتمل ہے جن میں سے اکثر مشاق افسانہ نویسوں کے لکھے ہوئے ہیں اور اچھے ہیں،

سالنامۂ مجلۂ سلفیہ، اڈیٹر مولوی سید عبدالحفیظ صاحب نیرؔ گیاوی، حجم ۸۴ صفحے، تقطیع ۲۰×۳۰/۸، قیمت: ۸/ر پتہ :- دفتر مجلۂ سلفیہ، لہریا سرائے، دربھنگہ،

یہ مذہبی رسالہ ہے جو دارالعلوم احمدیہ سلفیہ سے جاری ہے، اس کا سالنامہ ماہ دسمبر ۳۵ء میں شائع ہوا ہے، جس میں اصلاحی و تبلیغی اور بعض ادبی مضامین ہیں،

ہونہار کا سالگرہ نمبر، اڈیٹر جناب فیاض حسین صاحب نسیمؔ جامعی، ۱۰۸ صفحے، تقطیع ۲۰×۳۰/۸، قیمت: ۸/ر پتہ :- دفتر ہونہار، دہلی،

یہ بچے اور بچیوں کا ماہانہ رسالہ ہے، اسکا سالگرہ نمبر ماہ جنوری میں شائع ہوا ہے، مضامین بچوں کیلئے دلپسند اور کار آمد ہیں، بچوں کی دلچسپی کی تصویریں اور بچیوں کیلئے کشیدہ کاری وغیرہ کے معلومات بھی ہیں، بچوں کیلئے اسکا مطالعہ مفید اور سبق آموز ہوگا،

ہندوستانی زبان کے چند نئے رسالے

گذشتہ مہینہ میں چند نئے رسالوں کا تذکرہ باقی رہ گیا تھا، وہ حسب ذیل ہیں:۔

باغ و بہار دہلی (ماہانہ) مدیر جناب سعدی مچھلی شہری، حجم ۴۸ صفحے، تقطیع ۲۰×۲۶/۸

پتہ:۔ نمبر ۵، کلائیو روڈ، نئی دہلی،

یہ ادبی رسالہ ہے، جو ہندوستانی رسالوں میں سب سے سستا ہے، ماہ فروری ۱۹۳۶ء سے جاری ہوا ہے، پہلا مضمون جناب ڈاکٹر جعفری، ڈائرکٹر پبلک انفارمیشن حکومت ہند کا "ہندوستان کی حکومت" کے عنوان سے ہے، جس میں انگریزوں سے پہلے ہندوستان کی "ابتری" اور ان کے آنے کے بعد حکومت برطانیہ کے "برکات" دکھائے گئے ہیں، رسالہ میں ایک لائق ذکر چیز غالب کے اخیر دور کے چند غیر مطبوعہ کلام کی اشاعت ہے، افسوس کہ اس میں تصحیح و کتابت کی غلطیاں باقی رہ گئی ہیں، دوسرے مضامین بھی اچھے خاصے ہیں،

رفیق الطلبہ پونا (ششماہی) اڈیٹر جناب رفیق احمد زکریا، حجم حصہ اردو ۵۵ صفحے، تقطیع ۲۰×۲۶/۸

قیمت ۸/، پتہ:۔ اینگلو اردو ہائی اسکول، پونا،

یہ اردو ہائی اسکول پونا کے طلبہ کا ترجمان ہے، اسے علاقہ پونا میں واحد ہندوستانی رسالہ کے ہونے کا فخر حاصل ہے، یہ ہندوستانی اور انگریزی دونوں زبانوں میں نکلتا ہے، اور یہ دیکھکر خوشی ہوتی ہے، کہ رسالہ سات برس سے ایک ایسے مقام پر ہندوستانی زبان کی خدمت انجام دے رہا ہے، جہاں ایک طرف صوبہ کی مستقل مرہٹی زبان اپنا اثر جمائے ہے، اور دوسری طرف وہیں ہندی زبان کو ہندوستان کی عام زبان تسلیم کرانے کی تحریک

زور شور سے اٹھائی گئی ہے، رسالہ اپنی استعداد کے لحاظ سے قابلِ قدر ہے، اور طلبہ مین زبان و انشا پردازی کا اچھا مذاق پیدا کر رہا ہے، رسالہ سلیقہ سے مرتب کیا جاتا ہے علمی و ادبی تاریخی اور تعلیمی مضامین علٰحدہ علٰحدہ مستقل عنوانون سے شائع کئے جاتے ہین،

موسیقار، دہلی (مصور) مدیر جناب عزیز منشی فاضل، حجم ۸۰ صفحے، تقطیع ۲۰×۳۰/۸ قیمت سالانہ ۱۲؎ ہر پرچہ ۲؎، پتہ نئی دہلی، دہلی،

یہ ادبی رسالہ ہے جو ہندوستانی زبان کی خدمت کے لئے ماہ اکتوبر سے نکلا ہے، ادبی و تاریخی مضامین چھپتے ہین، اور افتتاحیہ کے صفحوں میں ہندوستان کے سیاسی مذہبی، اور اجتماعی مسائل پر رائے زنی کی جاتی ہے،

واعظ لاہور (ماہانہ) اڈیٹر مولوی حفیظ اللہ صاحب قریشی، ۴۰ صفحے، تقطیع ۲۰×۲۰/۸ قیمت ۱۲؎ سالانہ، پتہ:۔ فاروق گنج، لاہور،

یہ بھی ایک مذہبی رسالہ ہے جسمین مسلمانون کی مذہبی صلاح و فلاح کیلئے مضامین چھاپے جاتے ہین، مضامین کیلئے پہلے کے مطبوعہ و غیر مطبوعہ کی کوئی قید نہیں ہے،

مبلغ امرتسر (ماہانہ) اڈیٹر مولوی محمد اسحٰق صاحب حنیف امرتسری، ۳۲ صفحے، تقطیع ۲۰×۲۶/۸ قیمت ۱۲؎، پتہ:۔ رسالہ مبلغ وحقانی بک ڈپو امرتسر،

تبلیغی رسالہ ہے اس میں بھی مطبوعہ و غیر مطبوعہ ہر قسم کے مضامین چھپتے ہین، رسالہ مسلمانوں کے مذہبی اختلاف مٹا کر ان مین وحدتِ اسلامی پیدا کرنا چاہتا ہے،

اجمل میگزین بمبئی (ماہانہ) ناظر جناب حکیم علی محمد خان صاحب دہلوی، ۵۰ صفحے تقطیع ۲۰×۳۰/۸ قیمت سالانہ ۶؎، پتہ، کوٹھاری منشن، مقابل جنرل پوسٹ آفس، بوری بندر، بمبئی نمبر ۱،

یہ طبی رسالہ ہے جسمیں عام فہم طبی معلومات چھپتے ہین، اور طب جدید کے مقابلہ میں طب قدیم کی حمایت کیجاتی ہے حفظانِ صحت، طبی معلومات، دواسازی، الادویہ، الامراض والعلاج، مجربات، سوالات

اقتصادیات، وغیرہ اسکے مستقل عنوان ہیں،

طبی میگزین پٹنہ (ماہانہ) اڈیٹر جناب حکیم ظفر صاحب پھربوی، حجم ۳۲ صفحے تقطیع ۳۰×۲۰ قیمت سالانہ عہ، پتہ :- گورنمنٹ طبیہ اسکول، بانکی پور، پٹنہ،

یہ رسالہ پٹنہ کے گورنمنٹ طبیہ اسکول کا آرگن ہے جو چند سال سے وہان کے اساتذہ کی نگرانی مین جاری ہے، اور مفید طبی معلومات کا حامل ہوتا ہے،

چشمۂ صحت دہلی، (ماہانہ) اڈیٹر جناب سید زاہد حسین صاحب کاظمی، ۵۰ صفحے تقطیع ۲۹×۲۲، قیمت سالانہ ۱۲ر، پتہ :- ہمدم دواخانہ یونانی، دہلی، پوسٹ بکس نمبر ۱۰، دہلی،

یہ ہمدم دواخانہ یونانی دہلی کا آرگن ہے، پہلا پرچہ ماہ جولائی ۳۵ء میں شائع ہوا ہے، اس مین طب قدیم وجدید دونون سے ماخوذ مضامین شائع ہوتے ہین، ۳۰ صفحے مضامین اور باقی صفحات فہرست ادویہ کیلئے ہین، اس لحاظ سے اسکی سالانہ قیمت ۱۲ر اور ہر پرچہ ار غیر معمولی حد تک کم ہے،

طبی دنیا دہلی (ماہانہ) حجم ۴۰ صفحات تقطیع ۲۶×۲۰ قیمت سالانہ ۱۲ر، ہر پرچہ ار، پتہ برادو اغا دہلی، پوسٹ بکس نمبر ۱۳۵، دہلی،

یہ رسالہ دلی کے مشہور "برادواخانہ" کا آرگن ہے، یونانی طب اور ویدک کی حمایت میں مضامین اور دواؤنکی فہرستیں چھاپی جاتی ہین،

حامی الصحت دہلی (ماہانہ) اڈیٹر جناب حکیم احمد حسن خانصاحب کوکب نظامی، ۴۰ صفحے، تقطیع ۳۰×۲۰، قیمت سالانہ عہ، پتہ :- کوچہ چیلان، دہلی،

یہ طبی رسالہ جناب حکیم حافظ علی رضا خان صاحب کی نگرانی مین نکلتا ہے، جو دواخانہ حامی الصحت کے مالک ہیں، "طبی معلومات" "حفظان صحت" اور "تربیت اطفال" وغیرہ کے عنوان سے مضامین چھپتے ہین،

" س "

تذکرۃ السامع والمتکلم فی ادب العالم والمتعلم } مؤلفہ قاضی بدر الدین بن جماعہ المتوفی سنہ ۷۳۳ھ، ملنے کا پتہ دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن،

قیمت، نا معلوم،

یہ ساتوین صدی کے ایک صاحبِ علم کی تصنیف ہے جس کا موضوع و مقصد یہ ہے، کہ علماء و طلبہ کو بہترین اخلاق کے ساتھ متصف ہونے کی ترغیب دی جائے، لیکن اسی کے ساتھ اس مین ضمناً تعلیم کے بہت سے ایسے قدیم اصول آگئے ہین، جو اور کسی کتاب مین نہیں مل سکتے، اسی حالت مین دائرۃ المعارف العثمانیہ کا یہ علمی احسان ہو کہ اس نے یہ کتاب شائع کی، لیکن یہ احسان اسلئے اور بھی وقیع ہوگیا ہے، کہ تعلیم کے جو قدیم اصول ضمناً و طبعاً اس کتاب مین آگئے تھے، ان کو دائرہ نے حاشیہ مین الگ جمع کر دیا ہے، اور اس طرح اگر ہم قدیم تعلیم کے اصول پر کوئی مضمون یا کوئی رسالہ لکھنا چاہین، تو اس کتاب سے اور اس کتاب سے زیادہ اسکے حواشی سے ہمکو مدد مل سکے گی،

تفسیر سورۃ الفیل، مؤلفہ مولینا حمید الدین صاحب مرحوم پتہ دائرہ حمیدیہ، سرائے میر اعظم گڈھ، قیمت [illegible]

مولینا حمید الدین صاحب مرحوم کی تفسیر القرآن کے جو اجزاء شائع ہوچکے ہین، ان مین سورہ فیل کی تفسیر نہایت اہم ہے، اس مین انھون نے بہت سی باتون مین قدیم مفسرین سے اختلاف کیا ہے، اور مختلف شواہد اور اشعار عرب سے اس اختلاف کی تائید کی ہے، اور خانہ کعبہ کی تاریخ اور فضیلت کے متعلق

بہت سی نادر اور مفید باتین لکھی ہیں، کتاب عربی زبان میں ہے، اور علما و فضلا کے خاص مطالعہ کے قابل ہے، مسرت ہے، کہ ہندوستانی زبان مین بھی اس کا ترجمہ الاصلاح میں باقساط شائع ہو رہا ہے،

بہادر شاہ ظفر، مرتبہ مولوی علی احمد صاحب علوی بی اے، پنشنر ڈپٹی کلکٹر ضخامت ۵۲ صفحات، قیمت ۸؍ پتہ جناب محمد زکی صاحب علوی، امیر محل لائبریری نصیر باغ کاکوری لکھنؤ

اس کتاب میں بہادر شاہ ظفر کے سوانح و حالات لکھے گئے ہین، اور ان کے اخلاق و عادات، دین و مذہب اور صوفیانہ رجحان پر نہایت سنجیدہ خیالات کا اظہار کیا گیا ہے، اخیر میں ان کی شاعری کے معائب و محاسن پر تفصیلی بحث ہے، اور اس میں مولوی محمد حسین صاحب آزاد کے اس خیال کی کہ ظفر کے تین دیوان شیخ ابراہیم ذوق کی تصنیف ہین، معقول دلائل سے تردید کی گئی ہے، کتاب فی الجملہ دلچسپ اور عمدہ معلومات پر مشتمل ہے، البتہ اگر ماخذون کے حوالے بھی دیدیئے جاتے، تو وہ اور زیادہ وقیع اور مستند ہو جاتی،

کمال داغ، یعنی انتخاب دواوین داغ دہلوی، مع مقدمہ تنقیدی، مرتبہ مولینا حامد حسن صاحب قادری، پروفیسر سینٹ جانس کالج آگرہ، حجم ۲۵۲ صفحے، تقطیع چھوٹی، پتہ آگرہ اخبار پریس آگرہ

نواب مرزا داغ کا شمار اردو زبان کے مایۂ ناز شعراء میں ہے، رامپور میں جسوقت نواب کلب علی خان بہادر کی قدر دانی سے لکھنؤ کے تمام اساتذہ ایک جگہ جمع ہو گئے تھے، نواب مرزا داغ نے تنہا دلی کی شاعری کا وقار قائم رکھا، اسلئے اگر ان کی شاعری پر ریویو لکھا جائے، تو اردو شاعری کے دور آخر مین لکھنو اور دلی کی شاعری کا جو رنگ تھا اور رامپور میں اردو شاعری کی تاریخ کا جو نیا دور قائم ہو رہا تھا، اُن سب پر تفصیل بحث کرنے کی ضرورت پیش آئے گی، اور اسوقت رامپور میں جن اساتذہ کا اجتماع ہو گیا تھا، اُن سب کی شاعری سے ضمناً بحث کرنا ہوگی، اس انتخاب کے مقدمہ تنقیدی میں اگرچہ اسقدر جامعیت تو نہیں پائی جاتی، تاہم داغ کی شاعری پر ریویو کرنے کے لئے سرسری نظر مین جسقدر ابواب قائم کئے جا سکتے تھے، اس مقدمہ میں تقریباً سب کے سب قائم کر دیئے گئے ہین، اور ان پر غور و فکر کے ساتھ تسکین بخش بحث کی گئی ہے

اس مقدمہ کے بعد داغ کے چار دن دیوانون کا مختصر انتخاب ہے، انتخاب میں ہر شخص کا مذاق جدا گانہ ہوتا ہے، تاہم گر اسی قدر مختصر انتخاب مدنظر تھا، تو بھی ہمارے خیال میں اس سے زیادہ بلند بہتر اور رنگین اشعار منتخب کئے جا سکتے تھے۔ اور مقدمہ تنقیدی میں جو سُرخیان قائم کی گئی ہین، وہ اس انتخاب میں بھی قائم کیجا سکتی تھین، اور اس طرح یہ انتخاب زیادہ جامع اور متنوع مضامین کا مجموعہ ہو جاتا، پھر بھی اس مجموعۂ انتخاب سے داغ کی شاعری کے رنگ کا اندازہ ہو جاتا ہے، اور یہی حاصلِ انتخاب ہے،

الزہرات، نتیجۂ فکر مولوی عبد الرحمن کاشغری ندوی، ضخامت ۱۱۰ صفحات، پتہ مکتبۃ الضیاء لکھنؤ، قیمت ۔/۸ر

دار العلوم ندوۃ العلماء کو ہمیشہ سے یہ امتیاز حاصل رہا ہے، کہ وہان کے تعلیم یافتہ علماء عربی علم ادب کا خاص ذوق رکھتے ہین، اور عربی نظم و نثر مین اون کی یہ امتیازی شان واضح طور پر نمایان ہوتی ہے، نثر میں اون کی یہ خصوصیت مجلۃ الضیاء کے مضامین سے واضح ہوتی ہے، جو زیادہ تر وہین کے طلبہ و فضلاء لکھتے ہین نظم میں مولوی عبد الرحمن کاشغری کو تفوق خاص حاصل ہے، اور یہ الزہرات انہی کا دیوان ہے، جو مختلف اصنافِ سخن پر حاوی ہے، ابتداء میں مولوی مسعود عالم ندوی مدیر الضیاء نے ایک مفید اور دلچسپ مقدمہ لکھا ہے، جس میں اختصار کے ساتھ عربی شاعری کی تاریخ لکھی ہے، بالخصوص ہندوستان میں عربی علم ادب کی جو حالت رہی ہے، اس پر عمدہ تبصرہ کیا ہے، اور اس کے بعد اس دیوان کی خصوصیات کو روشناس کیا ہے، عربی زبان کے طلبہ و علماء جو ادبی ذوق رکھتے ہون، ان کو اس دیوان کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے،

محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم، از جناب زہرا بیگم بنت خان صاحب محمد حسن انجنیئر آباد، ناشر مہتمم بچون کا کتبخانہ نمبر ۵ کلائیو روڈ نئی دہلی ۳۱ صفحے تقطیع چھوٹی، قیمت ۔/۲ر

اس مین بچون کیلئے سہل اور آسان زبان میں آنحضرت صلعم کی سیرت پاک بیان کی گئی ہے، "ع"

جلد ۳۷ ماہ محرم الحرام ۱۳۵۵ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۳۶ء | عدد ۴

مضامین

خدا کا شکر ہے کہ پانچ مہینوں کے بعد قلم نے کاغذ کی سطح پر قدم رکھا، اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کی تو کوئی حد نہیں ہے، وہ جیتوں کو مارتا اور مرتوں کو جلاتا ہے، اس نے اپنے ایک حقیر بندہ کو موت کے بستر سے جلا کر کھڑا کر دیا، تو کیا تعجب کی بات ہے، اب دعا یہ ہے کہ اس کو زندگی کے چند انفاس کی جو کچھ مہلت ملی ہے، اس میں اس قادر مطلق کی خوشنودی کا کوئی ایسا کام اس سے انجام پائے جو اسکی مغفرت کا سہارا، اور آخرت کا توشہ ہو،

میری اثنائے علالت میں ہندوستان اور ہندوستان سے باہر کے سینکڑوں بزرگوں، دوستوں اور عزیزوں نے ہمدردی اور طلب خیریت کے جو تار اور خط بھیجے، اور ہزاروں مسلمانوں نے مسجدوں اور مجلسوں میں مجھ گنہگار کی صحت کی جو دعائیں مانگیں، ان کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل خاص ہے کہ اس نے اپنے بندوں کے دل اپنی بارگاہ میں دعاؤ التجا کے لئے کھول دیئے، اور بندگی کی زبان حال نے کہا،

> از ہر کنار تیر دعا کردہ ام روان باشد کزیں میانہ یکے کارگر شود

بحمد اللہ کہ وہ کارگر ہوئی، اڈیٹر بھائیوں نے اپنے اخباروں اور رسالوں میں میری علالت اور صحت پر اپنے جن مخلصانہ جذبات کا اظہار فرمایا وہ میرے استحقاق سے زیادہ تھے، ان کے کرم اور قلم کا ممنون ہوں،

بیماری تو جا چکی ہے مگر دل و دماغ کی قوت اور توانائی ابھی واپس نہیں آئی ہے، اسی لئے دوستوں کے علمی استفساروں اور خطوں کے جواب اور فرمایشوں کی تعمیل سے معذوری ہے، اپریل کے شروع میں ڈیڑھ دو ماہ کا قصد ہے، اور غالباً گرمیوں کے مہینے وہیں بسر ہوں جولائی سے امید ہے کہ کام کرنے کی صلاحیت پوری

طرح پیدا ہو، اس اثنا میں التماس ہے کہ خطوط اور استفسارات کے بوجھ سے مجھ ناتوان کو ہلکا رکھا جائے خصوصاً فتووں کے جواب سے تو مجھے بالکل معذور سمجھا جائے،

میری علالت کے زمانہ میں ملک وملت کی کئی نامور ہستیوں نے اس دنیائے فانی کو الوداع کہا، حافظ ہدایت حسین صاحب مرحوم اس صوبہ کے مسلمانوں کی بڑی دولت تھے، اس دولت کا چھن جانا ہماری سب سے بڑی محرومی ہے، دلّی کے پایہ تخت کی بھی ایک یادگار مٹ گئی، یہ مولانا راشد الخیری کی ذات تھی، جس نے اپنی ساری عمر مسلمان عورتوں کی علمی وادبی وتعلیمی خدمتگذاری میں بسر کردی، دکن کے خزانہ کا بھی ایک قیمتی ہیرا گم ہوگیا، یعنی مولانا شیر علی صاحب سابق مدرس اعلیٰ دار العلوم ندوہ وسابق استاد کلام جامعۂ عثمانیہ نے وفات پائی، مرنے والے مرگئے، مگر ان کے کارنامے دنیا میں یادگار رہ گئے،

از صدائے سخن عشق ندیدم خوشتر یادگارے کہ دریں گنبد دوّار بماند

لاہور کے ادارۂ معارف اسلامیہ کے جلسے شاید ان اوراق کے آپ کے ہاتھوں میں پہنچنے تک ہوچکیں، آج سے ڈھائی سال پہلے اس ادارہ کا پہلا اجلاس ہوا تھا جس میں اسلامی علوم وفنون اور تمدن کے متعلق بہت سے محققانہ مضامین پڑھے گئے تھے، اور جن کا مجموعہ مجلس کے پہلے سال کی روداد میں شائع ہوچکا ہے، توقع ہے کہ اس کا دوسرا اجلاس جو ۱۰ اپریل سے ۱۲ اپریل ۱۹۳۶ء تک ہوگا پہلے سے بڑھ چڑھ کر ہوگا، عربی اور فارسی کی نادر قلمی کتابوں اور سکوں کی نمائش بھی ساتھ ساتھ ہوگی،

آج ہندو بھائیوں کی سیاسی اور تاریخی دنیا میں عالمگیر سے بڑھ کر کوئی مسلمان بادشاہ برا نہیں مگر دیکھو کہ آج کتنے ہندو مندر ہیں جو اسی بتخانہ شکن بادشاہ کی فیاضی کے بدولت آباد ہیں، ابھی اخبارو میں یہ خبر تازہ ہے کہ بسمت نگر ضلع پربھنی (دکن) کے ایک بڑے مندر کے مہنت کے پاس شاہ عالمگیر کی دی ہوئی ایک قیمتی پگڑی تھی، جس میں جواہرات ٹنکے ہوئے تھے، اور جس کی مالیت کا اندازہ پندرہ ہزار تھا، یہ پگڑی سال میں ایک مرتبہ درشن کے لئے جاترا کے موقع پر مندر میں ایک مرصع تخت پر رکھدی

جاتی تھی، یہ پگڑی کئی مہینے ہوئے کہ چوری گئی، اب پولیس نے اپنی تحقیقات سے چوروں کا پتہ چلایا ہے، پگڑی کے ساتھ بادشاہ کی دی ہوئی سندیں بھی ہیں،

واقعہ اپنی نوعیت کا معمولی ہے، مگر دیکھنا یہ ہے کہ وہ لوگ جو یورپ کے سیاسی تعلیمی پروپگنڈے سے متاثر نہیں، اور جو انگریزی تعلیم کی خاص ذہنیت سے پاک ہیں، ان کی نظر میں شاہ عالمگیر کیسا تھا، اب نہ تو عالمگیر ہے اور نہ عالمگیری، آج اس کے لئے آپس میں لڑنے سے حاصل نہیں، اب جو عالمگیر ہندو اور مسلمان دونوں کے سروں پر مسلط ہے، اس کی طرف نظریں متوجہ ہونی چاہئیں، پرانے زمانہ میں اگر کوئی مندر ڈھایا گیا تو تاریخ کے سینما میں اس کا منظر آج تک دکھایا جارہا ہے، مگر آج شہید گنج پر شہید گنج شہید ہوتے جارہے ہیں، مگر دنیا کو خبر تک نہیں ہوئی

خرقہ پوشاں ہمگی مست گذشتند و گذشت   قصۂ ماست کہ در ہر سر بازار بماند

سیاسی مجلسوں کے انتخاب کے دن جیسے جیسے قریب آرہے ہیں، سیاسی بازیگر اپنے اپنے کھیل دکھانے میں زیادہ چست نظر آرہے ہیں، آغا خاں مسلمانوں کی سیاسی و تعلیمی قیادت کا مظاہرہ کرکے یورپ روانہ ہوچکے، اب اس کی زریں روداد جگہ جگہ دہرائی جارہی ہے، اور کسی نامعلوم اقتصادی تجویز کا خیالی تماشا آنکھوں کو دکھایا جارہا ہے،

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں میں بھی دو گروہ الگ الگ ہوگئے ہیں، ایک نرم اور دوسرا گرم، اب ان دونوں کی کوشش رات اور دن کو یکجا کرنے کی کوشش ہے، ضرورت یہ ہے کہ مختلف سیاسی مجلسوں میں جو لوگ بیٹھے ہوئے ہیں وہ اپنے اپنے مجلسی حصار کو جن کے نام الگ الگ انھوں نے رکھ چھوڑے ہیں، توڑ کر صرف دو ہی بلا پرانی مجلسوں میں منقسم ہوجائیں، ایک کا نام مسلم کانفرنس یا مسلم لیگ، اور دوسرے کا نام جمعیت یا یونٹی بورڈ، یا مسلم نیشنلسٹ یا کچھ اور رکھ لیجئے، اور اب مسلمانوں کو انجمن سازی کے گھروندوں سے نجات دلایئے،

تاریخ ہند کا جو کام دارالمصنفین میں کیا جانے والا تھا، اس کا آغاز کردیا گیا ہے، مختصر تاریخ ہند کے نام سے دو سو صفحوں میں ہندوستان کے پورے اسلامی دور کی تاریخ چھپ گئی ہے، یہ اس قابل ہے کہ اسلامی مدرسوں میں پڑھائی جائے، مفصل تاریخ ہند کی پہلی جلد جو سندھ کے حالات پر مشتمل ہے، آدھی ہوچکی ہے، ضرورت ہے کہ ہمارے دوسرے معاونین بھی اپنے وعدوں کا ایفا کریں

مقالات

تاج محل اور لال قلعہ کے معمار

(۳)

امام الدین الریاضی یہ لطف اللہ مہندس کا بیٹا اور استاذ احمد کا پوتا ہے،

ریاضیات کے اس ریاض علم کا یہی وہ نونہال ہے، جس کے تذکرہ کی خوشبو بارہوین صدی کے اہل تذکرہ کی محفل تک پہنچی ہے، خوشگو نے اپنے سفینہ میں حسین قلی خان عظیم آبادی نے اپنے نشتر عشق مین کشن چند اخلاص نے اپنے ہمیشہ بہار مین، اور احمد علی خان سندیلوی نے اپنے مخزن الغرائب میں ان کے حالات لکھے، اور ان کے فارسی اشعار نقل کئے ہین، اور اسی ضمن مین ان کے بعض بزرگون اور عزیزون کے احوال کی طرف بھی اشارات کئے ہین، سفینہ خوشگو مین ہے:

> مولوی امام الدین ریاضی تخلص خلعت ملا لطف اللہ مہندس تخلص لاہوریست کہ قلعہ ارک دار الخلافہ شاہجہان آباد بتجویز وصوابدید او بنا یافتہ، واز عہد جد خود بدار الخلافہ سکونت دارد، در جمیع علوم رسمی یگانہ ومنفرد بود خصوص در ریاضیات تصانیف معتبر دارد، وبا این ہمہ قناعت وریاضت را زیور حال وآل خود ساختہ، بدرس وافادت مشغولی داشت درین جز زمان از مغتنمات بود، اگرچہ بنا بر اشتغال علمی بفکر سخن کم می پرداخت، لیکن سلیقہ بسیار درست داشت، بودن جا بہای پای کم نمی آورد، در سال ہزار وصد وچہل وپنج رحلت کرد، وامروز ملا ابو الخیر معروف بخیر اللہ برادر اعیانی او ..... (خیر اللہ کی رصد بندی کا تذکرہ جس کا ذکر اسکے حال میں آئے گا،)

پھر مولانا ریاضی کے چند فارسی اشعار کا انتخاب ہے،

حسین قلی خان عظیم آبادی نشتر عشق میں لکھتے ہین،

"مولانا امام الدین نام، خلف مولینا لطف اللہ مہندس لاہوریست کہ قلعۂ ارک شاہجہان آباد برائے وی بنیاد شدہ، مدۃ العمر خود، در شاہجہان آباد گذرانیدہ، چون وی بعلم ریاضی شوق براہنائے جنس داشت، و در ورع و پرہیزگاری بے مانند بود، لہذا تخلص خود ریاضی می کرد، وگاہ گاہے فکر بہ تلاش سخن ہم می گماشت...... در سنہ یکہزار و یک صد و چہل و پنج بگلچینی ریاض جنان شتافت"

حسین قلی خان نے ان کی تاریخ وفات کا یہ قطعہ لکھا ہے،

برفتہ چون امام الدین ز دنیا	بگفتہ عاشق باآہ و دلِ سوز،
شد ندای وای بے او بے سروپا	بدیع و صرف و معنی و ریاضی

کشن چند اخلاص نے اپنے تذکرہ ہمیشہ بہار[1] میں ان کا تذکرہ بڑے اخلاص کے ساتھ چند سطرون میں لکھا ہے جس کی ایک ایک سطر سے اسکی عقیدتمندی اور نیازمندی کا اظہار ہوتا ہے، خصوصاً ان کے زہد و استغنا اور سلاطین و امرا کے درباروں سے ان کی بے نیازی کی تعریف کی ہے، ابتدائی سطرین یہ ہین

"...... اصل وطن ایشان دارالسلطنۃ لاہور است و جد شریف آن دانائے اسرار کونی و الٰہی آمدہ، در دارالخلافۃ شاہجہان آباد اقامت گرفتہ، والد شریف ایشان مولوی لطف اللہ مہندس کہ ایشان ہم گاہ گاہے میل بشعری کردند، و مہندس تخلص می فرمودند، و در علم ریاضی خیلے ید علیا داشتند"

پھر چند صفحون میں ان کے زہد و اتقا کے حالات لکھے ہین، اور ان کے شاعرانہ کمال کے ایک دو

---

[1] اس کا نسخہ بانکی پور لائبریری میں نظر سے گذرا،

واقعے نقل کیے ہیں،

احمد علی خان سندیلوی نے تذکرہ مخزن الغرائب میں جو ۱۲۱۸ھ میں لکھی گئی ہے، ذرا سے لفظی تغیر سے وہی کچھ لکھا ہے، جو اخلاص نے بیان کیا ہے، چنانچہ اس میں ہے:

"مولانا امام الدین ریاضی اصل وطن ایشاں بلدۂ لاہور است، جدش توطن در دہلی اختیار کردہ، پدرش مولوی لطف اللہ مہندس بودہ است ایشان ہم بگفتن اشعار میل تمام داشتند و مہندس تخلص می کردند، ودر علم ریاضی مثل این ہر دو پدر و پسر در بلاد ہند نبودہ اند، ہر چند مولانا ریاضی بگفتن شعر توجہ نداشت، روز و شب بتدریس مشغول بود۔"

تذکرۂ صبح گلشن میں ہے:-

"ریاضی امام الدین فرزند مولانا لطف اللہ مہندس لاہوری کہ قلعہ ارک شاہجہان آباد بصوابدید رای رزینش بنیاد گرفتہ، ریاضی متوطن شاہجہان آباد گردیدہ، ازان شہر مدة العمر بیروں نرفتہ ماہر علوم درسیہ بودہ، ودرسبق علم ریاضی از معاصرین قصب السبق ربودہ، در عبادت وریاضت وورع وزہد عدیل خود نداشتہ۔"

تاریخ علمائے ہند میں یہ سطریں ہیں،

"ملا امام الدین دہلوی در اصل لاہوری است، ریاضی دان بود کہ بدہلی توطن گرفتہ شرحے مختصر بہ تشریح الافلاک مصنفہ بہاء الدین آملی در سال یازدہ صد وسہ ہجری نوشتہ کہ بنام التصریح فی شرح التشریح شہرت دارد۔" (ص ۲۶۲ نولکشور)

عام طور سے اسکی یہی تصنیف تصریح جو بہاء الدین آملی کے مشہور متن تشریح الافلاک کی شرح ہے، لوگوں میں مشہور ہے، حالانکہ اس سے پہلے عصمت اللہ سہارنپوری نے ۱۰۶۰ھ میں اس کی مفصل شرح لکھی ہے، جس کا نام باب تشریح الافلاک ہے، اور جو چھپ بھی گئی ہے، تاہم علم ہیئت میں عربی متداول

کی سب سے ابتدائی اور مختصر ترین کتاب یہی ہے، اسلئے بہت متداول ہے، مصنف نے دیباچہ میں اپنا نام اس طرح لکھا ہے،

اما بعد فیقول العبد الضعیف امام الدین بن لطف اللہ المهندس اللاهوری ثم الدهلوی (دیباچۂ تصریح)

اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے، کہ یہ خاندان گو دراصل لاہور کا رہنے والا تھا، مگر بعد کو شاید شاہی تعمیرات کے تعلق سے دہلی آگرآباد ہو گیا تھا،

امام الدین نے اپنی اس تالیف (تصریح) کا سنہ دیباچہ میں ۱۱۲۰ھ لکھا ہے، اور ہم کو معلوم ہے ہے، کہ لطف اللہ کم از کم ۱۰۹۳ھ تک زندہ تھا، کہ اوس کی تصنیف منتخب اسی سال تالیف پائی ہے، اور اس کے گیارہ برس کے بعد اس کا بیٹا تصریح لکھتا ہے، اس سے یقینی طور سے ثابت ہوتا ہے، کہ باپ ہی کے عہد میں بیٹا علوم و فنون کی تکمیل کر چکا تھا، یا کر رہا تھا، اس سے ہمکو یہ قیاس کرنے کا حق ہوتا ہے، کہ غالباً اس نے اپنے باپ ہی سے علوم ریاضی کی تعلیم حاصل کی ہوگی، تذکروں میں اسکی تاریخ وفات ۱۱۴۵ھ (سنۃ خمس واربعین ومائۃ والف) لکھی ہے،

تصریح کے دیباچہ میں ہے، کہ یہ شرح اوس نے بھائیوں اور دوستوں کی فرمائش سے لکھی ہے، اس سے مراد اس کے شاگردوں کی جماعت ہے، اس سے معلوم ہوگا کہ وہ خود بھی درس و تدریس کے موروثی پیشہ میں مشغول تھا، چنانچہ سندیلوی نے تصریح بھی کی ہے، کہ "روز و شب بہ تدریس مشغول بود"

رام پور کے کتبخانہ میں اس کی کتاب تصریح کے دو نادر نسخے ہیں، جن میں سے ایک کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ تصنیف کی تاریخ سے بارہ برس کے بعد ۱۱۳۲ھ میں لکھی گئی ہے، اور دوسرے کی اہمیت یہ ہے کہ وہ ۱۱۲۱ھ میں اس نسخہ سے منقول ہے، جو خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا، پہلے نسخہ کا نمبر ۱۵ اور دوسرے کا ۱۶ (فن ہیئت) ہے،

مصنف نے اپنی اس شرح پر حواشی بھی لکھے تھے، چنانچہ رامپور کے نسخہ نمبر ۱۹ پر مصنف کے یہ حواشی موجود ہیں، ہمارے استاذ مولینا حفیظ اللہ صاحب سابق مدرس اعلی مدرسۂ عالیہ رامپور و دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ نے تصریح پر جو حاشیہ اپنے قیام رامپور کے زمانہ میں ۱۳۰۰ھ میں لکھا تھا، اور جو مجتبائی دہلی میں چھپا ہے اوس کے آخر میں محشی نے تصریح کی ہے کہ انھوں نے شارح کے ان حواشی سے جو اسکے ہاتھ کے نوشتہ نسخہ سے منقول ہیں استفادہ کیا ہے، (خاتمہ حاشیۂ تصریح، مطبوعۂ مجتبائی دہلی)

امام الدین نے دو اور کتابون پر بھی حاشیے لکھے ہین، جن میں سے ایک قاضی زادہ رومی کی مشہور فلکی تصنیف شرح چغمنی پر ہے، نوابی اودھ کے زمانہ میں علی بخش خان کے مطبع علوی میں معتمد الدولہ احسان الملک کپتان مرزا مہدی علی خان بہادر ثابت جنگ قبول کے زیر اہتمام شرح چغمنی کا جو نسخہ متعدد علمار کے حواشی اور تعلیقات کے ساتھ چھپا ہے، ان میں ایک "امام الدین الریاضی بن لطف اللہ المہندس الدہلوی" کے حاشیہ کے بھی منقولات اور حوالے ہین، چنانچہ کتاب کے خاتمہ میں اس حاشیہ کا ذکر ہے،

امام الدین کا دوسرا حاشیہ خود اسکے باپ کی کتاب "شرح خلاصۃ الحساب" پر ہے، یہ حاشیہ انڈیا آفس کے کتبخانہ میں ہے، اس کا نمبر ۱۰۶۰ ہے،

امام الدین بھی اپنے باپ کی طرح فارسی کا شاعر تھا، اور ریاضی اس کا تخلص تھا،

کشن چند اخلاص اور سندیلوی کا بیان ہو کہ گو مولینا ریاضی کو اپنے درس و تدریس سے شعرگوئی کی فرصت نہیں ملتی تھی تاہم انھوں نے طالب آملی کے ایک مطلع کا جس کا جواب نہیں ہو سکتا تھا، ایسا جواب لکھا جو بڑے بڑے شعرار کی قدرت سے باہر ہے، طالب کا مطلع تھا،

بپا بیدار سازد خفتگان نقش قالی را   بتن بیہ پا کند گلہائے تصویر خیالی را

اخلاص اور سندیلوی کہتے ہیں کہ اس کا جواب شاعرون سے اب تک نہیں ہو سکا تھا یہان

مخلص بیان نامہ علی کوان کے دوستوں نے اس زمین میں کچھ کہنے کی فرمایش کی تو صاف کہا کہ این زمین را طالبا برجز کردہ است در رداست،" مرزا صاحب جیسے شاعر نے جب اس غزل کا جواب لکھا، تو سپر ڈالدی، اور قالی اور نہالی کا مطلع نہیں لکھا، بلکہ یہ مطلع کہا کہ

تکلف نیست در گفتار رند لاابالی را   چنانت دوست میدارم کہ عاشق شعر حالی را

لیکن مولانا ریاضی نے اس کا جواب برجستہ لکھدیا،

رگ گل کرد آن گلچہرہ ہر تار نہالی را   ازین اندیشہ گلہا داغ شد بر سینہ قالی را

مولینا کا مطلع جس نے سنا اوس نے کہا۔

"ظاہرا این زمین در دو صاف داشت یکے را طالبا برد، و دوئی تا حال در جواہر خانہ قضا وقدر پنہاں بود، کہ نصیب مولانا شد"

ان تذکروں میں ان کے یہ چند شعر نقل کئے ہیں،

عنقا خدنگ حسرت گمنامی منست   در قید نام بود اگرچہ نشان نداشت

رفتی، ورفت لشکر دل در رکاب تو   شہرم برنگ مجلس تصویر جان نداشت

روشن دلیم وخاک نشینی عیار ماست   سیماب وار کشتہ شدن اعتبار ماست

آزادہ ایم مطلب ما ترک مطلب است   بازآمدن ز حاصل ہر کار کار ماست

ما خار غم بسینہ چو ماہی نہفتہ ایم   گلزار عشق داغ دل خار خار ماست

دریا دل است یار ز نم از ما دریغ داشت   خشک و تری بپائے گل افسوس خار ماست

ز عشق یار چہ گویم کہ حال من چون ست   غم بد ور خطش از احاطہ بیرون است

ندانم ارچہ شدی سنگدل کہ بجارت   بجان رسید و نپرسی کہ حال او چون ست

ساتویں شعر میں دیکھئے کہ ریاضی کی جھلک دور، خط، اور احاطہ میں موجود ہے، سفینۂ خوشگو

میں یہ دو شعر اور ہیں :-

پایۂ عشق بلندی ز سرِ دار گرفت ، ہر کہ دریافت چو منصور سرے سرِ دار است

یوسفستان معانی است ریاضی سخنت چاک پیراہنِ نظم تو عجب بازاریست

امام الدین ریاضی نے تصریح کے دیباچہ میں جو چند لفظ لکھے ہیں، ان سے اور کشن چند اخلاص کے بیان سے معلوم ہوتا ہے، کہ ان کی تربیت کے دامن میں، ریاضیات کے کئی مستعد شاگرد پل کر جوان ہوئے، اخلاص کے تذکرہ ہمیشہ بہار میں ہے،

"یکے از شاگردانِ ایشان بر مجسطی شرح فارسی نوشتہ، خیلے بتفصیل"

پھر لکھا ہے، :-

"عزیزے در حق بعضے از شاگردانِ ایشان گفتہ، ع :- تو ئی در ہر فنے چون مردمک فن"

اس کے بعد ہے، :-

"شاگردانِ ایشان در ریاضی تصانیف رائقہ فائقہ دارند"

خیراللہ بن لطف اللہ، لطف اللہ مہندس کا یہ دوسرا لڑکا ہے، اس کا پورا نام ابو الخیر المخاطب خیراللہ خان مہندس ہے، محمد شاہ کے عہد میں اس نے اپنا نام روشن کیا، اور لفظ المخاطب سے ہویدا ہے، کہ بادشاہ کے دربار تک اسکو رسائی حاصل تھی، اپنے باپ کی طرح یہ بھی اپنے نام کیا تھ مہندس لکھتا ہے، غالباً اس نے تعلیم اپنے بڑے بھائی امام الدین سے پائی ہو گی جس نے ۱۱۵۰ھ تک زندگی پائی ہے، تصریح کے دیباچہ میں امام الدین نے لکھا ہے، کہ "اس نے اپنے دوستوں اور بھائیوں کی فرمایش سے یہ شرح لکھی ہے، عجب نہیں کہ ان بھائیوں میں اس کا یہ بھائی بھی ہو، کشن چند اخلاص کے تذکرہ ہمیشہ بہار میں امام اللہ ریاضی کے ذیل میں ہے، "یکے از شاگردانِ ایشان بر مجسطی شرح فارسی نوشتہ، خیلے بتفصیل .... " آگے معلوم ہوگا کہ یہ شاگرد خود اس کا بھائی خیراللہ ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خیراللہ اپنے بھائی امام الدین

کا شاگرد تھا، اس کا بڑا کارنامہ یہ ہے، کہ محمد شاہ کے زمانہ میں راجہ جے سنگھ نے بادشاہ کے حکم سے دہلی، جے پور، بنارس اور اجین میں جو رصد خانے قائم کئے تھے، ان کا بانی اور نگران کار یہی نادرۂ روزگار تھا، آج سے پچیس چھبیس برس پیشتر میں نے یہ بات قیاساً لکھی تھی لیکن بحمد اللہ کہ آج اوس کے ایک معاصر تذکرہ نویس بندرابن خوشگو المتوفی ۱۱۷۰ھ کی معاصرانہ شہادت سے یہ پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی، خوش گو اپنے تذکرۂ سفینۂ خوش گو میں جس کا قلمی نسخہ بانکی پور لائبریری میں نظر سے گذرا، امام الدین ریاضی کے حال میں لکھتا ہے:۔

"وامروز ملا ابوالخیر معروف بخیر اللہ برادر اعیانی وی در ہیئت وہندسہ واکثر علوم یگانۂ روزگار است، چنانچہ راجہ دھیراج جے سنگھ سوائے زمیندار انبیر، درین ایام خیال رصد بستن در پیش داشتہ، قریب بست لک روپیہ در بست سال صرف این کار نمودہ باستصواب ابوالخیر مذکور است و حق آنست کہ ذات او برزمانہ منت است"....."

(سفینۂ خوش گو نمبر ۲۵ صفحہ ۱۲۳)

دلی میں اس رصد خانہ کے کام کے علاوہ ریاضیات کا درس بھی دیا کرتا تھا، (دیباچۂ تقریب التحریر) چنانچہ اس کے شاگردوں میں سب سے پہلا نام اوس کے بیٹے محمد علی کا ہے،

اس کی ایک معنوی یادگار انڈیا آفس لائبریری لندن اور کتبخانۂ نواب سالار جنگ بہادر حیدرآباد دکن میں اور دو بانکی پور کے مشرقی کتبخانہ میں ہیں، ان میں سے ایک علی گڈھ مسلم یونیورسٹی لائبریری میں بھی ہے، اور چوتھے کا ذکر علامہ غلام حسین جونپوری نے جامع بہادر خانی میں کیا ہے،

۱۔ تقریر التحریر، یہ خواجہ نصیر الدین طوسی المتوفی ۶۷۲ھ کی تحریر اقلیدس" کا فارسی ترجمہ ہے، محمد شاہ کے زمانہ میں ۱۱۴۴ھ میں یہ ترجمہ جیسا کہ کتاب کے دیباچہ میں تصریح ہے، اوس نے ختم کیا، کتاب

ف ۱ الندوہ ۱۹۰۸ء میں مضمون اسلامی رصد خانے،

آغاز ان فقروں سے ہے،

"شکر است مر خدائے را کہ از وست ابتدا بسوئے اوست انتہا و بدست اوست اقتضاء

ہمہ چیز ہا"

نواب سالار جنگ بہادر (حیدرآباد دکن) کے کتبخانہ میں اس کا جو نسخہ ہے، اس میں مترجم کا نام

ابو الخیر بن لطف اللہ مہندس اور انڈیا آفس کے نسخہ (نمبر ۲۳۲۶) میں "خیر اللہ خان بن لطف اللہ مہندس"

درج ہے، جیسا کہ اوسکی فارسی فہرست (جلد اول ص ۱۲۲۴) سے معلوم ہوتا ہے، اس حیدرآبادی نسخہ میں

کتاب کا نام صاف "تقریر التحریر" تحریر ہے، لیکن انڈیا آفس لائبریری کی فہرست میں اس کا نام "ترجمہ تحریر

اقلیدس" لکھا ہے، حالانکہ یہ نام نہیں ہو سکتا، "تقریب التحریر" جس کا نام آگے آتا ہے، اور جس کا نسخہ بانکی پور اور

علی گڈھ کی لائبریریوں میں ہے، اس کے دیباچہ میں مصنف کے فرزند نے بھی اس کا نام "تقریر التحریر"

بتایا ہے، جو بجائے خود اور دوسری تصنیف کے نام کی مشابہت سے بھی نہایت موزون ہے، انڈیا

آفس کے نسخہ کی کتابت کی تاریخ یکم رجب ۱۱۹۴ھ ہے، اس کے پہلے صفحہ پر ایک حاشیہ ہے، جس میں مذکور

ہے، کہ یہ نسخہ راجہ سندارام پنڈت نے مسٹر رچرڈ جانسن کے لئے لکھنؤ میں تیار کیا تھا، تعجب ہوگا کہ کبھی ہمارے

بزرگوں کی ریاضی کی تصانیف سے استفادہ کے انگریز شائق علم بھی مشتاق تھے، حیدرآبادی نسخہ کو کسی شیخ احمد

نے ۱۲۳۳ھ میں لکھا ہے،

۲- **تقریب التحریر** یہ خواجہ طوسی کی دوسری کتاب "تحریر مجسطی" کا فارسی خلاصہ ترجمہ مع شرح

ہے، مصنف کا نام اس میں "ابو الخیر المعروف بہ خیر اللہ المخاطب بہ خیر اللہ خان، المتخلص بالمہندس ابن لطف اللہ"

ہے، کتاب کا آغاز یہ ہے،

"ثنائے کہ از اندازۂ مہندس خرد بیرون است، شایان صانعی کہ خالق سبع سماوات است"

(فہرست کتبخانہ مشرقی بانکی پور جلد یازدہم صفحہ ..)

مصنف نے اس کے دیباچہ میں یہ بیان کیا ہے کہ تحریر اقلیدس کے ترجمہ کے بعد اوس نے یہ کتاب محمد شاہ (۱۱۳۱ھ/۱۷۱۹ء - ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء) کی تخت نشینی کے اخیر ثلث (۱۱۶۱ھ) میں تالیف کی، اسکی شرح میں اوس نے مولینا عبد العلی برجندی کی شرح تحریر مجسطی سے مدد لی ہے، کتاب کا عام انداز یہ ہے کہ پہلے خواجہ طوسی کے عربی متن کا ایک فقرہ ہے، پھر اوس کا فارسی ترجمہ، پھر حسب ضرورت برجندی کی عربی شرح، اور پھر خود خیر اللہ کی فارسی شرح ہے،

اس کا ایک نسخہ بانکی پور کے مشرقی کتبخانہ میں ہے، ۲۲ رشوال ۱۲۵۱ھ کتابت کا سال ہے، کتاب کا نمبر ۱۰۵ ریاضیات فارسی ہے، اور دوسرا مسلم یونیورسٹی لائبریری (نمبر ۶ علوم فارسی) میں ہے، فہرست میں اس کا نام ترجمہ مجسطی لکھا ہے، دونوں نسخے نظر سے گذرے ہیں،

کتاب کا آغاز اس طرح ہے،

یارب آسان کن بفضل شامل خود فتح باب — پس بلطف کامل خود ساز انجام کتاب

قال الفاضل الکامل المحقق والعامل الماہر المدقق استاذ الکل فی الکل عالم العلوم بالحیل الشارح المترجم بالفارسیۃ ابو العلوم العربیۃ ابو الخیر المعروف بخیر اللہ المخاطب بخیر اللہ خان سلمہ الرحمٰن المتخلص بالمہندس ابن لطف اللہ غفر لہ اللہ

الحمد للہ رب العالمین...... اما بعد...... پوشیدہ نماند کہ چون در سالف زمان ترجمۂ تحریر اقلیدس کہ از محقق طوسی، با زیادت شرح بعض مقدمات بزبان پارسی برائے عموم نفع اتفاق افتادہ بود وبتقریر التحریر موسوم گردیدہ خواست کہ برائے اتمام خدمت عباد اللہ ترجمۂ تحریر مجسطی ہم کہ ازان مدقق است بایراد بعض فوائد مرقوم سازد چنانکہ بفضل الٰہی جل جلالہ وعم نوالہ مسودۂ آن کتاب عظیم النفع در ثلث اخیر مدت سلطنت شاہ خلائق پناہ انجم سپاہ فردوس آرامگاہ محمد شاہ بادشاہ غازی علیہ الرحمۃ والرضوان فراغ دست دادہ بود، وبتقریب التحریر مسمی شدہ بسبب عدم دریافت قدر دانی ارکان

در حیز تعویق افتادہ بود، بہ ترغیب بعض دوستان طالب این فن درا و اسط سنہ احد جلوس (بادشاہ عالیجاہ احمد شاہ بہادر کار مسودہ اتفاق شروع بیضا افتاد در سنہ یکہزار و یکصد و شصت و یکم ہجری مقدسہ صلعم"

علی گڈھ کا نسخہ جابجا سے کرم خوردہ ہے، اور بانکی پور کا نسخہ اچھا اور محفوظ ہے، اوپر کی عبارت دونوں نسخوں کی تطبیق سے درست کی گئی ہے، خاتمہ کی عبارت دونوں میں یہ ہے،

"بعد از بیان سعی در حل این کتاب، و وصف خوبی ہائے آن و اعتذار سہو و خطا و طلب دعائے خیر و ختم بر صلوٰۃ و سلام حضرت رسالت پناہ را..... فارغ شدم از تحریر این شرح و تصحیح آن، روز یکشنبہ اوائل ذی قعدہ سنہ نہصد و ہشت و یک ہجریہ نبویہ...... بن لطف اللہ مہندس بن احمد"

"سنہ نہصد و ہشت و یک" سراسر تحریف ہے، یہ حقیقت میں "ہزار و یکصد و شصت و یک" ۱۱۶۱ھ ہوگا، کہ یہی سال محمد شاہ کی وفات کا ہے، اور اس نسخہ کے آغاز میں تصریح ہے، کہ اسوقت بادشاہ ممدوح کی وفات ہو چکی تھی، گویا کتاب کا مسودہ محمد شاہ کی زندگی میں تیار ہو چکا تھا، مگر ارکان سلطنت کی ناقدردانی سے یہ پڑا رہا، بالآخر شاہ مرحوم کی وفات پر ریاضی کے شائقین کے اصرار سے احمد شاہ کے پہلے سال جلوس میں اوس کا یہ مبیضہ تحریر میں آیا،

۳- حاشیہ بر شرح بیست باب در معرفت اسطرلاب

"بیست باب در اسطرلاب" خواجہ نصیر طوسی کا ایک مشہور رسالہ ہے، اسکی شرح علامہ عبد العلی برجندی نے ۸۸۹ھ میں لکھی، اس پر خیر اللہ مہندس نے یہ حاشیہ لکھا ہے، یہ حواشی بانکی پور لائبریری کی شرح بست باب کے نسخہ نمبر ۲۵۰۴ کے کناروں پر لکھے ہوئے موجود ہیں، اس پر محشی کا نام حسب ذیل تحریر ہے،

"خیر المہندسین ابو الخیر منجم المخاطب بخیر اللہ خان مہندس"

اس نسخہ کی کتابت کا سال ۲ جمادی الاخریٰ ۱۱۶۵ھ ہے، (فہرست کتبخانہ مذکورہ جلد ۱۱ ص ۶۲) جو مصنف

کی زندگی کا زمانہ ہے،

۴۔ **شرح زیج جدید محمد شاہی**۔ راجہ جے سنگھ سوائی بانی جے پور و صوبہ دار آگرہ و مالوہ (المتوفی ۱۱۵۶ھ/۱۷۴۳ء) نے محمد شاہ بادشاہ دہلی کے حکم سے دہلی، جے پور، اجین، بنارس، اور متھرا میں رصد خانے قائم کئے تھے، اور جن کے بنانے میں علاوہ دوسرے ہندو مسلمان اور انگریز ہیئت دانوں کے یہ خیر اللہ مہندس بھی شریک تھا، ان رصد خانوں کی تحقیقات خود راجہ کے نام سے زیج محمد شاہی کے عنوان سے ۱۱۴۱ھ میں تصنیف ہوئی تھی، خیر اللہ نے اس زیج کی ایک شرح لکھی جس میں جا بجا اوس نے تشریحات اور استدلالات میں اپنے ذاتی مشاہدون کا ذکر کیا ہے، اس شرح مذکور کا حوالہ علامہ غلام حسین جونپوری نے اپنی مشہور تصنیف جامع بہادر خانی میں دیا ہے،

"مرزا خیر اللہ مہندس در شرح زیج محمد شاہی دعوی فرمودہ است کہ "ما مدار خارج المرکز شمس بلکہ مدارات جمیع حوال را بر شکل بیضوی یافتہ ایم"

۵۔ **شرح زلالی و شرح حافظ و شرح سکندر نامہ** خیر اللہ کو اپنے خاندان کے موروثی جوہر سخن وری سے بھی حصہ ملا تھا، اس ذوق کا یہ اثر تھا کہ اوس نے دیوان زلالی اور دیوان حافظ کی شرحیں لکھیں، ان شرحون کا ذکر اس کے بیٹے نے تقریب التحریر کے دیباچہ میں کیا ہے،

اسی قسم کی اوسکی ایک اور کتاب سکندر نامہ کی شرح ہے، یہ دو جلدون میں تمام ہوئی ہے، اور عجیب تر یہ ہے کہ پرانے زمانہ میں وہ چھپ بھی چکی ہے۔ اوس کی دوسری جلد جامعہ ملیہ دہلی کے کتبخانہ میں نظر سے گذری، یہ مطبع شرف المطابع دہلی میں ۱۲۶۶ھ میں طبع ہوئی تھی، اس پر مصنف کا نام و لقب "مرزا خیر اللہ خان مہندس خیر الشارحین" لکھا ہے،

محمد علی ریاضی بن خیر اللہ مہندس۔ خیر اللہ مہندس نے اپنی ایک جسمانی یادگار بھی چھوڑی، جس کا نام محمد علی ہے، یہ بھی اپنے خاندان کے موروثی علوم ریاضی و ہندسہ کا امانت دار تھا، اور اسی لئے "الریاضی"

کے لقب سے مشہور ہوا، اس کے باپ نے اپنی کتاب تقریب التحریر مسودہ کی حالت میں چھوڑی تھی، اور مبیضہ کا صرف دیباچہ لکھا تھا، کہ وہ دوسری کتابوں کی تصنیف اور طلبہ کے درس و تدریس میں مصروف ہوگیا، محمد علی نے اس کتاب کو صاف کرکے اشاعت و استفادہ کے قابل بنایا۔ چنانچہ اس کتاب پر خود محمد علی نے ایک دیباچہ بڑھایا ہے، جس میں یہ واقعہ درج کیا ہے،

"می گوید بندۂ خاکسار ذرۂ بے مقدار الراجی الی رحمۃ ربہ القوی، محمد علی الریاضی آنکہ چون والد این احقر العباد بر تحریر اقلیدس شرحے بسوط معنی کہ مسمی بتقریر التحریر است بزبان فارسی نوشتند۔۔۔۔ خواستند کہ بر تحریر کتاب مجسطی کہ مشکل ترین کتب علم ہیئت است، یا براہین ہندسی و درین رصد بے نظیرے کہ دست فکر ہر کس از ریاضی دان بدامن مطلبش نمی تواند رسید و ز ورخیال وہر کے از ہیئت دان لنگر معانیش نتوان جنبانید۔ نیز شرحے بزبان فارسی یا فوائد دیگر بنویسند کہ برائے ہر طالبے بکار آید۔۔۔۔۔۔ دور آخر سلطنت فردوس آرام گاہ محمد شاہ مسودہ آن تمام تحریر یافت۔ وبسبب بعضے از موانع کہ شغل مطالعہ کتب دیگر باشد وعدم فراغ از دیگر امور مبیضہ آن درحیز تعویق افتاد، الحال من بے بضاعت عاکف زاویۂ جہالت خصوصًا در علم ریاضی کہ دران ریاضت معتد بہ نکردہ، و آشنائے پیدا نساختہ واز بوئے ریاض ریاضی بوئے نبردہ والد گرامی خواست کہ آن مسودہ را مبیضہ نویسد بحسب انچہ درخاطر فاتر این ناقص درآید متن را۔۔۔۔۔۔"

اس کے بعد خیر اللہ کے مبیضہ کا دیباچہ ہے۔ جو اوپر نقل کیا جاچکا ہے۔ اس کے بعد محمد علی کی یہ عبارت ہے۔

ومن مترجم می گویم کہ این اخبار شارح بہ مبیضہ ساختن تا نوشتن دیباچہ بود،

وزیادہ ازان سبب بعضے از مشاغل اتفاق نیفتاد، چنانچہ ساختن شرح زلالی وشرح خواجہ حافظ و درس کتب ریاضی این حقیر فقیر خواست کہ تا این محنت ضائع نشود، جرأت در نوشتن مبیضہ نمود، والاچہ نسبت خاک را با عالم پاک ……،

محمد علی ریاضیؔ احمد معمار کے سلسلۂ نسل کی آخری کڑی ہے، جس کا حال ہمیں معلوم ہو سکا ہے، اور اسی نام پر اس خاندان کے تذکرہ کا خاتمہ ہوتا ہے، جس نے کم از کم سوا سو برس تک لاہور اور دہلی میں تعمیرات ہندسہ وریاضی کی زندہ جاوید خدمتیں انجام دیں،

اس تفصیل کے بعد ضرورت ہے کہ لطف اللہ مہندس کی اس مثنوی کو مسلسل یکجا نقل کر دیا جائے جس میں اس نے اپنے باپ اور بھائیوں کا اور خود اپنا حال لکھا ہے، تاکہ اب ناظرین کو اس کی خاندانی حیثیت کے واضح ہو جانے کے بعد اسکی صداقت بیان کا پورا وثوق ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ تاج اور لال قلعہ کی عمارتوں کا اصل معمار اور مہندس کون تھا،

شاہ جہان داورِ گیتی ستان روشنیٔ دودۂ صاحب قران

عرش بریں قبۂ خرگاہ اوست رشکِ فلک سدۂ درگاہ اوست

احمد معمار کہ در فنِ خویش، صد قدم از اہلِ ہنر بود بیش،

واقفِ تحریر و مقالاتِ آن آگہ از اشکال و حوالاتِ آن

حالِ کواکب شدہ معلوم او مجسطی شدہ مفہوم او،

ازطرفِ داورِ گیتی جناب تا درِ عصر آمدہ اور اخطاب،

بود عمارت گرِ آن بادشاہ داشت دران حضرتِ فرخندہ راہ

آگرہ چوں شد مضربِ رایاتِ شاہ بس کہ بہ بر بود عنایاتِ شاہ،

کرد بحکم شہ کشور کشا ، روضۂ ممتاز محل را بنا ،

باز بحکم شہ انجم سپاہ ، شاہ جہان داور گیتی پناہ

قلعہ دہلی کہ ندارد نظیر ، کرد بنا احمد روشن ضمیر ،

این دو عمارت کہ بیان کردہ ایم در صفتش خامہ روان کردہ ایم

یک ہنر از گنج ہنرہاے اوست یک گہر از کان گہرہاے اوست

چون نبود عالم فانی مقر کرد سوے عالم باقی سفر ،

پس سہ پسر ماند ز مرد سترگ زان سہ عطاء اللہ رشیدی بزرگ

نادر عصر خود و مشہور شہر ، عالم و علامۂ و داناے دہر

مرد ہنر پرور و استاد فن فاضل و دانشور و حبر زمن

مخزن علم آمدہ تالیف او ، گنج ہنرہاست تصانیف او ،

نثر وی از آب روان پاک تر نظم خوشش غیرت سلک گہر

منکہ سخن پرور و دانش ورم بندۂ آن حبر سخن پرورم ،

منکہ ربودم ز جہان گوی علم از چمنش یافتہ ام بوی علم

منکہ شدہ آگہ سر نہان از دم او یافتہ ام قوت جان

ثانی آن ہرسہ برادر منم ، ہندسہ یکفن بود از صد فنم

گرچہ مہندس لقبم از شہ است نام من دلشدہ لطف اللہ است

ثالث آن ہرسہ برادر بسال آمدہ نور اللہ صاحب کمال

ما ہمہ معمار عمارت گریم ما ہمہ استاد و سخن پروریم

لیک بود قصر کلامش عجیب زان شدہ معمار مرا ورا لقب

گرچہ کم است سالِ وی از سالِ من	بیش بود حالِ وی از حالِ من
نثرِ وی از نظم گہر بارتر	نظم زنثر آمدہ ہموارتر
دیدہ ز نورِ سخنش پرضیا	طبع ز لطفِ سخنش پرصفا
گنجِ ہنر آمدہ در مشتِ او	ہفت قلم راندہ سہ انگشتِ او
گرچہ منم بے سخن استاد فن	آن یک و دین یک بود استادِ من

گرچہ مرا ہست مہندس لقب

ہندسہ زان ہر سہ برادر طلب

ایک نئی کتاب

"ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہین"

یہ مولوی ابوالحسنات ندوی مرحوم کا وہ پراز معلومات مقالہ ہے، جو علامہ سید سلیمان ندوی کی خواہش سے لکھا گیا تھا، اور معارف ۱۹۰۹ء کے مختلف نمبرون میں مسلسل شائع ہوا تھا، اور جس کو اہل نظر نے بے حد پسند کیا تھا، اور ان کی تجویز تھی، کہ یہ ایک کتاب کی صورت میں یکجا ہو جائے، پنجاب کے ایک پبلشر نے اس کو اسی زمانہ میں چھاپا، تو پوری کتاب مسخ ہو گئی، اب دار المصنفین نے اسی مقالہ کو نہایت اہتمام سے شائع کیا ہے، اس کتاب کو پڑھنے کے بعد مسلمانون کے گذشتہ شاندار تعلیمی کارنامے نظر کے سامنے آجاتے ہین،

ضخامت ۱۲۲ صفحات قیمت ۱۲/

مقالات شبلی جلد پنجم (تاریخی)

یہ مولانا شبلی کے ان مقالات کا مجموعہ ہے جو اکابر اسلام کے سوانح و حالات سے متعلق ہین اس مین علامہ ابن تیمیہ، ابن رشد اور زیب النسا کی سوانحعمری، وغیرہ جیسے اہم اور مفید مضامین ہین، ضخامت ۱۴۰ صفحے، قیمت: عہ

"منیجر"

دیوان شمس تبریز اور مولنا روم

از جناب غلام دستگیر صاحب رشید ایم اے استاذ فارسی نظام کالج حیدرآباد دکن

(۴)

ایک اہم روایت

ایک اہم روایت ملاحظہ ہو:۔

"روزے مولانا فرمود کہ علماے ظاہر واقف اخبار رسول اند، وحضرت مولینا شمس الدین واقف اسرار رسول است"

شمس تبریزی توئی واقفِ اسرارِ رسول شمس تبریزی توئی واقفِ اسرارِ رسول
نامِ شیرینِ تو ہر دل شدہ را درمان باد نامِ شیرینِ تو درد ہمہ را درمان باد

اس شعر میں بھی خصوصیت یہ ہے، کہ حضرت شمس کا نام ہے لیکن بطرز خطاب، ایسا بھی ہوتا ہے کہ شاعر کبھی غیر فرض کرکے اپنے آپکو بھی مخاطب کرتا ہے، جسکو صنعت تجرید کہتے ہیں لیکن یہاں صورتِ حال ایسی نہیں ہے، کیونکہ تصریح موجود ہے کہ مولانا نے ایک دن حضرت شمس کی فضیلت ظاہر کرنیکے لئے یہ شعر فرمایا، ایسے ہی کثیر اشعار دیوان میں ہیں جنمیں حضرت شمس کو مختلف طریقہ سے مخاطب کیا گیا ہے، ان سے یہ سمجھنا کہ یہ حضرت شمس ہی کی شاعرانہ تعلی ہے، غلط ہے، پہلے تو ان کی نوعیت ہی ایسی نہیں، کیونکہ ان اشعار میں مدح کی نوعیت ایسی ہے جیسے کوئی دوسرا بے انتہا معتقد مدح کرتا ہے، دوسرے اشعار اس کثرت سے ہیں، کہ صرف شاعرانہ تعلی کے تحت کوئی شاعر اپنی مدح اس کثرت سے نہیں کرتا،

جب تذکرہ کا شعر دیوان میں بھی ملتا ہے، تو اس امر کی ایک قوی دلیل پیش نظر ہوگئی ہے، کہ دیوانِ شمس تبریز مولینائے روم کے کلام کا مجموعہ ہے،

مناقب کے صفحہ ۲، ۳ پر ہے:-

ریگ ز آب سیر شد من نہ شدم زہے زہے ریگ ز آب سیر شد من نہ شدم زہے زہے

لائق جز گمان من نیست درین جہان ہے لائق جز گمان من نیست درین جہان ہے

کوہ کمینہ لقمہ ام بحر کمینہ شربتم کوہ کمینہ لقمہ ام بحر کمینہ شربتم

من نہ چہ نہنگم اے خدا باز کشا مرا رہے من نہ چہ نہنگم اے خدا باز کشا مرا رہے

(ک - ۳۵۲)

رسالۂ سپہ سالار کی شہادت، اس نوعیت کی دوسری شہادت رسالۂ سپہ سالار میں ملتی ہے، رسالۂ سپہ سالار مولینا کے حالات کا اصلی اور صحیح ماخذ ہے، حضرت فریدون معروف بہ سپہ سالار مولینا کی صحبت میں چالیس برس تک رہے، اعتقاد و ارادت بحد رکھتے تھے، انہی کا بیان ہے" خلاصۂ عمر خود را بہ ملازمت حضرت او مستغرق داشتم و نقش مہر و محبتش را کالنقش فی الحجر بر صحیفۂ دل خویش نگاشتم" اسلئے وہ لازماً مولینا کے محرم راز اور واقف اسرار تھے اونھوں نے مولینا کے وصال مبارک کے بعد طالبان حال کے لئے یہ رسالہ لکھا تھا، رسالہ شہرۂ آفاق ہے مولینا کے محامد اور مناقب میں اسے عدیم النظیر اور فقید المثال سمجھا جاتا ہے، اس کے متعلق لکھا ہے:

" از تصانیف لطیفہ ......سیدی فریدون معروف بہ سپہ سالار قدس سرہ کہ از مخلص مریدان کاشف اسرار ازلی و شارح رموز ابدی حضرت مولوی معنوی رضی اللہ عنہ ہستند و چہل سالہ شبانہ روز در سفر و حضر و خلوت و جلوت پیوستہ ملازم صحبت کیمیا خاصیت حضرت مولینا روح اللہ تعالیٰ روحہ ماندہ و خدمتہا کردہ و فیضہا بردہ و امور و مراسم خاصہ و توجہات تامہ گشتہ و واقف اسرار و محرم راز بودہ اند، آنچہ از انفاس قدسی، و کلمات و طیبات و حالات سامیہ و کوائف عالیہ و کرامات باہرہ و آیات ظاہرہ حضرت معنوی علیہ الرحمۃ و الرضوان

ل سپہ سالار ص ۴ کتبخانہ کلیہ جامعہ عثمانیہ ۔ ۲ رسالۂ سپہ سالار مطبوعہ محمود المطابع واقع کانپور مطبوعہ ۱۳۱۹ھ

بگوش خود از زبان مبارکش شنیده و بلا واسطہ استفاضہ نمودہ وبچشم خود دیدہ و مشاہدہ کردہ و معاینہ نمودہ در سلک تحریر درآوردہ اند، و بر شقہ تصویر سفتہ درین رسالہ جمع فرمودہ اند"

سپہ سالار کا بیان ہے کہ مولانا کے ایک مرید خاص نے اس کی تحریک کی، اسی بنا پر انھون نے چشم یقین کے مشاہدات کو قلمبند کیا "بنا بر التماس آن عزیز ہرچہ این ضعیف بعین الیقین مشاہدہ کردہ باشد و در ایام این ضعیف ازان حضرت بوجود آمدہ، از آنچہ در گوشہ خاطرم ماندہ بود، در قلم آوردہ (بیت)

درویش سخن از دیدہ گوید،	عامے سخن از شنیدہ گوید"

افلاکی کی طرح سپہ سالار کی بھی یہی عادت ہے، کہ انھون نے بکثرت مولینا کی مثنوی اور دیوان سے مختلف مقامات پر اشعار لکھے ہین، لیکن ان کی خصوصیت یہ ہے کہ تقریبًا ہر جگہ انھون نے تصریح کر دی ہے، ہم سپہ سالار اور دیوان کے منتخب اشعار بالمقابل درج کرین گے، تاکہ اس دعوی کے ثبوت مین شک کی کوئی گنجایش باقی نہ رہے، کہ دیوان شمس تبریز مولانائے روم کا کلام ہے، البتہ کثرت تکرار کے باعث تصریحات سوائے ضروری مقامات کے اور مقامات پر حذف کر دیئے جائین گے،

مثنوی کے مندرجہ اشعار مین سے چند شعر یہ ہین،

حضرت خداوندگار[۲] می فرماید،

در پناہ جان رجان بخشی توئی،	خفتہ اندر کشتی و راہ میروی،
مگسل از پیغمبر ایام خویش،	تکیہ کم کن بر فن و بر گام خویش،
چونکہ موسی رونق دور تو دید،	کاندرو صبح تجلی می دمید،

[۱] سپہ سالار مطبوعہ محمود المطابع کتبخانہ کلیہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن، [۲] حضرت سپہ سالار اپنے مرشد طریق مولینا روم رحمۃ اللہ علیہ کو اکثر "خداوندگار" کے لقب سے یاد کرتے ہین، چنانچہ مولینا کے حالات میں جو فصل ہے اسکا عنوان یہ ہے "فصل اول در ذکر تاریخ ولادت و مدت عمر قدس اللہ العزیز کہ حضرت خداوندگار سلطان الاولیا در شہور سنہ اربع وستمائۃ ہجری قدم مبارک در عالم وجود نہاد"

هر کرا اسرارِ کار آموختند   مهر کردند و زبانش دوختند

غزلیات کے اشعار درج ذیل ہیں :-

سپہ سالار مولانا کے متعلق لکھتے ہیں "بزبانِ خویش صفتِ حالِ خود بیان میفرماید،"

رسالہ سپہ سالار	دیوان
بدان کہ پیر سراسر صفاتِ حق باشد	بدان کہ پیر سراسر صفاتِ حق باشد
اگرچہ پیر نماید بصورتِ بشری	اگرچہ پیر نماید بصورتِ بشری
(ص ۴ سپہ سالار)	(کلیاتِ شمس تبریز[1] ص ۹۶)
جانِ من و جانِ ترا پیش ازین،	جانِ من و جانِ ترا پیش ازین،
سابقۂ بود کہ گشت آشنا،	سابقۂ بد کہ شدند آشنا،
الفت امروز ازاں سابقہ است	الفت امروز ازان سابقہ است،
گرچہ فراموش شد آنها ترا،	گرچہ فراموش شد آنها ترا
(ص ۵)	(دیوانِ شمس تبریز لکھنؤ نسخہ ذاتی ص ۲۴۲)

حضرت خداوندگار میفرماید،

اے اولیائے حق را از حق جدا شمردہ	اے اولیائے حق را از حق جدا شمردہ
گرظن نیک داری بر اولیا چہ باشد	گرظن نیک داری بر اولیا چہ باشد
(ص ۱۵)	(ک ۳۱۴)
یک حملۂ مردانہ مستانہ بہ کردیم	یک حملۂ مردانہ مستانہ بہ کردیم،

[1] ک سے مراد کلیات شمس تبریز مطبوعہ منشی نولکشور کتب خانہ جامعہ عثمانیہ ہو گی، (د) سے مراد دیوان شمس تبریز مطبوعہ منشی نولکشور ۱۹۱۳ء،

تا علم بہ ادیم بہ معلوم رسیدیم	تا علم بد ادیم و بہ معلوم رسیدیم
با آیت کرسی سوئی عرش پریدیم	با آیتِ کرسی سوئے عرش پریدیم،
(ص۱۱۱) تا حے بدیدیم و بقیوم رسیدیم	تا حے بدیدیم و بقیوم رسیدیم، (د۔ ص۲۴)
ندارد پائے عشق او دل بے دست و بے پایم	ندارد تابِ عشقِ او دل بے دست و بے پایم
کہ روز و شب چو مجنونم سر زنجیری خایم	کہ روز و شب چو مجنونم سر زنجیری خایم،
میانِ خونم و ترسم کہ گر آید خیالِ او	میان خونم و ترسم کہ گر آید خیالِ او
بخونِ دل خیالش را زبیخویشی بیالایم	بخون دل خیالش را زبیخویشی بیالایم
زشبہائے من حیران بپرس از لشکرِ پریان	زشبہائے من حیران بپرس از لشکر پریان
کہ در ظلمت در آمد شد پریرا پائی میسایم	کہ در ظلمت در آمد شد پریرا پائی میسایم
ہمی گردد دلِ پارہ ہمہ شب ہمچو استارہ	ہمی گردد دل پارہ ہمہ شب ہمچو استارہ
شدہ خوابِ من آوارہ ز سحر یارِ خود رایم	شدہ خوابِ من آوارہ ز سحر یار خود رایم
رہا کن تا چو خورشیدی قبائے پوشم از آتش	رہا کن تا چو خورشیدی قبائے پوشم از آتش
دران آتش چو خورشیدی جہانے را بیارایم	دران آتش چو خورشیدی جہانے را بیارایم
اگر یکدم بیاسایم روانِ من نیاساید،	اگر یکدم بیاسایم روانِ من نیاساید
(ص۱) من آن لحظہ بیاسایم کہ یک لحظہ نیاسایم	من آن لحظہ بیاسایم کہ یک لحظہ نیاسایم (ک ۴۶۵)

در محل دیگر از بیان این حال اشارت می فرماید، قدس سرہ اللہ العزیز،

ہمہ خفتند و من دل شدہ را خواب نبرد	ہمہ خفتند و من دل شدہ را خواب نبرد

لہ مناقب اور سپہ سالار میں نہ صرف مولینا کے چیدہ چیدہ اشعار ہیں جو دیوان شمس تبریز میں ملتے ہیں، بلکہ بعض پوری پوری غزلیں ہیں، اور بعض کسی غزل کے کئی کئی اشعار ہیں،

ہمہ شب دیدۂ من بر فلک استارہ شمرد	ہمہ شب دیدۂ من بر فلک استارہ شمرد
خوابم از دیدہ چناں رفت کہ ہرگز ناید	خوابم از دیدہ چناں رفت کہ ہرگز ناید
(مثنوی) خواب من زہر فراق تو بنوشید و بمرد	خواب من زہر فراق تو بنوشید و بمرد (ک ۲۷۶)

کلیات شمس میں اس غزل کا مقطع یہ ہے:-

شمس تبریز کہ خورشید معانی گویم	معنی و صورت ما او بظہور می آورد

سپہ سالار کے بیان اور ان کے درج کئے ہوئے اشعار سے صاف ظاہر ہے، کہ یہ غزل مولینا روم کی ہے،" دیوان شمس" کو شمس تبریز کا کلام سمجھنے کی ایک بڑی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ مقطعوں میں مولینا کا نام آتا ہے، لیکن سپہ سالار کی اس مثال اور کلیات میں غزل کے اس مقطع سے ظاہر ہو گیا کہ ہمکو اس بنا پر ایسا سمجھنا چاہئے بلکہ یہ امر پوری قوت سے ثابت ہوتا ہے، کہ دیوان شمس تبریز مولینا روم کی غزلیات کا مجموعہ ہے، اگرچہ سپہ سالار نے تصریح نہیں کی، لیکن بعض سوانح نگاروں نے لکھا ہے، کہ ایک رات مولینا غلبہ حال سے آرام نہ فرما سکے، اس موقع پر یہ غزل فرمائی،

دیدہ خون گشت و خون نمی خسپد،	دیدہ خون گشت و خون نمی خسپد،
دل من از جنون نمی خسپد،	دل من از جنون نمی خسپد،
مرغ و ماہی ز من شدہ حیران،	مرغ و ماہی ز من شدہ حیران،
کین شب و روز چون نمی خسپد	کین شب و روز چون نمی خسپد
پیش ازین در عجب ہمی بودم،	پیش ازین در عجب ہمی بودم،
کاسمان نگون نمی خسپد،	کاسمان نگون نمی خسپد،
آسمان خود کنون ز من خیرہ است	این فلک خود کنون ز من خیرہ است
کہ چرا این زبون نمی خسپد	کہ چرا این زبون نمی خسپد

عشق بر من فسون اعظم خواند،	عشق بر من فسون اعظم خواند،
جان شنید آن فسون نمی خسپد	جان شنید آن فسون نمی خسپد
این یقینم شدہ است پیش ازمرگ	این یقینم شدہ است پیش ازمرگ
کز بدن جان برون نمی خسپد	کز بدن جان برون نمی خسپد
ہین خمش کن باصل راجع شو	ہین خمش کن باصل راجع شو
(ص ۱۶۱) دیدہ راجون نمی خسپد،	دیدہ راجون نمی خسپد، (د۔ ص ۱۱)

دیوان میں اس غزل کا مقطع یہ ہے:۔

از قضاہائے شمس تبریزی ذوفن ذوفنون نمی خسپد،

ایک اہم بحث، بعض غزلون کے مقطعون میں تو حضرت شمس کا نام اس مداحانہ طرز میں آتا ہے، کہ صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شمس کا کلام نہیں، جیسا ہم نے اس سے پہلے کی مثال میں بحث کی ہے لیکن بعض غزلون میں ایسی حالت نہیں ہے، اس سے دھوکا ہو سکتا ہے، کہ شاید ایسی غزلین شمس تبریزکی ہون، لیکن یہ شبہہ بھی جاتا رہتا ہے، کہ اس غزل کے مقطع میں شمس کا نام کسی خاص واضح تعریفی انداز یا الفاظ میں نہیں لیا گیا، اور سپہ سالار کے رسالہ سے یہ حقیقت نمایان ہے، کہ یہ غزل مولنا روم کی ہے، جب یہ اشعار بجنسہ دیوان شمس تبریز میں ملتے ہین، توہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہین کہ دیوان شمس تبریز مولنائے روم کے کلام کا مجموعہ ہے،

بوئے ہمی آید مرا مانا کہ باشد یارمن	بوئے ہمی آید مرا مانا کہ باشد یارمن
بر یاد من پیمودمی آن با وفا خمارمن	بر یاد من پیمودمی آن یا وفا خمارمن
کے یاد من رفت از دلش ای در دل و جان منزلش	کے یاد من رفت از دلش ای در دل و جان منزلش
ہر لحظہ مجنونے کند بہر دل بیمارمن	ہر لحظہ مجنونے کند بہر دل بیمارمن

سپہ سالار	دیوان
گو نعرۂ یا بانگ‌ئی اندر خود و سودای من	گو نعرۂ یا بانگ‌ئی اندر خود و سودای من
گو آفتابی یا مہی مانندۂ انوار من	گو آفتابی یا مہی مانندۂ انوار من
امشب درین گفتار ہا رمزی ازان اسرارہا	امشب درین اسرار ہا رمزی ازین اسرارہا
در پیش بیداران ہند آن دولت بیدار من	در پیش بیداران ہند آن دولت بیدار من
آن پیل بخواب اے عجب چون دید ہندوستان[1] بشب	آن پیل بخواب اے عجب چون دید ہندستان بشب
لیلی درآمد در طلب در جان مجنون دار من	لیلی درآمد در طلب در جان مجنون دار من
صبر از دل من بردۂ مست و خرابم کردۂ	صبر از دل من بردۂ مست و خرابم کردۂ
گو علم من گو حلم من گو عقل زیرک سار من	گو علم من گو حلم من گو عقل زیرک سار من
امشت چہ باشد قرنہا منشاند این بارظلی	امشب چہ باشد قرنہا منشاند این بارظلی
(صـ۱) من آب گشتم از حیا ساکن نشد این نار من	من آب گشتم از حیا ساکن نشد این نار من (ک ۲۱۳)

سپہ سالار	دیوان
ہر بشرے کہ صاف شد در دو جہان دراولی	ہر بشرے کہ صاف شد در دو جہان دراولی
دید غرض کہ فقر بد بانگ الست را بلی	دید غرض کہ فقر بد بانگ الست را بلی
(ص ۲۰)	(ک ۸۰۵)

حضرت خداوندگار ..... از سر معاملۂ خویش بیان می فرماید، بیضّ اللہ وجہہ العزیز

بسوزید آتش تقوی جہان ماسوی اللہ را	بسوزید آتش تقوی جہان ماسوی اللہ را
(صـ۲۲) بزد برقی ز اللہ و بسوزانید تقوی را	بزد برقی و اللہ و بسوزانید تقوی را (ک ۹۹۵)

حضرت خداوندگار ما از صفت آن شراب کلمات بسیار در غزل دیگر بیان میفرماید سقانا اللہ منہ

۱؎ مولینا نے اس طرح بعض اور اشعار میں بھی ہندوستان کا ذکر کیا ہے۔

سپہ سالار	دیوان شمس تبریز
پیش ازان کاندر جهان باغ و مَی انگور بود	پیش ازان کاندر جهان باغ و مَی انگور بود
از شرابِ لایزالی جانِ ما مخمور بود،	از شرابِ لایزالی جانِ ما مخمور بود
ما ببغداد جهان جانِ انا الحق میزدیم	ما ببغداد ازل لافِ انا الحق میزدیم،
پیش ازین کین دار و گیر و نکتهٔ منصور بود	پیش ازین کین دار و گیر و فتنهٔ منصور بود
(ص ۲۴)	(ک ۲۶۰)
سر قدم کردیم و آخر سوی جیحون تاختیم	سر قدم کردیم و آخر سوی جیحون تاختیم،
عالمی برهم زدیم و جست بیرون تاختیم	عالمی برهم زدیم و جست بیرون تاختیم
اولین منزل یکی دریای پرخون رو نمود	اولین منزل یکی دریای پرخون رو نمود
در میانِ موجِ آن دریای پرخون تاختیم	در میانِ موجِ آن دریای پرخون تاختیم
چون براقِ عشقِ عرشی بود زیرِ رانِ ما	چون براقِ عشقِ عرشی بود زیرِ رانِ ما
گنبدی کردیم و سوی چرخ گردون تاختیم	گنبدی کردیم و سوی چرخ گردون تاختیم
فهم و وهم و عقلِ انسان جملگی در ره بریخت	فهم و وهم و عقلِ انسان جملگی در ره بریخت
چونکه از شش حد انسان سخت افزون تاختیم	زانکه از شش حد انسان سخت افزون تاختیم
عالم[1] چون را مثال ذره ها برهم زدیم	عالمِ بیچون مثال ذره ها برهم زدیم
تا به پیشِ تختِ آن سلطان بیچون تاختیم	تا به پیشِ تختِ آن سلطان بیچون تاختیم،
(ص ۲۵)	(ک ۵۲۹)
سپہ سالار	دیوان شمس تبریز
سالکانِ قدس را محرم شدم	سالکانِ قدس را محرم شدم

۱؎ سپہ سالار کا مصرع زیادہ صحیح ہے، اسلئے کہ عالم چون "سلطان بیچون" کے مقابل ہے،

ساکنان قدس را ہمدم شدم	ساکنان قدس را ہمدم شدم،
طارمی دیدم برون از شش جہت	طارمی دیدم برون از شش جہت
خاک گشتم فرش آن طارم شدم	خاک گشتم فرش آن طارم شدم
ہر نفس ہمراہ عزرائیل بود،	ہر نفس ہمراہ عزرائیل بود،
جان مبادم گر از و درہم شدم	جان مبادم گر از و درہم شدم
رو برو با مرگ کردم مرحبا،	رو برو با مرگ کردم مرحبا
تاز عید مرگ من خرم شدم	تاز عید مرگ من خرم شدم
گہ چو عیسیٰ جملگی گشتم زبان،	گہ چو عیسیٰ جملگی گشتم زبان،
گہ دلے خاموش چو مریم شدم	گہ دلے خاموش چو مریم شدم
بانگ نائے لم یزل بشنو ز من	بانگ نائے لم یزل بشنو ز من،
گر چو پشت چنگ اندر خم شدم	گر چو پشت چنگ اندر خم شدم
عید اکبر شمس تبریزی که بود،	عید اکبر شمس تبریزی که بود،
عید را قربانی اعظم شدم،	عید را قربانی اعظم شدم
(ص ۳۵)	(ک ۲۱۱)

ریگ ز آب سیر شد من نشدم ز ہیچ زہے	ریگ ز آب سیر شد من نشدم ز ہیچ زہے
لایق جز گمان من نیست درین جہان زہی	لائق جز گمان من نیست دریں جہان زہی
اگر دلت بہ بلائے غمش شرح نیست	اگر دلت بہ بلائے غمش شرح نیست
یقیں بدان که تو در عشق شاہ مختصری	یقین بدان که تو در عشق شاہ مختصری
ز رنج گنج بترس و ز رنج ہر کس نے	ز رنج گنج بترس و ز رنج دیگرسنے،

که خشم حق نه بود همچو کینهٔ بشری

(ص ۲۷)

غم را چه زهره باشد تا نام ما برد

دستے بزن که از غم و غمخوار فارغیم

ما لاف می زنیم تو انکار میکنی

ز اقرار هر دو عالم و انکار فارغیم

(ص ۲۸)

چنانکه از رنگ رنجوران طبیب از علت آگاه شد

ز رنگ و روئے چشم تو بد نیست پے برد بینا

ببیند حال دین تو بد اندر مهر و کین تو

ز رنگت لیک پوشاند نگردد اندر ترا رسوا

نظر در نامه می دارد و لے تا لب نمی خواند

همی داند کزین حال چه صورت زایدش فردا

(ص ۲۹)

ستاره ایست خدا را که بر زمین گردد

که در هوائے دلیست آفتاب چرخ بود

بسا سحر که در آید بصومعهٔ مومن

که من ستارهٔ سعدم بجو ز من مقصود

ستاره ام که من اندر زمین و بر چرخم

که خشم حق نه بود همچو کینهٔ بشری

(ک ۹۶۴)

غم را چه زهره باشد تا نام ما برد

دستی بزن که از غم و غمخوار فارغیم

ما لاف می زنیم تو انکار میکنی

ز اقرار جمله عالم و انکار فارغیم

(ص ۳۰۶)

چنانکه از رنگ رنجوران طبیب از علت آگاه شد

ز رنگ و روئے و چشم تو بد نیت پے برد بینا

ببیند حال دین تو بد اندر مهر و کین تو

ز رنگت لیک پوشاند نگردد اندر ترا رسوا

نظر در نامه می دارد و لیکن تا لب نمی خواند

همی داند کزین حال چه صورت زایدش فردا

(ک ۳)

ستاره ایست خدا را که بر زمین گردد

که در هوائے دلیست آفتاب چرخ بود

بسا سحر که در آید بصومعهٔ مؤمن

که من ستارهٔ سعدم بجو ز من مقصود

ستاره ام که من اندر زمین و بر چرخم

بصد مقام یا بند چون خیال صدود — بصد مقام یا بند چون خیال صدود

(ص ۳۷) — (ک ۳۲۳)

ایک بادشاہ کی تباہی کے حال کی تفصیل کے بعد فرماتے ہیں، در اثنائے آن سماع بر داشتند و این غزل را فرمودند،

نگفتمت[1] مرو آنجا کہ مبتلات کنند — نگفتمت مرو آنجا کہ مبتلات کنند

کہ سخت دست دراز اند بستہ مات کنند — کہ سخت دراز اند بستہ مات کنند

نگفتمت کہ ازان سوئے دام در دانہ است — نگفتمت کہ ازان سوئے دام در دانہ است

چو در فتادی در دام کے رہات کنند — چو در فتادی در دام کے رہات کنند

(ص ۴۳) — (ک ۳۲۶)

در خانہ خمار خرابات کہ دید است — در خانہ خمار خرابات کہ دید است

(ص ۲۰) — (ک ۳۲۸)

گر بشکند این جامم من غصہ نیاشامم — گر بشکند این جامم من غصہ نیاشامم

جامے دگر آن ساقی در زیر بغل دارد — صد جام دگر ساقی در زیر بغل دارد

(ک ۲۱۱)

یہ سب وہ اشعار ہیں، جن کے متعلق سپہ سالار کی تصریح نظر سے گذر چکی ہے، کہ یہ سب مولانائے روم کے فرمودہ ہیں، اس کے مقابل دیوان شمس تبریز سے منتخب شدہ اشعار بھی پیش نظر ہو چکے ہیں، اب تصفیہ کیا جا سکتا ہے کہ دیوان شمس تبریز مولینا کا کلام ہے، یا نہیں، بلا خوف تردید جواب اثبات میں ہے،

---

[1] یہ اشعار تصریح کے ساتھ مناقب میں بھی موجود ہیں،

سپہ سالار کا ایک اہم بیان | علاوہ ان منتخبہ اشعار کے جو ہم نے اپنے دعوی کے ثبوت میں پیش کئے ہین سپہ سالار کا ایک اور بیان بھی ہے، جس سے ہمارے دلائل قطعی ہو جاتے ہین،

جب حضرت شمس تبریز دمشق کی طرف روانہ ہو گئے۔ تو وہان سے مولانا کے نام ایک نامہ اقدس روانہ فرمایا۔

"ناگاہ از حضرت مولینا شمس الدین بخداوندگار از محروسۂ دمشق مکتوب آمد، بعد ازان حضرت خداوندگار در شوق عشق آنحضرت باز بسماع شد وکلمات وغزلیات انشار فرمود"

(سپہ سالار ص ۶۶)

دیوان کو دیکھئے تو ایک دو نہیں سیکڑون غزلیات اور ہزارون اشعار اس حال کی ترجمانی کرتے ہین، مثلاً یہ اشعار ملاحظہ ہون،

ای تو جانِ صد گلستان از من پنہان شدی   ای تو جان جان جانم چون ز من پنہان شدی
شمس تبریزی بجاہی رفتہ چو یوسفی   ای تو آبِ زندگی چون از من پنہان شدی

آگے چلئے تو اس سے زیادہ پرجوش بیان ہے، مفسدین کی شرارت سے تنگ آکر جب حضرت شمس الدین تبریز دوبارہ غائب ہو گئے، تو مولانا کو بیحد قلق ہوا، اور مولینا نہایت بیتاب و بیقرار ہو گئے

"دران مدت ناگاہ غیبت فرمود، حضرت خداوندگار علی الصباح چون در مدرسہ آمد وخانہ را از ایشان خالی یافت چون ابر بخروشید وروز وشب در فراق غزلیات ببیان می آورد" (صلہ ۹۶ سپہ سالار)

اس غم ہجران کو بصورت شعر دیکھئے۔

مفخر تبریز شمس الحق تو باز آ از سفر   بہر حق بار دگر ما عاشقِ دو بارۂ ایم

---

[۱] انتخاب غزلیات مولینا روم و فرزند مولینا روم قلمی کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن،

اے مونس غمگسار عاشق، اے چشم و چراغ یار عاشق،
زینہاں چہ زیان اگر تو باشی چارہ گر و غم گسار عاشق،

(دیوان شمس تبریز نسخہ ذاتی مطبع منشی نولکشور، ص ۱۹۰)

ز شمس الدیں دلا بس دور دوری، ز دوری گوئے ہمچو نفخ صوری،
خود بین در نظم شعرم منگر بہر انکو دیدہ و دل ز عشقش ہست خوں پالائے
ز ہے چشم مرا حاصل شدہ آئین خونریزی ز ہجران خداوندی شمس الدین تبریزی

(کلیات شمس تبریز لکھنوٗ ۱۹۱)

مدت دراز کے ہمدم و ہمراز کے اس بیان اور دیوان کے ان اشعار کے بعد اس حقیقت کے اعتراف میں کوئی امر مانع دکھائی نہیں دیتا، کہ دیوان شمس تبریز مولانا کا کلام ہے، مولانا کے سیرت نگاروں میں سپہ سالار کی شہادت قطعی اور آخری ہے،

مثنوی سلطان ولد کی شہادت، سلطان ولد مولینا کے نامور فرزند ارجمند ہیں، صاحب علم و عمل ہونے کے علاوہ اہل سخن بھی تھے، شعر میں مولینا ہی کے پیرو ہیں، انکو ایک طرف علوم رسمی میں ید طولیٰ حاصل تھا تو دوسری طرف حقائق قدسی سے بھی انکا دامن دولت مالا مال تھا، سپہ سالار[1] کہتے ہیں،

"سلطان ولد رضی اللہ عنہ...... در جمیع علوم رسمی دریائے بیکران بود و در معارف و حقایق قدسی پادشاہی بود بے مثل و نشانہ"؛

حضرت شمس بھی ان پر نہایت مہربان تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ ظاہر و باطن میں کامل ہوئے،

"حضرت مولینا شمس الدین عظم اللہ ذکرہ در بارۂ ایشان عنایتے تمام فرمودے، در اوقات تجلیات و مناجات از حضرت رب العزت جہت ایشان اعلائے مقامات و لاربیت

[1] سپہ سالار ص ۷۰، مطبوعہ محمود المطابع کانپور،

بے زحمت کدورت مشقت طلب استدعا فرمودی، لاجرم آن گنج حقایق او را بکمال حاصل گشت و ظاہر و باطن مبارکش ہمہ بنور قدسی مزین شد"

زہے ز نور روان تو چشم جان روشن
ز عکس طلعت تو لوح قدسیان روشن

مثنوی سلطان ولد، مولانا ہی کی طرح ان کا ایک دیوان غزلیات اور ایک مثنوی ہے جو مثنوی سلطان ولد کے نام سے مشہور ہے، اس کا ایک قدیم اور صحیح قلمی نسخہ کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں محفوظ ہے، یہ مثنوی سلطان ولد کے فرزند سعید کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے، اور اس نسخہ کی کتابت ان کی وفاتؒ کے چھ سال بعد مکمل ہوئی ہے،

خاتمۂ کتاب پر یہ عبارت بالکل اس خط میں ہے جس میں ساری مثنوی لکھی گئی ہے،

تم کتاب المثنوی المعنوی علی یدی احقر عباد اللہ واضعفہم عثمان بن عبد اللہ عتیق مولانا ابن مولانا المعروف بالولد نور اللہ بنورہ المؤید یوم السبت اربع عشر من شہر شوال سنہ ثمان عشر و سبعمایہ والحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ علی نبیہ محمد وآلہ الطیبین الطاہرین وسلم

مثنوی میں مختلف مسائل پر انھوں نے مختلف عنوان اور باب قرار دئے ہیں، ایک باب مراتب قرب اور فرق مدارج وصال پر بھی ہے، اس عنوان کی عبارت میں مولانا روم کے اشعار بھی درج کئے ہیں:

"در بیان آنکہ رہروان و واصلان را قرب حق یکسان نباشد چنانکہ مولینا قدس اللہ سرہ میفرماید"

مثنوی سلطان ولد	دیوان
اے بر سر بازاران صد خرقہ بزنارے	اے بر سر بازاران ہر خرقہ بزنارے
وز روئے تو در عالم ہر روے بدیوارے	وز روئے تو در عالم ہر روے بدیوارے

لہ سنہ وفات سلطان ولد ۷۱۲ھ سپہ سالار ص ۸۳ (در بیان خلفا حضرت خداوندگار بعنوان سلطان ولد)

ورق ۲۳۹	دیوان شمس تبریز
ہر ذرہ تو خورشیدی گویائے انا الحق	ہر ذرہ ز خورشیدت جویائے انا الحق
ہر گوشہ چو منصوری آویختہ برداری	ہر گوشہ چو حلاجست آویختہ برداری
ایں طرفہ کہ از یک خم ہر یک زنے مستند	ایں طرفہ کہ از یک خم ہر یک زنے مستند
ایں طرفہ کزانیک گل در ہر قدمے خارے،	ایں طرفہ کہ از یک گل در ہر قدمے خارے
از عقل گروہے مست بے عقل گروہے مست	از عقل گروہے مست بے عقل گروہے مست
جز عاقل لایعقل قومی دگراند آری	جز عاقل و لایعقل قومی دگراند آری
(ورق ۲۳۹ کا صفحہ ثانی)	(دیوان شمس تبریز ص ۲۰۶)

ان اشعار کے بعد یہ عبارت ہے،

پس در عین وصل واصلان حق را مقاماتیست، از روے وصل یکیانیست، واز روے مقامات و درجات مختلف چنانکہ در دنیا پادشاہی را خواص و مقربان باشند لیکن ہر یکے را پیش پادشاہ مقامی باشد یکے اعلیٰ و یکے ادنیٰ یکی اقرب و یکے ابعد چنانکہ مولینا قدس اللہ سرہ میفرماید

مثنوی سلطان ولد	دیوان شمس تبریز
گر تو نورِ حق شدی از شوق تا مغرب برو	
زانکہ مارا زین صفت پروای آن انوار نیست	
ور تو سرِ حق بدانستی بد ان سر باش یار	یہ اشعار دیوان میں نہیں ہیں،
زانکہ این اسرار مارا خوی آن اسرار نیست	
جانے کہ رو این سو کند با بایزید از خو کند	جانے کہ رو آنسو کند با بایزید او خو کند
یا در سنائی رو کند یا بو دہد عطار را	یا در سنائی رو کند یا بو دہد عطار را
(ورق ۲۳۸ کا صفحہ ثانی)	(دیوان شمس تبریز قلمی ناتمام ص ۱۱۹ کتبخانہ آصفیہ حیدر آباد)

(باقی)

صوبۂ بہار کے ایک قدیم خانوادہ
کے
دینی و علمی خدمات

از مولوی سید محمد طٰہٰ اشرف صاحب استھوی،

جہان آباد (گیا) اسٹیشن سے سات میل جانب مشرق "استھوا" نام سے ایک قدیم آبادی ہے، جو بڑے بڑے علما و فضلا کا مسکن رہی ہے، اس امر کا اتبک کوئی ثبوت نہ مل سکا کہ یہ آبادی کس وقت سے قائم ہے، اور یہان مسلمانون کا قدم کب پہنچا، لیکن اتنی بات یقینی ہے، کہ یہ جگہ مسلمانون کو بڑی جانبازیون اور سرفروشیون سے حاصل ہوئی تھی، چنانچہ اس علاقہ میں شہدا کے مزار بکثرت ہین، اور ان میں سے اکثر اکابر علما و صوفیہ ہیں، تاہم شیر شاہ سوری کے عہد کے ایک سنگی کتابہ سے یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ چکی ہے، کہ چار سو چار برس سے بھی پیشتر مسلمان یہان آباد ہو چکے تھے، یہ کتبہ شیر شاہ کی تعمیر کردہ مسجد کا سنہ تعمیر ہے، جو خط عربی میں پتھر پر کندہ ہے، اس مسجد کا نام و نشان تو مٹ چکا، مگر یہ یادگار باقی اور محفوظ ہے، جو عبارت پڑھی جا سکی، وہ یہ ہے:-

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بنی للہ مسجدا بنی اللہ لہ بیتًا فی الجنۃ

...... در عہد شیر شاہ سوری بن..... سوری فی سنۃ خمس وثلثین وتسع مائۃ
۹۳۵

یوم الاثنین فی شہر شعبان"

یہ مردم خیز خطہ اپنے فضائل و کمالات اور فیضان علوم ظاہری و باطنی کے باعث سلاطین ہند کی توجہ کا مرکز رہا، چنانچہ "استھوا" کو "حضرت" کا خطاب ملا، اور فرامین شاہی میں "حضرت استھوا" لکھا گیا ہے،

اس صحبت میں خصوصیت کیساتھ میں صرف ایک ایسے علمی خانوادہ کے چند اکابر علما و صوفیہ کا تذکرہ کرنا چاہتا ہون جس نے کم و بیش تین ساڑھے تین سو برس تک علمی خدمات انجام دی ہیں، اور جسکے چار چار علما و فضلا فتاوی عالمگیری سی مستند اور مشہور کتاب کی جمع و تالیف میں شریک رہے ہین، اور جس کے بعض افراد موجودہ عہد تک دنیاے علم میں ایک خاص امتیاز رکھتے ہین،

یہ عرض کر دینا ضروری ہے، کہ مجھے اس ضمن میں جو کچھ معلومات حاصل ہوئی ہین، وہ تمامتر شاہی فرامین، یا بعض پرانے کاغذات سے، بلکہ میری اکثر تحقیق حضرت مولینا حاجی سید شاہ ظہور الحسن صاحب علیہ الرحمہ کی قلمی کتاب "شجرۃ الاصل النورانیہ" کے ایک نامرتب اور نامکمل نسخہ کی رہینِ منت ہے، افسوس کہ خاندانی کتبخانہ کی بربادی کی وجہ سے موصوف کو اپنے اسلاف صالحین کے تحقیقی حالات بہت کم معلوم ہوسکے، اور زیادہ افسوس یہ ہے کہ جو کچھ معلوم ہوے، وہ بھی تقریباً ضائع ہوگئے، اسلئے کہ یہ نسخہ بالکل نامرتب اور ردی حال میں ہے،

حضرت مخدوم شیخ بدھ صوفی پرانے کاغذات اور بعض فرامینِ شاہی میں آپ کا اسم گرامی بڑی تعظیم سے لیا گیا ہے، مثلاً قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین وغیرہ علومِ ظاہری و باطنی مین آپ کا کمال مسلمہ تھا، آپ کی خانقاہ مسجد اور مدرسہ بہیں تھا، اور مصارف کے لئے بادشاہِ وقت کی طرف سے بڑی بڑی جاگیرین وقف تھیں، آپ صاحبِ تصنیف و تالیف بھی تھے، اور صاحبِ طریقت بھی، افسوس کہ اب غالباً آپ کی کوئی تصنیف موجود نہیں شجرۃ الاصل النورانیہ میں کچھ تذکرہ تھا، وہ بھی کرم خوردہ ہے،

"آنحضرت ہم صاحبِ تصنیف بودہ وہم صاحبِ طریق، چنانچہ بعض ...... در طریق ونصیبۂ فقیر در رسیدہ است، ازان ..... کہ در طریقہ عالیہ قادریہ درج سازم ..... فضل وکمالش ہویدا، من شاء فلیرجع الیہا"

(شجرۃ الاصل النورانیہ)

سنہ ولادت اور سنہ وفات کچھ معلوم نہیں، آپ کے زمانہ کی بھی کوئی صحیح تعیین نہیں ہو سکتی[1]، اسلئے کہ خاص آپ کے نام سے جو سندین تھیں ان کا فرامین کے اشارہ سے پتہ نہیں چلا، آپ کے ورثار کے نام سے عہد بعہد بادشاہون نے جن سندون کی تجدید کی ہے، وہ سندین موجود ہین، ان سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آپ کس عہد میں تھے، جہانگیر کا عہد تو آپ نے یقیناً پایا ہے، اسلئے کہ آپ کی دو ایک سند کی تجدید عہدِ عالمگیری میں ہوئی ہے، اسمیں یہ حوالہ درج ہے :-

"بموجب فرمان عالیشان پیش از جلوس بادشاہ غفران پناہ رضوان درگاہ علیین مکانی حضرت . . . . مرقوم بتاریخ ۲۰ ذی قعدہ ۱۰۳۳ھ موازی چہار صد وسی و پنج بیگہ باد خان قارو باغ از پرگنہ اوکری سرکار صوبہ بہار بروجہ خانقاہ و مدد معاش شیخ بدھ صوفی"

[1] معارف :- اگر "شیخ بدھ صوفی" اور "شیخ بدھ بہاری" دونون ایک ہی شخصیت ہین، تو ان کا زمانہ معلوم ہے، شیخ بدھ بہاری عہد شیر شاہی کے مشہور بزرگون میں تھے تذکرۂ علمائے ہند میں ہے :-

"شیخ بدھ بہاری دانشمندی راسخ وطبیبے حاذق بود کہ شیر شاہ سور از غایت اعتقاد کفش پیش پائے اومی نہاد" (ص ۳۱)

اتفاق سے شیر شاہ سوری کے عہد کی مسجد سے گمان ہوتا ہے کہ شاید وہ مسجد شیر شاہ نے شیخ کے لئے تعمیر کرائی ہو، صاحب تذکرہ علماء ہند کے بیان کے مطابق شیخ بدھ بہاری کی سکونت قصبہ بہار میں تھی، جو ان دنون علم کا مرکز تھا، یہان انکی مسند درس بچھی ہوئی تھی، طلبہ دور دور سے آکر درس میں شریک ہوتے تھے، شیخ حسن ابن طاہر جونپوری متوفی ۹۰۹ھ کے والد شیخ طاہر ملتانی تحصیل علم کے شوق میں ملتان سے چلکر بہار پہنچے تھے اور مع اہل وعیال سکونت پذیر ہو کر شیخ کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے تھے، (رص ۴۸) شیخ بدھ بہاری کے علمی تعلقات اس عہد کے ممتاز اہلِ علم قاضی شہاب الدین دولت آبادی متوفی ۸۴۹ھ سے قائم تھے، اور ان کی تحریک پر شیخ نے بعض کتابین بھی لکھی تھیں، (رص ۳۱)

"س"

یعنی جلوس شاہجہان سے پہلے ۱۰۳۳ھ عہد جہانگیری میں ایک فرمان کی رو سے آپ کو چار سو تیس بگیہ اراضی جاگیر میں ملی تھی، ممکن ہو کہ آپ نے اکبر کا بھی زمانہ پایا ہو،

حضرت ملا شیخ کریم اللہ، آپ کے نام کیساتھ غفران پناہ حقائق آگاہ فضیلت دستگاہ کے الفاظ تعظیما استعمال کئے گئے ہیں، آپ حضرت مخدوم شیخ بدہ صوفی کے وارثوں میں تھے، آپ اپنے عہد کے مشہور ترین بزرگ اور صاحب علم و کمال لوگوں میں گذرے ہیں، درس و تدریس کا سلسلہ بھی تھا، اور تعلیم و ارشاد روحانی کا بھی، طالبان حق اور تشنگان علم کا ہمیشہ ایک ہجوم آپ کے گھر رہتا تھا، اسلئے بادشاہوں نے آپ کی مدد معاش اور مصارف مدرسہ و خانقاہ کے لئے مزید جاگیریں عطا فرما کر فکر معاش سے سبکدوش کر دیا تھا تاکہ آپ باطمینان خاطر ہدایت خلق میں مصروف رہیں، اور بیش از بیش علمی خدمات انجام دیتے رہیں سنہ وصال اور سنہ ولادت معلوم نہیں، غالباً آپ نے شاہجہان اور عالمگیر دونوں کا وقت دیکھا ہے،

ملک العلما سلطان العرفا حضرت میران محی الدین قلندر قادری آپ اپنے عہد کے مشاہیر علما و فضلا اور صاحب کمال بزرگوں میں گذرے ہیں، آپ کا سلسلۂ نسب دسویں پشت میں حضرت سیدنا و مولینا عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے ملتا ہے، حضرت مولینا محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ آپ کے بھانجے اور مسترشد تھے، مزید حالات کچھ نہیں معلوم ہو سکے،

حضرت مولینا محمد شفیع آپ عہد عالمگیری میں بڑے پایہ اور بلند رتبہ کے بزرگ گذرے ہیں، آپ کا علم و کمال مشہور خاص و عام تھا، بادشاہ عالمگیر کو آپ سے خاص عقیدت تھی، خود شاہزادگان والاتبار شرف قدمبوسی کے لئے آپ کے آستانہ پر حاضر ہوئے تھے "شجرۃ الاصل بالنورانیہ" جو کم و بیش آج سے پچاس سال قبل کی تصنیف ہو، لکھا ہے،

"واز فرزندان خواجہ ما خواجہ محمود غزنوی مولینا ما اشتہار عام دارند، پادشاہ عالمگیر

رجوع با دوداشت، و فرزندان وے برائے زیارت وے رسیدہ بودند، بدعوت او کہ کرامت عجیبہ ظاہر گردیدہ، و کرامات ظاہرہ و تصرفات باہرہ او کہ تا این زمان دیدہ ..... اظہر من الشمس ہستند، چہ حاجت کہ مدحت وے کنم، کورچشمان را ہم نصیبہ از افادہ عام وے حاصل است، مگر عقیدہ و شرط است، منکران بدبختان را از مخدوم جہان چہ عقیدہ است، کہ آنحضرت نصیبہ باشد، ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم، چشمۂ آفتاب را چہ گناہ ،"

- آپ کے آبا و اجداد میں حضرت خواجہ محمود غزنوی برادر خالاتی حضرت بندہ نواز سید احمد گیسو دراز ابن سید یوسف حسنی، دہلوی، اپنے وطن بغداد کو چھوڑ کر غزنی تشریف لائے اور وہاں سے سرہند پھر دہلی، اوسکے بعد بہار میں آکر مقیم ہو گئے،

"و ہم از بعضے فرزندان خاندان خواجۂ ما خواجہ محمود غزنوی کہ بطریق سیاحت و سفر مخصوص بہ نیت زیارت حضرت مولوی معنوی مولینا محمد شفیع قدس اللہ بسرہم القدسی دریں علاقہ بہار رسیدہ بودند، و اصل ایشان از سرہند بود، چنان ہم بتحقیق پیوستہ کہ حضرت ایشان از حضرت بغداد بغزنی نزول فرمودند، و از آنجا بسرہند، و از انجا بدہلی، و از انجا بحضرت بہار بہار نمودند کہ بعضے از ایشان ہم در سرہند اقامت دارند، و بعضے در دہلی، چنانچہ مسجد کالانی معروف بہ کالی مسجد کہ در دہلی الی یومنا ہذا بر دروازۂ ترکمان واقع است، بنا کردۂ بزرگان این خاندان است، انتہی، عجب نیست کہ ہمچنیں باشد، چراکہ در خانہ فقیر ہم نزول فرمودن ایشان از بغداد در غزنی، و از آنجا بدہلی، و از آنجا در جوار فیض آثار حضرت بہار و ہم آمدن در قاصد بطرف مغرب بجانب ملتان این خاندان تا بعہد جدی ام بار سال نقود و ہدایا حسب معہود سابق مسموع و منقول است،" (شجرۃ الاصل النورانیہ)

حضرت مخدوم الملک مخدوم شرف الدین احمد یحیی منیری سے اور حضرت خواجہ محمود غزنوی سے ملاقات بھی ہوئی، چنانچہ حضرت مخدوم الملک کے بعض خطوط میں آپ کا تفصیلی تذکرہ ہے، اور بعض میں اجمالی،

حضرت خواجہ محمود غزنوی کا سلسلۂ نسب حضرت خلیفہ ثالث عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے، چنانچہ فرمان شاہی کی پشت پر آپ کو شیخ عثمانی لکھا گیا ہے، لیکن ازدواجی تعلقات حضرت خواجۂ خواجگان خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، حضرت نظام الدین اولیاء اور حضرت سیدنا عبدالقادر رحمہم اللہ تعالی اجمعین کے خاندان سے قائم رہے، "شجرۃ الاصل النورانیہ" میں اس پر وضاحت سے روشنی ڈالی گئی ہے:۔

"از بعضے فرزندان دختری حضرت خواجہ کلانی خواجۂ ما خواجہ محمود غزنوی العثمانی چنان هم باستماع رسیدہ، کہ از خاندان ایشان و فرزندان حضرت خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ بزرگ کہ در موضع مخدوم پور خانوہ جوار بلسہ یعنی جیتی نگر، علاقہ عظیم آباد اقامت میدارند، ارتباط جزئیہ بودہ است، چنانچہ راوی کہ مشرف بفرزندی خواجہ بزرگ حضرت خواجہ ہند الولی بودہ، اظہار نسبت نواگی، خود بخاندان خواجۂ ما خواجہ محمود غزنوی بارتباط قدیم ہر دو خاندان بحوالہ تذکرۂ بزرگان خود مینمود، واللہ اعلم، من این قدر دانم کہ نسبت قرابت خاندان مولانائے ما یا بعضے بزرگوار اجلۂ خاندان چشت اہل بہشت کہ صاحب خانقاہ و مدرسہ در موضع استھواں بودند، بودہ، چنانچہ سند نذر مرمت مقبرۂ مصارف خانقاہ و مدرسہ و کفاف فرزندان شان موجود دارم کہ انشاءاللہ آنرا مع سند دیگر بزرگوار خاندان حضرت محبوب الٰہی و خاندان حضرت غوث الاعظم در خاتمۂ این رسالہ مجملاً بیان می کنم۔"

حضرت خواجہ محمود غزنوی موضع جگن بیگہ میں اقامت پذیر ہو گئے تھے، جو اس زمانہ میں ریاست ظاہری و باطنی میں مسلمہ اور مشہور جگہ تھی، لیکن اب وہاں کی آبادی موضع فیروزی (جہان آباد ضلع گیا) میں منتقل ہو گئی ہے، اور آپ کا مزار مبارک کوٹھری بھوکری متصل ٹلہاڑا (ضلع پٹنہ) میں ہے

"حضرت خواجہ کلانی خواجہ ما خواجہ محمود غزنوی برگجہ کوٹھری بھوکھری متصل ٹلہاڑہ ضلع عظیم آباد جانب جنوب از ٹلہاڑہ، آسودہ ہستند، چنانچہ کاتب الحروف ہم از زیارت سراپا رحمت وعافیت ایشان مشرف گردیدہ است، الحمد للہ علی ذلک، وآن مزار فیض آثار مرجع ہنود و کفار، و مسلمانان آن جوار است، ولکن ہر یکے از نام واقف نیست، بنام مخدوم صاحب مشہور است، یزار و یتبرک،

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما"

(شجرۃ الاصل النورانیہ)

حضرت مولوی محمد شفیع جدی سلسلۂ نسب کے اعتبار سے شیخ عثمانی ہیں، لیکن آپ کا ننہالی سلسلۂ نسب گیارہویں پشت میں حضرت سیدنا عبد القادر رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے، اس حیثیت سے آپ حسنی اور حسینی بھی ہیں،

آپ نے علوم ظاہری کی تکمیل کہاں فرمائی، یہ تو معلوم نہیں، لیکن علوم باطنی اور تعلیم روحانی ملک العلما سلطان العرفا فرد الاولیا حضرت میران محی الدین قلندر قادری رحمہ اللہ تعالیٰ سے جو آپ کے ماموں اور جلیل القدر عالم وصوفی تھے، حاصل فرمائی، ممکن ہے، آپ نے انہیں سے کچھ تحصیل علوم ظاہری بھی کیا ہو،

آپ کا سنہ وفات اور سنہ ولادت بھی معلوم نہیں، لیکن مشہور عالم وصوفی و شاعر مولینا عبد العلیم صاحب آسی گورکھپوری، حضرت مولینا سید شاہ ظہور الحسن صاحب قادری علیہ الرحمۃ کے وقت

میں یہاں آئے تھے، تو مرزا مبارک پر بھی حاضر ہوئے، اور دیر تک مراقبہ میں رہے، وہ آپ کے علو مرتبت کا حال پہلے سے جانتے تھے، چنانچہ انھوں نے اپنے خاندانی سفینۂ ملفوظات گنج رشیدی کے حوالہ سے کچھ تذکرہ لکھوا دیا تھا، وہ درج ذیل ہی:-

"ملفوظہ، ملا محمد شفیع ساکن اتھوا کہ عمر یکصد و یک سالہ داشتہ اند، در شادی میر مہدی پسر حضرت میر محمد باقر پٹنوی قدس سرہ و حضرت پیر دستگیر تشریف بردہ بودند بحضور پیر دستگیر یعنی حضرت قطب عالم ابی الکشف بدر الحق قدس سرہٗ گفتند کہ فقیرے صاحب کمال نزد قطب الاقطاب یعنی حضرت قطب عالم و حضرت ابی الکشف بدر الحق آمدہ بود و گفت از شما خدا خواہد پرسید کہ ازین جہان چہ تحفہ آوردید چہ خواہید گفت، اول قطب الاقطاب گریہ بسیار نمود، بعد ازان فرمود دست ارشد را خواہم گرفت و پیش خدا خواہم برد کہ ہمیں را آوردہ ام، سبحان اللہ ملاحظہ باید نمود، کہ پیر و مرشد وے در حق وے چنیں فرمودہ"

عبارت گرچہ خبط ہے، اور کوئی مضمون صاف سمجھ میں نہیں آتا، لیکن یہ بات ثابت ہے، کہ آپ نے ایک سو سال سے بھی زیادہ عمر پائی، اور یہی تواتر اور توارث سے منقول ہی، اور فرامین شاہی کی جمع و تطبیق سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے،

آپ کی تاریخ وفات ۱۱ رشوال المکرم ہے، کیونکہ زمانہ قدیم سے اسی تاریخ میں آپ کا سالانہ عرس ہوتا ہے،

آپ کے متعلق یہ روایت چلی آتی ہے، کہ آپ دربار شاہی میں معلم اور آتالیق کی حیثیت سے تھے، لیکن اس کا کوئی تحریری ثبوت نہیں ملتا، آپ کے دست مبارک کا لکھا ہوا ایک سفینہ ہے جس میں آپ نے سفینۃ الاولیاء سے کچھ نوٹ کرنے کے بعد لکھا ہے، کہ منقول از سفینۃ الاولیاء دارا شکوہ

پادشاہ زادہ" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید آپ کو دربار شاہی سے کوئی تعلق رہا ہو،

آپ کو بادشاہوں کی طرف سے "مولوی معنوی" کا خطاب ملا تھا، چنانچہ ایک فرمان میں جسپر مختلف عہد کے بادشاہوں کی تیرہ مہریں ہیں، یہ عبارت درج ہے:۔

"بدستور قدیم ممنوعہ درگاہ علائق ...... حضرت فضیلت و کمالات دستگاہ مولوی معنوی ملا محمد شفیع سلمہ اللہ تعالیٰ، معاف شد۔"

حضرت سلطان اورنگزیب عالمگیر غازی نے آپ کی قدردانی کے ثبوت میں، مختلف فرامین کے ذریعہ آپ کی خانقاہ اور مدرسہ کے خرچ کیلئے بڑی جاگیریں عنایت فرمائیں، اور ایک چھوٹی سی مسجد اور اس سے ملحق ایک چھوٹا سا حجرہ آپ کی عبادت کے لئے تعمیر کر دیا تھا، جو اب تک موجود ہے گرچہ تباہ حال ہے،

آپ کی تصنیفات سے کوئی چیز موجود نہیں، دست برد زمانہ نے آپ کی اور اس خاندان کے دیگر علماء و فضلاء کی تصنیفات اور دوسرے قیمتی نوادر کو ضائع کر دیا، صرف آپ کا ایک زندہ جاوید علمی کارنامہ آپ کے علم و کمال کی یادگار کہا جا سکتا ہے، اور وہ فتاوی عالمگیری کی جمع و تالیف میں آپ کی شرکت ہے،

حضرت سلطان اورنگزیب عالمگیر نے جمع و تالیف فتاوی عالمگیری میں آپ کی خدمات بھی حاصل کی تھیں، پہلے ایک روپیہ بارہ آنہ یومیہ وظیفہ مقرر تھا، پھر یومیہ وظیفہ کے عوض ایک سو تیس بیگہ اراضی پرگنہ اوکری میں عطا ہوئی، جس کی سند شاہی موجود ہے، اور جسکی پشت پر تفصیل سوان باتوں کا ذکر ہے، اور یہ جائداد بھی اب تک آپکے خاندان میں بفضلہ موجود ہے:۔

"شرح یادداشت واقعہ، اور سنہ بست و ہشتم شہر رجب ۱۵ سنہ جلوس والاموافق ۱۰۹۵ھ برسالہ سیادت و نقاہت پناہ شرافت و نجابت دستگاہ سزاوار عنایت پادشاہی قابل

مرحمت شاہنشاہی صدر رفیع القدر رضویخان و نوبت واقع نویسی کمترین بندگان درگاہ خلائق پناہ میرزا بیگ قلمی می گردد، کہ بعرض مقدس معلی رسید کہ بموجب فرمان والاشان سعادت لسان مرقوم تاریخ ۰ ار ربیع الاول ۱۱ جلوس مبارک مبلغ یک روپیہ .... بطریق یومیہ ہر سال ہر دو جنس معاف از خزانہ برکات سعادت، بشرط جمع فتاوی عالمگیری بہمراہی شیخ وجیہ الرب مرحوم در وجہ معاش شیخ محمد شفیع ولد شیخ شریف محمد مقرر بود، و تا فی الحال در حکم علی العلوم یومیہ مذکور برطرف گشتہ، مشارٌ الیہ بحلیہ فضیلت آراستہ است، و جمعے کثیر وابستہ دارد، امیدوار است حکم جہان مطاع عالم مطیع صادر شد، کہ موازی یک صد و سی بیگہ زمین افتادہ لائق زراعت خارج جمع از پرگنہ اوکری، سرکار و صوبہ بہار در وجہ مدد معاش او مرحمت فرمودیم واگر در محلے دیگر چیزے داشتہ باشد آنرا اعتبار بکنند و یومیہ مذکور را برطرف شمارند، واقع، ۸ جمادی الاولیٰ ۱۵ بموجب تصدیق یادداشت قلمی شد، شرح خط سیادت و نقاہت پناہ شرافت و نجابت دستگاہ صدر رفیع القدر رضویخان کہ داخل واقع نمایند، شرح بخط واقع نویس مطابق واقع است، شرح بخط زبدۂ ارباب ارادت خلاصۂ اصحاب عقیدت مقرب آنحضرت الخاقانیہ منظور الانظار السلطانیہ شجاعت و شہامت پناہ جلادت و بسالت دستگاہ شائستہ انواع عنایات .... سزاوار اصناف مراحم پادشاہی بخشی الملک اسدخان گکہ بعرض مکرر رسانید، شرح بخط فضائل پناہ کمالات دستگاہ شیخ .... رمضان ۱۶ جلوس مکرر بعرض رسید شرح بخط زبدۂ ارباب ارادت خلاصۂ اصحاب عقیدت بخشی الملک گکہ فرمان عالیشان قلمی نمایند، از ربیع اوائل شرح ۱۲ یومیہ بموجب فرمان عالیشان باسم محمد شفیع بشرط

جمع فتاوی عالمگیری مقرر بود، بعدہٗ دریں ولا از پرگنہ اوکری سرکار و صوبہ بہار مرحمت شد"

آپ غالباً عہدۂ قضاء پر بھی رہے، سندِ قضا تو موجود نہیں لیکن ایک دستاویز پر یہ لکھا ہوا ہے کہ "بمہر قاضی محمد یوسف و ملا محمد شفیع" قاضی محمد یوسف قاضی شاکر صاحب کے والد تھے، اور آپکے پوتے قاضی محمد صابر صاحب کی شادی مولوی معنوی کی پردتی سے ہوئی"

کسی نے آپ کے نام کا سجع کہا ہے، ع "مراد دو عالم محمد شفیع"

ملا وجیہ الرب، | آپکے حالات کچھ بھی معلوم نہ ہوسکے، بجز اسکے کہ جمع فتاوی میں حضرت مولوی معنوی کیساتھ آپ بھی شریک تھے، فرمان شاہی میں آپ کا نام بھی مندرج ہے،

حضرت مولینا سید محمد فائق، | آپ حضرت مولوی معنوی مولینا محمد شفیع علیہ الرحمہ کے سمدھی اور آپکے جلیل القدر صاحبزادے حضرت مولینا قاضی بدیع الزمان صاحب علیہ الرحمۃ کے خسر تھے، آپ بھی جامعین فتاوی میں ایک رکن کی حیثیت رکھتے ہیں، آپ کے نام سے علحدہ سند ہے، آپ کو ۱۲ یومیہ وظیفہ ملتا تھا، پھر ایک سو پچاس بیگہ زمین لائق زراعت جاگیر میں ملی، آپ سندی سید تھے، فرامین شاہی میں آپ کو سید تسلیم کیا گیا ہے، آپ کی سند کا مضمون بھی تھوڑے اختلاف کیساتھ وہی ہے،

"شرح یادداشت واقعہ روز جمعہ ششم شہر ذی قعدہ ۳۷ سنہ جلوس والا موافق ۱۱۰۴ھ

مبلغ دونیم روپیہ یومیہ بلا قصور یومیہ ہمراہ ملا محمد اکرم در وجہ مدد معاش سید محمد فائق ولد سید محمد شائق بشرط جمع فتاوی عالمگیری عوض یومیہ مذکور یکصد و پنجاہ بیگہ زمین افتادہ لائق زراعت از پرگنہ ایکل سرکار و صوبہ بہار در وجہ مدد معاش او مرحمت فرمودیم"

ملا محمد اکرم، | جامعین فتاوی میں حضرت مولینا سید محمد فائق صاحب کیساتھ آپ بھی شریک رہے، مزید حالات کچھ معلوم نہ ہوسکے

حضرت مولینا قاضی بدیع الزمان، | آپ حضرت مولوی معنوی مولینا محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر

صاحبزادے ہیں، جو علم و عمل میں اپنے والد بزرگوار کے قدم بقدم اور صحیح معنوں میں ان کے جانشین تھے، علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل اپنے والد بزرگوار سے فرمائی، اور ان کے بعد مسند رشد و ہدایت پر جلوہ افروز ہوئے، درس و تدریس علم و عمل کی گرم بازاری آپ کے عہد میں بھی ویسی ہی رہی، سابقہ جاگیرون کے علاوہ بادشاہون نے مزید جاگیرین عنایت فرمائیں، ایک سند میں مذکور ہے :-

شرح حسب الحکم الاعلیٰ بمہر جملۃ الملک مدار المہام نظام الملک بہادر فتح جنگ سپہ سالار مرقوم ششم ربیع الثانی سنہ ۵ اینکہ رفعت پناہ کفایت دستگاہ خواجہ ابوالفتح خان محفوظ باشند، درین ولا وکیل فضیلت پناہ تقوی شعار شیخ محمد بدیع بعرض اقدس اعلیٰ رسانید کہ موضع مرآرہی [1]، در دوبست عملہ پرگنہ اوکری سرکار و صوبہ بہار کہ یکصد و بست و پنج زر جمع حاصل آنست، بموجب پروانہ صفی خان جاگیردار در وجہ مدد معاش موکل بافرزندان مقرراست، امیدوار است کہ حکم والد درباب معافی موضع مزبور بآن رفعت پناہ نگارش رود لہذا حسب الحکم الاعلیٰ قلمی می گردد کہ موضع مسطور بموجب پروانہ جاگیردار مزبور بشرط تبغض و تصرف تصدق فرق معرف او واگذاشتہ معاف و مرفوع القلم شمارند، کہ حاصل آنرا صرف معیشت نمودہ، بدعاگوئی دوام دولت ابد مدت اشتغال نماید،

عرصہ تک آپ عہدہ قضا پر بھی مامور رہے، سند قضا موجود ہے،

کسی نے آپ کے نام کا سجع کہا ہے، ؎ یا مظہر العجائب بالخیر یا بدیع،　(باقی)

[1] اب یہ موضع موزہاری کے نام سے موسوم ہے، اور آپ کے خاندان کی زمینداری میں موجود ہے،

اقبال نامۂ جہانگیری کی جلد اول و دوم

از

از جناب عبد الغفور صاحب بی اے (لندن) ایم اے، ایس سی، علیگ مسلم یونیورسٹی علی گڈہ،

اقبال نامۂ جہانگیری محمد شریف معتمد خاں بخشی کی تصنیف ہے، جو عہدِ جہانگیری میں مختلف جلیل القدر عہدوں پر فائز رہا ہے، محمد شریف ایران کے ان گمنام لوگوں میں سے تھا، جو وارد ہندوستان ہوکر فلک رفعت کا ستارہ بنکر چمکا، آغاز حال میں شہزادہ سلیم کا مقرب ہوا، پھر سال سوم جہانگیری میں خطاب معتمد خان سے سرفراز ہوا، مدت تک احدیون کا بخشی رہا، ۹ سنہ جلوس میں عساکر شاہی کا بخشی مقرر ہوا، ۱۰۲۹ھ میں جہانگیر کے ہمراہ کشمیر گیا، اور راستے ہی میں شاہی میزبانی کا فخر حاصل کیا، جس پر جہانگیر نے خوش ہوکر منصب ہزار و پانصدی اور پانچ سو سوار عطا فرمایا، کشمیر سے مراجعت کے دوران میں خدمتِ عرض پر مقرر ہوا، سنہ جلوس شاہجہانی کے دوسرے سال بخشی دوئم مقرر ہوا، اور سال دہم میں میر بخشی اور منصب چار ہزاری و دو ہزار سواری سے عزت پائی، سنہ شاہجہانی کے تیرہوین سال ۱۰۴۹ھ میں دنیاے فانی سے دار البقا کو کوچ کیا،[1]

مصنف نے اقبال نامہ جہانگیری کو تین جلدوں میں تقسیم کیا ہے، جلد اول میں خاقان گیتی ستان اکبر کے آباو اجداد کی تاریخ ہے، جو اکبر نامہ سے کچھ تصرف کرکے لکھی گئی ہے،

جلد دوم میں اکبر کے آغاز جلوس سے سنہ وفات تک کے حالات درج ہین، جلد سوم میں جہانگیر

[1] دیکھو مآثر الامرا، مطبوعہ کلکتہ جلد سوئم ص ۴۳۱ تا ۴۳۴،

کے ایامِ سلطنت کا تذکرہ ہے،

مکمل کتاب کا نام دیباچہ کی مفصلہ ذیل عبارت سے مترشح ہوتا ہے،

"چون این تالیف بنام نامی آن حضرت زیب دفتر یافتہ بہ اقبال نامۂ جہانگری موسوم گشت[1]"

پس کلکتہ ایڈیشن کا نام سرورق پر اقبال نامۂ جہانگیری جلد سوم ہونا چاہئے تھا"

تاریخ اقبال نامۂ جہانگری کئی لحاظ سے اہم ہے،

اوّل جہانگیر نے خود مصنف کو تاریخ نویسی کے عہدے پر مقرر کیا تھا، توزک جہانگیری پہلے پہل تو بادشاہ نے خود سترہویں سال تک لکھی، پھر معتمد خاں کو حکم دیا کہ مسودہ حالات تیار کرکے بادشاہ سے اصلاح لے لیا کرے، اس طریق پر ۱۹ سال تک کے حالات تحریر کیے گئے[2]،

دوسرے اس نے دیباچے میں ایسے ماخذ گنائے ہیں، جو آج کل مفقود ہیں، مثلاً خواجہ عطا بیگ قزوینی کی تاریخ،

تیسرے اوس نے جو احتیاط واقعاتِ تاریخی حاصل کرنے میں استعمال کی ہے، قابلِ ستائش ہے، وہ لکھتا ہے:-

"در تحقیق سوانح و تصحیح وقائع شرائط احتیاط بواجبی رعایت کردم وآنچہ برای العین مشاہدہ افتادہ بود، بے زیادت ونقصان مسودہ می نمودم وآنچہ پیش از زمانِ آگاہی این فقیر گذشتہ بود، تحقیقاتِ شیخ (ابوالفضل) را با نوشتہ شیخ نظام الدین احمد وخواجہ عطا بیگ مقابلہ نمودہ، بہ تصحیح مردم ثقہ وکہن سالان راست قول رسانیدہ در سلکِ تحریر کشیدم[3]"

---

[1] دیباچہ صفحہ ۲ [2] توزک جہانگیری، اقبال نامہ جلد سوم، [3] دیباچہ ص ۳،

مسٹر بیورج کے اکبر نامہ کے ترجمۂ انگریزی سے معلوم ہوتا ہے، کہ زمانۂ اکبر کے حالات کی تفصیل اور ابوالفضل کی منشیانہ تحریر کی شرح کے لئے اقبال نامۂ جلد دوئم کی کسقدر ضرورت ہے،

چوتھے عہدِ اکبری کے آخری چار سالون کے لئے یعنی ۱۰۱۰ھ سے ۱۰۱۴ھ تک اقبالنامہ اکیلی ہی مستند تاریخ ہے، طبقات اکبری تو صرف ۱۰۰۲ھ تک ہے، اور ملا بدایونی بھی ۱۰۰۴ھ تک کے حالات درج کرتے ہین، ابوالفضل کا قتل ۱۰۱۱ھ مین ہوا، جس واقعہ سے کچھ پہلے ہی ابوالفضل کا اکبر نامہ کی تصنیف سے تعلق ختم ہو چکا ہے، تکملہ اکبر نامہ کو جو عنایت اللہ نے ۱۰۳۲ھ میں لکھا کوئی ہمعصرانہ اہمیت نہیں دی جا سکتی،

پانچوین اقبال نامہ میں نہ صرف عہدِ جہانگیری ہی کے مستند اور معتبر حالات درج ہین، بلکہ عہد اکبری کے چند واقعات کا بھی مصنف عینی شاہد ہے، اگرچہ مآثر الامراء کے مصنف نے یہ لکھا ہے کہ محمد شریف پہلے پہل جہانگیر کا ملازم ہوا، اور ڈاکٹر ڈینی سن راس نے بھی فہرست بانکی پور میں اسکی تائید کی ہے، مگر اقبال نامہ کے متن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ محمد شریف جو ابھی تک متعدمان نہ ہوا تھا، دربار اکبری میں حاضر ہوتا تھا، ابوالفضل کے قتل کو سن کر اکبر کے دل پر جو صدمہ گذرا ہے اسکو اس نے اپنی آنکھون سے دیکھا، لکھتا ہے،

"راقم اقبالنامہ مکرر بچشم خود دیدہ کہ آنحضرت رااین قصہ ہرگاہ بیاد آمدے، آہ بے اختیار کشیدہ دست بر سینہ مالیدے"[1]

نیز مصنف دیباچہ میں بہ تصریح لکھتا ہے، کہ اس کتاب میں خاقان گیتی ستان سے مراد اکبر ہے[2]، اگر کتاب کے مسودات اکبر کی وفات کے بعد لکھے جاتے، تو ضرور اکبر کے بجائے فردوس آشیانی لکھا جاتا،

---

[1] جلد دوم لکھنؤ صفحہ ۵۰۰، [2] دیباچہ ص ۳۔

اتنی اہمیت کے باوجود اب تک علمائے تاریخ نے اس کتاب سے خاص شغف کا اظہار نہیں کیا ہے، سرسید مرحوم نے اپنی توزک جہانگیری کے سرورق پر کتاب کا دوسرا نام اقبال نامۂ جہانگیری لکھا ہے، مسٹر ونسنٹ اسمتھ مصنف اکبر دی گریٹ نے اپنے ماخذوں میں اقبال نامہ کا ذکر تک نہین کیا اور انھون نے عہد اکبری کے اخیر چار سالون کے لئے اپنا ماخذ تکملۂ اکبر نامہ جسکو وہ غلطی سے ہمیشہ تکمیل اکبر نامہ لکھتے ہیں، اور ڈوژارک عیسائی پادری کی یادداشت کو بنایا ہے،

اقبال نامہ کی تینون جلدون میں سے جلد سوئم جس کا تعلق جہانگیر کے ایام حکومت سے ہے، عام طور پر ملتی ہے، ہندوستان اور یورپ کے کتبخانون میں اسکے متعدد قلمی نسخے ہین، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی نے اسکو بہ تصحیح مولوی عبدالحی و مولوی احمد علی صاحبان ۱۸۶۵ء میں چھاپا، اور ۱۹۲۶ء میں دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن سے اس کا ایک اردو ترجمہ بھی شائع ہوا ہے،

مگر بقول علمائے تاریخ اس کتاب کی جلد اول و دوئم بے حد نادر اور کمیاب ہین، پروفیسر ڈینی سن راس نے فہرست بانکی پور میں لکھا ہے، کہ اقبال نامہ کی پہلی دو جلدین بے حد کمیاب ہین[1]، ریو نے بھی پہلی جلد اقبال نامہ کو بہت کمیاب لکھا ہے[2]، نیز پروفیسر بنی پرشاد نے بھی اپنی کتاب اے ہسٹری آف جہانگیر میں پہلی دو جلدون کی کمیابی کی تصریح کی ہے[3]،

بوڈلین، کیمبرج اور بنگال سوسائٹی کے کتب خانون میں صرف جلد سویم کے قلمی نسخے موجود ہین، بانکی پور میں جلد اول و دوئم کا صرف ایک مکمل نسخہ موجود ہے، مگر اس پر کوئی سنہ کتابت درج نہیں ہے، جلد اول کے ایک اور نسخہ پر بھی کوئی سنہ کتابت نہیں ہے[4]،

انڈیا آفس مین جلد اول و دوئم کا ایک مکمل نسخہ موجود ہے، جس پر کوئی سنہ ہجری درج نہین، بلکہ دس ربیع الاول ۱۹ سال جلوس رقم ہے، اس سے ایتھے نے یہ استنباط کیا ہی، کہ یہ غالبًا جلوس عالمگیری ہوگا

---

[1] فہرست بانکی پور جلد ہفتم ص ۶۰، [2] ریو جلد سوئم ص ۹۲۲، [3] بنی پرشاد ص ۴۴۵، [4] فہرست بانکی پور جلد ہفتم ضمیمہ تا صفحہ ۶۲

لہذا سنہ کتابت ۱۱۰۱ھ ہوا، مگر ممکن ہے کہ یہ سنہ جلوس محمد شاہ یا شاہ عالم گیر ثانی کا ہو، جنھوں نے ۱۵ سال سے زیادہ حکمرانی کی ہے، اس بنا پر ۱۱۰۱ھ کو حتمی طور پر سنہ کتابت قرار نہیں دیا جاسکتا، انڈیا آفس کی جلد دوئم پر کوئی تاریخ درج نہیں ہے[1]، علی ہذاالقیاس برٹش میوزیم کے جلد اول و دوئم کے مکمل نسخون پر بھی کوئی سنہ کتابت درج نہیں ہے[2]،

علی گڈھ لائبریری کے عبدالسلام سکیشن مین جلد اول و دوئم وسوئم کے اچھے نسخے موجود ہین، جن پر واضح طور پر سنہ کتابت ۱۱۰۳ھ مطابق ۳۵ سنہ جلوس عالمگیری در بلدہ جونپور لکھا ہوا ہے، خط صاف اور پڑھنے کے لائق ہے، کاغذ سفید اور تپلا ہے، ہر جلد پر یہی سنہ کتابت اور مقام درج ہین، اور تینون نسخے ایک ہی کاتب کے لکھے ہوئے ہین، جلد سوئم کا ایک اور نسخہ نہایت پاکیزہ خط میں لکھا ہوا ہے، مگر اس پر کوئی سنہ کتابت درج نہیں ہے،

اسی لائبریری میں مکمل اقبال نامۂ جہانگیری کا مطبوعہ نسخہ موجود ہے، جس کو نولکشور پریس لکھنؤ نے ماہ ذی قعدہ ۱۲۸۶ھ مطابق ماہ فروری ۱۸۷۰ء میں چھاپا ہے، اس مین جلد اول و دوئم وسوئم سب مکمل طور پر شائع کی گئی ہین،

جلد اول در ذکر اجداد خاقان گیتی ستان صفحہ ۳ سے ۱۲۴ تک جلد دوئم صفحہ ۱۲۵ سے ۵۱۰ تک اور جلد سوم صفحہ ۵۱۱ سے ۱۰۸۶ تک چھپی ہوئی ہے، اخیر میں تسلیم سہسوانی کی تقریظ اور قطعات تاریخ ہین، تعجب کی بات ہے، کہ ان فاضل علمائے تاریخ پروفیسر راس، ریو یا بینی پرشاد نے کیون اس کتاب کا مطالعہ نہیں کیا، راس صاحب نے تو فہرست بانکی پور میں یہ جملہ ایزاد بھی کیا ہے، کہ جلد سوئم عام طور سے ملتی ہے، اور یہ لکھنؤ میں ۱۲۸۶ھ میں چھپ چکی ہے، فاضل مستشرق کا اشارہ نولکشور کے مطبوعہ نسخے کی طرف ہی ہے، مگر یہ محض جلد سوئم ہی نہیں، بلکہ تینوں جلدون کا مکمل مطبوعہ نسخہ ہے،

---

[1] فہرست انڈیا آفس کالم ۱۲۱ تا ۱۲۳، [2] ریو جلد سوئم صفحہ ۹۲۲ تا ۹۲۳،

ڈاکٹر راس اسی ضمن میں لکھتے ہیں، کہ اقبال نامہ کے مصنف نے دیباچہ میں لکھا ہے، کہ اس نے یہ کتاب کشمیر میں ۱۰۲۹ھ مطابق ۱۵ سنہ جلوس جہانگیری میں مکمل کی، مگر دیباچے کے مطالعے سے یہ بات ظاہر نہیں ہوتی، مصنف نے محض یہ تصریح کی ہے کہ اس نے اس سنہ میں پرانے مسودات کو نظر ثانی کے بعد بیاض میں ترتیب دیا، نیز حالات ۱۰۲۹ھ تک ختم بھی نہیں ہوتے، بلکہ جلد سوئم کا اختتام ۲۶ جمادی الاول ۱۰۳۷ھ کو ہوتا ہے، جس دن شاہجہان اجمیر سے واپس ہو کر دار الخلافت اکبر آباد میں شاہانہ شان و شوکت سے داخل ہوا۔[۵]

معارف:۔ کتب خانہ بانکی پور کی فارسی تواریخ ہند کی فہرست کے سلسلہ میں ڈاکٹر ڈینی سن راس کا نام لینا شاید صحیح نہ ہو، یہ فہرست مولوی عبد المقتدر صاحب نے ترتیب دی ہے، اور راس صاحب نے صرف اس کام کی نگرانی کی ہے،

---

[۵] اقبال نامہ جلد سوئم کلکتہ ص ۳۰۵،

رقعات عالمگیر

اورنگزیب عالمگیر کے خطوط و رقعات جو زمانہ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک اعزہ کے نام لکھے گئے ہیں، اس جلد میں جمع کئے گئے ہیں، اور ان سے علم و ادب، سیاست اور تاریخ کے متعلق بیسیوں حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، ضخامت ۲۹۰ صفحات، چھپائی، لکھائی، کاغذ، بالخصوص ٹائٹل، نہایت دلفریب، قیمت:۔ ۳ ؎

مقدمۂ رقعات عالمگیر

اس میں رقعات پر مختلف حیثیتوں سے تبصرہ کیا گیا ہے جس سے اسلامی فن انشا اور شاہانہ مراسلات کی تاریخ ہندوستان کے صیغۂ انشاء کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہیں، لکھائی، چھپائی، کاغذ نہایت عمدہ، ضخامت ۴۰۸ صفحے قیمت:۔ للعہ

منیجر

تلخیص و تبصرہ

چین میں مسلمانون کی موجودہ حالت

قاہرہ کی جمعیۃ الرابطۃ الاسلامیہ نے جو ۱۹۳۴ء میں قائم کی گئی تھی، تمام دنیا کے مسلمانون کے حالات پر خطبات کا انتظام کیا ہے، اس سلسلہ کی پہلی کڑی اسی انجمن کی مجلس عاملہ کے ایک چینی رکن محمد ما جین کے وہ دو خطبے ہیں، جو موصوف نے چینی مسلمانون سے متعلق جولائی ۱۹۳۴ء میں دیئے تھے، اور جو اب ایک مستقل رسالہ کی شکل میں "چین میں اسلام کی تاریخ اور چینی مسلمانون کے حالات پر ایک مبسوط نظر" کے عنوان سے شائع ہو گئے ہیں، ان خطبات میں مندرجۂ ذیل دس ابواب قائم کئے ہین:-

(۱) اسلام کب اور کیونکر چین میں پہنچا، (۲) اسلام اور چینی مذاہب کا موازنہ، (۳) اسلام سے متعلق چین کے بڑے بڑے آدمیوں کی رائین (۴) چینی مسلمانون کی مذہبی حالت، (۵) تعلیمی اور تمدنی حالت (۶) سیاسی حالت، (۷) اقتصادی حالت، (۸) معاشرتی حالت (۹) چینی مسلمانون کے انحطاط کے اسباب اور انکا علاج (۱۰) الازہر قاہرہ کے مقابلہ میں چینی تبلیغی انجمنون کا مطالعہ

۴- چینی مسلمانون کی مذہبی حالت، چین کے مسلمان فاصلہ کی درازی کے باعث دنیائے اسلام سے بالکل علحدہ رہتے آئے ہین لیکن خدا کے فضل سے ان کے مذہبی عقائد اپنی اصلی شکل مین محفوظ ہین، اور ان پر عوام کی توہم پرستی یا چین کے دوسرے مذہبی فرقون کا اثر نہیں پڑا ہے، وہ اولیاء اللہ کی کرامتون کے قائل ہین، مگر ناقص تعلیم کی وجہ سے وہ ان اولیاء کو تقرب الی اللہ کا وسیلہ نہین بنا سکتے، وہ اپنے ولیون کو مسلمانون کے قبرستانون میں جو پہاڑوں میں واقع ہیں دفن کرتے

ہین، ان کے مقبروں پر کتبے نہیں ہوتے، قبروں پر لوگ صرف جمعہ کے روز اور رمضان کی پہلی تاریخ کو جاتے ہین، اور قرآن مجید کی تلاوت کرکے ایصالِ ثواب کرتے ہین،

چینی مسلمان النسفی کی شرح العقائد کا نہایت احترام کرتے ہیں، وہ ان تمام باتون کو جو اس کتاب کے خلاف ہون، مسترد کر دیتے ہین، یا کم از کم شبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، وہ سب لوگ مذہب حنفی کے پیرو ہیں، پنج وقتہ نماز مسجد میں جماعت کیساتھ ادا کرتے ہین، گھر مین نماز پڑھ لینے کی ان کے ہان مطلق اجازت نہیں، وہ سردی اور بارش کے موسم میں بھی فجر کی نماز کے لئے علی الصباح لالٹین لے کر مسجدون کو جاتے ہوئے دکھائی دیتے ہین، نماز میں قرآن پاک کی آیتیں عربی زبان میں تلاوت کرتے ہین، خواہ مفہوم ان کی سمجھ مین نہ آئے، اذان اور جمعہ کا خطبہ بھی عربی زبان میں ہوتا ہے، جو عموماً سمجھ میں نہیں آتا، اس کی تلافی کے لئے امام جمعہ کی نماز سے پیشتر یا بعد میں چینی زبان میں بھی خطبہ دیدیتا ہی،

رمضان کے مہینہ میں مرد، عورت، اور بچے سب روزہ رکھتے ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ توبہ اور عبادت بہ نسبت اور مہینون کے رمضان میں زیادہ قبول ہوتی ہے، یون نان کے صوبہ مین رمضان کے مہینہ مین نمازی افطار کے لئے مسجد کے دروازہ پر غروب آفتاب سے کچھ پہلے اکٹھا ہوجاتے ہین، اور مغرب کی نماز کے بعد ایک دوسرے کو اپنے گھرون پر کھانے کی دعوت دیتے ہین، بعض صوبون میں روزہ دار ساتھ بیٹھکر مسجد ہی میں کھا لیتے ہیں، اس کھانے کے مصارف کچھ دولتمند احباب ادا کرتے ہین، اور کچھ خود دسترخوان میں شرکت کرنے والے مسافروں سے کچھ نہیں لیا جاتا،

اونچے مذہبی ادارون کے طلبہ، مسافرون، اور بوڑھون کی مدد کا بڑا ذریعہ آمدنی زکوٰۃ کی رقم ہی قربانی کے جانورون کی کھالوں اور صدقات کی رقم سے بھی جو مسجدون کے صندوقچون میں جمع ہوتی رہتی ہے، کچھ آمدنی ہوجاتی ہے، یون نان کے صوبہ میں مسلمانون کاشتکار اپنی پیداوار کا دسوان حصہ طلبہ کے اخراجات کیلئے خوشی سے دیدیتے ہیں،

فاصلہ کی درازی، سفر کی دشواری، اور اخراجات کی زیادتی کی وجہ سے چینی مسلمان حج کے لئے بہت کم جاتے ہیں، تاہم ان مشکلات کے باوجود بعض لوگ سفر حج کے لئے روپیہ جمع کر لیتے ہیں، اور وہ حجاز پہنچکر اس رقم میں سے صدقہ بھی کرتے ہیں، اور اپنے علمی اداروں کے کتب خانوں کیلئے مذہبی کتابیں بھی خرید لاتے ہیں، ہر سال تقریباً ایک سو آدمی حج کے لئے جاتے ہیں، ان میں زیادہ تر صوبہ کنصو کے ہوتے ہیں،

۵۔ تعلیمی اور تمدنی حالت: چین میں اسلامی تہذیب پست حالت میں ہے، اگر آپ کسی چینی مسلمان سے آنحضرت صلعم کی زندگی، آپ کے اخلاق، اور اسلام کے بنیادی حقایق و قوانین کی نسبت سوال کریں تو آپ کو تشفی بخش جواب نہ ملے گا، اسکے اسباب حسب ذیل ہیں،:-

(۱) عربی زبان کی دشواری (۲) تعلیم کے ناقص طریقے، (۳) اسلام پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں، ان کے ترجموں کی کمی، (۴) کتب حوالہ کی کمیابی، (۵) اپنے دوسرے ہم مذہبوں سے چینی مسلمانوں کی دوری (۶) دوسرے مسلمانوں کی بے پروائی،

چینی مسلمان عربی زبان کا احترام جو قرآن و حدیث کی زبان ہے، اپنی قومی زبان سے بھی زیادہ کرتے ہیں تاہم وہ اسے یورپی زبانوں سے بھی زیادہ مشکل پاتے ہیں، مذہبی تعلیم کے ناقص نظام سے زبان کی دقت اور طلبہ کی بددلی اور بھی بڑھ جاتی ہے، مسلمان بچے مسجدوں کے مدرسوں میں چند سال تک تعلیم پاتے ہیں، وہاں وہ ہجے کرنا، اور کلمۂ طیبہ سیکھنے کے بعد قرآن پاک کی سورتیں حفظ کرتے ہیں، اس تعلیم سے فارغ ہو کر کچھ لڑکے زراعت شروع کر دیتے ہیں، اور کچھ تجارت، بقیہ ثانوی مدارس میں چلے جاتے ہیں، جہاں وہ اشتقاق الفاظ، صرف و نحو، اور اسکے متعلقات سیکھتے ہیں، بہت سے لڑکے کافی استعداد پیدا ہونے سے قبل ہی گھبرا کر پڑھنا چھوڑ دیتے ہیں، جو طلبہ ثانوی تعلیم ختم کر لیتے ہیں، وہ اعلیٰ مدارس میں داخل ہو جاتے ہیں، جہاں وہ "پانچ بڑی کتابیں" پڑھتے ہیں، اس نصاب کی مدت

طویل ہوتی ہے، اور بہت کم لڑکے اسے دس سال میں ختم کرتے ہیں، اگرچہ حال میں اس نصاب میں کچھ تخفیف بھی کردی گئی ہے، جب کوئی طالب علم قابلِ اطمینان طور پر اپنی کتابیں پوری کرلیتا ہے، تو عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے روز اساتذہ اسے مسجد میں سب کے سامنے آہونگ کی سند دیتے ہیں، جو شیخ کے مترادف ہے، اور فارسی لفظ آخوند سے ماخوذ ہے،

اس نصابِ تعلیم کے متعدد نقائص ہیں، مثلاً سلسلۂ درسیات کی درازی، جو مذہبی تعلیم دیجاتی ہے، اس کا کافی نہ ہونا، عربی زبان سے بہت تھوڑی واقفیت، طلبہ میں زیادہ اونچے درجوں کی کتابوں کے سمجھنے کی لیاقت نہیں ہوتی، اور نہ وہ عموماً اپنا مفہوم تحریر یا تقریر کے ذریعہ اہلِ عرب کو سمجھا سکتے ہیں، دوسری طرف وہ خود اپنی قومی زبان میں بھی کمزور رہجاتے ہیں، اور علاوہ ان کے جنھیں اسلامی اداروں میں تعلیمی یا تبلیغی کام مل جاتے ہیں، اکثر اپنے لئے کوئی وسیلۂ معاش حاصل کرنے سے بھی عاجز رہتے ہیں،

یون نان کے مسلمان قائدوں نے یہ حالت دیکھکر اپنے صوبہ کے پایۂ تخت کین مان فو کی سب سے بڑی مسجد میں ایک مدرسہ علومِ عمرانی قائم کیا ہے، جس میں مذہبی علوم اور جدید مضامین کے علاوہ عربی، چینی اور انگریزی زبانوں کی تعلیم بھی ہوتی ہے، اسی طرز پر تین اور مدرسے بھی پیکنگ شنگھائی اور نیز جوان میں قائم کئے گئے ہیں، طلبہ چینی اور انگریزی زبانوں اور جدید سائنس میں بہت تیزی کیساتھ ترقی کررہے ہیں، لیکن عربی زبان اور دینیات میں وہ قدیم اسلامی مدارس سے ابھی تک پیچھے ہیں، جسکی وجہ یہ ہے کہ مدت محدود اور مضامین متعدد ہیں، نیز عربی اور دینیات کی تعلیم کی طریقے ابتک ویسے ہی ناقص ہیں، جیسے پہلے تھے، اس مدرسہ کے مہتمم صاحبان معیار کو بلند کرنے کی کوشش کررہے ہیں،

علماء کا مبلغ علم محدود ہے، مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے ان کی واقفیت مذہب کے بنیادی اصول، فقہ، علم کلام، اور مذہبی لٹریچر سے متعلق کافی نہیں ہے، اسی لئے ان کے وعظ اور خطبے زیادہ

اسرائیلی روایات پر مبنی ہوتے ہیں، جن لوگوں نے غیر مذہبی تعلیم حاصل کی ہے، وہ اگر مذہبی مسائل یا اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں، تو انھیں ان موضوعوں پر کافی کتابیں نہیں ملتیں، کیونکہ تفسیر حدیث اور فقہ کی کتابوں کے ترجمے موجود ہی نہیں ہیں،

چین میں عربی کتابیں پہلے قلمی ہوتی تھیں، اور طلبہ اپنی ضرورت کے مطابق اُن سے نقل کر لیتے تھے، سب سے پہلے عربی کتابیں، جو چین میں طبع ہوئیں، وہ ما فیو کوکے لکڑی کے ٹائپ کی چھپی ہوئی تھیں، باہر سے عربی کی کتابیں صرف پچھلے تیس برس میں آئی ہیں، ان میں زیادہ تر قسطنطنیہ اور بمبئی سے آئی ہیں، اور حال میں کچھ مصر سے بھی آئی ہیں، چین میں کوئی عربی کتبخانہ نہیں ہے، اور عربی کتابیں گران قیمت ہیں،

جمہوریہ کے قیام تک چینی مسلمانوں نے غیر مذہبی تعلیم سے دلچسپی نہیں لی، اس کے بعد انھوں نے چینی کلچر کی ضرورت محسوس کی، اور مسجدوں اور ملک کے مختلف حصّوں میں ابتدائی مدارس قائم کرنے شروع کئے، ان مدارس کی تنظیم سرکاری مدارس کے طرز پر کی گئی ہے، پھر وزارتِ تعلیم کی منظوری سے ایک ثانوی مدرسہ پیکنگ میں اور دوسرا ہونان میں قائم کر دیا گیا، ان مدارس کا بڑا نقص یہ ہے، کہ ان میں نہ تو مذہبی تعلیم ہوتی ہے، اور نہ اسلامی آداب و ارکان کی پابندی کی جاتی ہے،

ساحل کے چینی مسلمان اہل عرب و ایران کی اولاد ہیں، اور شمالی چین کے مسلمانوں کے مورث مشرقی ترکستان اور ایران کے رہنے والے تھے، یہ لوگ نقل مکان کرکے چین میں آباد ہو گئے، مگر ان کے تعلقات اپنے اصلی وطنوں سے عرب تاجروں کے ذریعہ جو چینی بندرگاہوں میں آیا کرتے تھے، قائم رہے، لیکن گذشتہ پانچ صدیوں میں مشرق بعید سے عربوں کی تجارت بند ہو جانے سے چینی مسلمان اپنے غیر ملکی بھائیوں سے منقطع ہو گئے

یہ چینی حجاج عربی زبان میں گفتگو نہیں کر سکتے تھے، اور نہ انھیں اسلامی حکومتوں کی مذہبی تمدنی اور سیاسی تحریکون سے آگاہی تھی،

جنگ عمومی کے دوران میں چینی مسلمانون نے جب سنا، کہ مسلمان عیسائیوں کے مقابلہ میں فتحیاب ہوئے ہیں، تو انھون نے اپنی مسرت کا اظہار کیا، لیکن جب انھیں اطلاع ملی کہ واقعہ برعکس ہے تو ان کو یقین نہ آیا، اور وہ سمجھے کہ یہ خبر عیسائیون کی اُڑائی ہوئی ہے، وہ سعد زاغلول، عبد الکریم، مصطفے کمال، ابن سعود، محمد علی، رضا خان، اور دوسرے مشہور لیڈرون سے ناواقف تھے، جب غازی مصطفے کمال نے اپنے دشمنون پر فتح پائی تو چینی مسلمانون نے ان کی بہت کچھ تعظیم وتکریم کی، اور یونان میں بعض خطیبون نے ان کے نام کے خطبے بھی پڑھے، لیکن جب اونھون نے خلافت کو منسوخ کر دیا، اور ترکی حکومت کو ایک غیر مذہبی حکومت بنا دیا، تو خطبون مین انکا ذکر بھی موقوف ہوگیا، آج خطبون میں صرف مشرق ومغرب کی ملتِ اسلامیہ کے لئے دعا کیجاتی ہے،

مجھے یقین ہے، کہ اگر دنیاے اسلام نے چینی مسلمانون کی طرف کچھ بھی توجہ کی ہوتی، تو آج اس مضرت رسان علٰحدگی کا وجود نہ ہوتا، اور نہ چین میں اسلامی کلچر اتنی پستی تک اوتر آتا، ہم نے علماے کرام مین سے کسی کو چین میں سیاحت کرتے نہیں سُنا، جس طرح وہ سال بسال مختلف جماعتون مین یورپ یا امریکہ کی سیاحت کرتے رہتے ہین،

شیخ عبد الرحمٰن وانگ ہاؤلان نے استنبول جا کر سلطان عبد الحمید خان ثانی سے ملاقات کی اور سلطان نے ۱۹۰۸ء میں ان کو شیخ علی رضا اور شیخ حسین حافظ کے ساتھ ایک مشن پر روانہ کیا، یہ شیوخ پکنگ کی مسجد ننگ چیہ میں درس دیتے تھے، مگر نہ معلوم کس وجہ سے زیادہ نہین ٹھہرے، نتیجہ یہ ہوا کہ چینی مسلمانون کو کچھ زیادہ فائدہ نہیں پہنچا، یہ حال کا پہلا تعلق تھا، جو اس طویل علٰحدگی کے بعد قائم ہوا تھا، لیکن دونون شیوخ کے ترکی واپس چلے جانے پر یہ تعلق پھر منقطع ہوگیا،

اس کے بعد شاہ فواد نے چین کے اسلامی کلچر کی طرف توجہ کی، اور شیخ عبد الرحیم ماسنگ ٹنگ کی درخواست پر الازہر کے دو شیوخ کو چین جانے کا حکم دیا، یہ حضرات اس وقت پاپنگ کے مسلم نارمل اسکول میں درس دے رہے ہیں، اور طلبہ چین کے ہر حصے سے آکران درسون میں شریک ہوتے ہیں،

چینی اور ایرانی حکومتوں کے درمیان ایک دوستانہ اور تجارتی معاہدہ ہو گیا ہے، اور ایک ایرانی قنصل چین میں بلایا گیا ہے، ترکی اور چین کے درمیان بھی ایک معاہدۂ اتحاد جلد ہونے والا ہے، چینی مسلمانون اور ان کے غیر ملکی بھائیوں کے درمیان کامل اتحاد کچھ بہت دور نہیں ہے،

۷۔ سیاسی حالت اس حصہ میں مصنف نے دسویں صدی سے انیسویں صدی عیسوی تک کی چینی مسلمانون کی سیاسی حالت پر تبصرہ کیا ہے، اور دکھایا ہے، کہ انھیں کس حد تک آزادی حاصل ہے، اور ان کے کتنے بڑے آدمیون نے سلطنت کی خدمت کی، یہ بھی دکھایا ہے کہ سترہوین اور انیسوین صدیوں میں مسلمانوں کی طرف سے جو بغاوتیں رونما ہوئین، وہ تشدد مذہبی کے سبب سے نہ تھیں، بلکہ خاندان منچو کے سیاسی انقلاب کا نتیجہ تھیں،

جب جمہوریہ قائم ہوئی تو دستور حکومت میں اعلان کیا گیا کہ چینی قوم پانچ ملتون پر مشتمل ہے، جن کی رعایت سے قومی علم میں پانچ رنگ رکھے گئے ہیں، جمہوریہ نے پانچوں ملتون کے لئے مذہبی آزادی اور مساوات قائم کی، مسلمانوں کو اس وقت تک اپنے مذہبی یا دنیوی مفاد کے تحفظ کا موقع بہت کم ملتا تھا، سات سال کے اندر حکومت نانکنگ نے اس علم کو منسوخ کر دیا، اور اوس کے بجائے ایک دوسرا علم جاری کیا، جس میں صرف تین ہی رنگ تھے، گورنر نے اعلان کیا کہ اگر غیر چینی ملتیں چینی قوم سے علحدہ ہو کر آزادی اور خود مختاری حاصل کرنا چاہین گی، تو اون

کی مدد کی جائے گی، حکومت نانکنگ کے نزدیک خاص چین کے مسلمان اصلی ہان (چینی) ہیں اور ان میں اور بقیہ ہان میں مذہب کے سوا اور کوئی فرق نہیں، اس مسئلہ پر مسلمانوں میں دو جماعتیں ہو گئی ہیں، ایک حکومت کی ہم خیال ہے، اور دوسری اوس کی مخالف، اکثریت موخر الذکر ہی کی ہے،

"حکومت نانکنگ نے اپنی اس خواہش کا بھی اعلان کیا تھا کہ چین میں اسلام کی روشنی خود بخود پھیلتی رہے، اور مسلمان اور قوم ہان کے درمیان شادیاں ہوتی رہیں، لیکن خدا کو یہ منظور نہ تھا، مسلمانون کا دینی جذبہ اُن کے قومی جذبہ سے زیادہ قوی ہے، جہاں وطن پرستی مذہب کے مخالف نہیں ہوتی، وہان وہ اپنے ملک کے فدائی ہوتے ہین لیکن جہان دونون جذبات کا تصادم ہوتا ہے، وہان وہ اپنے مذہب ہی کے وفادار ہوتے ہین، حکومت چین کا برتاؤ اپنی مسلمان رعایا کے ساتھ اچھا ہے لیکن وہ ہمارے مذہب کو چین مین فنا کر دینا چاہتی ہے" "ع ز"

پروفیسر پاولو

حال میں روس کے مشہور سائنس دان پروفیسر پاولو (PAVLOV) نے ستاسی سال کی عمر میں وفات پائی، یہ ۱۸۴۹ء مین وسطی روس کے ایک قصبہ مین پیدا ہوئے تھے، ان کے والد گاؤن کے ایک غریب پادری تھے، ۱۸۷۹ء میں انھون نے طب کی سند حاصل کی، اس کے بعد انھون نے عضویات کو اپنا خاص موضوع بنا لیا، اور اسکی تحقیق میں مصروف ہو گئے، رفتہ رفتہ ان کے اہم انکشافات کی بنا پر ان کی شہرت تمام دنیا میں پھیل گئی، ان کی تحقیقات میں زیادہ اہم وہ ہین، جو انھون نے زندہ جانور اور خصوصاً کتون سے متعلق کین، یہ انھی کی تحقیق سے معلوم ہوا کہ انسان اور کتے کے دماغ میں بہت سی باتیں مشترک ہین، اور کتے کا نظام عصبی بھی بنیادی طور پر ویسا ہی ہے، جیسا انسان کا، کتا بھی انسان

کی طرح اپنے خیالات میں تلازم پیدا کر سکتا ہے، وہ بھی اپنے میلانات کو روک سکتا ہے، اس میں بھی اپنے کو دوسرون سے فروتر سمجھنے یا دوسرون کے مقابلہ میں جارحانہ اقدام کرنے کا جذبہ پیدا ہو سکتا ہے، عضویات یا جسم و دماغ کے تعلقات پر مشکل سے کوئی کتاب ایسی ملے گی جس میں پروفیسر پاولو کے تجربات کا حوالہ نہ ہو، موجودہ طب بہت بڑی حد تک ان کی رہین منت ہے،

پاولو کا طرز معاشرت بہت سادہ تھا، انکی تقریبًا تمام عمر اپنے معمل اور گھر ہی کے درمیان ختم ہوگئی، بولشیوزم سے ان کو نفرت تھی، ۱۹۱۷-۱۸ کے دورِ انقلاب میں نیز اس کے بعد بھی وہ اپنے خیالات کا اظہار نہایت بے خوفی سے کرتے تھے، باوجود اس کے حکومتِ روس نے ہمیشہ ان کا احترام کیا، اور سویٹ روس میں غالبًا وہی ایک شخص تھے، جن کو اپنے اصلی خیالات کے اظہار کی اجازت تھی، انقلاب کے زمانہ میں جب وہ روس سے چلے جانے کا قصد کر رہے تھے، تو لینن نے ان کو روکنے کے لئے حتی الامکان تمام سہولتیں پیدا کر دیں انھون نے اس آزاد خیالی کو آخر وقت تک قائم رکھا، ان کے علمی خدمات کے صلہ میں حکومتِ روس انھیں دو ہزار پونڈ سالانہ وظیفہ دیتی تھی، اور انکی ۸۰ ویں سالگرہ کے موقع پر ان کے معملون کی آراستگی کے لئے دس ہزار پونڈ عطا کئے تھے،

(ج۔ ل) "ع ز"

چینی مسلمان

چین سے مسلمانون کا تعلق آغازِ اسلام سے رہا ہے، اس زمانہ میں بھی کرورون مسلمان وہان آباد ہیں، وہان کے مسلمانون کے مستند مذہبی، اخلاقی، تمدنی، سیاسی اور اقتصادی حالات ایک دردمند صاحبِ قلم چینی مسلمان نے ہندوستانی زبان میں لکھے ہیں، کہ مسلمانانِ ہند اپنے ان دور افتادہ بھائیون کے حالات سے آگاہ ہون ضخامت ۲۴۴ صفحے قیمت صرف عہ

"منیجر"

اخبار علمیہ

موسمی نظام

موسم کی تبدیلیان ایک ایسے نظام پر مبنی ہین، جو پیچیدہ ہونے کے علاوہ حد درجہ وسیع بھی ہے، یہ نظام کوئی مقامی چیز نہیں ہے، بلکہ تمام روے زمین پر پھیلا ہوا ہے، اور اس کا عمل ہوا کی ایک موٹی تہ مین جاری جسکی دبازت تقریبًا چھ میل ہے، اسی لئے موسم کی تبدیلیوں کے متعلق پیشین گوئی کرنا آسان نہیں ہے، یہ صحیح ہے کہ علماے حوادث الجویہ (Meteorologists) بری اور بحری مرکزون کی اطلاعات کی بنا پر یہ معلوم کر سکتے ہیں، کہ فلاں فلاں مقام پر ہوا کے بڑے بڑے پہاڑ ہیں، جن میں سے ہر ایک کا وزن لاکھوں ٹن ہے، اور فلان فلان مقام سے ہوا کھنچ کر چلی گئی ہے، جس کی وجہ سے ان خطوں کا دباؤ کم ہوگیا ہے، وہ ہوائی طوفانون کی سب سے آخری حرکتوں کو بھی معلوم کر سکتے ہین، اور ان کی مدد سے کسی قدر قیاس کر سکتے ہین، کہ آیندہ موسم کی حالت کیا ہوگی، لیکن ان کی مثال اس جنرل کی سی ہے، جو اپنے جاسوسون کے ذریعہ دشمن کی نقل و حرکت کو دریافت کر سکتا ہے، اور اسکی آیندہ نقل و حرکت معلوم کرنے کے لئے صرف اپنے پچھلے تجربہ کی بنا پر قیاس کر سکتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ علم حوادث الجویہ (Meteorology) ابھی تک ایک تجربی علم ہے، اور چونکہ اس علم پر ہنوز کافی عبور حاصل نہیں ہو سکا ہے، اسلئے کسی بعید مستقبل کے موسم کی پیشین گوئی کرنی بہت ہی دشوار ہے، موسمی نظام فضا میں چھ میل کی بلندی تک پھیلا ہوا ہے، جبتک اس خطہ کے حالات کافی طور پر معلوم نہ ہون گے پیشین گوئی کی دشواریان پوری طرح حل نہ ہو سکینگی، اس مسئلہ میں فن ہوابازی کی ترقی سے بہت کچھ مدد ملنے کی توقع ہے، موسم کے تغیرات میں سب سے بڑا حصہ

آفتاب کا ہے، اگر آفتاب نہ ہو تو نہ گرمی ہو نہ سردی ہو، نہ طوفان اٹھیں نہ ہوائیں چلیں، نہ بارش ہو، آفتاب موسم پر مختلف طریقوں سے اثر ڈالتا ہے، مثلاً کرۂ ارض کے مختلف حصوں پر آفتاب کی حرارت مختلف شدت کیساتھ پڑتی ہے، جب ہوا کی ایک تہ گرم ہوگی، اور دوسری سرد، تو ہوا میں حرکت کا پیدا ہونا ضروری ہے، اسی سے موسم میں تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں، ہوا کا دباؤ ہر جگہ یکساں نہیں ہوتا، بعض مقامات پر ہوا پھیلی ہوئی ہوتی ہے اور بعض پر سمٹی ہوئی چلنے والی ہواؤں کے سمت اور قوت کا انحصار فضا میں ہوا کے دباؤ کی حالت پر ہے، جہاں دباؤ زیادہ ہوتا ہے، ہوائیں وہاں سے چلکر کم دباؤ کے خطوں کی طرف آتی ہیں، زمین کے گھومنے سے بھی ہواؤں کی حرکت پر خاص اثر پڑتا ہے،

مصر اور تیرہ کا عدد،

جریدہ المصور (مصر) نے اس عجیب و غریب اتفاق کی طرف توجہ دلائی ہو کہ تیرہ کا عدد مصر اور انگلستان کے بہتیرے باہمی معاملات سے متعلق ہوتا آیا ہے، مثلاً انگریز اسکندریہ میں ۱۳ر جولائی ۱۸۸۲ء کو اترے، اور اسی سال ۱۳ر ستمبر کو قاہرہ میں داخل ہوئے، دنشیوائے[1] کا واقعہ ۱۳ر جون ۱۹۰۶ء کو پیش آیا، آزادی کا پہلا مطالبہ سر رنگیٹ (Sir R. Wingate) کے سامنے جو اسوقت ہائی کمشنر تھے، ۱۳ر نومبر ۱۹۱۸ء کو پیش کیا گیا اور اب اس تاریخ کو ہر سال ایک قومی یادگار منائی جاتی ہے، اس کے بعد جو وفد ملکی مطالبات کو حاصل کرنے کی غرض سے بنایا گیا، وہ بھی ۱۳ ارکان پر مشتمل تھا، پھر جب رشدی پاشا کی چوتھی کابینہ نے قومی تحریک میں سرکاری عہدہ داروں سے ہمدردی کرنے کی غرض سے استعفا دیا، تو اس کو بھی عنان وزارت ہاتھ میں لئے ہوئے صرف ۱۳ ہی دن گذرے تھے، اس کے بعد آخری کابینۂ وزارت نے حکومت برطانیہ سے اتفاق نہ کرنے کی بنا پر ۱۳ر نومبر ۱۹۳۴ء کو استعفا دیا، اسی طرح ۱۹۳۰ء کے صلحنامۂ

[1] معارف:- دنشوائے میں مصریوں اور گورا سپاہیوں کے درمیان خوفناک تصادم ہوا تھا جسمیں بہت سے مصری مارے گئے تھے،

۱۹۲۷ء کے اس صلحنامہ میں جیسے ترمیم بالخصوص ملحوظ رکھنے کی ضرورت تھی، لیکن جو سوڈان کے مسئلہ کی رکاوٹ کے باعث حسب خواہ طے نہ ہو سکا، پیش کردہ دفعات کی تعداد تیرہ تھی، اب بھی جو وفد حکومت برطانیہ سے گفتگو کرنے کے لئے مرتب کیا گیا ہے، اس کے ارکان کی تعداد بھی تیرہ ہی ہے، اور جس فرمان کے رو سے یہ وفد مقرر کیا گیا ہے، وہ ۱۳ جنوری کو نافذ ہوا تھا، مدیر المصور گذشتہ اتفاقات کے باوجود تیرہ کے عدد کو کوئی توہمانہ اہمیت نہیں دیتے، اور امید کرتے ہین کہ اب کی بار مصر کے موافق ہوگا،

سزائے موت مین ترمیم

حال میں نیویارک کی اسٹیٹ اسمبلی میں ایک مسودہ قانون پیش کیا گیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ کہ اکیس سال سے کم کے تمام مجرموں کے لئے موت کی سزا منسوخ کردی جائے، یہ تحریک ایک خاص انجمن کی اٹھائی ہوئی ہے، جو اسی مقصد کے لئے قائم کی گئی ہے، اس انجمن نے تمام ریاستہائے متحدہ سے اعداد و شمار جمع کرنے کی کوشش کی ہے، اور اب تک جو کچھ نامکمل اعداد وصول ہوئے ہین، ان کی بنا پر اعلان کیا ہے، کہ ۱۹۳۲ء سے لے کر اس وقت تک کم از کم (۴۳) نوجوانون کو حکومت کی طرف سے موت کی سزائیں دی گئی ہین، ان میں سے ۲ کی عمریں ۱۷ سال تھیں، ۱۲ کی ۱۸ سال، ۱۴ کی ۱۹ سال، اور ۱۱ کی ۲۰ سال، ملک کے ہر گوشہ سے اس تحریک کی تائید کی صدائیں آرہی ہین خصوصاً ۱۵ جنوری ۱۹۳۶ء کے واقعہ کے بعد سے جب کہ ۴ نوجوان لڑکون کو عدالت کے حکم سے بجلی کی کرسی مین بٹھا کر ہلاک کر دیا گیا، انجمن مذکور کے ارکان کی تعداد بڑھتی جارہی ہے، اور ملک کے بعض اہم اور بااثر اشخاص اس مسئلہ پر اپنی تائید کا اظہار کر رہے ہین، نوجوانون کی اصلاح کا مسئلہ امریکہ میں عرصہ سے زیر غور ہے، اور وہان کے ارباب فکر نوجوانون کے جرائم کا سبب خود سوسائٹی کی غفلت اور بے پروائی کو قرار دیتے ہین، چنانچہ ۱۵ جنوری کے واقعہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے انہی میں سے ایک نے لکھا ہے کہ جب ہم کسی نوجوان لڑکے کو موت کی سزا دیتے ہین، تو ایک نوخیز ہستی کو ہلاک کر دیتے ہیں جو زندگی

کے بارے شکستہ ہو چکی تھی، گویا ہم خود اپنی غفلت کا خاتمہ ایک قانونی قتل پر کر دیتے ہیں"

ہپنوٹزم کا جدید استعمال

ہپنوٹزم پہلے کتنی ہی پر اسرار چیز رہی ہو، سائنس نے اوسے ایک معمولی نسخہ بنا دیا ہے، اور ماہرین نفسیات اپنی تحقیق میں اوسے بطور ایک آلہ کے استعمال کرنے لگے ہیں، چنانچہ پروفیسر اسٹابروکس (امریکہ) رسالہ سائنٹفک امریکن میں اپنے دلچسپ تجربات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں، کہ "ہپنوٹزم کا بڑا فائدہ تحقیق نفسی کے سلسلہ میں نظر آتا ہے، کیونکہ ہم اس کی مدد سے معمول میں جنون کی کیفیت پیدا کرکے اسکا مطالعہ سائنٹفک طریقہ پر کر سکتے ہیں،...... ہم کسی معمول میں اس حد تک بے حسی کی کیفیت پیدا کر سکتے ہیں، کہ اگر اس سے یہ کہکر کہ تمھارے ہاتھ میں کوئی حس نہیں ہے، اس میں سوئی چبھو دیں، یا اسے کسی قدر جلا دیں، یا اس کی کوئی انگلی بھی کاٹ لیں، تو بھی اُسے کوئی تکلیف محسوس نہ ہوگی" اس قسم کے تجربوں سے ماہر نفسیات مختلف اعصابی بے ترتیبیوں کے اسباب کا مطالعہ کر سکتا ہے، پروفیسر موصوف لکھتے ہیں،

بڑی تعجب کی بات ہے کہ ایک شخص ہپنوٹک حالت میں اُن واقعات کو بھی اچھی طرح یاد رکھتا ہے، جن کو عرصہ ہوا وہ بھول چکا تھا، یہ چیز نفسیات کے لئے بہت اہم ہے، کیونکہ دماغی تکلیف کے بہتیرے واقعات بچپن کے واقعات پر مبنی ہوتے ہیں، ماہرین نفسیات اگر ہپنوٹزم سے کام لیں تو بعض دماغی بیماریوں کے دور کرنے میں بہت کچھ کامیاب ہو سکتے ہیں"

"ع ز"

افکار عصریہ

سائنس نے جنگ عظیم کے بعد جو ترقیاں کی ہیں، یہ کتاب ان تمام ترقیوں کا خلاصہ ہے، کتاب ۲۶ بابوں میں تمام ہوئی ہے، اور ہر باب میں سائنس کے مختلف اہم مسائل کی تحقیق کی گئی ہے، ضخامت ۲۰۰ صفحے قیمت :- ۱۲ؔ

منیجر

ادبیات

عرضِ تمنا

از مولینا تمنا مجیبی پھلواروی،

ساقی! گھٹا ہے، صحنِ چمن ہے، بہار ہے
اب کارِ خیر میں تجھے کیا انتظار ہے،

کرنی ہے تیرے خندۂ بیساختہ کی قدر
جو آنکھ مستِ گریۂ بے اختیار ہے،

آتی ہے صاف روزنِ در سے ضیائے رخ
ہر ذرّہ آج مہر مبیں در کنار ہے،

ہان ہان، ہر اک بندھی ہوئی آس توڑ دو
اُس کی یہی سزا ہے، جو امیدوار ہے،

تارِ نفس کا بھی نہ رہا سلسلہ جو تھا
ہاں، ایک رشتۂ نگہِ انتظار ہے،

اے غافلانِ مستِ مے عیش! ہوشیار
شبخوں کی تاک میں روشِ روزگار ہے،

کہنے لگے وہ سُن کے مری بیقراریان
"سمجھا ہے وہ غلط کہ یہ دارالقرار ہے"

دل پر پڑے ہین سیکڑون پیچ اُسکی زلف کے
ہر پیچ پر کئی گرہِ استوار ہے،

اک سانس بھی بغیر تری یاد کے جو آئے
وہ دل کے آئینے کے لئے اک غبار ہے

مجبوریوں کے دفع کی قدرت اگر نہین
ہم جبر سہ لین یہ تو ہمین اختیار ہے

صبح امید آئی تو ہے سامنے مگر،
منہ پر نقابِ دامنِ شبہائے تار ہے،

کیا خاک ہو شگفتہ میرا دل، کہ یہ کلی
شاید زیادِ رفتۂ فصلِ بہار ہے،

ناکارے لوگ جیب ہیں تمنا برے کام
بیکار کاروانیِ مردانِ کار ہے،

کلامِ کیفی

ازمولینا کیفی چریاکوٹی،

ہے تجھ سے مجھے دوری ہو مجھ سے تجھے دوری
ہے تیری یہ مختاری ہو میری یہ مجبوری

وہ نام زبان پر ہے، اس در پہ ہے سر اپنا
یہ کوششِ فرہادی، وہ شیوۂ منصوری

بربادِ تمنا سے اُس ماہ کو کیا نسبت؟
ہم خاک کے پتلے ہیں اک شکل ہو نوری

ہر طرزِ تغافل میں اندازِ توجہ ہے،
پردے میں تصور کے دیدار ہے مہجوری

جب مزد کی خواہش ہے کیا فرض ادا ہوگا
ہر سجدہ ہے بیگاری ہر خیر ہے مزدوری

ہاں بہرِ طلب میرے اب ہاتھ نہیں اٹھتے
ہے میری تن آسانی میرے لیے معذوری

آنسو بھی اُمنڈتے ہیں دیتا ہے لہو دل بھی
وہ جوش ہے طوفانی، یہ زخم ہے ناسوری

بے کیف حرم والے کیون حال مرا پوچھیں
لب کھلنے نہیں دیتی جب لذتِ مخموری

اب پاؤں کے چکر سے منزل کو بھی گردش ہو
بڑھتی ہی جو نزدیکی ہو جاتی ہے وہ دوری

لب بند، کھلیں آنکھیں اور کیف کی ہیں موجیں
اب دل ہی میں رہتا ہو کل بادۂ انگوری

ہے کچھ بھی نہیں کیفی جو کچھ بھی ہو وہ تو ہے،
اے تیری یہ مختاری، اے میری وہ مجبوری

جامِ صہبائی

ازجناب عبدالسمیع صاحب پال اثر صہبائی وکیل سیالکوٹ

دریائے وجود میں ہے تو گوہرِ حق،! | میخانۂ دہر میں ہے اک ساغرِ حق،!
انسان جھکا ہے مال وزر کے آگے، | یعنی درِ باطل پہ جھکا ہے سرِ حق

لب پر ترے نعرۂ صدائے حق ہو (۲) ہر قول و عمل ترا برائے حق ہو،
باطل ہے یہ بتخانۂ اسبابِ مجاز اے دوست تو بندۂ خدای حق ہو،

ہر چیز کو چھوڑ دے، بجز دامنِ حق (۳) صد خلد در آغوش ہے برگِ چمنِ حق،
ہر آنکھ ترا ہو نورِ حق سے روشن تیرا دلِ بے قرار ہو مخزنِ حق،

ہر شے ہے فنا پذیر بجز جلوۂ حق، (۴) ہر نغمہ ہے شورِ خام جز نغمۂ حق،
ہر کیف و سرور کا ہے انجامِ خمار بے رنج و غم خمار ہے بادۂ حق،

ہنگامۂ روح و جان ہو حق کی مستی، (۵) سیل یم بیکران ہے حق کی مستی،
گو تلخ ترین ہے حق کی مے اے ہمدم خوش باش کہ جاودان ہو حق کی مستی،

کیا موجِ فنا ہے کیا ہے، ساحل یارب (۶) کیا دشتِ بلا ہے! کیا ہے منزل یارب!
حق بین ہو نگاہ اور حق کوش ہو دل دے مجھکو تمیزِ حق و باطل یارب!

حق دوست ہو، حق نگر ہو، حق کوش رہو، آگاہ خدا ہو، خود فراموش رہو!
ہشیار تمیزِ حق و باطل کے لئے، ! اور میکدۂ حق میں بلانوش رہو!

مختصر تاریخ ہند

عام تاریخوں میں زیادہ زور دہلی کی مرکزی سلطنت پر صرف کیا گیا ہو لیکن اس ملک کے مختلف گوشوں میں مختلف زمانوں میں جن اسلامی خاندانوں نے حکومت و فرمانروائی کی، مورخین نے انکی طرف چنداں اعتنا نہیں کیا اس مختصر تاریخ ہند میں دہلی کی مرکزی سلطنت کے علاوہ محمد بن قاسم کے حملہ سندھ سے لیکر سلطنتِ مغلیہ کے زوال تک جتنی حکومتیں قائم ہوئیں، اور جتنے خاندانوں نے فرمانروائی کی، ان سب کے حالات اچھی طرح بیان کئے گئے ہیں، شروع کے چند صفحات میں ہندو عہد کی تاریخ بھی نہایت اجمال و اختصار کیساتھ پیش کیگئی ہو، زبان بہت سادہ اور عام فہم ہو یہ اس قابل ہو کہ ہندوستان کے تمام مدارس میں پڑھائی جائے، ضخامت ۲۰۰ صفحات، قیمت عہ "منیجر"

باب التقریظ والانتقاد

المختار من شعر بشار

مرتبہ مولانا بدرالدین صاحب علوی معلم عربی مسلم یونیورسٹی علی گڈہ۔

بشار بن برد، خلیفہ مہدی عباسی کے درباری شاعرون میں سے تھا نسل اور نسب کے رو سے عجمی تھا، اسکے آبا و اجداد طخارستان (بلخ کے قریب) کے قریب کے رہنے والے تھے، اسلامی حملون کے زمانہ مین وہ پکڑ کر عراق گئے۔ بصرہ میں رہے، اور عقیلی خاندان میں پرورش پاکر آزادی پائی، یہ یونانی شاعر ہومر کی طرح مادر زاد اندھا تھا، اور اس کے باوجود بڑا شاعر تھا، بلکہ عربی زبان کے نئے شعرار (محدثین) کی صف میں اسکا نمبر سب سے اول ہے، ۱۶۷ھ میں مہدی کے وزیر یعقوب کی ہجو کے جرم میں کوڑون کی سزا پاکر مرگیا،

اس کے اشعار مین مضامین کی جدت، تشبیہات کی ندرت، اور خیالات کی نزاکت ہوتی ہے، اسی لئے اسکے دیوان کی شہرت عام ہے، مگر افسوس ہر کہ وہ تمام و کمال ہم تک نہیں پہنچا سیف الدولہ حمدانی کے زمانہ میں چوتھی صدی میں موصل کے ایک گاؤن خالدیہ کے رہنے والے دو فاضل بھائی تھے جو خالدیین کہلاتے تھے، یہ دونون مل کر علمی کام سرانجام دیا کرتے تھے، دونون شاعر تھے، اور سیف الدولہ کے کتبخانہ کے مہتمم تھے، ان دونون نے ملکر بشار کے دیوان کا ایک انتخاب کیا تھا، جو اہل ادب کو بہت پسند آیا تھا۔ ملک مغرب (قیروان) کے ایک ادیب ابوطاہر اسمٰعیل بن احمد نے پانچویں صدی ہجری میں

اس انتخاب کی شرح لکھی، دنیا میں اس شرح کا ایک ہی نسخہ حیدرآباد دکن کے کتبخانہ آصفیہ میں تھا،

ہمارے ملک میں عربی ادب جس کسمپرسی میں ہے، وہ ظاہر ہے، اور عربی کے ایسے ادیب جو قصیدہ گوئی کے علاوہ عربی ادب کی کوئی قابل وقعت خدمت انجام دے سکیں، شاید ہی دو چار ہوں، انھی دو چار میں ہمارے کرمفرما مولانا محمد بدر الدین علوی صاحب ہیں، جو مسلم یونیورسٹی میں عربی زبان کے معلم ہیں، مولینا ہمیشہ کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہیں، اسی سلسلہ میں ان کی نظر حیدرآباد کے اس نادر نسخہ کی طرف متوجہ ہوئی، یہ نسخہ ساتویں صدی کا لکھا ہوا ہے، اسلئے اس کا خط قدیم طرز کا ہے، جسکو مولینا نے محنت کرکے پڑھا، نسخہ کو صحیح کیا، کتابت میں جو صدہا شعر بشار کے اور دوسرے عربی شعرا کے تھے، ان کو دوسری کتابوں میں تلاش کرکے اون کے حوالے لکھے، اصل کتاب کے بعض اغلاط درست کئے، جہاں کہیں شرح میں صرف ایک مصرع لکھا تھا، اس کا دوسرا مصرع ڈھونڈ کر نکالا، شرح میں جو شعر ایسے تھے، جنکے کہنے والوں کے نام نہیں دئیے تھے، اون کے ناموں کا پتہ چلایا، شعروں میں یا شرح میں جو مشکل لفظ آئے تھے، ان کو لغت سے حل کیا، اور آخر میں تین فہرستیں اضافہ کیں، ایک ان شعراء کی جنکے شعر اس شرح میں آئے ہیں، مع انکے اون اشعار کے حوالوں کے جنکو شارح نے نقل کیا ہے، دوسری اشعار کے قوافی کی اور تیسری اشخاص اور مقامات کے ناموں کی،

ان تمام کاموں کے سرانجام دینے کے بعد اس نسخہ کو چھپوانے کی فکر ہوئی، اسکے لئے مصر کی مشہور مجلس لجنۃ التالیف والترجمہ والنشر نے اپنی خدمت پیش کی، اور اس طرح ہندوستان کے ایک قابل فخر کارنامہ کی داد مصر نے دی،

حقیقت یہ ہے کہ مولانا بدر الدین صاحب نے بڑی محنت، دیدہ ریزی اور سلیقہ سے اس کام کو انجام دیا ہے، اور ایک ایسی کتاب کو زندہ کیا ہے جس نے اسلام کے تین نامور مصنفوں کے ناموں کو زندہ کر دیا،

یہ شرح عربی ادب میں بھی ایک خاص چیز ہے، شارح نے صرف بشار کے شعروں کے حل مطالب کے

قناعت نہیں کی ہے، بلکہ ہر شعر میں شاعر نے جس مضمون کو ادا کیا ہے، اس مضمون کی پوری تاریخ لکھی ہے، یعنی یہ کہ یہ مضمون پہلے کس نے باندھا، پھر کس نے اسکو ترقی دی، اور اس کی کمی پوری کی، اور آخر بشار نے اسکو کس طرح کہا، شرح کی اس خصوصیت کی بنا پر یہ کتاب عربی ادب کے ذخیرہ میں ایک بے مثال اضافہ ہے، اور اس قابل ہے کہ عربی ادب کے شائقین اسکی تحقیقات سے بہرہ مند ہوں،

کتاب بمبئی کے عربی کتب فروشوں سے ملے گی، "س"

شیخ الاشراق کے تین رسالے

مرتبہ پروفیسر اوٹسپیز مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، ملنے کا پتہ: کتابستان ۱۷۔ سٹی روڈ الہ آباد قیمت ۸؎

شیخ الاشراق شہاب الدین سہروردی مقتول ۵۸۷ھ ان حکماے اسلام میں ہیں جنھوں نے ارسطو کے فلسفہ سے ہٹ کر اپنے فلسفہ کی بنیاد قائم کی، اور اس کا نام افلاطونی فلسفۂ اشراق رکھا، یہ واقعہ کہ شہاب الدین سہروردی کا فلسفہ بعینہ افلاطونی فلسفہ ہے بہت کچھ بحث و مباحثہ کا محتاج ہے مگر بہر حال انکا راستہ مشائیہ کی عام شاہراہ سے بالکل الگ ہے، انکا فلسفہ تو افلاطونیت، مجوسیت اور تصوف کا مجموعہ ہے،

شہرزوری نے جو ان کا معتقد سوانح نگار ہے، ان کی پچاس چھوٹی بڑی تصنیفات کی فہرست درج کی ہے جن میں حکمۃ الاشراق، اور ہیاکل النور وغیرہ پہلے چھپ چکی تھیں، اب ہمارے فاضل دوست پروفیسر اوٹسپیز، پروفیسر عربی مسلم یونیورسٹی علی گڈھ نے اپنا خاص موضوع شیخ کی تصنیفوں اور رسالوں کو قرار دیا ہے، پچھلے برس انھوں نے شیخ کا رسالۂ عشق (مونس العشاق) چھاپا تھا، اور امسال ان کے تین رسالوں "لغت موران"، "صفیر سیمرغ" اور "رسالۃ الطیر" کو تصحیح و تحشیہ کیساتھ شائع کیا ہے، ان رسالوں میں شیخ نے اپنے الہیاتی فلسفہ کو کبھی اپنی اور کبھی پرندوں اور حیوانوں کی زبانوں سے ادا کیا ہے،

رسالۃ الطیر کے نام سے بوعلی سینا کا بھی ایک عربی رسالہ ہے، جسکی شرح چھٹی صدی ہجری کے مشہور

حکیم و منطقی عمر بن سہلان ساوجی نے فارسی میں لکھی تھی، پیش نظر مجموعہ میں یہ شرح بھی شامل ہے، اور آخر میں شیخ الاشراق کے سوانح کا متن جو شہرزوری نے اپنی تاریخ حکما میں درج کیا ہے، ضمیمہ کے طور پر لگایا گیا ہے، اور ساتھ ہی شیخ الاشراق کے تینون رسالون کا انگریزی ترجمہ مع انگریزی مقدمہ کے اس مجموعہ میں ملحق ہے، ان میں سے بعض رسالے کتبخانہ ایا صوفیہ استامبول سے، بعض مشرقی کتبخانہ بانکی پور پٹنہ سے، اور آخری برٹش میوزیم کے کتبخانہ سے منقول ہے، پروفیسر صاحب نے شیخ کے ایک اور رسالہ پر جبرئیل" کی خبر دی ہے جسکو اسپع کا رین صاحب جرنل ایشیاٹک میں مع انکی ایک فارسی شرح کے شائع کرنے والے ہین اسکے نسخے ایا صوفیا استامبول اور مشرقی کتبخانہ بانکی پور میں ہین،

پروفیسر صاحب نے ان رسالون کی تصحیح میں پوری کوشش کی ہے، حاشیوں میں دوسرے نسخے بھی لکھے گئے ہین، ہم نے صرف پہلے رسالہ کو غور سے پڑھا، تو بعض الفاظ کہیں کہیں مشکوک معلوم ہوئے،

رسالہ مور ان ص ا سطر ۱۴،	ہر کسے راز جہت اصل خویش کشتے باشد
	ہر کسے راز جہت،.........
ص ۵۔ سطر ۵	علمت نفس ما قدمت و خرت،
	" " " واخرت
ص ۶۔ سطر ۵	سوی ما یقول الناس فی و فی لجنسی،
	سوی ما یقول الناس فیّ و فی جنسی (؟)
ص ۶۔ سطر ۹،۱۰۔	"اشرقت الارض بنور ربھا وقضی بینھم بالحق
	وقیل الحمد للہ رب العالمین سلام علیٰ ہذا تلک المعا
	انما شریعۃ وردی ومعصب شمالی،
	"اشرقت الارض بنور ربھا، وقضی بینھم

	بالحق وقیل الحمد للہ رب العالمین،
	سلام علی تلک المعاهد انها۔ شریعة وردی ومهب شمالی
ص ۶۔ سطر ۱۲	رئیس سیگارگان،
	رئیس ستیارگان،
" "	درخطیره اقول ہوی کند،
	درحظیره افول ہوی کند،
ص ۷۔ سطر ۵۔	حفافیش،
	خفافیش،
ص ۸۔ سطر ۱۱۔	ازضرب وایلا،
	ازضرب وایلام،
ص ۸۔ سطر ۱۲ و ۱۳،	"افشاالسر الربوبیة کفر وافشا سر القدر معصیة واعلان سر کفر"
	افشا سر الربوبیة کفر وافشأ سر القدر معصیة واعلان السر کفر،
ص ۸۔ سطر ۱۹	بنفس صعدا می کرد،
	تنفس صعدا می کرد،
ص ۹ سطر ۱۲	اضاف طیور،
	اصناف طیور،
ص ۹ سطر ۹	کجز،

کہ جز،

ص ۱۰ - سطر ا	هبّت علی صبا یکاد یقول،
	هبّت علی صبا تکاد تقول،
ص ۱۰ - سطر ۹	علی و دونی تربه وصفائح،
	علی و دونی تربة وصفائح،
ص ۱۱ - سطر ۲۴	"یا سبحانی ما اعظم شانی"
	یا سبحانی ما اعظم شانی"
ص ۱۲ - سطر ۲	وهم سطلان خطاست،
	وهم سطل آن خطاست،

"س"

کتاب الاسخیا دارقطنی،

مشہور محدث امام دارقطنی المتوفی ۳۸۵ھ نے جنکی سنن (سنن دارقطنی) عام طور سے متداول ہی، ایک رسالہ سخاوت اور سخیوں کی اُن خوبیون کے بیان میں لکھا تھا جو حدیثوں میں آتی ہین یعنی اس رسالہ میں امام موصوف نے ان روایتون کو جمع کیا تھا جو سخیون کی نسبت مروی ہیں، رسالۂ مذکور کا ایک ہی نسخہ بانکی پور کے مشرقی کتبخانہ میں تھا، مولوی محمد وجاہت حسین صاحب ہمارے شکریہ کے مستحق ہین، جنھون نے اس رسالہ کی نقل لی، اور تصحیح و مقابلہ کے بعد اسکو بنگال کی ایشیاٹک سوسائٹی میں پیش کیا جس نے اسکو اپنے جرنل کے ضمن میں چھاپکر شائع کیا،

شروع میں مصحح و محشی کا ایک عربی مقدمہ ہے، جسمیں پہلے علما، اور محدثین کے ان حوالون کا بیان ہے جن میں انھون نے اس رسالہ کو دارقطنی کی طرف منسوب کیا ہے، اسکے بعد مصنف کے سوانح حیات

کا تذکرہ ہے، بعد ازین متن میں اصل رسالہ ہے، اور حاشیوں میں مصحح و محشی نے ہر روایت کا مقابلہ دوسری قلمی و مطبوعہ مستند کتابوں کے ماخذون سے کیا ہو اور حدیث و خبر کی جن کتابوں میں جہاں وہ روایتین آئی ہین ان کا نشان دیا ہے، یہ اخیر کام جس محنت اور دیدہ ریزی کا ہے اسکو اہل علم جانتے اور اسکی قدر کو پہچانتے ہین

کتاب خوبصورت اور صاف ٹائپ میں چھپی ہے، اور کتابی تقطیع کے ۹۴ صفون میں تمام ہوئی ہو، کتاب کی تصحیح میں خاصہ اہتمام کیا گیا ہے، تاہم بعض مقامات مزید تصحیح کے قابل ہین مثلاً

واصفر من ضرب دار الملو ك يلوح على وجهه جعفر

اسکی صحیح تقطیع یون ہو گی،

واصفر من ضرب دار الملوك يلوح على وجهه جعفر،

کتاب ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، نمبر ا، پارک اسٹریٹ کلکتہ سے ملے گی،

"س"

مقالات شبلی جلد چہارم

(تنقیدی)

مطبوعہ اور قلمی کتابون پر مولانائے شبلی مرحوم کے جو تبصرے الندوہ اور دوسرے رسالون میں شائع ہوئے تھے، اس میں یکجا کئے گئے ہین، مصر کے مشہور عیسائی مورخ جرجی زیدان کی تصنیف تمدن اسلام پر عربی میں جو ریویو ایک رسالہ کی شکل میں شائع ہوا تھا، اس کا اردو خلاصہ بھی مولانائے مرحوم کے قلم سے الندوہ مین نکلا تھا، وہ اہم تنقیدی مضمون بھی اسمین آگیا ہے،

ضخامت :- ۱۹۰ صفحے، قیمت :- عہ

"منیجر"

مطبوعات جدیدہ

البدور البازغہ مولفہ شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ، حجم ۲۲۴ صفحے قیمت عہ ملنے کا پتہ: ناظم مجلس علمی ڈابھیل سملک، سورت،

یہ کتاب عربی زبان میں ہے جس میں شاہ صاحب نے فلسفہ حکمت اور اسرار شریعت کے مختلف مسائل پر فلسفیانہ طور پر بحث کی ہے کتاب حجۃ اللہ البالغہ کے طرز پر لکھی گئی ہے، اور عقائد و کلام کے مختلف مسائل پر اظہار خیال کیا گیا ہے، جو لوگ شریعت کا فلسفیانہ مطالعہ کرنا چاہتے ہیں، ان کے لئے یہ کتاب نہایت مفید ہے۔

خزائن الاسرار، از مولینا محمد انور شاہ کشمیری مرحوم، حجم ۶۵ صفحے قیمت ۶ر ملنے کا پتہ ناظم مجلس علمی ڈابھیل سملک ضلع سورت،

علامہ دمیری نے علم الحیوانات پر ایک کتاب حیوٰۃ الحیوان کے نام سے لکھی تھی، جس میں نفس موضوع پر تو بہت کم لکھا ہے، البتہ مختلف فوائد اور مختلف طبی مسائل، اور وظائف و اعمال سے کتاب بھر دی ہے، اس کتاب میں مؤلف نے انہی فوائد اور وظائف و اعمال کا خلاصہ پیش کیا ہے،

اخبار الصالحین حصہ اول، از نواب مشوق یار جنگ بہادر، حجم ۴۰۰ صفحے، قیمت سے ملنے کا پتہ اعظم اسٹیم پریس، حیدرآباد، دکن،

اس کتاب میں پہلے ایک مقدمہ میں تصوف کی حقیقت اور تصوف کے مقامات پر بحث کی گئی ہے، اسکے بعد پہلی صدی ہجری سے آٹھوین صدی ہجری تک کے اکابر صوفیہ کے حالات لکھے ہیں، صوفیہ و صالحین کے سوانح اس جامعیت سے شاید اردو کی کسی دوسری کتاب میں نہ ملین، مصنف کے ماخذ میں شیخ فریدالدین

عطار کی تذکرۃ الاولیا وغیرہ رہی ہین،

علوم الحدیث، ازمولوی شاہ عزالدین صاحب ندوی خطیب شاہی مسجد لاہور، حجم ۱۶۰ صفحے قیمت ۱۲؍ مؤلف سے طلب کرین،

اس کتاب مین علم حدیث کی مختصر تاریخ بیان کی گئی ہے، اور علم حدیث کی مختلف کتابون کے حالات اختصار کیساتھ پیش کئے گئے ہین، مآخذ کے حوالے درج کر دیئے جاتے، تو کتاب زیادہ مستند ہوجاتی لیکن بہرحال اس کے ذریعہ سے علم حدیث کے متعلق عام معلومات سے اردو خوان طبقہ واقف ہوسکتا ہے،

معیار الاوقات للصیام والصلوٰت، ازمولوی محمد عبد الواسع مرحوم پروفیسر دینیات کلیہ جامعہ عثمانیہ حجم ۲۰ صفحے، قیمت ملنے کا پتہ، اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن،

مذہب اسلام مین نماز پنجگانہ اور سحری اور افطار کے اوقات کی ابتدا اور انتہا حدیث کی کتابون مین مقرر کر دی گئی ہے، جس سے پہلے اور جس کے بعد نماز، سحری اور افطار ناجائز ہے، اس لئے جو لوگ شرعی نظام اوقات کے پابند ہین، وہ اسکی خاص طور پر پابندی کرتے ہین، اسی ضرورت کو پیش نظر رکھکر مولف مرحوم نے ریاضی کے حساب سے آفتاب کے طلوع وغروب شرعی کے جاننے

حدیثِ حسن، از جناب نظرت واسطی، حجم ۱۱۲ صفحے، قیمت عہ مجلد، ملنے کا پتہ، شاہکار بکڈپو، گورکھپور،

یہ جناب واسطی کی پچاس نظموں کا مجموعہ ہے، جس میں ہر قسم کی نظمیں شامل ہیں، شروع میں جناب اقبال احمد صاحب سہیل علیگ، ایم اے، ایڈوکیٹ اعظم گڈھ کا مقدمہ اور مختلف انشاپردازوں اور ادیبوں کی رائیں ہیں،

بانگ جرس، از جناب ولی الدین شفیق صدیقی جونپوری، حجم ۵۱ صفحے قیمت ۸/

یہ ایک مجموعۂ نظم ہے، جسمیں کچھ غزلیں اور کچھ مذہبی اور قومی نظمیں ہیں،

سلسبیل از جناب آل احمد صاحب صدیقی سرور ایم اے، پروفیسر مسلم یونیورسٹی، حجم ۱۱۲ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت عہ، پتہ، مسلم یونیورسٹی بک ڈپو علی گڈھ،

یہ جناب آل احمد صاحب صدیقی سرور کی مختلف نظموں کا مجموعہ ہے، جو زیادہ تر کشمیر کی سیر وسیاحت میں وہاں کے مناظر سے متاثر ہو کر لکھی گئی ہیں، اخیر میں چند غزلیں بھی ہیں، خیالات اور زبان میں دورِ جدید کے شعرا کا تتبع کیا گیا ہے، جدید استعارے اور ترکیبیں کلام میں زیادہ ہیں، جناب رشید احمد صاحب صدیقی نے اس مجموعہ کا اپنے خاص انداز میں تعارف کرایا ہے،

اس کتاب میں مؤلف نے انہی فوائد اور وظائف و اعمال کا خلاصہ پیش کیا ہے،

اخبار الصالحین حصہ اول، از نواب معشوق یار جنگ بہادر، حجم ۴۰۰ صفحے، قیمت ے/، ملنے کا پتہ اعظم اسٹیم پریس، حیدرآباد، دکن،

اس کتاب میں پہلے ایک مقدمہ میں تصوف کی حقیقت اور تصوف کے مقامات پر بحث کی گئی ہے، اسکے بعد پہلی صدی ہجری سے آٹھویں صدی ہجری تک کے اکابر صوفیہ کے حالات لکھے ہیں، صوفیہ وصالحین کے سوانح اس جامعیت سے شاید اردو کی کسی دوسری کتاب میں نہ ملیں، مصنف کے ماخذ میں شیخ فریدالدین

جلد ۳۷ | ماہ صفر ۱۳۵۵ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۳۶ء | عدد ۵

مضامین

ادارۂ معارف اسلامیہ لاہور

کا

دوسرا سالانہ اجلاس

از سید ریاست علی ندوی،

ادارۂ معارف اسلامیہ کا دوسرا سالانہ اجلاس ۱۰ اپریل کو لاہور میں منعقد ہوا جس میں ملک کی مختلف یونیورسٹیوں اور علمی و تعلیمی اداروں کے ارکان اور نمائندے شریک ہوئے، دار المصنفین کی جانب سے راقم نے اس میں شرکت کی، اور "سراج ہندی" کے عنوان سے ایک مقالہ پڑھا جس میں آٹھویں صدی ہجری کے ایک ایسے گمنام مشہور ہندوستانی عالم کو روشناس کیا گیا تھا جس کا ذکر اگرچہ ہندوستان کی تاریخوں میں نہیں، لیکن وہ مصر میں قاضی القضاۃ کے بلند منصب پر فائز تھا، اور اس کی قابل قدر تصنیفات سے کبھی علم دین کا چراغ روشن تھا،

اس اجلاس کو اس لحاظ سے کامیاب کہا جاسکتا ہے کہ اس میں اسلامی مشرقی علوم و فنون کے ہندوستانی مسلمان خدام کا ایک قابل قدر اجتماع ہوا، جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد کی طرف سے ڈاکٹر مولانا محمد حمید اللہ استاذ فقہ (جن کا ایک مقالہ اس پرچہ میں شریک اشاعت ہے) ڈاکٹر نظام الدین صدر شعبۂ فارسی اور ڈاکٹر عبد الحق صدر شعبۂ عربی نے اپنے مقالات "ایران سے مسلمانوں کے قدیم تعلقات" "جدید ایران کے علمی رجحانات" اور "جدید مصر کے دو شاعر حافظ و شوقی" پر سنائے، دہلی یونیورسٹی کے شمس العلماء مولانا عبد الرحمٰن صدر شعبۂ عربی، اور ڈاکٹر ظہر علی نے "الرواج حول الجزیۃ والخراج" اور "تاریخ محمد عارف قندہاری" پر مضامین پڑھے، ڈاکٹر زبید احمد الٰہ آباد نے "علوم قرآنی پر ہندوستان کی عربی تصنیفات" کو پیش کیا، ڈاکٹر ہادی حسن علی گڑھ نے اسلامی

تصوّف" پر اپنے تشذراتِ افکار پیش کئے، ڈاکٹر عندلیب شادانی ڈھاکہ یونیورسٹی نے "تاج المآثر حسن نظامی نیشاپوری" پر اور مولوی امتیاز علی عرشی رامپور نے کتاب الانساب سمعانی کے ایک قلمی نسخہ پر مضامین پڑھے اور کتاب الانساب کے عکسی مطبوعہ نسخہ کے بعض مسامحات دکھائے، پروفیسر شجاع منعمی بہاولپور نے "انعطاف کا سبب مسلمان سائنس دانوں کی تشریح کے مطابق" بتایا، اور ہمارے دوست قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی نے شبلی کو بحیثیت ایک فارسی شاعر کے پیش کیا، پنجاب کے ممتاز اہل علم میں جناب عبداللہ یوسف علی (پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور) نے "اسلامی تاریخ کی وسعت اور مضمون اور یونیورسٹیوں میں اسکی تعلیم کے لئے مواد کی فراہمی کی ضرورت" پر ایک تحریری خطبہ پڑھا، پرنسپل محمد شفیع (اورینٹل کالج) نے "پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے بعض قدیم دستاویزات" پیش کئے، اسی طرح پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال (سکریٹری ادارۂ معارف) نے "چھٹی صدی کے ایک ایرانی شاعر سیف اسفرنگی" کو، ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ (گورنمنٹ کالج جھنگ) نے "اپنے وطن سے متعلق عربوں کی اقتصادی زندگی" کو اور ڈاکٹر برکت علی قریشی (اسلامیہ کالج لاہور) نے "ابن خلدون کی رائے کے مطابق مملکت وتہذیب وتمدن" کو پیش کیا، پنجاب کے نوجوانوں میں پروفیسر شیخ سنجار اور ابتدا جناب محمد باقر نسیم رضوانی وغیرہ کے مضامین تھے مجموعی طور پر ۲۷، ۳۰ مقالات سنائے گئے، اور بعض فضلاء جو شریک نہ ہو سکے انھوں نے اپنے مقالات بھیجے،

ادارہ کی جانب سے ایک علمی نمائش کا بھی اہتمام کیا گیا تھا جس میں نادر الوجود سکوں کے علاوہ بعض قیمتی کتابت کے نقول جناب عبداللہ چغتائی کے ذریعہ فراہم کئے گئے تھے، ادارہ کے دو اجلاسوں سے یہ آشکارا ہو گیا کہ اس مخلص کارکنوں نے اسکی ابتدائی مشکلات پر قابو پا لیا ہے، کارکنانِ ادارہ نے اعلان کیا ہے کہ اس کا آئندہ اجلاس ایک سال کے وقفہ کے بعد لاہور کے باہر کسی شہر میں ہوگا، جو غالباً دہلی یا علیگڑھ ہوگا یا اعظم گڈھ کو دیر ... دارالمصنفین کا ...

لاہور کے اس سفر میں مختلف اہل علم کے موجودہ علمی مشاغل سے بھی واقفیت کا موقع بہم پہنچا، ڈاکٹر زبید احمد الٰہ آباد نے "ہندوستان اور عربی علوم وفنون کی خدمات" کے موضوع پر ڈاکٹری کی سند حاصل کی تھی، انکی یہ قابل قدر تصنیف

اسوقت تک شائع نہ ہو سکی ہے، وہ ان دنوں اسی پر نظر ثانی میں مصروف ہیں، اور اشاعت کے بعض ابتدائی مراحل طے کر چکے ہیں، توقع ہے کہ چند ماہ میں یہ کتاب شائع ہو جائے، وہ اس سے پہلے ہندوستانی زبان میں ناظرین معارف کے سامنے اپنے علمی نتائج فکر پیش فرمانے والے ہیں،

پنجاب کے نوجوان فاضل اور ہفت زبان" ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ عرب کی علمی بادیہ پیمائی میں مصروف ہیں، اور نئے عنوان سے انمول جواہر دامن میں سمیٹ رہے ہیں، پروفیسر صوفی غلام مصطفی تبسم (گورنمنٹ کالج لاہور) مغل سلاطین اور شاہزادوں کو مصنف ادیب اور شاعر کے لباس میں پیش کرنے والے ہیں، اور بڑی عرق ریزی سے دانہ دانہ چن کر خرمن تیار کر لیا ہے، ان دوستوں کے بعض مضامین ناظرین معارف کیلئے اپنے ساتھ پنجاب سے تحفہ لایا ہوں، اور بعض زیر ترتیب مقالات چند دنوں میں آنے والے ہیں، ڈاکٹر افسر علی صاحب دہلی یونیورسٹی عبدالرحیم خانخاناں پر کام کر رہے ہیں، اور مولوی عبدالماجد صاحب (محکمہ تعلیم پنجاب) اپنے بعض جرمن و فرنچ داں دوستوں کی مدد سے ترکی تاریخ کے ایک حصہ کی تسوید و تحقیق میں مصروف ہیں، یا دش بخیر ڈاکٹر تاثیر انگلستان سے واپس آگئے ہیں، یہ نو واردین، ناظرین معارف نامۂ کیمبرج" کے ذریعہ ماہ ستمبر ۱۹۳۳ء میں ان سے روشناس ہو چکے ہیں، اور وہ معارف کی زبان میں "پنجاب کے ستو قع فاضل ادیب و نقاد ہیں،" انہیں اردو انگریزی ادبیات پر یکساں عبور ہے، اور ہمارے لئے خاص طور پر ان کا مذہبی جذبہ اور اُنکی اسلامیت لائق احترام ہے، اب وہ انگریزی ادب میں کیمبرج سے ڈاکٹری کی سند لیکر واپس آچکے ہیں اور یہ پہلا امتیاز ہے جو کیمبرج سے انگریزی ادب میں کسی ہندوستانی نے حاصل کیا ہے، اور بحمد اللہ کہ "انگریزیت" کیساتھ انکی "اسلامیت" بھی برقرار ہے، انہیں اپنے خاص موضوع "انگریزی زبان و ادب" میں بھی اسلامی تہذیب و تمدن کے جلوے نظر آئے، وہ اس موضوع پر ایک سلسلۂ مضامین ناظرین معارف کے سامنے پیش کرنے والے ہیں، جس کے ابتدائی خاکہ کی داغ بیل وہ ڈال چکے ہیں،

اطلاع:- اڈیٹر معارف ان دنوں صحت کی درستی کے لئے دہرہ دون میں قیام فرما ہیں، اگرچہ اب بھی ان پر خطوط کے جواب کا زیادہ بار ڈالنا مناسب نہیں، لیکن دفتر میں ان کے پتہ کے دریافت کرنے کے لئے خطوط آرہے ہیں اسلئے اطلاع دیجاتی ہے کہ انہیں "نمبر ۲۶- اندر روڈ، ڈیرہ دون" کے پتہ سے خط بھیجے جا سکتے ہیں،

مقالات

عربوں کی جہازرانی

پر

استدراک

از جناب ڈاکٹر مولینا محمد حمید اللہ صاحب ایم اے پی ایچ ڈی استاد فقہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

کم کتابیں ہوتی ہیں، جو متخصصین (ماہرین فن) اور عوام دونوں کو یکساں پسند آئیں، ان خوش نصیب کتابوں میں سے ایک مولینا سید سلیمان ندوی کی تازہ تالیف "عربوں کی جہازرانی" ہے، مضمون اتنا اچھوتا پھر بھی مواد اتنا زیادہ، اس کی کم توقع تھی، خاصکر طبع اول کے وقت، اسکی عام پسندی کا شاید اس سے بھی اندازہ ہو سکتا ہے، کہ بعض روزناموں نے بہ اقساط پوری کتاب اپنے صفحوں میں نقل کردی ہیں بھی ان "شائقین" میں سے ہونے کی عزت رکھتا ہوں، جو اس کتاب سے واقف تھے، اور ان کا تقاضا تھا کہ یہ جلد چھپ کر منظر عام پر آجائے، کئی سال کے انتظار کے بعد جب اس کا اشتہار نظر سے گذرا، تو میں نے فوراً یہ کتاب منگائی، اور باوجود سخت اور ضروری مصروفیتوں اور فرائض منصبی کے، اسے ختم کر کے ہی چھوڑی، پڑھتے وقت حاشیوں پر جا بجا اپنی یادداشت کیلئے کچھ معلومات لکھے، اب انہی باتوں کو یہاں کسی قدر پھیلا کر بیان کردوں گا،

یہ کوئی تنقید نہیں ہے، تنقید اسی وقت ہوتی ہے، جب دلچسپ اور کارآمد ہو، اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے، جب ناقد بھی اس کتاب کے موضوع کا ماہر ہو، اور قریب قریب تالیف کے برابر ہی تنقید پر محنت صرف کرے، یہ تو چند بے ربط معلومات ہیں، جو مہینے بھر سے بستر پر پڑے ہوئے ایک بیمار کے کمزور دماغ اور کمزور تر حافظے

نے اپنے حالیہ سفر تعلیمی کی بیاض کی مدد سے اکٹھا کئے ہین، اس جلدی کی وجہ یہ ہے کہ آج کل جبری آرام ملا ہوا ہے، پھر ایسی فرصت کہان! اب ذی حجہ ۱۳۵۴ھ کی ابتدا ہے، عید کے بعد شاید نئی مصروفتیں ہون، یہ مضمون اگر کوئی بحران نہیں تو ایک عامی کا بیان ہی، اس سے زیادہ نہین،

اس تحریر کا ایک باعث یہ بھی ہے کہ ابھی ابھی سال حال کے مقابلے میں کامیاب ہونے پر دو عربی النسل مسلمان، حیدر آبادی میرے بھی رشتہ دار، نوجوان، حکومت برطانوی ہند کے ڈفرن جہاز پر قائم کردہ مدرسے میں بحری تعلیم کے لئے بطور کیڈٹ داخل کئے گئے ہین، یہ خبر سن کر ریاست حیدر آباد کے کھوئے ہوئے ساحل کی تاریخ بجلی بن کر دماغ میں کوند گئی، اور ٹھنڈی آہ نکال کر گرم آنسو ٹپکا گئی،

ایک کمی، سب سے پہلے ایک قدیم شکایت دہرانی پڑتی ہے، جس کے جواب مین "عموم البلوی" کا فقیہانہ عذر بھی اب نامقبول ہے، وہ یہ کہ اتنی اچھی کتاب اور پھر بھی اشاریے (انڈکس) اور کتابیات (ببلیاگرفی) سے محروم! ایک دفعہ میں نے سوربون (پاریس) میں اپنے ایک پروفیسر سے مزاحاً کہا تھا، کہ اشاریئے اور کتابیات کی خواہش وہی ناظر کرتے ہیں، جو سُست اور کام چور ہون، ان کا جواب میں کبھی نہیں بھولون گا، انھون نے سادگی سے کہا، ہان سُست اور کام چور مؤلف ہی اس محنت اور افادۂ عام سے باز رہتا ہے،

سیّد صاحب کی محنت اور انہماک سے میں واقف ہون، سیّد صاحب اپنے شاگردون سے یہ کام لے سکتے اور اپنا قیمتی وقت دوسرے کامون کے لئے بچا سکتے ہین، ہمارے اچھے مؤلفون کی کتابون کو دیکھ کر اکثر گرے کا قطعہ یاد آتا ہے؛:-

Full many a gem of purest ray serene الی آخرہ

اسماء واعلام اور مطالب کی ابجدی فہرست نہ صرف ناظرین کو بلکہ خود مؤلف کو ہمیشہ مدد دیتی اور کار آمد ثابت ہوتی ہے، یہی حال حوالوں اور ماخذون کی کتابوں کے علٰحدہ یکجا تذکرے کا ہے، مجھے معلوم نہیں سیّد صاحب نے سرہنگ زادہ کی "حقائق الاخبار عن دول البحار" سے استفادہ کیا ہے یا نہیں، کتاب مین "کتابیات"

ہوتی تو فوراً تحقیق کر لی جاتی، سرسری ورق گردانی مین اس کا کہین حوالہ نہین دکھائی دیا، اس کتاب کی دو ضخیم اور ایک معمولی حجم کی جلدین عرصہ ہوا مصر مین چھپی ہین، پہلی جلد مین مسلمانون کی بحریت ہی کا ذکر ہے،

حدیث کا مواد، عہد جاہلیت میں عربوں کی جہازرانی کے معلومات لغت، قدیم اشعار اور قرآن مجید سے تو بیشک حاصل ہو سکتے ہین، (عکس جرمنؔ)[1] لیکن اس سلسلے میں حدیث کے وسیع ادب کو ہاتھ لگائے بغیر چھوڑ دینا کم از کم "طالب علمانہ" احتیاط کے خلاف ہے، ممکن ہے ان خطبات کی تیاری کا ناقابل یقین کم وقت حدیث سے مواد حاصل کرنے کے محنت طلب کام میں مانع رہا ہو، سرخسی کی شرح السیر الکبیر للامام محمدؒ میں متعدد دلچسپ واقعات ملتے ہین، علی متقی کی کنز العمال اور تبویب الحدیث (غیر مطبوعہ) مین تو بحری سفر کا متعدد مستقل باب ملتے ہیں،

لغت، "کشتی اور جہاز کے الفاظ" (عکس جرمنؔ) صرف دس دیئے گئے ہیں، بعد مین کچھ اور آئے ہین، لیکن یہ فہرست بہت ہی سرسری ہے، اوّل تو ان لغت کی کتابون کی ورق گردانی ضروری ہے جن میں فن وار الفاظ یکجا کئے گئے ہین، پھر اس موضوع پر لکھے ہوئے جدید رسالے بھی دیکھنے ضروری ہین،

مثال کے طور پر وستن فیلڈ (Wüstenfeld) کا رسالہ (Die Namen der Schiffe im arabischen) (جہازون کے نام عربی مین،) اس میں کوئی سو نام ہیں، میں یہان ان کو بلا تنقید بہ ترتیب ابجدی دہرا دیتا ہون، شاید یہ رسالہ آسانی سے ہر کسی کو دستیاب نہ ہو سکے،

اسطول (ج اساطیل) اواری	بالوع	بحریہ	برمانی	
اسطولا	بارجہ	باہرات	براکیۃ	برکۃ، البرکۃ

[1] عکس جرمن "عربون کی جہازرانی" ۱۷،

برکوس، لابرکوس	جفار، جفاتیۃ	ذہبیۃ	سوقیۃ	قُلقُطل
برمۃ	جُنفل	رکوۃ	شبارہ	مجوز
بریک	جَفن	رمادہ[1]	شُبّاک	عدولی
بسطۃ	جلبہ	رَمَث،	شبوق	عرواس
بطاس	جُنک	زیر باذیہ	شنختور	عشاری، عشری
بطان	حرّاقہ، حرّاک	زبزب	شنختوہ	غارب
بُطسہ	حمالۃ	زلّاج	شُلّمی	غراب
بوس، بوص، بوصی	حامہ	زلال	شلندی	فلک، فلوک
بیرجۃ	خلیج	زورا	شموط	فلوکۃ
تلوّمی	خلیۃ	زورق	شنان	قادس
جاریۃ (ج جوار)	خن	سفینۃ	شکولیۃ	قارب
جاسوس	خیطیۃ	سکّان	شینی	قُرقُور، قرقورہ
جلبۃ	دُغیص	سلّور	صلغہ	قطعات
جدی	دقل	سماریہ	طبطاب	کارونیۃ
جَراب	ذات الرفیت	سمیر	طریدہ	کلک[2]
جرم	ذونیج	سنبوق	طیار، طیرہ	کندوریات

[1] الرمادہ (armada) [2] القلقشندی نے صبح الاعشیٰ میں ایک لفظ "کُکّۃ" بھی دیا ہے، جسکی جمع کُکک بتائی ہے، اور اس سے ایک رمز آمیز لطیفہ بھی بیان کیا ہے، جو باصلاح خفیف یوں ہوگا، ما رأینا کُکُکاً کُکُکک (ہم نے تیری کشتیوں جیسی کشتیاں نہیں دیکھیں،) یعنی پانچ کاف ایک ہی لفظ میں یکجا جمع ہوگئے ہیں،

لاطئة،	مرکب،	مصباب،	ملقوطة،	واجبات،
ماجشون،	مرکوس،	معبر،	ناغضة،	دجیة
ماشوت،	مسبحیة،	مُعدیة،	نقیرة[1]،	ہرہور،
مثلثة	مستعام،	مقلع،	نبتوغ،	
مزاب،	مسطحات،	مکیة،	واسطیة،	

اسی سلسلے میں ابن مماتی کا بھی ایک اقتباس (بحوالۂ وستنفلد) دلچسپی سے خالی نہ ہوگا:۔

الاسطول المنصور ھو الآن یجری	اسطول منصور، اور وہ مصری محکمۂ
فی دیوان الجیش المصری وسنذکر	فوج میں رائج ہے، اور اپنے موقع
حاله فی موضعه، اسماء مراکبه	پر ہم اس کا حال لکھیں گے، اس بیڑے
طریدة، شینی، مسطح حراقة	کے جہازوں کا نام یہ ہے، طریدہ شینی
مرکوس، شلندی، اعراری۔	مسطح، حراقہ، مرکوس، شلندی، اعراری
ومنفعة المسلمین به اشهر	اس سے مسلمانوں کو جو فائدہ پہنچتا ہے،
من ان تذکر، واکثر من ان	اس کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ
تحصر فاما الطریدة فانها برسم	عام طور پر مشہور ہے، اور اس کا احاطہ
حمل الخیل، واکثر ما تحمل	نہیں کیا جا سکتا، طریدہ گھوڑوں کے
اربعین فرسا۔ واما الحمالة فیحمل	لادنے کے لئے مخصوص ہے، اور زیادہ سے
فیها الغلة۔ واما الشلندی فا[نه]	زیادہ اس پر چالیس گھوڑے لادے

[1] شاید اس سے ناقرہ یا نقارہ کا لفظ تارپیڈو کے لئے برتا جا سکتا ہے، شاید خراقة بھی، (: اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا)

مرکب مسقف تقاتل الغزاة
علی ظهره وجذافون یجذفون
تحته، واما المسطح فهو فی معناه
فاما الشینی، ویسمی الغراب
(نسخة: العراب) ایضا فانه
یجذف بمائة واربعین مجذاف
وفیه المقاتلة والجذافون،
والحراقة مختصرة وربما
کانت مایة (ملتة) وحوالی ذلك
والعراری (الاعزاری) من
توابعه یحمل فیه الازواد،
والمرکوس لطیف لنقل الماء
لخفته یدخل علی المواضع و
یکون ومقله (وسعه؟) دون
مائة اردب۔

جاتے ہیں، محالہ میں غلہ لادا جاتا ہے، شلندی
ایک چھت والا جہاز ہے، جس کی چھت کے
اوپر سے سپاہی لڑتے ہیں، اور ملاح
اوس کے نیچے ہوتے ہیں، مسطح بھی اسی قسم
کا ہوتا ہے، شینی جسکو غراب بھی کہتے ہیں
وہ ۱۴۰ ڈنڈوں سے چلایا جاتا ہے، اور اسمیں
سپاہی اور ملاح ہوتے ہیں، حراقہ
مختصر ہوتا ہے، اور بسا اوقات سو یا
اوس کے قریب قریب ہوتا ہے، اور
عزاری اس کے پیچھے پیچھے چلتا ہے، اور
اس میں رسد لادی جاتی ہے، مرکوس
اپنے ہلکے پن سے پانی میں آسانی سے چلتا
ہے اور ہر جگہ جا سکتا ہے . . . . .

زین الدین المعبری کی تحفۃ المجاہدین فی بعض اخبار البرتکالیین[1] نامی تاریخ ملیبار میں بھی متعدد دیگر نام ہیں،

[1] یہ عربی کتاب، پرتگالی ترجمے کے ساتھ ۱۸۹۸ء میں لزبن (پرتگال) میں چھپی ہے، رسالہ تاریخ کا شائع کردہ جدید اڈیشن بلا مبالغہ فی سطر پانچ چھ غلطیوں کا حامل ہے، پتھر کے چھاپے نے اور بھی اس

تمیم الداری۔ لفظ "داری" کے معنی بھی (عجم صنا) ملاح کے بتائے گئے ہین، کیا حضرت تمیم الداری کو بجائے قبیلۂ بنی الدار کی جانب منسوب کرنے کے، ان کے بحری سفرون کے باعث اس لقب سے ملقب ہونا قرار دیا جائے، تو زیادہ صحیح نہ ہوگا؟ قصۂ تمیم الداری پر مقریزی کا اشاعت طلب رسالہ "الضوء الساری لمعرفۃ خبر تمیم الداری" (مخطوطہ لائڈن و پاریس) کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے، اس کا ایک فقرہ یہ ہے:-

"تمیم بن اوس الداری یکنیٰ ابا رقیۃ قدم مصر وقیل ان قدومہ کان لغزو البحر......"

بوشہ، لفظ بوشہ کا استعمال (عجم صنا) المعبری نے بھی ملیبار کی تاریخ میں کثرت سے کیا ہے، شاید اس کو (Barge, Bark, Barchella, Barque, Barquella) یوروپی السنہ کے کسی لفظ سے تعلق ہو، ممکن ہے پرتگالی تلفظ ہو، پرتگالی لغت اس وقت میرے سامنے نہیں ہے۔

(بقیہ حاشیہ صنا۳۳) کر دیا ہے، مزید بران اسمین بعض اصلاحین اصلاح ناشناس ہین، مثلاً شہر کوشی (مقامی تلفظ کُچی) کو کوشن (بربنائے Cochin) کر دیا گیا ہے، لہ یہ امر شاید دلچسپی سے پڑھا جائے گا، کہ لفظ یورُپ کی اصلیت کیا ہے، میرے ایک سامی لسانیات کے پروفیسر نے پاریس میں بیان کیا تھا کہ بابل والے مشرقی ملکون کو شمش آسیا کہتے تھے، اور مغربی ملکون کو شمش اوریبا، عربی دان فوراً پہچان لین گے، کہ شمش وہی ہے، جو عربی میں شمس (سورج) کی صورت مین برتا جاتا ہے، آسیا اٹھنے اور نکلنے کے معنی میں مواساۃ (غم دور کرنا ہمدردی کرنا) سے غالباً تعلق رکھتا ہے، موسیٰ (پانی سے نکالا ہوا) بھی اس سے رشتہ رکھتا ہے، بابلی زبان میں (غ) نہیں تھا، وہ اسے الف کی طرح پڑھتے تھے، اس طرح معلوم ہوگا کہ اوریبا، اور غروب غرب، مغرب میں کتنا گہرا تعلق ہے، انہی بابلی الفاظ سے یورپ اور ایشیا بنے اور پھیلے ہین،

زبان زدبحری محاورے، الفاظ کی اس بحث کے سلسلے میں یہ امر بھی شاید قابلِ ذکر ہے، کہ متعدد بحری محاورے عربون کی زبان پر چڑھ گیے تھے، یہ سمندر سے روزمرہ کے تعلق کے بغیر ممکن نہیں، ان میں سے دو پر کچھ بیان بے محل نہ ہوگا،

ایک تو خود قرآن مجید (۸:۴۶) میں بھی برتا گیا، "تذھب ریحکم"، تمھاری ہوا اکھڑ جائیگی، یا تمھاری قوت جاتی رہے گی" اس محاورے کی اصلیت میرے خیال میں بادبانی جہاز رانون کا محاورہ ہوگا، کہ بادبان سے ہوا بدل گئی، خواہ رُخ کے تغیر سے خواہ بادبان کے پھٹ یا ٹوٹ جانے سے، تو جہاز اور جہازران بے بس ہو جاتے ہین،

دوسرا ایک اور محاورہ "مابلّ بحرٌ صوفۃ" کا ہے، اور نہ صرف عبد المطلب کی جانب منسوب ایک معاہدے میں[۱] برتا گیا ہے، بلکہ ہجرت کے بعد ہی آنحضرت صلعم نے جو معاہدے[۱] ہمسایہ عرب قبائل سے کیے ان میں بھی اس کا کئی بار استعمال ہوا ہے، ابن ہشام نے بھی اپنی سیرت میں اسے برتا ہے، اس کا سرسری بامحاورہ ترجمہ ہوگا، کہ جب تک سمندر موجیں مارتا ہے یعنی ہمیشہ کے لئے، لیکن خود "صوف البحر" بھی ایک دلچسپ چیز ہے، اس پر کم کچھ سننے میں آتا ہے، اسلئے اگر ابن البیطار کی کتاب المفردات (جلد ۲ ص ۱۴۱ ب) اصطخری (ص ۴۴، س ۷ ، الخ[۲]) اور دوزی ([illegible]) کی عربی لغت (ج ۱ ص ۸۵۸، ۸۵۹) سے اس صوف البحر یعنی سمندری اون کی تشریح معارف میں کسی وقت شائع کر دی جائے، تو دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، اگر موقع ملا تو کسی آیندہ فرصت مین اسے ناظرین معارف کے سامنے پیش کر دونگا،

قرآن اور سمندر، قرآن مجید میں سمندر کا ذکر (معجم ص ۳۰ تا ۴۱) ایک مستقل مقالے کا محتاج ہے، یادداشت

---

[۱] زینی دحلان (السیرۃ المحمدیۃ) جلد ۳ ص ۳۰۳ تا ۴ ، [۱] ابن سعد جلد ا ق ۲ ص ۲۶ تا ۲۷ (معاہدات بنو ضمرہ، بنو غفار، نعیم بن مسعود اشجعی،) [۲] یہ دونون حوالے خود دوزی کی لغت میں تشریح کے ضمن میں مندرج ہین،

کے لئے لینن گراڈ کے پروفیسر بارتولد کے مضمون کی طرف یہاں صرف اشارہ کرونگا، جس کا جرمن ترجمہ جرمنی کے مشہور شرقیاتی رسالے (Zdmg ۱۹۲۹ء کے صفحہ ۳۰ تا ۴۲) میں ڈاکٹر رنیتر نے بعنوان ذیل کیا ہے:۔

Der Koran und das meer

یعنی قرآن اور سمندر؛ اصل مضمون (Zapiski Kollegii vostokovedov I p. 106 110) میں ۱۹۲۵ء میں روسی میں شائع ہوا تھا، اس مضمون میں پروفیسر بارتولد آنجہانی نے علاوہ اور باتوں کے اس یورپی خیال کو پھر سے تازہ کیا ہے، کہ آنحضرت صلعم نے خود ضرور بحری سفر کیا ہوگا، اسکے بغیر قرآن میں سمندر کے سفر وغیرہ کا اتنا محققانہ اور کثیر ذکر نہ ہوتا، [ا]

قصہ حضرت موسیٰ (وکان وراءھم ملک یاخذ کل سفینۃ غصبا) (سورۂ کہف) کی بھی کچھ تحقیق شامل کردیجاتی تو بے محل اور غیر دلچسپ نہ ہوتی،

مرزوقی، | "مرزاقی" (عکس ص۲۲) غالبًا طباعت کی غلطی ہے، اس سے مراد المرزوقی ہیں، ان کی زیر تذکرہ کتاب الازمنہ والامکنۃ میں قسم قسم کے معلومات کا ایک نہایت قابل قدر گنجینہ فراہم کیا گیا ہے اسکے نام میں وہ وسعت نہیں، جو اسکے مواد میں ہے،

عہد نبوی کے مزید معلومات، | عہد نبوی کے ان معلومات (عکس ص۴۷ تا ۵۰) سے پیاسوں کی تشفی نہیں ہوسکتی؛ اس سلسلے میں چند اور چیزوں کا اضافہ کیا جاسکتا ہے، مثلاً:

[ا] اس سلسلے میں شاید میرے ایک مضمون کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے، جو انجمن ترقی اردو کے حالیہ شائع کردہ مجموعہ مضامین حبش اور اطالیہ کے صفحہ (۱۰۶ تا ۱۱۱) میں خاص اسی بحث پر ہے، کہ کیا آنحضرت صلعم نے کبھی حبش کا سفر فرمایا تھا، میرا پورا مضمون صفحہ (۱۰۰ تا ۱۱۰) تک ہی ہے، گو بظاہر پورا باب صفحہ (۱۲۴) تک میری جانب منسوب نظر آتا ہے،

۱۔ وہ احادیث جن میں بحری جنگون کی پیشنگوئی ہے، وغیرہ،

۲۔ عہد نبوی کی ایک بحری جنگ (حوالہ: طبقات ابن سعد، جلد ۲، ق ا ص ۷، تا ۱۸[1])

۳۔ آنحضرت صلعم کے معاہدے ایلہ (شمال مغربی عرب) اور بحرین (جنوب مشرقی عرب) کی بندرگاہون کے باشندون سے جنمیں بحری جنگون اور تجارت کے متعلق بھی دفعات ہین[2]

نجاشی کا بھیجا ہوا وفد، نجاشی کے وفد (مکرر ص ۹۴) کے متعلق عام طور سے مشہور تو یہی ہے کہ جہاز کے ڈوبنے سے ہلاک ہوگیا، وفد کا سرگردہ نجاشی کا بیٹا بھی اسی زمرے میں شامل تھا، لیکن سمہودی نے تاریخ مدینہ ( ) میں بیان کیا ہے، کہ نجاشی کا بیٹا مدینہ آیا، اور حضرت علیؓ سے رشتۂ موالات بھی پیدا کر لیا، اور بعد میں اپنے باپ کے مرنے پر مدینہ ہی میں رہنا پسند کیا، اور حبشہ جاکر تخت نشین ہونے سے انکار کر دیا، حبشی وفد کے آنے کا ذکر ابن عبد الباقی وغیرہ نے بھی کیا ہے، اور لکھا ہے، کہ آنحضرت صلعم دفوراخلاق سے ان لوگوں کی خدمت خود فرماتے تھے، اور یہ گویا مہاجرین مکہ کی حبشہ میں پناہ دہی کا جواب تھا، ابن عبد الباقی کی الطراز المنقوش (حالات حبشہ پر) نیز فضائل حبشیان کی ایک مطبوعہ کتاب سواطع الانوار (ص ۸۲) پر آنحضرت صلعم کے نام آیا ہوا نجاشی اصحمہ کا جو خط درج ہے، اس مین اس وفد اور اپنے بیٹے اریحا کے بھیجنے کا ذکر ہے، اگر خط صحیح ہو تو نامہ بر یقیناً نجاشی کا بیٹا ہوگا، مگر یہ خط متقدمین کے ہان نہیں ملتا،

حضرت عمرؓ، کتاب الخراج میں امام ابو یوسف لکھتے ہین، کہ حضرت عمرؓ نے قوم من اهل الحرب وراء البحر سے تجارتی معاہدہ کیا تھا، کہ وہ ممالک محروسۂ اسلامیہ میں آیا کرین،

---

[1] معارف: افسوس کہ یہ حوالہ درست نہیں، [2] معاہدۂ ایلہ جو یحنہ بن روبہ سے ہوا، سیرت ابن ہشام (ص ۹۰۲) طبقات ابن سعد (جلد ا، ق ۲ ص ۳۷) ابو عبید کی کتاب الاموال (فقرہ ۵۱۳) و نیز دیگر کتابوں میں ملے گا، بحرین کا معاہدہ جو قبیلۂ عبد القیس سے ہوا، ابن سعد (جلد ا، ق ۲، ص ۲۲ تا ۳۲) میں ہے،

قسطنطنیہ پر حملے، مسلمانون کے ابتدائی بحری حملون مین تلخیص ۵۰ تا ۶۲) استانبول پر حملوں کا ذکر نہیں نظر آیا، حالانکہ حضرت معاویہ کے عہد کے حملے کی یاد دلانے والا وہان حضرت ابوایوب رضی کا مزار یادگار زمانہ ہے، عبدالملک بن مروان کے غالبًا بیٹے مسلمہ کا حملہ بھی قابل ذکر ہے، اسکے واقعات ایک قدیم ترکی تالیف (الاقوال المسلمہ فی غزوات المسلمہ) میں تفصیل سے ملتے ہیں، جسکے مخطوطے علاوہ استنبول کے کتبخانون کے کیمبرج یونیورسٹی لائبریری میں بھی میری نظر سے گذرے ہین، مقدسی کی جغرافیہ میں بھی قسطنطنیہ کے ذکر مین اس کا کچھ بیان ہے، اور وہ لکھتا ہے کہ قسطنطنیہ اس وقت بصرے کے برابر یا اس سے بھی کچھ چھوٹا شہر ہے، استانبول کے یوروپی حصے میں غلطہ کے پل کے قریب جو "عرب جامعی" ہے، وہ بھی اسی زمانہ کی یادگار بیان کی جاتی ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ گو اس مسجد کی تعمیر جدید حال میں ہوئی ہے لیکن اسکی طرز بنا استانبول کی باقی تمام مسجدون سے جدا ہے، اور خالص عربی وضع کی ہے جسمیں بیزنطینی اثر کو دخل نہیں مسجد کے اندر ایک منظوم کتبہ بھی ہے، اسکے چند اشعار نقل کرتا ہوں جن سے ضروری تاریخ اور معلومات حاصل ہون گے،

کیم آلتمش آلتی سنہ ۶۶ گچمش ایدی ہجرتدن	....
ہم اون اولدی حضرت عبدالملک خلیفہ دین	....
مراد ایلدی قسطنطنیہ یہ اوسفر،	کہ قیلدی مسلمہ نامداری سرعسکر
....	....
بو دنظمی گورش ایدن عربا بندن الی بیگ آدم	تعہد ایلدیلر تا بیعین ایلہ اول دم
صحابہ ونده ونیجہ کیمسہ قیلدی بیلہ سفر، (پچاس ہزار)	جناب حقہ توکلہ اولدیلر رہبر،
....	....
دیار رومہ کلوب اول بو شہری فتح ایتدی	ایچندہ بولدیعنی مالی جیشہ بخش ایتدی

یوملتی مال غنیمتہ ایلیوب معمور کہ نامی او لدی عرب جامعی ایلہ مشہور

....

یدی سنہ بوشہرده اقامت ایلدیلر بوبارگاه خدا ده عبادت ایدیلر

وغیرہ وغیرہ کل چونتیس شعر ہیں، جو میں نے نقل کر لئے تھے، اس کتبے اور اس کے بیانات کی تحقیق شاید کسی اور صحبت میں کر سکوں، جس میں مسجد کے فرش کی پیمایش اور نقشے وغیرہ کی اپنے پاس کے مواد کی مدد سے توضیح و تشریح بھی ہوگی، اوپر کے اشعار سے معلوم ہوگا، کہ ۲۶؁ھ میں دعوت جہاد پر لبیک کہکر پچاس ہزار عربوں کی فوج جسمیں چند صحابہ اور تابعین بھی شریک تھے، یہان آئی، مال غنیمت سے اس مسجد کو تعمیر کیا، اور سات سال تک یہیں مقیم رہی،

مصنوعی آبی راستے، مسلمانوں کی ابتدائی بحری کارروائیوں میں مجھے ایک اور واقعہ یاد آتا ہے، جو تاریخ طبری (۲۰۳۸) میں ہے کہ حضرت خالد بن الولید اپنے سپاہیوں کو کشتیوں میں سوار کرا کے عراق کی بعض نہروں سے گذرنا چاہتے تھے، ایرانیوں نے ان کا پانی خالی کر دیا، اور کشتیاں چل نہ سکین، پھر نہروں میں پانی آنیکے مقام کی مرمت کیگئی، اور کشتیاں منزل مقصود کو روانہ ہوئین،

امام ابویوسف کی کتاب الخراج میں آبی راہوں کی مرمت اور نگہداشت پر متعدد فصلین ہین، ان کی جانب بھی اس سلسلے میں اشارہ کیا جاسکتا ہے،

(باقی)

عربون کی جہاز رانی

یہ اون چار خطبون کا مجموعہ ہے، جو ۱۹۳۱ء میں بمبئی گورنمنٹ کے شعبہ تعلیم کی سرپرستی اور اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن بمبئی کے اہتمام میں، بمبئی میں دیئے گئے تھے، یہ مطبع معارف میں ۲۰ پونڈ کے چکنے اور نفیس کاغذ پر چھپ کر ایسوسی ایشن مذکور کی طرف سے شائع کیا گیا ہے، کتابت وطباعت بے حد دیدہ زیب ہے،

تقطیع ۲۲×۱۸ حجم ۲۰۰ صفحات، قیمت

منیجر

اکبر کا علمی ذوق

از

جناب سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب رفیق دار المصنفین،

ہمایون کی زندگی جس طرح آوارہ گردی اور پریشان حالی میں گذری وہ سب کو معلوم ہے، شہزادہ اکبر کو چند سال بھی اپنے بزرگ باپ کیساتھ چین سے رہنا نصیب نہیں ہوا، اور اکثر ظالم چچا کے پنجہ میں گرفتار رہا، اور ابھی تیرہ ہی برس کا تھا کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، اور سلطنت کا بارِ عظیم اس کے کندھوں پر رکھدیا گیا، اس حالت مین اسکی تعلیم کہان تک ہوسکتی تاہم ہمایوں کی علم دوستی کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اپنے لڑکے کی تعلیم سے غافل نہ رہے، چنانچہ ان ہنگامہ پرور واقعات کے ہوتے ہوئے بھی وہ اکبر کی تعلیم کی سخت نگرانی رکھتا تھا، وہ جب ۴ سال ۴ مہینے اور ۴ روز کا ہوا، تو اس نے مکتب کی رسم ادا کی، "سوانح اکبری" مصنفہ امیر حیدر حسینی واسطی بلگرامی مین ہو:-

"مکتب نشستن شاہزادہ و ذکر اساتذۂ او، ہفتم شوال سال نہ صد و پنجاہ و چہار کہ از عمر شاہزادہ چہار ماہ و چہار روز بسر شدہ بود، در مکتب در آوردند، و ملا زادہ عصام الدین ابراہیم را باین خدمت اختصاص می بخشیدند، واز سوانح این کہ برائے افتتاح ساعتے خاص با تفاق اہل تنجیم تعین کردہ بودند، چو ساعت مختار رسید شاہزادہ بذوق بازی در گوشہ رفت کہ با این ہمہ توجہ واہتمام جنت آشیانی ہر چند تگا پو نمودند پے نبردند، وہمانا حکمت ایزد درین باب نزد مولف آنست کہ ظاہر بینان معلوم کنند، کہ حصول این امر موقوف بر عنایت فیاض حقیقی است، در بندسوم

اصحاب علم نجوم گرفتار نباید بود، چنانچه بادشاہ باآنکہ در ساعت مختار ستارہ شناسان آغاز خواندن نہ نمود، لیکن استعداد شایستہ در ادراک دقائق شعر دانشا کرد و خود ہم سخن را موزون می نمود۔[۱]

ابوالفضل رسم مکتب کی تقریب کا ذکر ان لفظوں میں کرتا ہے:۔

"از ہفتم شوال این سال کہ از عمر ابد پیوند حضرت شاہنشاہی چہار سال و چہار ماہ و چہار روز شدہ بود، بآئین رسم و عادات آن آموختہ درسگاہ الٰہی ورموزدان دبستان ربانی را در مکتب بشری درآوردند و ملازادہ ملا عصام الدین ابراہیم را باین خدمت گرامی شرف اختصاص بخشیدند، اگرچہ در نظر ظاہر بینان بآموزش فرستادند، اما در دیدہ دوربینان بارگاہ ظہوران حضرت را بپایۂ والائے آموزگاری بردند از غرائب آنکہ حضرت جہانبانی کہ از علوم آسمانی آگاہ بودند، و بدقائق نجوم می رسیدند، باتفاق ستارہ شماران باریک بین و اسطرلاب دانان وقت شناس ساعتے خاص برائے افتتاح آن حضرت تعین فرمودہ بودند کہ دراداوار و اعمار بہم تواند رسید، چون ساعت مختار رسید آن مودب بآداب الٰہی بلباس بازی درآمدہ در پردہ احتجاب مختفی شدند، و بآن توجہ واہتمام بادشاہی ہرچند تکاپوے فرمودند پے بآن حضرت نبردند، وآگاہ دلان روشن ضمیر ازین سر بدیع دریافتند کہ مقصود ازین آنست کہ آن خداوند خرد والا کہ مخصوص بہ تعلیم ایزدی ست بعلوم رسمی روزگار مشوب ومنسوب نشود، تا در ہنگام ظہور این خدیو نکتہ شناس بر ذمانیان ظاہر شود، کہ دانشورے این بادشاہ دانشوران از قسم موہبت ست، نہ از جنس مکتبی ست باوجود این معنی بر ضمیر اقدس آن حضرت نقوش حرفی و علوم رسمی چہ از انچہ رقم زدۂ قلم اہل فنون شدہ وچہ از ان نکات اسرار کہ

---

[۱] سوانح اکبری قلمی نسخہ ص ۱۹، برٹش میوزیم بحوالہ رسالہ جامعہ ماہ فروری ۱۹۲۹ء،

ازمبدء فیاض بے توسط تعلیم و تعلم بر باطن انوار فائز گشتہ جلوہ ظہور دارد، و لہذا ارباب حکمت واصحاب ریاضت و صاحبان علوم ظاہری و وارثان صنائع کلی و جزوی چون در بساط حضور اقدس میرسند، از شناسائی خود سر خجالت گریبان تامل فرو بردہ، حیران می مانند الغصہ چون چندگاہ پیش آن افادت انتساب بخواندن زبون تر ازنا خواندن اشتغال داشتند اہل ظاہر بر عدم کوشش آخوند حمل کردہ در تغییر آن اہتمام نمودند، و آن بیچارہ را معزول ساختہ خدمت او را بمولانا بایزید مقرر ساختند و ندانستند کہ کار فرمایان ابداع اہتمام دارند کہ ضمیر الہام آن نور پرور دایزدی محل انعکاس نقوش مداوی و مورد انطباع سواد علوم ظاہری نگردد،[1]

ملا عصام الدین ابراہیم اور مولانا بایزید کے علاوہ اکبر کے استادون میں مولینا پیر محمد خان نقیب خان اور مولینا میر عبد اللطیف قزوینی کے نام بھی لئے جاتے ہین، میر عبد اللطیف قزوینی اکبر کو دیوان حافظ پڑھایا کرتے تھے،[2]

اب سوال یہ ہے کہ ہمایون کی کوشش اوران مختلف استادون کی تعلیم کہان تک بارآور ہوئی، اکبر کے خوشامدی مورخین تو اس کو امی محض بتاتے ہین، چنانچہ ابھی دیکھ چکے کہ ابوالفضل اسکو امی بتا کر اسکی تشریح یون کرتا ہے، کہ پروردگار کو ثابت کرنا تھا کہ یہ برگزیدۂ الٰہی علوم ظاہری کی تحصیل کے بغیر ہمارے نامتناہی فیوض کا منبع ہے، پھر لکھتا ہے، کہ اس مین حکمت الٰہی یہ تھی، کہ اہل عالم پر یہ روشن ہو جائے کہ اکبر کی تمام عقل و دانش خداداد یعنی الہامی ہے، کسی بندہ سے حاصل ہوئی نہین، ابوالفضل کی یہ ساری توجیہ ظاہراً اس لئے ہے، کہ وہ اکبر کو پیغمبرون کی صف مین لاکر کھڑا کرنا چاہتا ہے،

لیکن اسکو کون مان سکتا ہے کہ ہمایون کی اتنی توجہ اور استادون کی اتنی کوشش کے باوجود اکبر لکھنا پڑھنا کچھ جانتا ہی نہ تھا، حالانکہ اس کے لئے یکے بعد دیگرے کئی استاد مقرر ہوئے، جہان ایک استاد

[1] اکبر نامہ جلد اول ص ۲۹۶، نولکشور، [2] منتخب التواریخ، بدایونی، جلد سوم، ص ۹۰،

کی غفلت معلوم ہوئی، وہ فوراً علیحدہ کر دیا گیا، اور دوسرا مقرر ہوا، اسکے باوجود وہ نوشت وخواند سے اتنا نابلد رہا، کہ اپنا نام تک بھی اپنے ہاتھ سے لکھ نہیں سکتا تھا، ابوالفضل آئین اکبری میں "آئین آموزش" کے عنوان سے یہ لکھتا ہے کہ گیتی خداوند" کے کہنے سے "حرف آموزی وتعلیم" کا ایک طریقہ نکالا گیا ہے جس سے بچے برسوں کی تعلیم مہینوں میں حاصل کر لیتے ہیں، جو شخص "آئین آموزش" کے اتنے دقیق نکتہ کو اس آسانی سے حل کر لیتا ہے، اس کے متعلق یہ کیونکر کوئی مان سکتا ہے، کہ وہ حرف شناسی سے محروم تھا[۱]،

بہر حال اکبر کے امی محض ہونے کا دعوی شک وشبہ سے خالی نہیں، بہرحال یہ بات تعریف کے قابل ہے کہ اس کم سوادی اور علمی کم مائگی کے باوجود اس کے دل میں علوم وفنون کا شوق اور اسکی قدردانی کا جوش اتنا تھا کہ جو کسی عالم بادشاہ کو بھی نہیں ہوا، اسکے ذاتی شوق کا یہ عالم تھا، کہ فارسی کی مشہور کتابوں میں سے شاید ہی کوئی کتاب ہو جو اس کے سامنے پڑھی نہ گئی ہو، اخلاق ناصری، کیمیائے سعادت، قابوس نامہ، مکتوبات شرف منیری، گلستان، حدیقہ، مثنوی معنوی، جام جم، بوستان، شاہنامہ، خمسہ شیخ نظامی، خسرو اور مولینا جامی کے کلیات، خاقانی اور انوری کے دیوان، اور ہر قوم کی تاریخیں اسکے سامنے بلاناغہ پڑھی جاتی تھیں، پڑھنے والے ہر روز جہاں ختم کرتے تھے، وہاں اکبر اپنے ہاتھ سے نشان (شاید صفحہ یا تاریخ کا) بنا دیتا تھا، اور جب کتاب ختم ہو جاتی، تو پڑھنے والے کو جیب خاص سے انعام دیتا[۲]، اسی وسیع مطالعہ کا نتیجہ تھا، کہ کوئی تاریخی سرگذشت، فقہی مسئلہ، علم فن اور فلسفہ وحکمت کا نکتہ ایسا نہ تھا، جو اس کے علم میں نہ ہو، اور جس پر وہ خود بحث اور گفتگو نہ کر سکتا ہو، اس کے علمی مذاق کے متعلق جہانگیر تزک جہانگیری میں لکھتا ہے

---

[۱] رائل ایشیاٹک سوسائٹی میں ظفر نامہ کا ایک قدیم قلمی نسخہ ہے، اس کے سرورق پر اکبر کے دست خاص کا لکھا ہوا لفظ "فروردین" موجود ہے، اس کے نیچے جہانگیر کے قلم کی لکھی ہوئی یہ تصدیق ہے کہ یہ لفظ عرش آشیانی کا لکھا ہوا ہے، اور پھر اس کے نیچے شاہجہان کی تحریر ہے، (جامعہ بابت ماہ جنوری ۲۹ء)

[۲] آئین اکبری ص ۷۰،

"بد قائق نظم و نثر چنان می رسید کہ مافوقے بران متصور نبود"[۱]

اکبر کا علمی و ادبی ذوق اسقدر بلند ہو گیا تھا کہ وہ خود اشعار کہتا، اور اساتذہ کے اشعار پر اصلاحین دیتا، تاریخ فرشتہ میں ہے:۔

"اگر چہ خط سواد کامل نہ داشت اما گاہے شعر گفتے، و در علم تاریخ وقوفے تمام داشت و قصص ہند نیکوی دانست"[۲]

سوانح اکبری کا مصنف لکھتا ہے:۔

"...... لیکن استعداد شایستہ در ادراک دقائق شعر و انشار کرد، و خود ہم سخن را موزوں می نمود"[۳]

محمد حسین آزاد دربار اکبری میں اکبر کے اشعار نقل کرتے ہوئے، لکھتے ہیں کہ

"اشعار جو اس کے نام پر کتابوں میں لکھے ہیں، اسی کے ہیں، کیونکہ اگر وہ ملک شاعری میں شہرت چاہتا، تو شاعر ہزاروں تھے، جلدیں کی جلدین تیار کر دیتے، لیکن جب یہی چند شعر اس کے نام پر لکھے ہین، تو اپنی ہی طبیعت کی امنگ ہے، جو کبھی کبھی موقع پر ٹپک پڑی ہے، شاید لفظ یا لفظوں میں کسی نے اصلاح بھی کر دی ہو"[۴]

اکبر کے وہ اشعار حسب ذیل ہین،

گریہ کردم زغمت موجب خوشحالی شد ریختم خونِ دل از دیدہ دلم خالی شد

رباعی

مے نازد کہ دل خون شدہ از دوری او من یارِ غم زدستِ مہجوریِ او،

---

[۱] تزک جہانگیری ص۱۵ نولکشور پریس، [۲] تاریخ فرشتہ [۳] سوانح اکبری قلمی نسخہ ص۱۹ برٹش میوزیم [۴] دربار اکبری از محمد حسین آزاد ص۱۲۶،

در آئینہ چرخ نہ قوس قزح است عکس است نمایان شدہ از چوری او

قطعہ

دوشینہ بکوئے می فروشان پیمانۂ بزر خریدم،
اکنون ز خمار سر گرانم، زر دادم و دردسر خریدم

مطلع

من بنگ نمی خورم می آرید، من چنگ نمی زنم نیارید،
حاجی بسوئے کعبہ رود از برائے حج، یارب بود کہ کعبہ بیاید بسوئے ما،

اکبر نے بارہا اساتذہ کے اشعار پر نکتہ چینیاں بھی کین، اور نقادانِ فن نے اس کی تنقید کی داد بھی دی، ایک دفعہ کسی نے فغانی کا یہ شعر پڑھا،

مسیحا یار و خضرش ہمرکاب و ہم عنان بینے
فغانی آفتابِ من بدین اعزاز می آید،

اکبر نے دوسرے مصرعہ میں برجستہ اصلاح دی،

فغانی شہسوارِ من بدیں اعزاز می آید،

(شعر العجم حصہ سوم ص۶)

اکبر کو علم و فن سے جو خاص طبعی مناسبت تھی، اس کا انداز ہ ان صحبتون سے بھی ہوتا ہے، جو اس کے دربار کا ایک ضروری جزو تھیں، اور جس میں ہر فن کے اربابِ کمال جمع ہو کر مختلف مسائل پر بحث و نظر کرتے تھے، اور ان میں اکبر خود برابر کا حصہ لیتا تھا، خوش قسمتی سے اس کے دربار مین ایسے اربابِ کمال جمع ہو گئے تھے، جو کسی ایک عہد میں کم نظر آتے ہیں، عام طور پر لوگ اکبری عہد کی عظمت صرف سیاسی حیثیت سے جانتے ہین، لیکن واقعہ یہ ہے، کہ یہ دور علمی حیثیت سے بھی کم درخشان نہیں، یوں تو

ہندوستان کی مغل حکومت کی تاریخ میں علم پروری اور علما نوازی اس حکومت کی بنیاد کیساتھ ہی نظر آتی ہے لیکن یہ عجیب بات ہے، کہ علوم و فنون کا عظیم الشان قصر اس کم سواد فرمانروا کے عہد میں تکمیل کو پہنچا، آیندہ سطروں میں ہم ان تراجم اور تالیفات کا ذکر کرتے ہیں، جو علم و فن اور عقل و دانش کے آسمان پر ستارہ بنکر چمکیں، اور جن کی روشنی سے اکبر کا عہدِ سلطنت منور تھا، سب سے پہلے ہم ان تراجم کو لیتے ہیں جو اکبر کی فرمایش سے کئے گئے،

تراجم، ۱- مہابھارت، ۹۹۰ھ میں اکبر کی خواہش ہوئی کہ مہابھارت کا فارسی ترجمہ ہو، اس کام کیلئے پہلے ہندو پنڈتوں کو جمع کیا جنھوں نے مہابھارت کے نفس موضوع کی تشریح کی، اس کے بعد ترجمہ کا کام نقیب خان کے سپرد کیا، اور اکبر نے خود کئی متواتر راتوں میں نقیب خان کو ترجمہ کی نوعیت کو سمجھایا، ملا عبد القادر بدایونی بھی جو زبانِ سنسکرت کے ایک جید عالم تھے، اس کام پر مامور ہوئے، ملا عبد القادر مہابھارت کو "مزخرفات لاطائل" بتاتے ہیں، اس لئے بطیب خاطر اس کام کو انجام دینا نہیں چاہتے تھے لیکن شاہی حکم کی نافرمانی بھی نہیں کر سکتے تھے، چار مہینے کی کوششوں کے بعد ۱۸ باب (ہژدہ فن) کا ترجمہ کر سکے، بقیہ حصوں کو ملا شیری، نقیب خان اور سلطان حاجی تھانیسری نے ختم کیا، شیخ فیضی نے ترجمہ کی زبان کو سلیس اور فصیح بنانے کی کوشش کی لیکن وہ دو باب سے آگے نہ بڑھ سکا، حاجی سلطان تھانیسری نے اپنے ترجمہ پر نظر ثانی کرنا شروع کی، اس کام میں مشغول ہی تھا کہ سیاسی اسباب کی بنا پر اس کو دار السلطنت چھوڑنا، اور بھکر جانا پڑا، اکبر نے مہابھارت کے ترجمہ کا نام رزم نامہ رکھا، اور تمام معرکوں کی تصویریں بنا کر اس میں شامل کیں، ابو الفضل نے اس پر دو جزو کا خطبہ لکھا ہے[1]، جس کے آخر میں ۹۹۵ھ درج ہے، جس سے پتہ چلتا ہے، کہ کتاب پانچ سال کی مدت میں ترجمہ ہوئی، یہ ترجمہ اب تک متفرق کتبخانوں میں پایا جاتا ہے[2]،

[1] بدایونی جلد دوم ص ۳۱۹-۳۲۱، [2] فہرست مخطوطات انڈیا آفس و برٹش میوزیم کتب نمبر ۴۴-۵۶۲۰ بوڈلین لائبریری کتب نمبر ۱۲-۱۳۴۶

۲- راماین:- ۹۹۵ھ میں عبد القادر بدایونی نے شاہی حکم کے بموجب رامائن کا ترجمہ کرنا شروع کیا، اور ۹۹۹ھ میں تمام کیا، ترجمہ ایک سو بیس جزو پر مشتمل تھا، کتاب کے تتمہ پر مندرجہ ذیل شعر لکھکر بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا،

ما قصہ نوشتیم بہ سلطان کہ رساند
جان سوختہ کردیم بہ جانان کہ رساند

اکبر بہت محظوظ ہوا، اور اس نے خواہش ظاہر کی، کہ بدایونی اس کتاب کے آغاز میں کوئی فاضلانہ مقدمہ بھی تحریر کرے، لیکن بدایونی نے کفر و الحاد کی کتاب پر روشنی ڈالنے سے اغماض کیا[1]، اس کتاب کے نسخے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں، (انڈیا آفس لائبریری نمبر ۱۹۶۳، بوڈلین لائبریری نمبر ۱۳۱۵)

۳- سنگھاسن بتیسی:- ۹۸۲ھ (۷۵-۱۵۷۴) میں عبد القادر بدایونی نے سنسکرت کی مشہور کتاب سنہاسن دوترنیستی کا فارسی ترجمہ کیا، اس کتاب میں ہندووں کے مشہور راجہ بکرماجیت (مالوہ) کے متعلق بتیس قصے ہیں، اکبر کا حکم پاکر بدایونی نے ایک برہمن کی مدد سے ان قصوں کو فارسی جامہ پہنانا شروع کیا، اور اختتام پر کتاب کا تاریخی نام خرد افزا رکھا، اکبر اس کتاب کو بہت پسند کرتا تھا[2]، (بوڈلین لائبریری کتاب نمبر ۱۳۲۴)،

۴- حیوۃ الحیوان:- دمیری کی شہرۂ آفاق کتاب حیوۃ الحیوان کو شیخ مبارک نے فارسی میں ترجمہ کیا، اکبر کو نقیب خان پڑھکر سناتا، اور معنی سمجھاتا جاتا تھا، اس مشکل کو رفع کرنے کیلئے اکبر نے اس کے فارسی ترجمہ کا حکم دیا، جو شیخ مبارک کے ذریعہ سے ۹۸۳ھ میں تمام ہوا،[3]

۵- اتھربن- اکبر ہندووں کے علوم و فنون سے خاص شغف رکھتا تھا، چنانچہ ان کے مذہب کے معلومات حاصل کرنے کی غرض سے ان کی مقدس کتابوں کو زبان فارسی میں لانا چاہتا تھا، اتھربن کا

---

[1] بدایونی جلد دوم ص ۳۶۶، [2] بدایونی جلد دوم ص ۱۸۳، [3] ایضاً ص ۲۰۲،

فارسی ترجمہ اسی خیال سے اس نے کرایا، اس کی فرمایش پہلے اوس نے شیخ فیضی سے کی، پھر شیخ ابراہیم سرہندی کے ذمہ یہ خدمت سپرد کی، شیخ ابراہیم نے یہ خدمت گوانجام دی، مگر ترجمہ اکبر کے خاطر خواہ نہیں ہوا،[۵]

۶۔ انجیل:۔ عہدِ اکبری میں نصرانی مبلغین شاہی دربار میں رسوخ حاصل کر چکے تھے، اکبر نے دین مسیحی کی جزئیات اور تفصیلات سے واقفیت بھی حاصل کی، اور شہزادہ مراد کو اس کی تعلیم بھی دلائی اور انجیل کا فارسی ترجمہ بھی کرایا، اس کام کیلئے ابوالفضل کو مامور کیا جس نے ۹۸۶ھ میں اس کو انجام دیا،[۶] انہی اسباب پر بعض خوش فہم پادریوں کا خیال ہے کہ اکبر نے دین مسیحی قبول کر لیا تھا،

۷۔ تزک بابری، بابر نے اپنے حالات اور واقعات ترکی میں قلمبند کئے تھے، اور تزک بابری نام رکھا تھا، اکبر کی فرمایش سے خان خانان عبد الرحیم نے اس کا فارسی ترجمہ ۹۹۸ھ میں کیا، جسکی زبان نہایت سادہ، شستہ اور صاف ہے،

۸۔ لیلاوتی:۔ فنِ حساب کی ایک مشہور کتاب ہے، اس کا ترجمہ فیضی نے کیا،

۹۔ تاجک:۔ علومِ نجوم میں ایک معتبر تصنیف ہے، مکمل خان گجراتی نے اسکو فارسی کا قالب پہنایا،

۱۰۔ ہربنس:۔ کرشن جی کی زندگی کے حالات ہیں، مولینا شیری نے اس کا فارسی ترجمہ کیا،

۱۱۔ معجم البلدان:۔ شہاب الدین عبد اللہ یاقوت بن عبد اللہ حموی رومی بغدادی (متوفی ۶۲۶ھ) کی شہرۂ آفاق کتاب معجم البلدان کا فارسی ترجمہ ملا احمد ٹھٹھوی، قاسم بیگ، شیخ منور، اور دوسرے فضلای روزگار نے مل کر کیا،

۱۲۔ تاریخ کشمیر:۔ راج ترنگنی، مصنفہ کلہانا، سلطان زین العابدین والی کشمیر کے زمانہ میں بزبان سنسکرت لکھی گئی تھی، اکبر نے کشمیر کے سفر میں اس کتاب کو دیکھا، اسکی خواہش ہوئی کہ اس کا فارسی ترجمہ ہو، چنانچہ

---

[۵] بداونی، جلد دوم صفحہ ۲۱۲، [۶] ایضاً صفحہ ۲۶۰،

مولینا شاہ محمد شاہ آبادی نے اس کام کو انجام دیا، ابوالفضل کا بیان ہے کہ اس میں کشمیر کے متعلق چار ہزار برس کا حال لکھا ہے[۱] اس کتاب کا فارسی ترجمہ چھپ گیا ہے[۲] اس ترجمہ کا انتخاب ملا عبدالقادر بدایونی نے بھی سلیس زبان میں کیا، جو شاہی کتبخانہ میں داخل ہوا[۳]

۱۳- کلیلہ دمنہ:- قصہ کے طور پر حکمت عملی کی ایک مشہور سنسکرت کتاب ہے، ملا حسین واعظ نے اس کا فارسی ترجمہ کیا تھا لیکن سخت الفاظ و استعارات سے یہ ترجمہ اسقدر پیچیدہ اور مشکل ہو گیا تھا کہ اس کا سمجھنا آسان نہ تھا، اکبر نے ابوالفضل کو حکم دیا کہ اصل سنسکرت کو سامنے رکھکر ایسی عبارت میں ترجمہ کرو کہ اس کے پند و نصائح کو سب سمجھ سکیں، ۹۹۶ھ میں ابوالفضل نے اس کام کو انجام دیا، کتاب کا نام عیار دانش رکھا گیا[۴] کتاب کے اختتام پر ابوالفضل نے ایک خاتمہ لکھا ہے جس میں بعض نادر معانی اور نکات بیان کئے ہیں، (انڈیا آفس لائبریری کتب نمبر ...، بوڈلین لائبریری نمبر ۴۴۴-۴۳۸)

۱۴- نل و دمن:- یہ عشق و محبت کا ایک جگر گداز قصہ ہے، ۱۰۰۳ھ میں ملک الشعرا فیضی نے خسرو کی لیلیٰ و مجنوں کی بحر میں اس کو نظم کیا، اس میں چار ہزار دو سو اشعار ہیں، اور قابل تعجب امر ہے کہ صرف پانچ مہینے کی مدت میں یہ عظیم الشان کارنامہ انجام ہوا، اس کے کمال و خوبی کی داد ملا عبدالقادر جو فیضی کو ہمیشہ سخت الفاظ سے یاد کرتے ہیں، اس طرح دیتے ہیں،

"واقعی مثنوی ست کہ درین سی صد سال مثل آن بعد از میر خسرو شاید در ہند کسی دیگر نہ گفتہ باشد"[۵]

۱۵- جامع رشیدی:- ۹۹۳ھ میں عبدالقادر بدایونی نے عربی کی ضخیم کتاب جامع رشیدی کا فارسی ترجمہ کیا، جو خزانۂ عامرہ میں داخل ہوا[۶]

---

[۱] آئین اکبری ص ۱۰۷، [۲] انڈیا آفس کٹیلاگ ص۲۰، [۳] بدایونی جلد دوم ص ۳۷۴، [۴] آئین اکبری ص ۱۰۷، [۵] بدایونی جلد دوم ص ۳۹۶، [۶] ایضاً ص ۳۲۵،

۱۶ - بحر الاسمار :- ہندی افسانہ کی ایک کتاب تھی، سلطان زین العابدین نے اس کا تھوڑا سا ترجمہ کرایا تھا، نامکمل تھی، ابو الفضل کی فرمایش سے ملا عبد القادر نے اس کام کو اپنے ذمے لیا، چنانچہ ۵ مہینے میں ترجمہ کا کام ختم کیا، جو ساٹھ جُز میں تھا، اکبر نے خوش ہو کر دس ہزار ٹنکہ اور ایک گھوڑا انعام میں دیا[۱]

اکبر نے نہ صرف سنسکرت کی کتابیں فارسی میں منتقل کرائیں، بلکہ عربی و فارسی کی کتابوں کو سنسکرت کا قالب پہنایا، چنانچہ زیجِ مرزائی کا ترجمہ سنسکرت میں ہوا، اس کے ترجمہ میں میر فتح اللہ شیرازی ابو الفضل کشن جوتشی، گنگا دھر، مہیش مہانند شریک تھے[۲]

تصنیفات، | تاریخ الفی :- اکبر چاہتا تھا کہ اسلامی عہد کے ابتدائی دور سے اسکے زمانہ تک کی کوئی مفصل اور مکمل تاریخ ہو، اس کی خواہش کے مطابق نقیب خان شاہ فتح اللہ حکیم ہمام حکیم علی، حاجی ابراہیم سرہندی، نظام الدین احمد، عبد القادر بدایونی، مولینا احمد ٹھٹھوی، جعفر بیگ اور آصف خان نے ملکر اس کام کو انجام دیا، یہ کتاب چار جلدوں میں ختم ہوئی، ملا عبد القادر بدایونی تین جلدوں کا تذکرہ کرتے ہیں، مگر انڈیا آفس لائبریری میں اس کی چار جلدیں موجود ہیں[۳]، تیسری جلد میں ۷۰۶ھ تک کی تاریخ ہے، اور ۹۹۷ھ میں ختم کی گئی پروفیسر ڈاؤسن کا خیال ہے کہ ان چاروں جلد کے علاوہ دو اور جلدیں ہونی چاہئیں[۴]

اس کتاب کی تدوین اور ترتیب میں جن مختلف اہلِ علم نے حصہ لیا، اس کا بیان ملا عبد القادر بدایونی اس طرح دیتے ہیں :-

"دریں سال حکم فرمودند کہ چون ہزار سال از ہجرت تمام شد، و ہمہ جا تاریخ ہجری می نویسند حالا می باید کہ تاریخی۔۔۔ جامع تاریخہائے دیگر باشد، و نام آن را الفی نہند، و در ذکر سنوات بجائے ہجرت لفظ رحلت نویسند و از روز وفات حضرت ختمی پناہ صلوات اللہ علیہ وسلم نوشتن وقائع عالم را تا الیوم بہ ہفت کس امر گردند چنانچہ سال اول را نقیب خان نویسد

ــــــــــــــــ

[۱] عبد القادر بدایونی، جلد دوم ص ۴۰۱، [۲] آئینِ اکبری ص ۱۰۴، [۳] انڈیا آفس کیٹلاگ ص ۲، [۴] ایلیٹ جلد پنجم ص ۱۵۶

و دوم را شاہ فتح اللہ، ہذا القیاس حکیم ہمام و حکیم علی و حاجی ابراہیم سرہندی کہ دراں ایام از گجرات آمدہ بود و میرزا نظام الدین احمد و فقیر باز ہفتہ دیگر ہمچنیں ترتیب سی و پنج سال مرتب شد، شبی بر سال ہفتم، کہ فقیر در احوال خلیفہ حقانی ثانی رضی اللہ عنہ نوشتہ بودم چون بقصہ تعمیر کوفہ و بنا و ہدم قصر الامارۃ کہ بواقعی مذکور بود، و سبب تخریب آن و قضیہ کاح ام کلثوم بنت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہما و تعین اوقات صلوات خمس و فتح شہر نصیبین و برآمدن عقارب از آنجا مثل خروسان بزرگ رسیدند، مناقشہ و مواخذہ بے حد آوردہ پیچیدند و آصف خان ثالث کہ میرزا جعفر باشد، بد مددہا کرد، بخلاف شیخ ابوالفضل و غازی خان بدخشی کہ ہر کدام توجیہات صحیح میکردند، و چون از فقیر پرسیدند کہ اینہا را چون نوشتی، گفتم ہرچہ در کتب دیدہ ام ایراد کردہ ام، و مخترع نیستم، ہمان وقت کتاب روضۃ الاحباب و دیگر کتب سیر از خزانہ طلبیدہ، بہ نقیب خان فرمودند کہ تحقیق نماید، و مطابق نفس الامر تصحیح نقل نمودہ، ازان گرفت و گیر رہائی بے محل بعنایت الٰہی عز و جل رہائی یافتم، و از سال سی و ششم حکم شد کہ من بعد ملا احمد تتہ بکتابت تاریخ الفی منفرد و مخصوص بودہ می نوشتہ باشد و این معنی باستصواب حکیم ابوالفتح بود، او از نہایت تعصب کہ داشت، موافق اعتقاد خویش ہرچہ خواست نوشت چنانچہ عیان ست و تا زمان چنگیز خان آن وقائع را در دو جلد تمام کرد، تا آنکہ میرزا فولاد برلاس شبے او را بہ بہانہ طلب پادشاہی از خانہ برآوردہ در کوچۂ لاہور بتقریب غلوئی کہ در مذہب داشت و از راے کہ ازو یافتہ بود، بقتل رسانید، و بقصاص رسید و بقیہ احوال را حسب الامر آصف خان تا سال نہصد و نود و ہفت نوشت و در سنہ الف فقیر را در لاہور حکم فرمودند، کہ آن تاریخ را از سر مقابلہ و تصحیح نماید و سنوات را کہ بتقدیم و تاخیر نوشتہ شدہ است، ترتیب دہد و تا یکسال با این خدمت اشتغال داشتہ دو جلد اول را مقابلہ نمودم

جلد سوم را بآصف خان گذاشتم[۱]

ابوالفضل نے آغازِ کتاب میں ایک مقدمہ لکھا[۲] اس تالیف کی خوبی کو ایک انگریز مورخ اس طرح بیان کرتا ہے :-

"مولفین اس تالیف کی تیاری میں تمام بہترین ذرائع تصرف میں لائے ہیں، کیونکہ عربی اور فارسی کی ان تمام مشہور اور مستند تاریخ کے حوالے جن سے آج موجودہ یورپین اہل علم فیض حاصل کر رہے ہیں، اس تالیف میں مذکور ہیں، انھوں نے بڑی دقتِ نظر کیساتھ مستند مواد کا انتخاب کیا ہے، اور ان خرافات کو جو اکثر کتابوں میں پائے جاتے ہیں، نظر انداز کر دیا ہے"[۳]

اکبر نامہ اور آئینِ اکبری :-

تیموریوں کے دربار میں تاریخ نویسی اور واقعہ نگاری کا ایک باضابطہ محکمہ تھا، اکبر نامہ اور آئینِ اکبری اس سلسلہ کی پہلی کڑی ہیں، اکبر نامہ ابوالفضل کی محنت و کاوش اور انشا کا شاہکار ہے، یہ دو حصوں پر مشتمل ہے، پہلی جلد میں بابر و ہمایوں کے حالات ہیں، دوسری جلد میں اکبری حکومت کے مفصل حالات ہیں، آئینِ اکبری کو اسکی تیسری جلد سمجھنا چاہئے، یہ اس زمانہ کی تمدنی، اقتصادی، علمی، اور معاشرتی معلومات اور ملکی اور جنگی تنظیم سے واقفیت حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، اکبر نامہ کے استناد کو بعض مورخین اسلئے مشکوک نظروں سے دیکھتے ہیں، کہ یہ اکبر کے ایک درباری مورخ کی نگارش و تحریر ہے جسمیں حد سے زیادہ خوشامد کا پہلو ملحوظ رکھا گیا ہے،

الفنسٹن لکھتا ہے کہ "اکبر نامہ کی سند یورپ میں وقعت کی نظر سے دیکھی نہیں جاتی ... کیونکہ ابوالفضل گو ایک وسیع النظر اور غیر معمولی ذہن کا آدمی ہے پھر بھی وہ ایک وفادار درباری ہے، جو اپنے آقا کی نیکیوں

---

[۱] بدایونی جلد دوم ص ۳۱۸-۳۱۹، [۲] آئین اکبری ص ۱، [۳] الیٹ جلد پنجم ص ۱۵۹، انڈیا آفس کیٹلاگ نمبر ۱۱۰۰-۱۱۰۱،

کو ہمیشہ اچھالتا ہے، اس کی برائیوں سے چشم پوشی کرتا ہے، اور اس کے اور اسکے ہوا خواہوں کے رتبہ کو ہمیشہ بڑھانے کی کوشش کرتا ہے، اس کے سنہ و تاریخ اور واقعات کے عمومی بیانات قابلِ قدر ہیں لیکن اس کی کتاب کو پڑھتے وقت اس کی علانیہ طرفداری سے اپنے کو اتنا محفوظ رکھنا نہیں پڑتا، جتنا کہ وہ اپنے ممدوحین کی مدح سرائی کرکے ناظرین کی ہمدردی خواہ مخواہ حاصل کرنا چاہتا ہے، اور پھر بعض موقع پر بے جا اور غیر ایماندارانہ طریقہ پر ایک قصہ لکھکر کسی سے بدظن کر دیتا ہے، حالانکہ وہ شخص بالکل معصوم اور قابلِ معافی ہوتا ہے، اس کے بیانات گنجلک، غیر موثر، عامیانہ خیالات اور دعائیہ فقروں سے لبریز، اور عموماً اپنے ممدوح کی مدح سرائی پر ختم ہوتے ہیں، وہ اکثر واقعات کو نظر انداز کر دیتا ہے یا اپنے مخصوص انداز سے غلط پیرایہ میں بیان کر جاتا ہے، اور تعریف و توصیف، فتح و کامرانی کے واقعات کا تذکرہ اس غلو سے کرتا ہے، کہ ناظرین نہ صرف کتاب سے بلکہ ممدوح سے بھی مکدّر خاطر ہو جاتے ہیں، اس بے معنی تعریف و توصیف کے ڈھیر میں اکبر کے حقیقی اوصاف گم ہو جاتے ہیں، اور پھر دوسرے مورخوں سے اسکے افعال کی نوعیت کا، اسکی مشکلات اور ان ذرائع کا جن سے وہ ان مشکلات کو حل کرتا ہے، اصلی حال معلوم ہوتا ہے، کتاب کا خوشامدانہ انداز (جیسے ایسے آدمی نے لکھا، جو اکبر کی طبیعت سے خوب اچھی طرح واقف تھا اور پھر اس کے معائنہ کیلئے پیش کی) اس (اکبر) کی نخوت و کبریائی کا پتہ دیتا ہے، جو حقیقتہً اسکی پسندیدہ سیرت کا تنہا داغ ہے"

مگر اس کا جواب ایک دوسرا یورپین مورخین اسطرح دیتا ہے، "ابوالفضل پر یورپین مصنفین خوشامد پرستی کا الزام عائد کرتے ہیں، ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہ اس نے قصداً بعض واقعات کو چھپایا ہے، جس سے اس کے آقا کی شہرت کو کافی نقصان پہنچا ہے، مگر اکبرنامہ کا مطالعہ کیا جائے تو الزام بالکل بے بنیاد معلوم ہوتا ہے، اگر اسکی تصنیف کا ہم مشرق کی دوسری تاریخوں سے مقابلہ کریں، تو پتہ چلے گا، کہ وہ تعریف کرتا ہے، لیکن کم اور خاص انداز اور کمال سے جو کوئی دوسرا ہندوستانی مورخ نہیں کر سکتا ہے، علی

مورّخوں میں سے کوئی اس پر خوشامد کا الزام عائد نہیں کرتا، اور اگر ہم یہ ذہن نشین کر لیں، کہ مشرق کی تمام کتابیں حکمراں کی رائے سے متفق اور متبع ہونا ضروری قرار دیتی ہیں، خواہ وہ اچھی ہو، یا بری تو پھر ابوالفضل قابلِ معافی ہے، وہ اس لئے تعریف کرتا ہے، کہ اس نے حقیقۃً ایک سچا ہیرو پالیا ہے[۱]

اسی بات کو محمد حسین آزاد اپنے مخصوص انداز میں اس طرح لکھتے ہیں" جن لوگوں کے دماغوں میں نئی روشنی سے اجالا ہو گیا ہے، وہ اس کی تصنیفات کو پڑھکر یہ لکھتے ہیں، کہ ابوالفضل ایشیائی انشا پردازوں میں سب سے بڑا مبالغہ پرداز مصنف تھا، اس نے اکبرنامہ اور آئینِ اکبری کے لکھنے میں فارسی کی پرانی لیاقت کو تازہ کیا ہے، اس نے خوش بیانی اور یاوہ سرائی کے پردہ میں اکبر کی خوبیاں دکھائی ہیں، اور عیب اس طرح چھپائے ہیں، کہ جس کے پڑھنے سے ممدوح اور مدّاح دونوں سے نفرت ہوتی ہے، اور دونوں کی ذات وصفات پر بٹہ لگتا ہے، البتہ بڑا علامہ، عاقل، دانا، مدبر تھا، دنیا کے کاموں کے لئے جیسی عقل کی ضرورت ہے، وہ اس میں ضرور تھی، آزاد کہتا ہے کہ جو کچھ الفاظ وعبارت کے پڑھنے والوں نے کہا یہ بھی ہے کہ لیکن وہ مجبور تھا، کیونکہ فارسی کا ڈھنگ چھ سو برس سے یہی چلا آتا تھا، اس کی ایجادوں نے بہت اصلاح کی ہے، اور خرابیوں کو سنبھالا ہے، باوجود اس کے جو زبان کے ماہر ہیں، اور رموزِ سخن کے تاڑنے والے ہیں، اور کلام کے انداز اور اداؤں کو جانتے اور پہچانتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ کہا اور جس پیرایہ میں کہا، کوئی بات اٹھا نہیں رکھی اصل حقیقت کو لکھ دیا ہے، اور انشا پردازی کا آئینہ اوپر رکھدیا ہے کہ اوسی کا کام تھا، یہ بھی اسی کا کام تھا، کہ سب کچھ کہہ دیا، اور جن سے نہ کہنا تھا وہ کچھ بھی نہ سمجھے، اور اب تک بھی نہیں سمجھتے، خوشامد کی بات کو ہم نہیں مانتے، ہر زبان کی تاریخیں موجود ہیں، کون سا مورّخ ہے کہ خوشامد، شاہ اور حمایت قوم سے پاک ہو، وہ اپنے آقا کا ایک نمک حلال وفادار نوکر تھا، اسی کے انصاف سے اسکے خاندان کی عزت

---

[۱] بلاخمن تمہید آئینِ اکبری،

آبرو بھی، اسی کی قدردانی سے رُکن سلطنت ہو گیا، اسی کی پرورش سے تصنیفات ہوئین، اور انھوں نے بلکہ خود اُس نے صدہا سال عمر پائی، خوشامد کیا چیز ہے ؟ اس کا دل تو عبادت کرتا ہوگا، اور جان لوٹ لوٹ کر خاک راہ ہوئی جاتی ہوگی، اُس نے بہت سا ادب ظاہر کیا تشکریہ ادا کیا، لوگوں نے خوشامد نام رکھا[1]"

صاحب مآثر الامرا ابوالفضل کے انشار اور اکبر نامہ کے متعلق لکھتا ہے :-

قطع نظر از ہمہ چیز شیخ در فن انشا طرفہ سحر بکار بردہ، باآنکہ از تکلفات منشیانہ و تصانعات مترسلانہ عاری است اما متانت سخن و استحوان بندی کلمات و نشست مفردات و تراکیب مستحسنہ و فقرات بیگانہ قسمے است کہ دیگرے را تتبع بدشواری میسر است و شاہد این مدعا تاریخ اکبری است، و چون التزام نمودہ (کہ بیشتر الفاظ فارسی باشد) لہذا گفتہ اند کہ شیخ خمسہ نظامی نثر کردہ، و از کمال مہارت اوست، درین فن کہ مطالب بسیارے بدیہی البطلان را بنا بر قصداً و تناؤ، در بادی الرائے بہ تمہیدا تے چند تحریر نمودہ کہ بے امعان نظر بے بمقصود نتوان برد[2]"

ان تاریخون کے علاوہ نثر و نظم کی بہت سی کتابیں اکبر کی فرمائش پر لکھی گئیں، ملک الشعرا ابوالفیض فیضی فیاضی نے نظامی کے خمسہ کی زمین میں پانچ مثنویاں لکھین، خسرو شیرین کے مقابل میں سلیمان و بلقیس، اور لیلیٰ مجنوں کے طرز پر نل دمن لکھی، ان دونوں میں علحدہ علحدہ چار ہزار اشعار تھے، ہفت پیکر کے وزن پر ہفت کشور اور سکندر نامہ کے جواب میں اکبر نامہ لکھی، جو پانچ ہزار پر مشتمل تھیں، مخزن اسرار کے مقابلہ مین مرکز ادوار لکھی، جس میں تین ہزار ابیات تھین[3]،

فیضی نے کلام مجید کی ایک بے نقط تفسیر سواطع الالہام بھی لکھی، جس کے صلہ میں اکبر نے دس ہزار روپیے دیئے، اس نے اخلاقیات پر ایک بے نقط کتاب سوارد الکلام بھی تالیف کی تھی[4]۔

(باقی)

---

[1] دربار اکبری، مطبع رفاہ عام لاہور، ص ۵۰۱۔ [2] مآثر الامرا جلد دوم ص ۶۲۲۔ [3] ایضاً ص ۵۸۸۔ [4] ایضاً ص ۵۸۸۔

دیوان شمس تبریز اور مولانا روم

از جناب غلام دستگیر صاحب رشید ایم اے استاذ فارسی نظام کالج حیدر آباد دکن

(۵)

عطار اور سنائی کا ذکر، مولینا روم حضرت عطار، اور سنائی کے پیام اور کلام دونوں سے متاثر ہوئے ہیں، اسلئے مختلف مقامات پر ان کی مدح فرمائی ہے، جو بجائے خود اس امر کی ایک دلیل ہے کہ یہ اشعار مولینا کے ہیں، اور اس سے دیوان شمس تبریز کا مولینا کا کلام ہونا ثابت ہوتا ہے،

وہمچنین باز فرمودہ است،

مثنوی سلطان ولد	دیوان
حلاج اشارت گو از خلق بدار آمد،	حلاج اشارت کو از خلق پدید آمد
از تندئی اسرارم حلاج زند دارم	از تندئی اسرارم حلاج زند دارم[1]
(یہ شعر سپہ سالار میں ہے ص ۴۲)	(ک ۱۰ س)

ہم نے اوپر مثنوی سلطان ولد سے منتخبہ اشعار اور ان کے مقابل دیوان شمس تبریز سے وہی اشعار منتخب کرکے درج کر دیئے ہیں، یہ ایک برہان ساطع ہے، جس سے ہم دیوان شمس کو مولینا روم کا کلام ماننے پر مجبور ہیں،

فیہ مافیہ کی شہادت، فیہ مافیہ خود مولینا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات عالیہ کے مجموعہ کا نام ہے، اس کتاب کا صرف نام ہی نام سنتے تھے، مولینا کے عہد سے اب تک کبھی شائع

---

[1] یہ شعر سپہ سالار میں بھی ہے، منصور اشارت گو از خلق بدار آمد۔ از تندئی اسرارم حلاج زند دارم ص ۲

نہ ہوئی تھی، ہاں حیدرآباد کو یہ فخر حاصل ہے، کہ کتب خانہ آصفیہ میں اس کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے،

رام پور کے کتبخانہ میں اس کا ایک نسخہ مولانا عبد الماجد صاحب دریا بادی مدیر صدق کے ہاتھ لگا، انھوں نے ہندوستان اور قسطنطنیہ کے کتبخانون کے نسخون سے مقابلہ کرنے کے بعد تذکرہ اور تبصرہ کیساتھ پہلی مرتبہ اسے چھپواکر شائع کیا ہے، اب اس نعمتِ غیر مترقبہ سے ہر اہلِ دل استفادہ کر سکتا ہے، ع:-

صلاے عام ہے یارانِ نکتہ دان کے لئے

مولینائے روم نے اس میں بھی بعض جگہ اپنے اشعار درج کئے ہین، ان میں ایسے بھی ہین، جو دیوان شمس تبریز میں ملتے ہین، جس سے ہمارے دعوی کی تائید ہوتی ہے، کہ دیوان شمس تبریز مولینا کے کلام کا مجموعہ ہے،

مولانا کی ایک مشہور اور مخصوص غزل کا ایک مصرع ہے،

فیہ مافیہ	دیوان شمس تبریز
مفروش خویش ارزان کہ توبس گرانبہائی	مفروش خویش ارزان کہ توبس گرانبہائی
(ص ۱۸)	(رک ۹۰۶)
فیہ مافیہ	دیوان شمس تبریز،
جزو در ویشند جملہ نیک و بد[1]،	جزو در ویشند جملہ نیک و بد

[1] یہ شعر مناقب العارفین میں بھی ہے (قلمی نسخہ کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن) ممکن ہے کہ بعض لوگ یہ سوال کرین کہ صرف فیہ مافیہ میں ہونے سے اس کا کسطرح علم ہوا کہ یہ اشعار خاص مولینا ہی کے ہین، لیکن جب یہ شعر مناقب میں تصریح کیساتھ پایا جاتا ہے اور دیوان میں بھی ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ یہ اشعار مولینا ہی کے ہین،

ور نباشد این چنین درویش نیست | ہر کہ نبود او چنین درویش نیست
(ص ۲۴۰ یہ شعر مناقب میں بھی ہے) | (ک ۱۵۹)

فرشتہ است بعلم و بہیمہ است بجہل | فرشتہ است بعلم و بہیمہ است بجہل
میان این دو منازع بماند مردم زاد | میان آن دو منازع بماند مردم زاد
(ص ۸۵) | (ک ۳۲۱)

گویا یہ خود مولینا کی شہادت ہے، متاخرین، متقدمین، ہمعصر اور ہمدم و ہم صحبت اصحاب کرام کی شہادت کے بعد ہم نے خود مولینا کی شہادت بھی نقل کر دی ہے، ان اشعار سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہوا کہ دیوان شمس تبریز مولینا کے نتائج افکار میں سے ہی، فیہ ما فیہ کی شہادت قوی تر ہے، اس سے ہماری دلیل بھی قوی ترین ہوجاتی ہی،

ایک خاص اور اہم شہادت کتبخانہ آصفیہ میں مولانائے روم کے کلام کا ایک گرانقدر "مجموعۂ غزلیات مولینا ے روم و فرزند مولینا ے روم" کے نام سے ہی جس میں ان دونوں کی غزلوں کا یہ ایک نہایت بیش قیمت انتخاب ہی، یہ نسخہ قلمی ہی، خط نہایت خوبصورت اور پختہ ہے، ایرانی طرز کی ایک نہایت نفیس سوختہ چرمی جلد ہی لیکن شکستہ، جلد کے درمیان میں نہایت پاکیزہ خط میں درود شریف لکھا ہوا ہی، حاشیوں پر کلمات تسبیح درج ہیں، کتاب پر نہ نام درج ہے، اور نہ سنہ کتابت، ۱۳۳۱ھ میں غالباً عابد نواز جنگ سے کتبخانہ آصفیہ کے لئے خریدی گئی ہے[1]،

قطعی طور پر یہ کہنا مشکل ہے، کہ یہ نسخہ کسقدر قدیم ہے، اگر اس کا مثنوی سلطان ولد کے مذکورۂ بالا قدیم قلمی نسخے سے جسکی کتابت ان کی وفات[2] کے چھ سال بعد پایہ تکمیل کو پہنچی ہو مقابلہ کیا جائے

[1] کتبخانۂ آصفیہ..... دواوین فارسی نمبر ۳۴۳ [2] سلطان ولد کا سنہ وفات ۷۱۲ھ ہی آخر شب روز شنبہ دہم رجب سنہ اثنی عشر و سبعمائۃ در پردہ نور مستور شد اور اختتام کتابت کی تاریخ ۷۱۸ھ ہی جو خاتمہ کتاب پر بقلم کاتب درج ہی

اور مختلف پہلوؤں پر غور کیا جائے تو غزلیات کا یہ نسخہ مثنوی رباب نامہ کے اس نسخہ سے قریب العہد معلوم ہوتا ہے، باوجود نہایت خوشخط اور صاف ہونے کے مثنوی کے اس نسخہ سے زیادہ اس کا کاغذ گل گیا ہے، اس کا شیرازہ بھی بکھرا ہوا ہے،

اس میں مولینا روم اور سلطان ولد (فرزند مولانا روم) دونوں کی غزلیات ہیں لیکن مخلوط ترتیب ایسی نہیں کہ پہلے کسی کی غزلیں ہوں، اور بعد دوسرے کی،

غزلیات میں بھی ردیف وغیرہ کے اعتبار سے کوئی خاص ترتیب نہیں، اکثر باپ اور بیٹے کی ہم قافیہ اور ہم ردیف غزلیں ساتھ ساتھ درج ہیں، جیسے کسی کو دونوں شعرا کے کلام کا موازنہ اور مقابلہ مقصود ہو،

لوالدہ۔ اے تو ز خوبی خویش آئینہ را مشتری	سوختہ با د آئینہ ما تو دران ننگری
لولدہ۔ اے ہمہ خوبان ترا از دل و جان مشتری	تا سوی ایشان ہمایکنفسی بنگری
لوالدہ قرۃ العینی منی اے جان بلے،	ماہ بدری کرد ما کرداں بلے،
لولدہ۔ ولد این بوزن گفت مولانا بو،	قرۃ العینی منی اے جان بلے،

اس آخری شعر سے ظاہر ہوتا ہے، سلطان ولد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ غزلیات مولانائے روم کی غزلیات پر لکھی ہیں، اور اس انتخاب میں تقریبًا ساری غزلیات اسی نوعیت کی ہیں، غزلیات کا انتخاب مرتب کے حسنِ ذوق اور سخن شناسی کی دلیل ہے، مولانا کی ہر غزل پر "لوالدہ" اور سلطان ولد کی غزل پر "لولدہ" لکھا ہوا ہے،

خاص بات اور قابلِ غور و فکر امر یہ ہے کہ ہر غزل سے پہلے "لوالدہ" اور "لولدہ" کے الفاظ کے بعد مرتب مذکور احترامًا خاص خاص دعائیہ جملے لکھتا ہے جس سے حضرات شعرا کیساتھ اسکی دلی عقیدت کے علاوہ اسکا کمال علم و فضل بھی ظاہر ہوتا ہے، مثالًا ملاحظہ ہو،

لولدہ	اصلح اللہ شانہٗ	لوالدہ	غفر اللہ ذنوبہ،
لولدہ	عفی اللہ عنہ،	لوالدہ	اعز اللہ نصرہ،
لولدہ	اجل اللہ قدرہ،	لوالدہ	اجل اللہ قدرہ،
لولدہ	طیب اللہ تربتہٗ	لوالدہ	طاب اللہ مرقدہٗ
لولدہ	نور اللہ مضجعہٗ	لوالدہ	طاب اللہ تربتہ،
		لوالدہ	رحمۃ اللہ علیہ،

یہ مختلف فقرے اس طرح استعمال کیے گئے ہین، کہ بعض پر یہ گمان ہوتا ہے، کہ ممدوح کے زمانہ حیات میں لکھے گئے ہین، جیسے "اصلح اللہ شانہ"، "اعز اللہ نصرہ" اور بعض سے ظاہر ہے کہ موت کے بعد لکھے گئے ہین، جیسے "طاب اللہ مرقدہ"، "نور اللہ مضجعہ"، مولینائے روم اور ان کے خلفائے محترم کے معتقد اور مخصوص تذکرہ نویس فریدون سپہ سالار اور شمس الدین افلاکی صاحب مناقب العارفین ہین، انکے بعد تذکرہ نویسون کا ایک طویل سلسلہ ہے، لیکن اور تذکرون میں تو یہ بات نہیں ہے، ان دونون حضرات نے القاب و آداب اور ایسے دعائیہ جملے اپنی اپنی تحریرون میں استعمال کیے ہین، لیکن مناقب میں افلاکی کا یہ رنگ نہیں، البتہ سپہ سالار کی القاب نویسی مین دعائیہ جملوں کے لکھنے کا رنگ قریب قریب بلکہ بالکلیہ اس کے مشابہ ہے، عربیت، ترکیب اور بندش بھی ایسی ہی جس سے اسکے جوشِ عقیدت اور قدرتِ زبان کا پتہ چلتا ہے، سپہ سالار میں بھی یہی بات آپ پائیں گے، مثالین ملاحظہ ہون،

مولینا کے نام کیساتھ "قال الشیخ قدس اللہ روحہٗ (سپہ سالار ص ۳) عظم اللہ ذکرہم (سپہ سالار ص ۱۴) در ذکر حضرت خداوندگار قدس اللہ سرہٗ العزیز (سپہ سالار ص ۱۳) قدسنا اللہ سرہ العزیز (سپہ سالار ص ۱۵) بیض اللہ وجہہ العزیز (سپہ سالار ص ۲۲) عظم اللہ جلال قدرہ (سپہ سالار ص ۲۳) بیض اللہ تعالیٰ وجہہ (سپہ سالار ص ۲۶) شیخ اوحد الدین کرمانی رحمۃ اللہ علیہ" سلطان سعید رکن الدین نور اللہ قبرہ، حضرت شمس عظم اللہ

ذکرہ (سپہ سالار ص ۶۲) عظم اللہ جلال قدرہٗ ص ۶۳، مرا ئمہ صلاح الدین بیض اللہ غرتہ (سپہ سالار ص ۶۶)

سلطان ولد۔ رضی اللہ عنہ، وعن اسلافہ ص ۷۰، قدسنا اللہ بسرہ (سپہ سالار ص ۷۶)

بیض اللہ غرتہ (سپہ سالار ص ۷۹)

سلطان شمس الدین عابد۔ اسبغ اللہ ظلہٗ، چلپی عارف نور اللہ ضریحہ،

القاب وآداب کا تو یہ رنگ پیش نظر ہو گیا ہے، مشابہت ومشارکت کا اندازہ ہو گیا، جیسے اسمیں بعض القاب کی تکرار ہوتی ہے، اس منتخبہ نسخہ میں بھی القاب کی تکرار کا یہی حال ہے،

سپہ سالار میں بعض القاب مختلف حضرات کیلئے مشترک طور پر استعمال ہوئے ہیں، تو غزلیات کے اس انتخاب میں بھی مولینا اور سلطان ولد کے لئے بعض القاب مشترک طور پر استعمال ہوئے ہیں، مثلاً اجل اللہ قدرہ، طاب اللہ تربتہ، یہ صرف ہمارا ایک گمان اور قیاس ہے، (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال،)

کیا اس نسخہ کی غزلیات منتخبہ مولانا ہی کی ہیں

ہمنے اوپر بیان کیا ہے کہ نسخہ پر کتاب کا کوئی نام درج نہیں ہے، صرف فہرست کتبخانہ میں اس کا نام "غزلیات مولینا روم اور فرزند مولینا روم" ہے، ابتدا اور آخر کے چند صفحات غائب ہیں، البتہ صرف ہر غزل کے سرے پر الفاظ "والدہ" اور "ولدہ" درج ہیں، ممکن ہے کوئی یہ سوال کرے کہ اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہ والد اور ولد سے مراد مولینا روم اور سلطان ولد ہیں، اور یہ انہی کے کلام بلاغت نظام کا انتخاب ہے،

اس کا جواب یہ ہے کہ

تقریباً سلطان ولد کی ساری غزلیات میں جن کے آغاز میں "ولدہ" لکھا ہوا ہے، انکا تخلص موجود ہے، جیسے :-

مغز مغزی اے ولد ہم جان جان مرد خرد ‌ ‌ ‌ ‌ علما و عقلا در پیش حسنت چون پسر

(ورق ۸ سے پہلے کا صفحہ)

ہین ولد پیدا مکن اسرار عشق شاہ را غیرت حق آتش است افزون مکن خاموش بیں

اے ولد چون راہ معنی را گزیدی لاجرم ہم تو شاہی ہم سپاہی ہم امالی ہم امین

(ورق ۹ سے پہلے کا صفحہ)

لب ببند ازین گفتن بس کن ز گہر سفتن یکبارہ ولد ہر دم اسرار مکن پیدا

(ورق ۰۵ سے پہلے کا صفحہ)

گشتست ولد بیجان زان زلف دو صد حلقہ در حلقہ جان او مہر تو نگیں بادا

(ورق ۰۶ سے پہلے کا صفحہ)

جب سلطان ولد کی غزلیات واقعی انہی کی ہیں، اور انتخاب کنندہ کا اندراج صحیح ہے، تو اس محل پر اس امر میں شک وشبہہ کی کوئی وجہ نہیں کہ انھوں نے جن غزلیات پر "لوالدہ" لکھا ہے وہ مولانائے روم ہی کی ہیں، اگر وہ صحیح ہے تو یہ بھی درست ہے،

ایک بدیہی ثبوت، اس سے قوی تر ایک اور ثبوت بھی ہمارے یہاں موجود ہے، وہ یہ ہے، کہ بعض غزلیات کے چند اشعار جو اس گلدستہ انتخاب میں ہیں، تصریح اور توضیح کے ساتھ سپہسالار میں بھی پائے جاتے ہیں، جو مولانائے معنوی کا معتبر ترین تذکرہ ہے، بعض اشعار سپہ سالار اور مناقب العارفین دونوں میں پائے جاتے ہیں، یہ اس امر کا بدیہی ثبوت ہے، کہ نسخہ مذکور کی منتخبہ غزلیات بلاشبہہ مولانا ہی کی ہیں،

یہ تو دعوی ہے اب دلیل ملاحظہ ہو،

غزلیات مولینا روم وفرزند مولینا روم،	سپہسالار	مناقب العارفین
سر قدم کردیم و آخر سوئے جیحون تاختیم	سر قدم کردیم و آخر سوئے جیحون تاختیم	سر قدم کردیم و آخر سوئے جیحون تاختیم

لہ شمار اس نسخہ میں بھی اوراق کا ہے، صفحات کا نہیں،

غزلیات مولینا روم فرزند مولینا روم	سپہ سالار	مناقب العارفین
عالمے برہم زدیم وچست بیرون تاختیم	عالمے برہم زدیم وچست بیرون تاختیم	عالمے برہم زدیم وچست بیرون تاختیم
چون براق عشق عرشی بود زیران ما	چوں براق عشق عرشی بود زیران ما	چون براق عشق عرشی بود زیران ما
گنبدی کردیم سوئے چرخ گردون تاختیم	گنبدی کردیم سوے چرخ گردون تاختیم	گنبدی کردیم سوئے چرخ گردون تاختیم
عالم چون امثال ذرہ ہا برہم زدیم	عالم چوں رامثال ذرہ ہا برہم زدیم	عالم چون رامثال ذرہا برہم زدیم
تا بہ پیش تخت آن سلطان بیچون تاختیم	تا بہ پیش تخت آں سلطان بیچوں تاختیم	تا بہ پیش تخت آن سلطان بیچون تاختیم

باروے تو ز سبزہ و گلزار فارغیم ۲ باروئے تو ز سبزہ و گلزار فارغیم

با چشم تو ز بادۂ و خمار فارغیم با چشم تو ز بادۂ و خمار فارغیم

(یہاں اوراق[1] کا نمبر نہیں ہے) (سپہ سالار)

سالکان راہ را محرم شدم ۲ سالکان راہ را محرم شدم

ساکنان قدس را ہمدم شدم ساکنان قدس را ہمدم شدم

(اوراق کا نمبر نہیں) (ص ۲۵)

اس قطعی دلیل کے علاوہ اس امر کی ایک اور داخلی شہادت بھی موجود ہے، اسی نسخہ کی ایک غزل میں مولانا نے سلطان ولد سے خطاب کیا ہے، فرماتے ہیں،

ہمچو کہ مردان ولد جوئی رضائے احد ہم بطلب زر دمد عمر بپایان رسید

سلطان ولد اسی قافیہ ورد یف کی غزل میں جو انتخاب میں اسی کے بعد درج ہے، اس کا ذکر فرماتے ہیں،

---

[1] کتب خانہ کے منتظمین نے کتاب کے اوراق شمار کئے ہین، چند اوراق کے بعد انھوں نے کتاب کو بلا شمار چھوڑ دیا ہے،

والد گفت اے ولد ہستم آن صدر — کہ رسدت جان من عمر چو پایان رسید

(ورق ۹۰ سے پہلے کا صفحہ)

ایک اور شعر میں مولینا نے سلطان ولد کو مخاطب فرمایا ہے،

گوہر عشقت کجا یابد ولد، — چون وراے ہفت دریا آمدی

اس ثبوت کے بعد سارا شک یقین سے بدل گیا کہ اس انتخاب میں جو غزلیات مولینا کی طرف منسوب ہیں، وہ انہی کی ہیں، اب ہم تحقیق و مقابلہ سے ظاہر کریں گے کہ یہ غزلیات دیوان شمس تبریز میں بھی پائی جاتی ہیں، جس سے ہمارا مدعا قطعی طور پر ثابت ہو جائے گا کہ دیوان شمس تبریز مولانائے روم کا کلام ہے، مقابلہ پیش نظر ہے، طوالت کے خوف سے ہم نے اکثر غزل کا صرف مطلع اور مقطع نقل کیا ہے، ورنہ ان غزلیات کے اکثر اشعار انتخاب میں شامل ہیں،

غزلیات مولینا روم و فرزند مولانا	دیوان شمس تبریز
لوالدہٗ قدس اللہ وجہہ،	
اندرآ ای اصل اصل شادمانی شاد باش	اندرآ ای اصل اصل شادمانی شاد باش
اندرآ ای آب آب زندگانی شاد باش	اندرآ ای آب آب زندگانی شاد باش
گوہر آدم بعالم شمس تبریزی توئی	گوہر آدم بعالم شمس تبریزی توئی
از تو حیران شدہ بحر معانی شاد باش	از تو حیران شدہ بحر معانی شاد باش
(ورق ۱ سے پہلے کا صفحہ)	(کلیات شمس تبریز لکھنؤ ص۱۳۲)

مقطع میں شمس تبریز کا نام اور تعریف قابل غور ہے،

لوالدہ طیب اللہ مرقدہ،	
سر قدم کردیم و آخر سوے جیحون تاختیم ۲	سر قدم کردیم و آخر سوے جیحون تاختیم

عالمی برہم زدیم و چست برون تاختیم	عالمی برہم زدیم و جست بیرون تاختیم
سوی شمع شمس تبریزی بہ بیشۂ شیر جان	سوی شمع شمس تبریزی بہ بیشۂ شیر جان
بودہ پروانہ تہ پنداری کہ اکنون تاختیم	بودہ پروانہ نہ پنداری کہ اکنون تاختیم
(ورق ۶)	(ک ۵۲۹ و ص ۲۱۰)

لوالدہ عفی اللہ عنہ

۳

ای تو جانِ صد گلستان از زمین پنہان شدی	ای تو جانِ صد گلستان از زمین پنہان شدی
ای تو جان جان جانم چون زمین پنہان شدی	ای تو جان جان جانم چون زمن پنہان شدی
شمس تبریزی بجای رفتہ چو یوسفی،	شمس تبریزی بجاہی رفتہ چون یوسفی
ای تو آبِ زندگی چون از زمین پنہان شدی	ای تو آبِ زندگی چون از زمین پنہان شدی
(ورق ۱۲)	(ک ردیف ی)

لوالدہ طاب اللہ مرقدہٗ

۴

آمدہ شہر صیام سنجق سلطان رسید	آمدہ ماہ صیام سنجق سلطان رسید
لشکر انوار جان کوری شیطان رسید	دست برار از طعام مائدہ جان رسید
(ورق ۸۷)	(ک ۲۹۰)

لوالدہٗ نور اللہ مرقدہ

۵

صبحدمی ہمچو صبح پردۂ ظلمت درید	صبحدمی ہمچو صبح پردۂ ظلمت درید،
نیم شبے ناگہان صبح قیامت دمید	نیم شبے ناگہان صبح قیامت دمید
چون کہ تبریز چشم شمس حقم را پدید،	چون کہ تبریز چشم شمس حقم را پدید
گفت حقش پرشوی گفت بلی من مزید	گفت حقش پرشدی گفت بلی من مزید
(ورق ۹۰)	(ک ۳۰۱)

لوالدہ عفی اللہ عنہ ۶

شاہ کشاد است و دیدہ شہ بین کجا کراست | شاہ کشا دست او دیدہ شہ بین کراست
بادہ گلگون شہ برگل و نسرین چراست | بادہ گلگون شہ برگل و نسرین کراست
خسرو جان شمس دین مفخر تبریزیان | خسرو جان شمس دیں مفخر تبریزیان
در دو جہان ہمچو او شاہ خوش آئین کراست | در دو جہان ہمچو او شدہ خوش آئین کراست
(ورق ۵۹ سے پہلے کا صفحہ) | (دیوان شمس تبریز ص ۹۳)

لوالدہ سر اللہ عیوبہ ۷

برچرخ سحرگاہ یکی ماہ عیان شد | برچرخ سحرگاہ یکی ماہ عیان شد
از چرخ فرود آمد و در ما نگران شد | از چرخ فرود آمد و در ما نگران شد
بے دولت مخدومی شمس الحق تبریز | بے دولت مخدومی شمس الحق تبریز
نے ماہ توان دیدن و نے بحر توان شد | نے ماہ توان دیدن و نے بحر توان شد
(ورق کا شمار نہیں) | (دیوان شمس تبریز ص ۸۳)

لوالدہ اصلح اللہ شانہ ۸

اے بہار سبز و تر شاد آمدی | اے بہار سبز و تر شاد آمدی
وے نگار سیمبر شاد آمدی | وے نگار سیمبر شاد آمدی
شمس تبریزی کہ عالم از رخت، | شمس تبریزی کہ عالم از رخت،
ہست مست و بے خبر شاد آمدی | ہست مست و بے خبر شاد آمدی
(ورق بلا شمار ہے) | (دیوان شمس تبریز ص ۲۶۲)

لوالدہ غفر اللہ ذنوبہ

۹

سالکانِ راہ را ہمدم شدم سالکانِ راہ را محرم شدم
ساکنانِ قدس را ہمدم شدم ساکنانِ قدس را ہمدم شدم
عید اگر شمس تبریزی بود، عید جانم شمس تبریزی بود
عید را قربانی اعظم شدم، عید را قربانی اعظم شدم

اس سے یہ حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے، کہ دیوان شمس تبریزؒ مولینائے روم کی طبع آزمائی کا نتیجہ ہے، اور انہی کے وارداتِ قلب کا ترجمان ہی،

اسکے علاوہ یہان دو باتین ہماری توجہ کو اپنی طرف منعطف کرتی ہین، ایک تو یہ ہے کہ ان منتخبہ غزلیات میں بھی مقطعون میں حضرت شمس کا ذکر اور ان کی مدح آتی ہے، ٹھیک اسی طرح کم وبیش دیوان کی ساری غزلیات میں حضرت شمس کا نام اسی انداز کی تعریف و توصیف کے ساتھ آتا ہے، بادی النظر میں یہی پہلی وجہ ہوتی ہے، جس سے ناظر یہ خیال کرتا ہے، کہ یہ حضرت شمس کا کلام ہے، لیکن انتخاب کی ان غزلیات اور ان کے مقاطع میں حضرت شمس کے نام نے اس خیال کو باطل کر دیا، اور یہی نتیجہ دیوان کے بغور مطالعہ کے بعد حاصل ہوتا ہے، اس نسخہ کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ مرتب کو اس میں بالکل شبہہ نہ تھا، کہ یہ کلام مولینا کا ہی، صاف معلوم ہوتا ہے، اُسنے کامل یقین اور اذعان اور مطالعہ کے بعد ان غزلیات کا انتخاب کیا ہے، اس بات نے ہمارے مدعا کو روشن تر کر دیا ہے،

(باقی)

صوبہ بہار کے ایک قدیم خانوادہ

کے

دینی و علمی خدمات

از مولوی سید محمد طٰہٰ اشرف صاحب استھوی،

(۲)

حضرت مولینا قاضی رفیع الزمان، یہ حضرت مولینا قاضی بدیع الزمان صاحب علیہ الرحمہ کے صاحبزادے اور خلف الرشید ہیں، یہ بھی اپنے عہد میں قاضی رہے، اور اپنے والد بزرگوار کے بعد جانشین ہوئے، علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل اپنے جد امجد حضرت مولوی معنوی مولینا محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ سے فرمائی، اور خلافت و اجازت اپنے والد ماجد سے،

"ربیع الثانی سنہ ۱۲۰۰ھ میں انھوں نے وفات پائی، نام کا سجع "وھو الرفیع" مہر پر کندہ تھا،

حضرت قاضی محمد شاکر، یہ حضرت مخدوم بدھ صوفی اور حضرت ملا کریم اللہ کی اولاد احفاد میں ہیں، ان کے آبا و اجداد عہدۂ قضا اور دیگر خدمات سلطانی پر مامور ہو کر بہار شریف اور دوسرے دوسرے مقامات پر بھیجے گئے تھے، اور وہیں مقیم ہو گئے تھے، اسی سبیل سے ان کے بزرگوں نے بکٹھ پور متصل نوآبادہ میں اقامت اختیار فرمائی تھی، پھر ان کے صاحبزادے حضرت قاضی محمد صابر صاحب کی شادی حضرت مولوی معنوی کی پرپوتی، مولینا رفیع رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی سے ہوئی، اور اس طرح یہ خاندان بھی استھواں آکر مقیم ہو گیا،

یہ بھی عہدۂ قضا پر مامور تھے، اور ان کے نام سے بہت بڑی بڑی جاگیرون کی سند ہے حضرت محمد شاہ بادشاہ غازی کے کئی مکتوب ادن کے نام سے محفوظ ہین،

ان بزرگون کے علاوہ انہی بزرگون کے قریب العہد اور ہمعصر اور بھی اکثر بزرگون کے نام و نشان ملتے ہیں، اور فرامین شاہی میں بہت تعظیم و تکریم سے ان کا نام لیا گیا ہے، مثلاً زبدۃ الواصلین قدوۃ العارفین مولوی شیخ محمد منہاج الدین متوکل گوشہ نشین، زبدۃ الواصلین حضرت شیخ داؤد ابدال، حضرت ملا شیخ عبد الرحیم حضرت سید بدر عالم یکے از فرزندان غوث الاعظم حضرت سید محمد فاضل، حضرت غیاث الدین کنج نشین، قاضی شمس الدین حقانی وغیرہ ان مین سے اکثر اسی تھوا میں آسودۂ خواب ہین، اور ان کا مزار ایک ہی حلقہ کے اندر ہے،

اس خاندان کے آخری دور میں چند قابلِ قدر علمی ہستیان اور بھی گذری ہیں، اگرچہ دور زمانہ نے ان بزرگون کے علمی کارنامون پر بھی بہت کچھ پردہ ڈال دیا ہے، پھر بھی کوئی ایسی مدت نہیں گذری، اسلئے بہت کچھ نقوش باقی ہیں،

حضرت مولینا سید شاہ احمد حسین | یہ حضرت مولینا عبد الحی صاحب لکھنوی کے ہمعصر اور زبردست عالم تھے، ان کے قوائے دماغی اور قوتِ حافظہ کا یہ عالم تھا، کہ بیک نشست پانچ پانچ چھ چھ مقتدی مختلف موضوعات کو قلمبند کرتے جاتے تھے، اور یہ سبھون کو بلا وقت مسلسل مضمون لکھواتے جاتے تھے،

انھیں زمینداری کے کامون میں زیادہ مصروفیت رہی، اور ایک بڑی آمدنی کے انتظام اور رئیسانہ طرزِ معاشرت کے باوجود درس و تدریس تصنیف و تالیف کا سلسلہ برابر جاری رہا، ان کے شاگردون میں صوبہ بہار کے مشہور واعظ اور خطیب مولینا قادر بخش صاحب سہسرامی تھے، جنھون نے عرصہ تک ان سے تحصیل علم کی، اور آخر میں مولینا عبد الحی صاحب سے تکمیل فرمائی،

شعر و شاعری سے کوئی خاص ذوق نہ تھا، مگر طبعی مناسبت رکھتے تھے، ان کا یہ لطیفہ مشہور ہے کہ مولوی غلام احمد سعید صاحب کے یہان شب کے وقت تشریف لیجا رہے تھے، لالٹین ساتھ تھی کچھ دور ہی تھے، کہ شہید صاحب نے پکارا "کس کی یہ لالٹین آتی ہے"، انھون نے برجستہ جواب دیا، شمع

احمد حسین آتی ہے حضرت شہید صاحب اس برجستہ مصرعہ پر ہیں ترک (دستخط)

سنہ ۱۳۰۲ھ میں انہوں نے وفات پائی، اور حضرت شاہ کبیر درویش صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی خانقاہ سہسرام کے مقبرہ میں مدفون ہوئے، ان کی تصنیفات سے میرے پاس حسب ذیل کتابیں ہیں،

(۱) القول المحمود فی بیان محفل المولود، مجلس میلاد کے جواز و عدم جواز کا معرکۃ الآرا مسئلہ اس زمانہ میں اچھا خاصہ علمی "دنگل" تھا، اوسی زمانہ کی یہ تصنیف ہے، کتاب طویل، دلچسپ اور مدلل ہے، قرآن و حدیث اور اجماع امت سے جواز میلاد پر دلائل پیش کئے گئے ہیں، اور پر زور طریقہ پر میلاد کا جواز و استحباب ثابت کیا گیا ہے، یہ کتاب اردو میں ہے، اور مطبوعہ ہے،

(۲) ترتیب المدارج، خلفائے اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مدارج کی تفصیل میں اہل سنت اور اہل تشیع کے اختلافات کی مدلل تائید اور پر زور تردید ہے، اور بالترتیب خلفائے راشدین کے مدارج کی تعیین میں ادلۂ شرعیہ سے پر زور طور پر کام لیا گیا ہے، یہ رسالہ مختصر اور مطبوعہ ہے،

(۳) دافع الوسواس من خواطر الناس اس میں غیر مقلدین کے پیچ در پیچ سوالات کے مفصل جوابات ہیں، یہ کتاب اچھی خاصی ضخیم اور قیمتی معلومات سے پر ہے، غیر مطبوعہ بلکہ اصل مسودہ ہے،

(۴) التقریر الانسب فی تحقیق النسب، نواب صدیق حسن خان نے ایک رسالہ لکھا تھا جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش فرمائی تھی، کہ ثبوت نسب صرف باپ سے ہو سکتا ہے، اگر کوئی شخص اپنا نسب ماں سے ثابت کرے تو وہ حدیث من انتمیٰ الی غیر ابیہ فقد کفر کی وعید میں داخل ہے، یہ رسالہ اسی رسالہ کی تردید میں لکھا گیا تھا، پہلے قرآن سے دلائل قائم کئے گئے ہیں، پھر حدیث سے، پھر اقوال فقہا سے بحث کی گئی ہے، اور بہت وضاحت کیساتھ یہ ثابت کر دیا گیا ہے، کہ ثبوت نسب میں ماں اور باپ دونوں کی حیثیت مساوی ہے،

رسالہ کی زبان عربی ہے، اس کا پیش نظر نسخہ مولینا قادر بخش صاحب سہسرامی نے اپنے ایام طالب علمی

میں اپنے قلم سے صاف کیا تھا،

"مجموعۂ تحریر در تعیین معنی کلمۂ توحید" مولینا عبد العزیز صاحب امروہوی اور حضرت مولینا سید شاہ احمد حسین صاحب سے کلمۂ توحید کے معنی کی تعیین میں تحریری مباحثہ رہا تھا، یہ وہی مجموعہ ہے، نحو وصرف حدیث وتفسیر، اقوال علماء وصوفیہ سے فریقین نے اپنے اپنے تبحر علمی کا ثبوت دیا ہے، رسالہ عجیب اور پر معلومات ہے،

حضرت مولنا حاجی سید شاہ ظہور الحسن رح یہ حضرت مولینا شاہ احمد حسین صاحب کے حقیقی بھائی تھے، علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل حضرت مولینا محمد موسیٰ صاحب ملتانی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمائی، جو اپنے عہد کے مشہور و باکمال عالم وصوفی تھے، مولینا شاہ احمد حسین صاحب بھی ان ہی کے تلمیذ رشید اور مسترشد تھے، اور جناب شاہ امین احمد صاحب فردوسی سجادہ نشین خانقاہ مخدوم الملک بہار شریف نے بھی موصوف سے تعلیم پائی، اور ارشاد لیا تھا، چنانچہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے اپنی ایک مثنوی میں اسکا تذکرہ فرمایا ہے،

بہر جناب محمد موسیٰ پیر و مرشد علم استاد، بہر امین و بہر ظہور و بہر احمد نیک نہاد

ان کے زہد و اتقا کا یہ عالم تھا، کہ عمر بھر روپیہ پیسہ کو ہاتھ تک نہ لگایا، جو کھانے کو مل گیا کھالیا، اور جو پہننے کو ملا پہن لیا، انہوں نے تین حج فرمائے تھے، اور دو سال حجاز و عراق اور دیگر مقامات مقدسہ کی سیر و سیاحت میں مصروف رہے، اور اثنائے قیام عرب میں بہت سے بیش قیمت اور نادر تبرکات بھی حاصل فرمائے تھے اور چونکہ تحقیق و تدقیق موصوف کی فطرت ثانیہ تھی، اس لئے ان تبرکات کے متعلق اسقدر چھان بین اور سلسلۂ اسناد پر اس طرح جرح و تعدیل فرمائی تھی، کہ ان کی صداقت اور اصلیت مین ذرا شک کی گنجایش نہ تھی، افسوس کہ وہ تبرکات ان ہی کے عہد مین چوری ہو گئے، جس کا موصوف کو بیحد صدمہ ہوا،

ان کے علم و کمال اور قوت حافظہ کا یہ عالم تھا، کہ جب آخر عمر میں آنکھوں کی روشنی جاتی رہی، اور خود لکھنے پڑھنے سے معذور ہو گئے، تو دوسرے سے لکھواتے تھے، جن مین اکثر کم علم اور قلیل المعلومات لوگ ہوتے تھے، اسلئے ثبوت و اسناد میں کتابون کے حوالہ کا کام اون سے ممکن نہ تھا، موصوف زبانی تعید

صفحہ وسطر کتابوں کا حوالہ درج کراتے تھے،

ایام قیام مکہ میں حضرت مولانا امداد اللہ صاحب مہاجر مکی علیہ الرحمۃ ایک روز مثنوی شریف کا درس دے رہے تھے، اور اکثر اہل علم اور ذی استعداد علما شریک درس تھے، آموصوف بھی اس صحبت میں شریک تھے، کسی مقام پر حضرت مولینا امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نے کچھ مطلب بیان فرماکر کہا کہ اس سے زیادہ دلچسپ اور معنی خیز مطلب کی تلاش وجستجو ہے، یہ سبق کل کے لئے ملتوی رہے، دوسرے دن بھی موصوف نے اسکو اگلے دن کے لئے اٹھا رکھا، حضرت مولینا سید شاہ ظہور الحسن صاحب علیہ الرحمہ نے چاہا کہ کچھ عرض کریں لیکن رعب علم اور ادب وتہذیب مانع ہوئے، تیسرے دن بھی یہی ہوا تو شاہ صاحب موصوف نے اسقدر دلچسپ اور پرزور مطلب بیان کیا کہ حضرت مولینا امداد اللہ صاحب علیہ الرحمۃ بیساختہ کھڑے ہوگیے، اور غایت مسرت میں ان سے لپٹ کر بے اختیار ان کی پیشانی پر بوسے دیئے،

انہوں نے عربی میں ایک رسالہ لکھا تھا، شاید اس کا نام مفتاح الرہبانی لفتح کنوز المعانی تھا، اس پر حرمین شریفین اور بغداد کے علما نے زبردست تقریظیں لکھیں تھیں، اور مولینا امداد اللہ صاحب علیہ الرحمہ نے بھی خوش ہوکر پرزور تقریظ لکھی، اور اسکے چھپوانے کی خاص طور پر تاکید کی تھی، افسوس کہ وہ رسالہ گم ہوگیا، اور تلاش کے باوجود ابتک نہ مل سکا،

علم الانساب مین انہیں خاص مہارت تھی، اور اپنے عہد میں اس فن مین یگانۂ روزگار سمجھے جاتے تھے،

موصوف کے ہمعصر اہل علم اور صوفیہ کرام مثلاً حضرت مولینا سید شاہ مرشد علی قادری بغدادی میدنی پوری، مولینا عبد العلیم صاحب آسی، مولینا سید شاہ بدر الدین صاحب پھلواروی سابق امیر شریعت، شیخ احمد دحلان مفتی احناف مکہ معظمہ، مولینا سید شاہ سلیمان صاحب پھلواروی، جناب شاہ اکبر صاحب داناپوری، جناب شاہ امین احمد صاحب سجادہ نشین بہار شریف، جناب شاہ عبد القادر صاحب اسلام پوری، جناب عبد الاحد

شاہ صاحب وارثی، جناب شاہ قیام احمد صاحب و جناب شاہ شہود الحق صاحب پیر بیگہ پھلواری،
جناب صوفی سجاد حسین صاحب بدوسری وغیرہم ان کے دل سے قدر دان تھے، اور ان کے علوم ظاہری
و باطنی کے قائل، ان میں سے اکثر بزرگوں نے خود یہاں آکر حضرت موصوف سے ملاقات فرمائی تھی، اور
اکثر کے خطوط اس وقت تک محفوظ ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے، کہ ان کی کیا قدر و منزلت ان بزرگوں
کے دل میں تھی،

ان کے اکثر و بیشتر اوقات عبادت و ریاضت میں صرف ہوتے تھے، پھر درس و تدریس تصنیف
و تالیف اور فتویٰ نویسی و دیگر خدمات علمی ہیں، ان کے شاگردوں میں، مولینا امیر حسن صاحب بلیاروی
اور جناب مولوی شاہ فرید صاحب سہسرامی سابق مدرس مدرسۂ خانقاہ سہسرام اپنے علم و فضل کے لحاظ
سے ممتاز تھے، انھیں حضور سیدنا عبد القادر علیہ الرحمہ سے بڑی عقیدت اور بے حد محبت تھی،

وفات — حضرت موصوف نے ۱۱ ربیع الآخر ۱۳۲۳ھ کو وفات پائی،

تصنیفات — ان کی زیادہ تر تصنیفات مناقبِ غوث پاک میں ہیں، اور کچھ نسب وغیرہ کے متعلق
اکثر کتابیں ضائع ہو گئیں، اور جو ہیں وہ بہت ردی حال میں ہیں،

۱- تحفۃ الاقران والاحباب فی الاکفاء والانساب، یہ مبسوط رسالہ فارسی میں بڑے سائز کے تقریباً
دو سو صفحات پر محیط ہے، اور اپنے موضوع پر نہایت دلچسپ اور اہم ہے، علم نسب کے تعلیم و تعلم اور صیانت
نسب کے غیر ضروری ہونے کے خیالات جو عام طور پر رواج پذیر ہو گئے ہیں، اس کے ادلۂ شرعیہ اور اقوال
بزرگان سلف سے محققانہ اور بہت دلچسپ بحث کی گئی ہے، اور صیانتِ نسب کی اہمیت پر زبردست
دلائل پیش کئے گئے ہیں،

۲- ازالۃ الخفاء عن سیادۃ اشرف الشرفاء، حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی سیادت
پر طعن کرنے والوں کے الزامات کا محققانہ جواب ہے، مگر افسوس کہ اردو میں لکھا گیا ہے، جس کا رواج تصنیف

و تالیف کے لئے ان کے عہد میں عام نہ تھا اس لئے اردو ذرا غیر دلچسپ ہے،

۲- شجرۃ الاصل النورانیہ ایک طویل رسالہ ہے، ابتدا میں مختلف فصل اور باب قائم کئے گئے ہیں، اور پھر ان کے تحت میں سب کے متعلق دلچسپ اور ضروری معلومات مہیا کی گئی ہیں، پھر حضرت مصنف نے اپنے مختلف شجرۂ نسب کے بزرگوں کے حالات جو کچھ بالتحقیق میسر آسکے، لکھے ہیں یہ رسالہ نہایت شکستہ اور ردی حال میں، اور نامکمل ہے، درمیان کے اوراق رہ گئے ہیں، (فارسی)

۴- مفتاح الرہبانی لفتح کنوز المعانی یہ رسالہ عربی میں تھا، اور مجھے نہ ملا، اس کے ابتدا کے چند اوراق ملے جس میں یہ ذکر تھا، کہ علماے حرمین شریفین اور حضرت مولینا امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نے اس پر تقریظیں لکھی تھیں،

۵- مناقب مالک الرقاب یہ کتاب بھی موجود نہیں، ایک صاحب علم مولوی نور الحسن صاحب نے اس کتاب پر حسب ذیل عبارت لکھی تھی،

"الحمد للہ والسلام علی عبادہ الذین اصطفی"

کتاب لب لباب مناقب مالک الرقاب، لراقمہ ؎

اے جامع صفات کمال محمدی، آئینۂ جمال وجلال محمدی،

نور علی و فاطمہ و شبر و حسن، بعد از ائمہ زبدۂ آل محمدی،

مصنفہ عالم علوم دین صوفی باتمکین مولوی سید شاہ ظہور الحسن حفظہ اللہ من شرور الفتن سرتاسر دیدم، بقدر رسائی بفحوایش وارسیدم ہمہ وش خوب نیکو اسلوب است این ... حقہ خاص مصنف از حضرت مبدء فیاض بود کہ در عالم ظہور نمود،

توقیع قبول روزیش باد، راقم آثم محمد نور الحسن عفی عنہ

۶- ظہور کنوزات الربوبیہ لمعرفۃ رموز المحبوبیہ یہ مبسوط رسالہ عربی میں ہے، حضرت

عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب بیان کئے گئے ہیں، اور حضرت کے ملفوظ قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ کے نکات بیان کئے گئے ہیں، رسالہ کے انداز بیان اور طرز استدلال کے متعلق موصوف مقدمہ کتاب میں لکھتے ہیں،

"فصدرتہا تاتیاً بحیث لا ینکرھا احد من اصحاب الشریعۃ والطریقۃ"

افسوس یہ کہ اصل مسودہ کو صاف کرانے اور نظر ثانی کرنے کا موقع حضرت مصنف کو نہ ملا، اسلئے حروف اسقدر بدخط، حاشیہ اس قدر غیر واضح، اور ترمیم و تنسیخ کی اتنی کثرت ہو کہ پڑھنے والے کو بڑی ریاضت اور محنت کرنی پڑتی ہو،

۷- مرآۃ القلوب لمعاینۃ قدم المحبوب، یہ رسالہ فارسی میں ہے، اور ضمیمہ ہو جس میں مناقب شیخ عبد القادر اور "قدمی ہذہ" کی بحث ایک دوسرے پیرایۂ بیان میں کی ہے،

ان رسالون کے علاوہ ان کے بعض فتاوے مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتے ہیں،

مولوی سید شاہ خلیل اللہ مرحوم،	یہ حضرت مولینا سید شاہ ظہور الحسن صاحب علیہ الرحمۃ کے منجھلے صاحبزادے

اور علم و عمل میں اپنے والد بزرگوار کے قدم بقدم تھے، طالب علمی کے زمانہ سے تصنیف و تالیف شعر و سخن کا فطری ذوق رکھتے تھے

موصوف اپنے والد ماجد علیہ الرحمۃ سے تحصیل علوم فرما رہے تھے، اور تکمیل کیلئے بریلی یا لکھنو جانے کو رخت سفر باندھ چکے تھے، کہ سفر آخرت پیش آگیا، انتقال کے وقت مشکل سے ۱۷ یا ۱۸ برس کی عمر ہوگی، ۱۳۲۲ھ میں انھون نے انتقال کیا،

ان کی تصنیفات میں کہ دو رسائل کے نام معلوم ہوئے، "تفریح الخاطر فی مناقب عبد القادر" اور کحل العین، ان کی شاعری زیادہ تر حمد و نعت اور مناقب شیخ عبد القادر سے متعلق تھی ان کے مجموعۂ کلام اور تصنیفات کا ذخیرہ مولینا امیر حسن بلیاروی بغرض اشاعت لے گئے، اور انھون نے مرحوم کے

سوانح و حالات میں ایک کتاب توقیع خلیل اللّٰہ بھی لکھی تھی، لیکن موصوف کی زندگی نے وفا نہ کی اسلئے ان کتابوں کی طبع و اشاعت نہ ہو سکی،

عربی کی مشہور نظم اِن نلت یا ریح الصباء کے بحر و قوافی میں موصوف نے ایک غزل لکھی تھی، جس کے چند شعر یہ ہیں :-

یا مصطفیٰ اعط لنا، اثمار من نخل الکرم

فاجعلنی یا محبوبنا، خدام من خدم الحرم

جاء الخلیل خاطئاً انظر الیہ بالکرم

ان کی ایک اردو غزل کا مطلع یہ ہے :-

حمد ہو ایسی رقم اس داور دادار کی، نعت ہو جس میں چمکتی احمد مختار کی

مولوی شاہ فرید الدین یکتا مرحوم، یہ جناب مولینا شاہ ظہور الحسن صاحب علیہ الرحمۃ کے چھوٹے بھائی مولوی شاہ نور الحسن صاحب کے صاحبزادے تھے، عربی فارسی میں اچھی استعداد رکھتے تھے، حیدر آباد دکن میں وکالت کرتے تھے، اور سرکار نظام خلد اللہ ملکہ کی طرف سے کچھ وظیفہ بھی مقرر تھا، شعر و شاعری اور ادب اردو سے بھی ذوق رکھتے تھے، اپنچ پٹنہ کے نامہ نگاروں میں تھے،

ان کی دو نظمیں جلوۂ محبوب" اور "ماہ مدینہ" علٰحدہ علٰحدہ رسالوں کی شکل میں چھپوائی گئی تھیں، چند بند یہ ہیں

پیدا ہوئے جس وقت مہ یثرب و بطحا اک نور جبین شہ لولاک سے چمکا،
آنکھوں سے حجاب اسکے اٹھا دشت جبل کا اوس صبح نے تا شام نہ رکھا کوئی پردہ

قصر آئے نظر شام کے کیا پردہ دری ہے،
کیا صلّ علیٰ نور ہے کیا جلوہ گری ہے،

حضرت جابر بن سمرہ کی ایک روایت کو کس خوبی کیساتھ نظم کیا ہے :-

ساقی مجھے للہ پلا جامِ بصیرت دل میں ہے میرے جلوہ نما چاند سی صورت
یاد آگئی کیا جابر سمرہ کی روایت فرماتے ہیں "نکلے شب مہتاب میں حضرت
تھی سرخ قبائے عربی زیب تن پاک
اور جامے سے پھنتی تھی ضیا بدن پاک
وہ روئے پر انوار وہ گیسوئے شب آرا گویا کہ ہے گھیرے ہوئے مہتاب کو ہالا
کیا کہئے عجب نور کا ہے سامنے نقشا وہ بدر مقابل جو ہوئے دل میں یہ سوچا
ان دونوں میں دیکھیں تو بھلا کون حسین ہے
مہتاب فلک وہ ہے تو یہ نیر دین ہے
پڑتی تھی نگہ میری کبھی ماہ فلک پر تھی میری نظر گاہ سوئے چہرۂ انور
دیکھا نظرِ غور سے تھا ماہ نہ ہمسر درخشاں کہیں مہتاب سے تھا روئے پیمبر
گر ماہ مقابل ہو تو یہ بے ادبی ہے
وہ نجم فلک، یہ قمر مطلبی ہے"

ان کا انتقال ۱۳۵۱ھ میں حیدرآباد دکن میں ہوا،

چینی مسلمان

چین سے مسلمانوں کا تعلق آغاز اسلام سے رہا ہے، اس زمانہ میں بھی کروڑوں مسلمان وہاں آباد ہیں، وہاں کے مسلمانوں کے مستند مذہبی، اخلاقی، تمدنی، سیاسی اور اقتصادی حالات ایک دردمند صاحب قلم چینی مسلمان نے ہندوستانی زبان میں لکھے ہیں، کہ مسلمانان ہند اپنے ان بھائیوں کے حالات سے آگاہ ہوں، ضخامت ۲۴۲ صفحے، قیمت صرف عہ "منیجر"

تلخیص و تبصرہ

"ہندوستان میں انگریزی صحافت"

از جناب عبدالرزاق صاحب بی اے ایچ سی ایس، مددگار معتمد فنانس حیدرآباد دکن،

انڈین ڈیلی میل کے ایک مقالہ نگار نے ایک مقالہ میں عنوان بالا "ہندوستان میں انگریزی صحافت" پر ایک نظر ڈالی، اس کی تلخیص ذیل میں پیش کیجاتی ہے، جس کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا"

ہندوستان میں سب سے پہلا اخبار ۱۷۴۳ء میں نکلا، مگر اس کا کوئی پرچہ ہم نہیں پہنچا ہے، دراصل ہندوستانی صحافت کا آغاز وارن ہیسٹنگز کے عہد میں ہوا، سب سے پہلا اخبار بنگال گزٹ جنوری ۱۷۸۰ء میں جس مین ہکی کے زیر ادارت نکلا اور جس مین ملکی کمزوریوں اور انتظامی خرابیوں کو تجارتی اشتہاروں، جنگی خبروں، قانونی مقدموں اور قومی جلسوں کے بھیس میں ظاہر کیا جاتا تھا، یہ اخبار گورنمنٹ کے ساتھ مخالفانہ روش رکھنے کے سبب سے بہت جلد بند کر دیا گیا،

پھر نومبر ۱۷۸۰ء میں انڈیا گزٹ کے نام سے ایک اخبار جاری ہوا، اس کے چار سال بعد کلکتہ گزٹ فرانس گلاڈون کی ادارت میں نکلا، گلاڈون ایران میں رہ چکا تھا، فارسی دانی میں خاص شہرت رکھتا تھا، پھر ۱۷۹۱ء میں کلکتہ منتھلی رجسٹر نکلا،

لارڈ کارنوالس اور سر جان شور کے عہد میں اخباروں کے ذریعہ سوسائٹی کی اخلاقی حالت میں ترقی و اصلاح ہونے لگی اور جرائد نے بڑی وقعت پیدا کرلی اور وہ سوسائٹی کے جذبات کا لحاظ اپنا ہی

کرنے لگے، جیسا آجکل کے جرائد کرتے ہیں، کار پردازان اخبار لوگوں کے ساتھ نہایت خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آتے تھے، اوران کو ناراض کرنا نہیں چاہتے تھے، کہ مبادا اخبار کی اشاعت گھٹ جائے

سنہ ۱۷۹۲ء کے انڈین گزٹ میں انقلاب فرانس اور بغاوت انگلستان کے واقعات کے علاوہ کارنوالس کے وہ بیانات بھی شائع ہوتے تھے، جن میں سقوط بنگلور اور محاصرۂ سرنیگاپٹم کے حالات درج رہتے تھے، انگریزی جہاز جب ساحل ہندوستان پر پہنچتا تو پریس کے نمائندوں کا ایک گروہ ولایت کے تازہ اخبارات کے لئے تیز رفتار کشتیوں کے ذریعہ ہوگلی کے دامن میں ایک دوسرے پر سابقت کرتے، اور تازہ ترین اخبارات کو سب سے اول لینے کی کوشش کرتے تھے،

پریس پر حکومت کی نگرانی سنہ ۱۷۶۸ء تک اخبارات پر قیود عائد نہیں تھے، البتہ گورنر جنرل کو اختیار تھا کہ کسی اخبار نویس سے وثیقہ اجازت واپس لیکر اس کو ہندوستان میں رہنے نہ دے اور اسے انگلستان جانے کا پروانہ دیدیا جائے، چنانچہ بنگال گزٹ کا اڈیٹر جس پر کئی حکومت کا معتوب ہوا کیونکہ وہ اپنے اخبار میں گورنر جنرل کے خلاف اکثر مضامین لکھتا تھا، اس کو ممانعت کی گئی کہ وہ ڈاکخانہ کے ذریعہ اپنے اخبار کی اشاعت نہ کرے، اور اس کے بعد اس پر گورنر جنرل کے ازالہ حیثیت عرفی کا مقدمہ چلایا گیا، اسی طرح ایک دوسرے اڈیٹر کو کارنوالس نے اور ایک تیسرے کو ولزلی نے ہندوستان سے نکلوادیا، ولزلی کا یہ اصول تھا کہ پریس کی سختی سے نگرانی کیجائے، پریس پر سب سے پہلی مرتبہ اسی نے خاص نگرانی قائم کی اور اخبار کے مالکوں اور مدیروں کے لئے قواعد نافذ کئے جن کی خلاف ورزی پر جلا وطنی کی سزا مقرر تھی،

انیسویں صدی کے آغاز میں اخبارات و رسائل کی تعداد خاصی بڑھ گئی، کئی ماہوار رسالے مثلاً ٹیبل میگزین جاری ہوئے، ان کے بعد کلکتہ منتھلی جرنل نکلا جس کا مقصد یہ تھا کہ مہینہ بھر کی ہندوستانی خبریں اختصار کے ساتھ پرچہ میں درج کردی جائیں تاکہ یہ خبریں انگلستان تک پہنچ جائیں

ملکی خبروں کو مختصر طور پر لکھنے میں "منتھلی جرنل" کے اڈیٹر کو ید طولیٰ حاصل تھا، اسکی بہت سے لوگوں نے تقلید کی، اس کے علاوہ ایک ہفتہ وار اخبار "انڈین ریویو" کے نام سے نکلا اور ۱۸۲۰ء کے قریب ہفتہ میں دوبار دی ریفلیکٹر نکلنا شروع ہوا،

مدراس کے ابتدائی اخبارات

مدراس میں سب سے پہلا اخبار "دی مدراس کوریر" کے نام سے نکلا، حکومت نے اس کی حوصلہ افزائی کی، چنانچہ وہ اعلانات جو پہلے قلعہ کے دروازہ پر چسپاں ہوتے تھے اب اس اخبار میں شائع ہونے لگے، یہ ہفتہ وار تھا اور شروع سے مسلسل نمبر اس پر لگائے جاتے تھے، برٹش میوزیم میں اس کے شروع کے بعض پرچے محفوظ ہیں، ڈاک کے قواعد کی از سر نو تنظیم ہو جانے کے بعد اس اخبار کو صوبہ کے حدود میں بلا محصول بھیجنے کی اجازت دے دی گئی، حکومت بمبئی اس کو بالالتزام خریدتی تھی، اور کلکتہ میں بھی اس کی مانگ ہوتی تھی، یہ اخبار بہت مقبول ہو گیا تھا، اس کے ہر پرچہ میں چار ورق ہوتے تھے، دو ورق میں ولایتی اخبارات کے اقتباسات تیسرے میں ہندوستانی خبریں اور اڈیٹر کے نام مراسلے اور چوتھے میں نظمیں، ادبی مضامین اور اشتہارات ہوتے تھے، فوجی خبریں بھی اس میں بہت چھپتی تھیں، اس اخبار کا پہلا اڈیٹر باؤنڈ نامی تھا، اس نے ۱۷۹۳ء میں ایک اخبار "ہرکارہ" کے نام سے بھی نکالا، اس اخبار کے ساتھ بھی بغیر محصول لئے ڈاک سے بھیجنے کی حکومت نے رعایت کی، ۱۸۰۵ء میں انڈین مرکری اور ینٹل میگزین اور جرنل آف لٹریچر اینڈ سائنس جاری ہوئے، آخر الذکر تیسرا اخبار مدراس گزٹ تھا، اس میں بزبان تامل اشتہارات ہوتے تھے، اور اس کو مثل "کوریر" کے حکومت کی سرپرستی حاصل تھی،

سرنگاپٹم کی فتح اور ٹیپو سلطان شیر ہندوستان کی وفات پر ولزلی نے مدراس کے پریسوں پر نگرانی کا حکم دیا، جس کے رو سے اخبارات کو شائع ہونے سے قبل معتمد حکومت کے پاس پیش کرنا پڑتا تھا، معتمد کے فرائض یہ تھے کہ افتتاحیہ مقالوں میں کاٹ چھانٹ کرتا رہے اور کوئی مواد ایسا

شائع نہ ہونے دے جس سے کمپنی کے اغراض کو نقصان پہنچے، ولزلی اور منٹو کے زمانہ میں اخبار وں کا بلا محصول شائع ہونا تجربہ سے خوفناک ثابت ہوا، اس لئے یہ رعایت اٹھا دی گئی، اور محصول عائد کیا گیا، اسی زمانہ میں ایک دفعہ حیدر آباد کے رزیڈنٹ نے اعلیٰحضرت نظام وقت کی بارگاہ میں چند تحائف پیش کئے جن میں ایک تحفہ انگریزی اخباروں کا تھا، اس پر معتمد حکومت نے رزیڈنٹ کو ملامت کی کہ اس نے "اعلیٰحضرت نظام" وقت کو تحفہ میں اخبار ایسی خطرناک شئ کیوں پیش کی،

لارڈ ہیسٹنگز کے عہد میں پریس کی آزادی

لارڈ ہیسٹنگز اپنے ساتھ پریس کی آزادی کا خیال لیکر آئے تھے، اور انھوں نے اپنی حکمت عملی کا اظہار عام طور پر کر دیا کہ حکومت کا مفاد اس میں ہے کہ اس کے انتظامات پر آزادی خیال کے ساتھ مباحثے ہوں، کلکتہ جرنل ۱۸۱۸ء سے ہفتہ میں دوبار کلکتہ گزٹ اور مارننگ پوسٹ کے عوض نکلنے لگا، اس کے پرچے صاف اور بے باک تحریروں سے پر ہوتے تھے اس کو پڑھ کر صوبہ کے قدامت پسند لوگ چونک اٹھے، آدم نامی ایک شخص معتمد سیاسیات تھا، جو بعد کو گورنر جنرل کی کونسل کا رکن ہو گیا تھا، وہ نہایت قدامت پسند تھا، اور پریس کی آزادی کی اس سبب سے سخت مخالفت کرتا تھا کہ یہ آزادی ہندوستان کے حالات کے موافق نہیں تھی، مگر بایں ہمہ لارڈ ہیسٹنگز پر آدم اور اس کے ہم خیال اشخاص کا مطلق اثر نہیں ہوا، ورنہ وہ کلکتہ جرنل کا حق اشاعت ضبط کر لیتا، وہ جانتا تھا کہ صحیح معنوں میں یہی گزٹ ہندوستان کا سب سے پہلا پبلک اخبار کہے جانے کا مستحق ہے، گورنر جنرل بطیب خاطر بے باک تحریروں کو دیکھتا اور شاید ان سے فائدہ بھی اٹھاتا، نیز گاہے گاہے اڈیٹر کو اس کی غلطی پر خانگی طور سے متنبہ کرتا اور اپنے حدود سے متجاوز نہ ہونے کی تاکید کرتا رہتا، اس کے دور حکومت میں اخبارات خوب چمکے، چنانچہ انڈین گزٹ ابتدا میں ہفتہ وار تھا، اب ہفتہ میں دوبار شائع ہونے لگا، وہ سیاسی مقاصد کا حامل تھا، نظم و نسق پر جچے تلے مضامین لکھتا تھا، اسے نہ حکومت کی ناراضی کا خوف تھا نہ پبلک

کی تحسین کی پروا،

اسی طرح ہفتہ وار اخبار بنگال ہرکارہ ۱۸۱۹ء سے ہفتہ وار سے روزانہ ہوگیا، ہندوستان میں اشاعت تعلیم کا حامی آزادی خیال کا مؤید اور رفاہِ عام کے امور کا طالب تھا،

آدم کی سخت گیری لارڈ ہیسٹنگز کے عہدِ حکومت کے خاتمہ کے ساتھ پریس کی آزادی پھر خطرہ میں پڑ گئی، چنانچہ اس کے سبکدوش ہونے کے بعد ہی جب کلکتہ جرنل کے اڈیٹر بکنگھم نے حکومت پر سخت حملے کئے، تو ۱۸۲۳ء میں اسکا لائسنس واپس لے لیا گیا، اور اس کو انگلستان بھیجدیا گیا، یہ واقعہ آدم کے زمانہ کا ہے جبکہ وہ لارڈ ہیسٹنگز کی سبکدوشی کے بعد مستقل تقرر تک منصرم گورنر جنرل تھا، بکنگھم نے انگلستان جاکر وہاں ایسٹ انڈیا کمپنی کے انتظامات پر اس قدر سخت اعتراضات وارد کئے کہ کمپنی مجبور ہوکر آخر ش اس کو وظیفہ دینے لگی جب پریس پر سے قائم شدہ قیود اٹھالئے گئے تو وہ پھر ہندوستان کو واپس آگیا،

مسٹر آدم کے ضوابط اور سکاٹ کا ان کی تنقیح کرنا، انگریز اڈیٹروں کا ملک بدر کیا جانا تو خیر ہندوستانی صحافت پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتا تھا، کیونکہ فرانسیسی یا پرتگیزی انگریز جلا وطن کی جگہ لے لیتا تھا، لیکن گورنر جنرل کی مشکلات یہ تھیں کہ وہ ہندوستان کے باشندوں کو جلا وطن نہیں کرسکتا تھا، اس لئے آدم نے ان اختیارات میں اضافہ کردیا جو حکومت کو مطابع پر شرطیں عائد کرنے کے متعلق حاصل تھے، اور جو عدالتِ عالیہ سے منظور شدہ تھے، اس پر ہرچند ہندوستان و انگلستان دونوں جگہ آدم کے متعلق بہت سی چہ میگوئیاں ہوئیں، مگر اس کی تجاویز کو کورٹ آف ڈائرکٹرز اور نیز پریوی کونسل نے پسند کیا اور پریس کے قواعد کو منسوخ کرنے کے خلاف جو ایک درخواست دی گئی اس کو مسترد کردیا،

لارڈ امہرسٹ اپنے پیشرو کی حکمت عملی سے متفق نہیں تھا اس نے بتدریج پریس کے قیود

کو گھٹانا شروع کیا، یہاں تک کہ اسکی حکومت کے آخری دو سال میں سلسلۂ تعزیر موقوف ہوگیا، اور صوبہ کے اخبارات کو امن نصیب ہوا،

اس کے بعد لارڈ ہیٹنگ کا دور حکومت آیا، وہ پریس کا بڑا قدردان ثابت ہوا، پریس کو قوم کا مخلص دوست اور حکومت کا معاون سمجھتا تھا، اور وہ بہ نسبت دوسرے ذرائع کے پریس کے ادارے سے بہت فائدہ اٹھاتا تھا،

پھر مٹکاف ہیٹنگ سے بھی زیادہ پریس کا موید نکلا، کلکتہ کے کسی اخبار میں ایک خط کے شائع ہونے سے بمبئی کے گورنر کو رنج پہنچا، اس نے اصرار کیا کہ اخبار نویس کا پروانہ چھین لیا جائے مگر مٹکاف نے تجویز کی کہ اس معاملہ میں اڈیٹر کے خلاف چارہ جوئی کرنا مناسب ہوگا، پھر جب مٹکاف گورنر جنرل مقرر ہوا تو اس نے ایک ایکٹ پاس کیا اور پریس کے نجات دہندہ کا لقب پایا، اور شکرگذار پبلک نے ساحل ہگلی پر اس کی یادگار میں مٹکاف ہال تعمیر کیا جس کے اندر اسکی تصویر آویزاں ہے، ہال پر یہ کتبہ ہے کہ ۱۵ ستمبر ۱۸۳۵ء کو ہندوستان کی صحافت آزاد ہوئی، پریس کے متعلق بنگال کے ۱۸۲۳ء کے قواعد اور بمبئی کے ۱۸۲۷ء والے ضوابط منسوخ کر دیے گئے جدید ایکٹ کے رو سے ہر اخبار کے چھاپنے اور شائع کرنے کیلئے یہ بیان کرنا کافی تھا کہ اخبار کس مطبع میں طبع ہوگا، اور کس مقام سے شائع کیا جائیگا، اور ہر پرچہ پر طابع اور ناشر کا نام ظاہر کرنا لازم تھا، اسکی خلاف ورزی پر جرمانہ اور قید کی سزا تجویز کی گئی تھی،

دیسی صحافت سنہ ۱۸۱۱ء میں کلکتہ میں ہندوستانی نامی اردو مطبع قائم ہوا اور مولوی اکرم الدین صاحب نے اسی نام کا اخبار جاری کیا مگر اس کا کوئی پتہ نہیں چلتا کہ یہ کس رنگ کا اخبار تھا، دوسرا اخبار "بنگالی دربن" تھا جو ۱۸۱۶ء میں سرام پور سے ہیٹنگز کی سرپرستی میں نکلا، اس کے بعد رام موہن رائے نے براہمنی میگزین نکالا، چندریکا ہندو مذہب کا پرزور وکیل بنکر نکلا، اس کے جواب میں رام موہن رائے

کا ادی نکالا، ہیگاڈٹ دوسرا پرچہ تھا جس کو رام موہن رائے دوارکا ناتھ ٹیگور اور پسر سور کمار ٹیگو چلاتے تھے،

اس اثنار میں شمالی ہند کا پریس ترقی کرنے لگا، انگریزی کا سب سے پہلا پریس کانپور میں قائم ہوا اور اس میں کانپور ایڈورٹائزر چھپنے لگا،

میرٹھ نے جہاں سے ایک اخبار قلمی شائع ہوتا تھا، کانپور کی تقلید کی اور ۱۸۳۱ء میں وہاں آبزرور اور اس کے بعد نیوسل میگزین طبع ہونے لگا، انہی ایام میں آگرہ اخبار بزبان فارسی نکلا، جو افتاں وخیزاں ۱۸۵۷ء تک مختلف حالتوں کے ساتھ چلتا رہا، ۱۸۳۳ء میں دہلی گزٹ شائع ہوا اور پہلی جنگ افغانستان کی خبروں کے سبب سے اس کی اشاعت بہت بڑھ گئی، ۱۸۳۶ء میں دہلی سے اردو اخبار نکلا، ۱۸۳۷ء میں سید الاخبار شائع ہوا، ۱۸۵۰ء میں اودھ اخبار نکلا جو آج تک جاری ہے، چند سال بعد سائنٹفک سوسائٹی کا اخبار سرسید نے نکالا، سرسید کو اردو کا بابائے صحافت کہنا بیجا نہ ہوگا، دیسی صحافت کو سرسید نے بڑی ترقی دی،

ہم پھر انگریزی صحافت کی جانب رجوع ہوتے ہیں، ۱۸۴۶ء میں مفلائیٹ نے میرٹھ میں آبزرور کی جگہ لی، اور صحافت میں ممتاز جگہ پیدا کرلی، اور جب آگرہ فورٹ سے نکلنے لگا تو ہنگامہ ۱۸۵۷ء کی سرکاری خبریں اسی میں شائع ہوتی تھیں بعد کو یہ اخبار بک گیا اور سیول اینڈ ملٹری گزٹ میں ضم ہوگیا، الہ آباد کا سب سے پہلا اخبار ۱۸۳۶ء میں نکلا، مسوری اور شملہ سے بھی اخبارات نکلے، مگر ان کا پیمانۂ عمر مختصر رہا،

رابرٹ نائٹ بلا شبہ ایک اعلیٰ مدیر، ہندوستان کا بہی خواہ اور حقیقی معنوں میں ہندوستانی صحافت کا باوا آدم تھا وہ بمبئی میں ۱۸۴۷ء میں سے فروشوں کا گماشتہ بن کر آیا، مگر چند روز میں اس مشغلہ کو ترک کرکے اس نے صحافت کے میدان میں قدم رکھا، اس وقت تین اخبارات بمبئی میں تھے،

آپس میں تو تو میں میں کیا کرتے تھے اور ایک دوسرے کے سخت بدخواہ تھے، ان میں بمبئی ٹائمس ایک فاضل شخص ڈاکٹر لسبٹ کے زیر ادارت با اثر تھا، یہ اخبار ۱۸۳۸ء سے جاری تھا، نائٹ اس کے لئے ابتداءً معاوضے لیکر مضامین لکھتا تھا، بعد کو ڈاکٹر لسبٹ کی عدم موجودگی میں اس کا اڈیٹر مقرر ہوا اور ایسے نازک وقت میں استقلال اور اعتدال قائم رکھا، بلکہ اینگلو انڈین پریس تمام ہندوستانیوں کے خون کے پیاسے تھے، اس نے انگریزوں کے جذبات پر قابو حاصل کیا اور ان کو تعصب سے باز رکھا، لواے انصاف بلند کیا، اور اپنی تحریروں میں کبھی متانت و صداقت کو ہاتھ سے نہ چھوڑا، حالانکہ ہر ڈاک کی واپسی پر انگریز خریدار غصے سے لکھتے تھے کہ ہمارے نام کے پرچے بند کردو، نائٹ نے کھلم کھلا نظم و نسق پر نکتہ چینی شروع کی بعد ازاں اس نے ہندوستانی حصہ داروں سے بمبئی ٹائمز کو خرید کر اس میں اسٹانڈرڈ کو ضم کر دیا ۱۸۶۱ء سے یہ ضم شدہ اخبار ٹائمز آف انڈیا کے نام سے نکلنے لگے، جواب بمبئی کا موقر اخبار ہے، اپنی نمایاں خدمات کے بعد جب نائٹ ولایت جانے لگا تو بمبئی میں پبلک نے ایک عام جلسہ اس کی صحافتی خدمات کے اعتراف میں کیا اور ایک لاکھ روپیہ کی تھیلی اس کی نذر کی، انگلستان میں اس نے فاسٹ کو جو ہندوستان کی طرف سے پارلیمنٹ کا رکن تھا یہ ترغیب دی کہ وہ ہندوستانی مالگذاری کو شہنشاہی اغراض پر صرف ہونے سے بچائے اور مشہور ممبر کونسل دادا بھائی نوروزجی اور دیگر اصحاب کو ایسٹ انڈین ایسوسی ایشن کے قیام میں مدد دی، کچھ عرصہ کے بعد شریک کار سے اختلاف ہو جانے کے باعث اس نے اپنا تعلق ٹائمز آف انڈیا سے منقطع کر لیا اور کلکتہ کو روانہ ہو گیا،

مدراس کے اخبارات کا لب و لہجہ

مدراس میں اخبارات سخت نگرانی کے باوجود زندہ رہے، اس عہد میں تین ہفتہ وار پرچے مشہور تھے، اول گورنمنٹ گزٹ، دوم مدراس گزٹ، سوم مدارس کوریئر یہ تینوں یورپ کے اخبارات سے اقتباس لیتے تھے، کمپنی کے سفیروں کے ساتھ بہت سے انگریزی

جرائد وصول ہوتے تھے، ان جرائد سے یہاں کے اڈیٹروں کی میز بھر جاتی تھی اور ان کے اقتباسات جب تک دوسری مرتبہ پھر ولایتی پرچے نہ آتے یہاں کے اخبارات کے کام آتے، اکتوبر سے دسمبر تک ولایتی ڈاک نہیں آتی تھی، اس لئے ستمبر کے آخر میں کافی تعداد ولایت کے پرچوں کی مہیا کرنا ناگزیر تھا، ایک مبصر کا قول ہے کہ مدراس کے کسی اخبار کو مقبول ہونے کے واسطے ضروری تھا، کہ اس میں بلند پایہ اخلاقی مضامین مشہور ادیب جانسن کے طرز کے درج ہوتے یا مراسلات ظرافت کی چاشنی کے ساتھ شائع کیے جاتے اور اڈیٹر شگفتہ مزاج اور زندہ دل ہوتے،

ان اخبارات میں ذیل کے تین اصول کی پابندی کیجاتی تھی،

۱۔ مقالہ افتتاحیہ اسی قدر لکھا جائے جتنا کہ اڈیٹر کو درکار ہو،

۲۔ افتتاحیہ میں جس قدر ممکن ہو معنی کم، الفاظ زیادہ ہوں،

۳۔ زبان کا استعمال ایسا ہو کہ مطالب کو پردے میں رکھے،

اہل مدراس میں اس زمانہ میں ادبی مذاق نہ تھا، اس لئے ہر پرچہ میں مقالۂ افتتاحیہ کا التزام گویا اڈیٹر کا کرم سمجھا جاتا تھا، دوسرے دونوں اخبارات مدراس کوریر کے پیش رو تھے، مدراس کوریر ابتدا میں بڑے ٹائپ پر اشتہار چھاپتا تھا جس کا عنوان تجارتی سرکلر ہوتا تھا، اس میں برنؔ کی نظمیں بھی شائع کیجاتی تھیں جو پرچوں کو زینت دیتی تھیں اور اس زمانہ میں بڑی شوق سے پڑھی جاتی تھیں، وہ قانون کے حدود کا لحاظ رکھتا تھا صرف ایک دفعہ چیف سکرٹری کی شکایت میں ایک مضمون شائع کرنے کے الزام میں اس کی گرفت کی گئی تھی، مدراس گزٹ اور کوریر میں ہمیشہ چھیڑ چھاڑ رہتی تھی، دونوں اخبار ایک دوسرے کی مخالفت میں مضمون شائع کرتے تھے، مضمون کے نیچے ایک سائنفلر اور دوسرا اینٹی سائفلر کے فرضی نام لکھتے تھے،

اسیطرح ایک اخبار گورنمنٹ گزٹ تھا جس میں ادب کا عنصر غالب رہتا تھا، اور اس کے مضامین دلچسپ

اور مطالعہ کے قابل ہوتے تھے،

ہنگامۂ ۱۸۵۷ء کے بعد سے پریس نے حیرت انگیز ترقی شروع کی، اس ہنگامہ کے دوران میں ایک ایکٹ پاس کیا گیا جو تھوڑی مدت تک نافذ رہا اور اس کے ذریعہ انگریزی اخبارات ہی پر زیادہ قیود عائد کئے گئے، کیونکہ دیسی اخبارات اتنے اہم نہ تھے کہ ان کی طرف توجہ کیجاتی، سرسیل بنگال کے لفٹننٹ گورنر (۱۸۶۲ء و ۱۸۶۷ء) نے یہ طریقہ رائج کیا کہ دیسی اخبارات کے اہم مضامین کا خلاصہ ہفتہ وار افسرانِ متعلقہ کے پاس پیش ہوا کرے اور برٹش اخبارات کو بھی بھیجا جائے، ۱۸۷۰ء میں تعزیرات ہند کی نظر ثانی ہوئی اور اس میں ایک دفعہ باغیانہ تحریر کی نسبت داخل کی گئی، اس دفعہ کا مسودہ میکالے اور اس کے ساتھیوں نے تیار کیا تھا، مگر تعزیرات کی پہلی اشاعت کے موقع پر یہ دفعہ حذف کر دیگئی تھی، اسی کو دوسری اشاعت میں شامل کیا گیا، یہ دفعہ بہت مبہم تھی اور اس سے معلوم نہیں ہوتا تھا کہ کون سے وجوہ مقدمہ چلانے کی بنیاد قرار پا سکتے ہیں، اس لئے حکام بعض ظاہری صورتوں میں مقدمہ چلانے کی رائے نہیں دیتے تھے، جب ۱۸۷۲ء میں سوم پرکاش کو عدالت میں کھینچا گیا تو اس مسئلہ نے اہم صورت اختیار کی، اور دیسی اخبارات کے ہفتہ وار اقتباسات بصیغۂ راز پیش ہونے لگے، ۱۸۷۵ء میں وزیر ہند نے حکومت ہند کو ہدایت کی کہ اس دفعہ کو پابندی سے بروے عمل لایا جائے، مگر لارڈ نارتھ بروک نے رائے دی کہ اس وقت تک مقدمے دائر کرنا مناسب نہیں جب تک کہ قانون کی شدید مخالفت نہ ہو، لیکن اوّل اس بنا پر سزا دہی کا مخالف تھا کہ برطانیہ میں بھی پریس ایسا ہی بے لگام تھا، جیسے کہ ہندوستان میں، مگر بنگال کا لفٹننٹ گورنر ایڈن قانون مطابع کے نفاذ پر مصر تھا، لیکن پبلک نے اس کی مخالفت میں آواز اٹھائی، چنانچہ پریس کے نمایندے دہلی دربار کے موقع پر وفد لے کر وائسرائے کی خدمت میں یہ عرض کرنے حاضر ہوے کہ پریس کی قائم شدہ آزادی بدستور

بحال رکھی جائے، اسی طرح ہندو پیٹریٹ کے اڈیٹر پال نے تنسیخ آزادی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی تو بنگال کا پورا تعلیم یافتہ طبقہ اس کا ہمنوا ہوا، بالآخر گلیڈ اسٹون نے دارالعلوم میں یہ تقریر کی کہ پریس ایکٹ کے ماتحت جو کارروائی حکام ہند کریں گے اسکی رپورٹ وزیر ہند کے پاس بھیجا کرینگے، اور وزیر ہند وقتاً فوقتاً پارلیمنٹ کے روبرو اس کو پیش کریگا، مگر اس کے باوجود لبرل پارٹی نے اس ایکٹ کو پسند نہیں کیا، بلکہ اس کو عمل کے لحاظ سے غیر مؤثر اور نفاذ کے لحاظ سے بے سود تصور کیا، اور خصوصاً اس سبب سے اسے قابل ملامت سمجھا کہ اس ایکٹ کی ایک دفعہ مرافعہ کے مانع ہے،

لارڈ رپن اور پریس جب لبرل برسر حکومت آئے تو مذکورہ پریس ایکٹ کی تنسیخ ایک مسلمہ اور متوقع بات تصور کی گئی، اس حکومت کی چار سالہ زندگی میں صرف ایک مرتبہ وہ ایکٹ نافذ کیا گیا، اس ایکٹ کے حامیوں نے بہت شور مچایا، مگر رپن پر اس عمل کا کوئی اثر نہیں ہوا، یہ لبرل وائسرائے ایک جداگانہ رائے رکھتا تھا، اور ایکٹ کی تنسیخ کی حمایت کرتا تھا، ایکٹ نافذ کرنے کے بارے میں عہدہ داروں کی متفقہ رائے کو اس نے ٹھکرا دیا، اور اس نے دکھایا کہ اس کے خارج کرنے کے باوجود تعزیرات ہند کی دفعات بیرون ہند کے باغیانہ لٹریچر اور قابلِ اعتراض مضامین کو ملک میں داخل ہونے سے روکنے کے لئے کافی ہیں،

انڈین پریس کا روز افزوں اثر اس کے بعد ہندوستان میں صحافت نے بڑی ترقی کی، کلکتہ کا ہندو پیٹریٹ گورنمنٹ اور رعایا دونوں پر یکساں اثر رکھتا تھا، سرنیدرناتھ بنرجی نے ۱۸۷۹ء میں اخبار بنگالی کو خریدا، یہ ہفتہ وار اخبار تھا اور اس وقت تک بنگال کے تمام اخبارات سوائے انڈین گزٹ کے ہفتہ وار تھے، مگر ۱۸۷۹ء میں صحافت کو اس قدر ترقی ہوئی کہ روزانہ اخبارات نے ہفتہ وار پرچوں کی اشاعت کم کردی، اسی اثناء میں مدراس کے اخبار ہندو نے اپنی زندگی شروع کی، اس کے پہلے اڈیٹر سبرامنائر اور ویرارگھو اچاریہ نے خود اپنی شخصیتوں سے اس صداقت کا ثبوت

دیا کہ بیشتر ایک بڑا اخبار نویس بڑا رہبر بھی ہوتا ہے، یہ دونوں ہندوستانی قومیت کے رکن رکین اور ہندوستانی صحافت کی گاڑی میں مضبوط پہیوں کے مانند تھے، لندن کے اخبار نویسوں سے یہ دونوں کسی طرح کم نہ تھے،

جب سے انڈین نیشنل کانگریس قائم ہوئی اس وقت ہندوستانی اور انگریزی اڈیٹروں نے برطانوی سیاست پر خامہ فرسائی کم کردی، مثلاً مسئلہ آئرلینڈ پر لکھنا چھوڑ دیا، اور ایسے مضامین لکھنا شروع کئے جن کا تعلق براہ راست ہندوستان سے تھا، ٹائمز آف انڈیا اور بمبئی گزٹ دونوں روزانہ تھے، مگر گجراتی اخبار بمبئی سماچار ان کے مقابلہ کو اٹھ کھڑا ہوا، صرف مالاباری ایک انگریزی اخبار انڈین انسپکٹیٹر نکالتے تھے، انھوں نے ایسٹ اینڈ ویسٹ کی بھی ادارت کی، ان کی انشا پردازی مسلم تھی، وہ ہندوستانی نقطۂ نظر سے واقعات کو دیکھتے تھے، پھر اس زمانہ کے اخبارات کی اہم خصوصیت یہ تھی کہ کپلینگ اور رائٹ ایٹنے جیسے مشہور انشا پرداز ادیب ان کے نامہ نگار ہوتے تھے، ان کے مضامین سے اخبارات کو رونق ہوتی تھی، اسی خصوصیت کے باعث اخبارات تاریخی اور علمی لحاظ سے ایسے ممتاز تھے جو آج کل کی تجارتی صحافت کو حاصل نہیں ہے،

پریس اور کونسلز ایکٹ ۱۸۹۲ء کانگریس کی سب سے پہلی ملکی کامیابی ۱۸۹۲ء کے کونسل ایکٹ کے نفاذ پر مبنی ہے جس کے رو سے اعلیٰ اور صوبہ واری لیجسلیٹو کونسل کے اراکین کو یہ حق حاصل ہوا کہ حکومت ہند کے میزانیہ پر مباحثہ کریں اور نظم ونسق پر حکومت سے سوالات کریں، لیجسلیٹو اسمبلی کے مباحثے اخبارات کی مانگ کو بڑھانے لگے، دیسی اخبارات نے حکام پر نکتہ چینی شروع کی اور اس کے برخلاف اینگلو انڈین پریس نے حکومت کی مدح سرائی کا آغاز کیا، اخبار انگلش مین ان یورپین اصحاب کی رائے ظاہر کرنے لگا، جن کے نزدیک لارڈ رپن ایسے عالی حوصلہ شخص کا وجود شیطانی تھا، اخبار اسٹیٹسمین ہندوستان کے سیاسی خواہشات کا معاون تھا اور ایلٹ کلف کی ادارت میں

وہ دیسی اخبارات سے بھی زیادہ ہندوستانی بن گیا، مگر ۱۹۱۱ء میں اس نے کیچلی بدلی، ہندوستان کی دوستی کو خیرباد کہدیا اور نئی پالیسی اختیار کی، جس پر اسوقت بھی وہ گامزن ہے،

حالیہ نشو و نما | تنسیخ بنگال کے خلاف جن اخبارات میں صدائے احتجاج بلند ہوئی، ان سب کے سرپند ناتھ بنرجی روح و رواں تھے، اور یہ ہندوستانی صحافت کا بڑا کارنامہ تھا کہ انضمام بنگال پھر عمل میں آیا، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مارلے منٹو کا ریفارم پریس ہی کی چیخ پکار کا نتیجہ تھا، اور دارالحکومت کا کلکتہ سے دہلی کو منتقل کرنا اصل میں حکومت کا ایک حربہ تھا جو پریس کا گلا گھونٹنے اور بنگال کی ذہنیت اور ہندوستانی قومیت کو خائف کرنے کے بعد وجود میں آیا، ۱۹۱۰ء کا پریس ایکٹ جرائم کی تعریف یا اضافہ نہیں کرتا، اس ایکٹ کو ان اخبارات کے ان مضامین کے خلاف بہت سختی کرنے کا موقع ملا جن کے مطالعہ سے قتل و غارت پر آمادہ ہونے کی لوگوں کو ترغیب ہوتی تھی، یہ ایکٹ بنرجی کی رائے میں لٹن کے ایکٹ سے اور نیز ۱۹۰۷ء کے "سڑلیشن میٹنگس ایکٹ" سے بھی زیادہ سخت تھا، دیسی اخبار کو قومی حمایت میں اکثر ایسی مدد نہیں ملی جیسی کہ تعلیم یافتہ طبقہ سے توقع تھی، بنگالی کو بنرجی نے اپنے خونِ جگر سے سینچا تھا، مگر افسوس کہ اب اس کی حالت اچھی نہیں ہے، اس کی اشاعت گھٹ گئی ہے، ایڈوکیٹ آف انڈیا کا بھی یہی حال ہے، اخبار ہندو البتہ مستثنیٰ ہے کہ رنگا ایر کی رہنمائی کے سبب سے وہ تاحال اسی آب و تاب سے قائم ہے، وہ اینگلو انڈین اخبار مدراس میل سے بہت آگے بڑھ گیا ہے، حالانکہ میل کے ایڈیٹر لاسن اور لیبوجمپ بہت قابلیت کے ساتھ اسے نکالتے ہیں، حال کے سیاسی معاملات کے باعث بعض طاقتور نئے اخبارات مثلاً نیو انڈیا، انڈی پنڈنٹ، فارورڈ معرض وجود میں آئے، بمبئی کرانیکل، نیشنل ہیرلڈ، انڈین ڈیلی میل، سوراجیہ، وائس آف انڈیا، فری پریس جرنل وغیرہ ہندوستانی مطالبات پر زور دیتے ہوئے نکلے، کلکتہ کی صحافت کی ممتاز خصوصیت ہفتہ واری اشاعت ہے کیپیٹل کو ۱۸۸۶ء میں ٹریون

نے نکلا، اس وقت سے آج تک یہ چوٹی کا اخبار ہے، سوشل رفارمر کا ذکر بھی کرنا چاہئے جسکا اڈیٹر مالاباری کی طرح پارٹی فیلنگ نہین رکھتا، بلکہ انتہائی ضبط کے ساتھ چلتا ہے، اخبارات کے دفتروں میں کفایت شعاری ملحوظ رکھی گئی ہے، اور جب سے مشین پریس روبہ کار آئے ہیں حروف کا جوڑنا، جاننا اور چھاپنا آسان ہوگیا ہے، اور آسانی کے سببے اخبارات نے تجارتی صورت اختیار کرلی ہے، محض اشتہارات کی وجہ سے ان کی مالی حالت درست رہتی ہے، نیز اخبارات کو باتصویر نکالنے میں سہولت پیدا ہوگئی ہے، اخبار اسٹیٹسمین سبسے پہلے مصور نکلا، اسی کی جدت کا ثمرہ ہے، کہ ٹائمز آف انڈیا باتصویر چھپتا ہے، اور دوسرے بہت سے اخبارات بھی تصویروں سے مزین ہوتے ہیں،

ایسوسی ایٹڈ پریس اور فری پریس کا تذکرہ نہایت ضروری ہے، ابتدا میں ان دونوں کے وجود میں آنے سے پہلے پانیر اخبار تمام سرکاری خبروں کا اکیلا اجارہ دار تھا، اسلئے اسکی یکتائی کے خلاف دونوں پریس شروع میں سعی کرنے لگے یہ دونوں پریس ابھی ان اخبارات کی دسترس سے باہر ہیں جنکی مالی حالت اچھی نہیں ہے،

بخوف طوالت ہم بہت سے اخباروں کا تذکرہ نہیں کرسکتے، یہ کام انگریزی صحافت کے مورخ کا ہے، تاہم بعض اخباروں کا نام لکھنا ضروری ہے، مثلاً مسلمان کلکتہ، محمڈن مدراس، آئی ڈی ٹی (یو پی) ابزرور لاہور، اسٹار الہ آباد، دی مسلم ہیرالڈ، کامرڈ دہلی، دی مسلم اوٹ لک لاہور، دی ایسٹرن ٹائمز، ٹریبون، سول اینڈ ملٹری گزٹ اور لیڈر الہ آباد اپنے دور کے ممتاز اخبارات ہیں گاندھی جی کا اخبار ینگ انڈیا بھی بہت مقبول ہوا، ماڈرن ریویو کلکتہ، انڈین ریویو مدراس، الہ آباد ریویو، ایسٹ اینڈ ویسٹ بمبئی، دی اورینٹ لاہور، یہ ماہوار رسالے مشہور اور مقبول ہیں،

اخبارِ علمیہ

شخصیت کا سائنٹفک تجزیہ

حال میں امریکہ کے دو مشہور ڈاکٹروں ڈاکٹر ہیگرڈ (H.W. HAGGARD) اور ڈاکٹر فرائی (C.C. FRY) نے ایک بہت دلچسپ کتاب لکھ کر شائع کی ہے، جس کا نام "تشریحِ شخصیت" (THE ANATOMY OF PERSONALITY) ہے، اس کتاب میں مصنفین نے شخصیت کا تجزیہ کیا ہے، اور چند ایسے قواعد بتائے ہیں جن کی مدد سے انسان کی سیرت (کیرکٹر) سے متعلق واقفیت حاصل کیجا سکتی ہے، یہ تصنیف اپنی قسم کی پہلی نہیں ہے، اب سے دو ہزار تین سو برس پہلے بھی افلاطون کے شاگرد اور ارسطو کے دوست تھیوفراسطوس (THEOPHRASTUS) نے انسانی سیرتوں پر ایک کتاب لکھی تھی اور اس کے بعد متعدد فلسفیوں نے اس موضوع پر کتابیں لکھیں، لیکن سیرتوں کے معلوم کرنے کے جو اصول ان فلسفیوں نے مقرر کئے تھے وہ کامیاب ثابت نہ ہوسے، جس کی وجہ ڈاکٹر ہیگرڈ، اور ڈاکٹر فرائی کی رائے میں یہ ہے کہ وہ اصول سائنس پر مبنی نہ تھے، اپنی اس جدید تصنیف میں ان دونوں ڈاکٹروں نے بیان کیا ہے کہ شخصیت پانچ بنیادی عناصر سے ملکر بنتی ہے :- (۱) جسمانی ساخت (۲) قوتِ عمل (۳) فہم و دانائی (۴) مزاج اور (۵) انانیت

وہ لکھتے ہیں کہ یہ خیال صحیح نہیں کہ انسان کی سیرت کا پتہ اس کے چہرہ سے لگایا جا سکتا ہے اور مزاج کا جسمانی ساخت سے، تاہم کسی شخص کی سیرت کے متعلق حکم لگانے کے لئے ان کے نزدیک بھی مناسب ہے کہ پہلے اس کی جسمانی ساخت پر نظر ڈالی جائے، انسان عموماً دو قسم کے

ہوتے ہیں، ایک وہ جن کا قد چھوٹا بدن گداز، اور جسم گول ہوتا ہے، ان کو سائنس کی اصطلاح میں پکنک (PYKNIC) کہتے ہیں، دوسرے وہ جو دبلے پتلے، چپٹے سینہ کے، اور کبھی کبھی ورزشی جسم کے ہوتے ہیں، ان کو لپٹوسم (LEPTOSOME) کہتے ہیں، دونوں قسم کے انسانوں کی مزاجی کیفیت جنون و دیوانگی کی حالت میں بہت نمایاں ہوجاتی ہے، عموماً پکنک انسان جنون کی حالت میں انتہائی برانگیختگی یا گہری افسردگی کا شکار ہو جاتے ہیں، وہ خواہ صحیح الدماغ ہوں یا مجنون، واقعات و حقیقت کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے ہیں، برخلاف اس کے لپٹوسم عموماً خیالی دنیا میں زندگی بسر کرتے ہیں، فلاسفہ اور علماے مابعد الطبیعیات زیادہ تر اسی گروہ میں پیدا ہوتے ہیں، اس امر کا انحصار کہ انسان اپنی شخصیت کے امکانات سے کس حد تک کام لے گا اس کی فہم و دانائی اور قوتِ عمل پر ہے، ڈاکٹر ہیگرڈ اور ڈاکٹر فرائی کی راے میں یہ دونوں چیزیں پیدائشی ہیں اور آخر عمر تک بہت کم بدلتی ہیں، مزاج میں بھی تبدیلی بہت کم ہوتی ہے، مزاج ہی سے ایک زندہ دل اور افسردہ دل آدمی کا فرق ظاہر ہوتا ہے، لیکن حقیقۃً جو چیز انسان کی شخصیت کو حرکت میں لاتی ہے وہ اس کا انا (EGO) ہے، انا قوی بھی ہوتا ہے اور ضعیف بھی، جن لوگوں پر انا کا غلبہ ہوتا ہے ان کی دو قسمیں ہیں، ایک کا نصب العین صرف قوت ہے، ایسا شخص اپنے کو اپنے ماحول سے بلند تر محسوس کرتا ہے، اس کو دوسرے آدمیوں کی ضروریات سے کوئی ہمدردی نہیں ہوتی، وہ موافق یا مخالف تنقیدوں سے بے پروا رہتا ہے، وہ صرف قوت چاہتا ہے، خواہ کسی ذریعہ سے حاصل ہوسکے دوسری قسم میں وہ لوگ شامل ہیں جن کا نصب العین وقار ہوتا ہے، ان کی بھی تین قسمیں ہیں، ایک وہ جو وقار کو جائز طور پر حاصل کرتے ہیں، اور اس کے حاصل کرنے کے لئے پوری کوشش کرتے ہیں، دوسرے وہ لوگ جو تعمیری کوشش کم کرتے ہیں، لیکن زیادہ توجہ اس بات پر

رکھتے ہیں کہ دوسروں پر ان کی اہمیت کا اثر پڑتا ہے، تیسرے وہ جو اوروں کے کارناموں کی تخریب کو اپنے وقار کا ذریعہ بناتے ہیں، وہ دوسروں کے کارناموں کو تھوڑا دکھا کر انہیں اپنی سطح سے نیچے لانے کی کوشش کرتے ہیں، تاکہ مقابلہ میں تفوق کی ایک ظاہری شکل حاصل ہو جائے۔

جامعہ پرنسٹن کا شعبۂ علوم اسلامیہ

پرنسٹن یونیورسٹی (امریکہ) میں علوم اسلامیہ کا جو شعبہ قائم کیا گیا ہے، اس کا پہلا سشن ۲۰ جون سے ۳۱ جولائی ۱۹۳۵ء تک جاری تھا، اس شعبہ کا مقصد یہ ہے کہ وہ فضلاء جو تاریخ فنون لطیفہ، فلسفہ اور مذہب کی تعلیم میں مصروف ہیں اور اس سلسلہ میں اسلامی تہذیب و تمدن کے صرف خارجی حالات سے وقتاً فوقتاً مطلع ہوتے رہتے ہیں، ان کو اس تہذیب کے عمیق مطالعہ کا موقع دیا جائے، چنانچہ اس قسم کے (۳۳) فضلاء، (۷) مختلف ممالک کے (۱۹) تعلیمی اداروں سے آکر طلبہ کی حیثیت سے اس شعبہ کے درس میں شریک ہوئے، نصاب میں اسلامی کلچر اور عربی لٹریچر کا درس ہر طالب علم کے لئے لازمی قرار دیا گیا تھا، یہ درس پروفیسر ہتی (HiTTi) کے سپرد تھا جو اس شعبہ کے صدر ہیں، اس کے علاوہ اختیاری مضامین تھے جن سے طلبہ کسی دو مضامین کو لے سکتے تھے، نصاب میں عربی زبان، عثمانی ترکی زبان، اور فارسی زبان کے درس بھی شامل تھے، سبق ہفتہ میں پانچ دن ہوتے تھے، ہر روز معمولی تین چار گھنٹے کام کے علاوہ مختلف مسائل پر بحث و مباحثے بھی ہوا کرتے تھے، علاوہ بریں مختلف علوم کے ممتاز فضلاء اپنے اپنے موضوع پر خطبے بھی دیتے تھے۔

"ہر بچہ ایک کامل مجرم ہے"

واشنگٹن (امریکہ) کے ڈاکٹر جان اڈورڈ لینڈ (JOHN EDWARD LIND) اپنے تجربہ اور تحقیق کی بنا پر لکھتے ہیں کہ مجرم کوئی عجیب الخلقت ہستی نہیں ہوتا جس کا دماغ الٹے طریقہ پر کام کرتا ہے،

یا جس کی حس اخلاقی فنا ہو جاتی ہے، وہ جسمانی اور نفسیاتی طور پر ویسا ہی ہوتا ہے، جیسا کوئی غیر مجرم، ہر بچہ ایک کامل مجرم ہوتا ہے، اس کو صرف اپنی ذاتی خواہشوں کا خیال رہتا ہے اور وہ تمام دوسری چیزوں کو اپنی خواہشوں کے تابع کرنا چاہتا ہے، وہ غذا اور آرام و آسایش کا مطالبہ کرتا ہے، اور اس وقت تک چلاتا اور شور مچاتا رہتا ہے جب تک ان چیزوں کو پا نہیں لیتا، اس کی سرگرمیاں اس کی جسمانی کمزوری کی وجہ سے محدود رہتی ہیں، ورنہ وہ ڈاکہ اور قتل سے بھی باز نہ آئے۔

خوش قسمتی سے اکثر بچے جوں جوں بڑھتے جاتے ہیں تہذیب و تمدن کے اثرات سے بھی بہرہ اندوز ہوتے جاتے ہیں، خاندان کے لوگ دائیاں، اور بعد میں اساتذہ وہ خیالات انکے ذہن نشین کراتے جاتے ہیں جو انسان ہزاروں برس سے بتدریج حاصل کر رہا ہے لیکن کچھ بچے ان خیالات سے محروم رہجاتے ہیں، انکی زندگیاں ان خیالات سے مسخ ہو جاتی ہیں جو وہ اپنے ذلیل اور گندہ گھروں میں نیز خاندانی جھگڑوں سے حاصل کرتے ہیں، ڈاکٹر موصوف لکھتے ہیں: "بعض عادی مجرموں کے نفسیاتی مطالعہ سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ سوسائٹی سے انکا مستقل طور پر برسرِ پیکار رہنا حقیقتہً اس نفرت کی علامت ہے جو وہ کبھی ایک سخت اور بدسلوک باپ یا بڑے بھائی کے خلاف رکھتے تھے"، موصوف کی رائے میں مجرم پانچ قسم کے ہوتے ہیں:۔ (۱) قانونی (۲) اتفاقی (۳) اعصابی (۴) معمولی (۵) نفسیاتی۔

موجودہ زمانہ کی قانونی پیچیدگیوں کی بنا پر تقریباً ہر شخص قانونی مجرم قرار دیا جا سکتا ہے، اتفاقی مجرم وہ ہیں جنسے کسی جرم کا ارتکاب یا تو سخت غصہ اور جذبہ کی حالت میں ہوتا ہے، یا جب وہ کسی شدید ضرورت سے مجبور ہو جاتے ہیں، بہتیرے قاتل اسی قسم میں آتے ہیں، اعصابی مجرم وہ ہیں جو کسی اندرونی کشمکش میں مبتلا ہوتے ہیں، اس کشمکش سے مغلوب ہو کر وہ چوری کر بیٹھتے ہیں حالانکہ انہیں روپیہ کی ضرورت نہیں ہوتی یا محض تفریحی طور پر بلا کسی خاص غرض کے کسی مکان میں آگ لگا دیتے ہیں، معمولی مجرم وہ ہیں جنھوں نے بچپن میں غلط نصب العین حاصل کئے ہیں، وہ بچپن ہی سے کسی ڈاکو یا قاتل کو اپنا ہیرو سمجھنے لگے اور جب بڑے ہوئے تو خود بھی ویسا ہی بننے کی مسلسل کوشش کرتے رہے، ان تمام مجرموں میں صرف نفسیاتی مجرم ایسا ہے جو ذہنی طور پر مسخ ہو چکا ہے لیکن ایسے مجرموں کی تعداد بہت تھوڑی ہے،

"ع ز"

ادبیات

باقیاتِ فانی

از

حضرت فانی بدایونی،

موت کی رسم نہ تھی اون کی ادا سے پہلے
زندگی درد بنا نی تھی دوا سے پہلے

کیون رہے بیچ میں یہ واسطۂ حسن قبول
بند کر بابِ اثر میری دعا سے پہلے

کاٹ ہی دین گے قیامت کے دن اک اور ہی
دن گذارے ہیں محبت میں قضا سے پہلے

دو گھڑی کے لئے میزانِ عدالت ٹھہرے
کچھ مجھے حشر میں کہنا ہے خدا سے پہلے

کچھ ادائیں ہین جنھیں قتلِ عبث ہے منظور
کچھ سزائیں ہیں جو ملتی ہیں خطا سے پہلے

ہائے ان کا میری میت پہ یہ عذرِ تاخیر
سو گئے تم میرے دامن کی ہوا سے پہلے

دارِ فانی میں یہ کیا ڈھونڈ رہا ہے فانی
زندگی بھی کہین ملتی ہے فنا سے پہلے

تابشِ سہیل

از جناب اقبال احمد صاحب سہیل ایم اے (علیگ) ایڈوکیٹ اعظم گڈھ،

رنگ و بو کے اس سرا بستان میں تشنہ چھوڑ کر
کیا ہوا حسن حقیقت مجھکو مضطر چھوڑ کر

جی لگیگا خاک یہ جان بخش منظر چھوڑ کر
خلد کو میری بلا جائے تیرا در چھوڑ کر

دیکھ اے خورشید محشر تیری رسوائی نہ ہو | مشق تابش کر، تو میرا دامن تر چھوڑ کر
حشر کس کی بزم ہے، یارب کہ دوڑے سر کے بل | رند ساغر چھوڑ کر، زاہد منبر چھوڑ کر
کوئی کعبہ چاہیئے مجھکو پئے مشقِ طواف | ڈھونڈنے جائین کہان اب دل کا گھر چھوڑ کر
دہر کا ہر ذرہ باہم برسرِ پیکار ہے | کون اس پردے مین ہے چشم فسونگر چھوڑ کر
ہین بہت میدان تری حشر آفرینی کیلئے | دل کی دنیا نے نگاہِ فتنہ پرور چھوڑ کر
رہ گئی ہے کیا قفس میں اب ہماری یادگار | چند تنکے اور کچھ ٹوٹے ہوے پر چھوڑ کر
سو جفاؤن پر بھی رکھا حسن کا پاسِ ادب | کب کہا کچھ مین نے ان کو بندہ پرور چھوڑ کر
اتنی وسعت پر نہ نکلا جب تپش کا حوصلہ | اور اب جائین کہان صحرائے محشر چھوڑ کر
خاکِ دل برباد کی اور اسپہ فرماتے ہیں آپ | بے وفا اٹھے ہی آخر کوئے دلبر چھوڑ کر

ہوچکا زور طبیعت حضرتِ اقبال کا
اب رہا ہی کیا ہے ایک روحِ مصور چھوڑ کر

تاریخ الحدیث، از مولوی قاضی عبد الصمد صاحب صارم سیوہاروی، حجم ۳۰۰ صفحے، قیمت عاؔر، مکتبہ ابراہیمیہ، حیدرآباد، دکن،

علم حدیث کی تدوین پر ہندوستانی زبان میں اس وقت تک کئی کتابیں لکھی گئیں اور سیرت نبوی اور صحابہ کرام و تابعین، اور ائمہ محدثین کے سیر و سوانح کے ذیل میں اس علم کی تاریخ کے متعلق بھی اچھے خاصے معلومات فراہم ہوئے، تاریخ الحدیث میں حتی الامکان ان مآخذ سے فائدہ اٹھایا گیا ہے اور اس طرح اس میں علم حدیث کی تاریخ کے متعلق معلومات یکجا ہو گئے ہیں،

کتاب کے آغاز میں ہندوستانی زبان میں اس وقت تک علم حدیث کی تاریخ سے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے، مصنف نے اسے شمار کرایا ہے، لیکن اس فہرست میں جہاں علم حدیث سے غیر متعلق بعض کتابوں کے صفحہ دو صفحوں کے مواد کا ذکر آیا ہے، وہاں علم حدیث سے متعلق بعض مستقل مباحث بعض سلسلہ ہائے مضامین اور بعض کتابوں کے علم حدیث پر مستقل ابواب کے تذکرے نظرانداز ہو گئے ہیں، حالانکہ تاریخ الحدیث کی تدوین میں ان سے پورا فائدہ اٹھایا گیا ہے، یوں تو "علم حدیث" کے عنوان سے الندوہ میں علم حدیث کی تاریخ پر بعض تحقیقی مضامین ہندوستانی زبان میں شاید پہلی مرتبہ شائع ہوئے اور وہ مصنف کی نظر سے نہیں گذر سکے، لیکن "ہندوستان اور علم حدیث" کے عنوان سے معارف کے آٹھ دس نمبروں میں جو مسلسل مضامین شائع ہوئے ہیں، ان سے مصنف نے اس کتاب میں بھی "ہندوستان اور علم حدیث" کے بیان میں فائدہ اٹھایا ہے، پھر اسوۂ صحابہ جلد دوم

میں علم حدیث پر ص ۲۹۰ سے ص ۳۲۲ تک میں علم حدیث اور صحابہ کرامؓ کے سلسلہ میں مستقل عنوان سے مختلف مباحث ہیں مصنف نے تقریباً انہی سرخیوں سے ان مباحث و روایات کو دور صحابہ میں علم حدیث کی سرگذشت بیان کرتے ہوئے ملخصاً نقل کیا ہے:

کتاب کی ترتیب و تبویب پر بھی مزید توجہ کی ضرورت تھی، اسی طرح مصنف نے کتاب کے بیچ بیچ میں مختلف غیر متعلق مسائل و مباحث داخل کر دیئے ہیں، جنہیں معروضات و گذارشات بھی ہیں، انہیں زیادہ سے زیادہ دیباچہ و مقدمہ میں جگہ دیجا سکتی تھی، مباحث کے بیان میں اجمال و تفصیل کی ضرورتوں پر بھی نگاہ نہیں رہی، بعض مقامات پر جہاں تفصیل کی ضرورت تھی، اجمال سے کام لیا گیا، اور جہاں اجمال و اشارہ سے کام چل سکتا تھا، وہاں تفصیلات بیان کی گئی ہیں،

تاہم مجموعی حیثیت سے اس کتاب میں علم حدیث کی تاریخ کے ہر پہلو پر اجمالی طور پر معلومات کا کچھ نہ کچھ ذخیرہ فراہم ہو گیا ہے، اور مصنف کی سعی و محنت قابل قدر اور لائق ستایش ہے، توقع ہے کہ مسلمان اس سے پورا فائدہ اٹھائیں گے،

مثنویات از جناب محمد امیر احمد صاحب علوی بی اے، حجم ۱۰۲ صفحے، قیمت: ۱۲ر، پتہ:- امیر محل لائبریری، نصیر باغ، کاکوری، ضلع لکھنؤ،

یہ ہندوستانی زبان کی مثنویوں پر ایک فاضلانہ تبصرہ ہے، جس میں دکنی مثنویوں سے دور حاضر سے پہلے تک کی مثنویوں پر جامعیت و اختصار سے نظر ڈالی گئی ہے، لائق مصنف کے نزدیک دکنی مثنویوں کا اردو زبان سے برائے نام تعلق ہے، چنانچہ ان پر محض سرسری گفتگو کی ہے، پھر ہر دور کی اہم مثنویوں کو پیش کیا ہے، اس سلسلہ میں اگرچہ مجموعی طور پر سحر البیان اور گلزار نسیم کو باہم ہم رتبہ قرار دیکر ان دونوں کو تمام مثنویوں پر فوقیت دی ہے، تاہم انداز بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف کے نزدیک سحر البیان پر گلزار نسیم کو ترجیح حاصل ہے، پھر معقول دلائل سے درجہ اول کی مثنویاں شمار کرائی ہیں، اور آخر میں مثنویوں کا ایک عام نقشہ

مرتب کر دیا ہے، ہر مثنوی کے تذکرہ کے ساتھ چند اقتباسات بھی درج ہیں، اس رسالہ میں مختصر ہونے کے باوجود اردو مثنویوں کے متعلق دلچسپ ادبی نقد کے ساتھ شاید اس سے زیادہ مباحث کسی دوسری جگہ یکجا نظر نہ آئیں،

باپ کے خط بیٹی کے نام، از جناب پنڈت جواہر لال صاحب نہرو۔ حجم ۱۰۲ صفحے، ناشر کتابستان نمبر ۱۷ ایلے سٹی روڈ، الہ آباد، قیمت مع جلد عا۔

یہ چند تعلیمی خطوط کا مجموعہ ہے جنھیں ہندوستان کے مشہور محب وطن پنڈت جواہر لال نہرو نے دلنشین انداز بیان اور پدرانہ شفقت و محبت کے ساتھ اپنی بیٹی اندرا کے نام لکھے ہیں، ان میں دنیا کی پیدایش جانداروں اور انسانوں کی تخلیق، قبیلہ، نسل اور زبان کے اعتبار سے ان کی تقسیم پھر عہد بعہد میں انسان کی تہذیب و تمدن اور اسکی مختلف شاخوں میں ترقیاں بیان کی ہیں، ان تاریخی معلومات کے ساتھ خطوط میں اخوت انسانی، حب وطن اور ہندوستان کی خدمت کرنے کی تلقین کی گئی ہے، یہ خطوط انگریزی میں شایع ہوئے تھے، اور پنڈت جی کی اجازت سے ان کا سلیس اور آسان ہندوستانی زبان میں ترجمہ کیا گیا، اور عمدہ کاغذ اور اہتمام کی لکھائی چھپائی کے ساتھ شایع کئے گئے ہیں، اگرچہ ہمیں پنڈت جی کے بعض خیالات سے اتفاق نہیں، لیکن مجموعی حیثیت سے یہ کارآمد کتاب ہے، اس سے نہ صرف کم عمر طلبہ بلکہ اوسط درجہ کا اردو خواں تعلیم یافتہ طبقہ فائدہ اٹھا سکتا ہے،

گیارہ عورتوں کی کہانی، از مولوی سید عبداللہ صاحب رضوی دیسنوی معلم مدرسہ حنفیہ آرہ، قیمت ۱ر

صحیح بخاری میں ایک طویل اخلاقی و اصلاحی حدیث مروی ہے، جس میں آنحضرت صلعم نے قصہ کے طور پر گیارہ عورتوں کے ازدواجی حالات بیان فرمائے ہیں، اس کا بامحاورہ اور سلیس ترجمہ "حدیث ام زرع" کے عنوان سے کیا گیا ہے، ترجمہ میں بخاری کی شرحوں سے جابجا حواشی بڑھائے گئے ہیں،

ذکرِ نبی از جناب نصیر الدین صاحب ہاشمی ۱۷۶ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت ۱۲ر، پتہ مکتبہ ابراہیمیہ محی الدین بلڈنگ، مصطفیٰ بازار، حیدرآباد، دکن،

مؤلف نے آنحضرت صلعم کی سیرت پاک پر وقتاً فوقتاً مختلف مضامین مثلاً "رسول کریم کی خانگی زندگی" "رحمۃ للعٰلمین" "بعثت کے نتائج" "تعلیم نبوی" اور "آنحضرت صلعم بحیثیت سپہ سالار کے" وغیرہ لکھے تھے، اس رسالہ میں ان کو جمع کیا گیا ہے، ان سے سیرت پاک کے مختلف پہلو نمایاں ہوتے ہیں،

آخری نبی / **دس جنتی** — از جناب الیاس احمد صاحب مجیبی، حجم بہ ترتیب ۴۰، ۰۰ صفحے، تقطیع چھوٹی قیمت ۲ر، ۵ر، مکتبہ جامعہ ملیہ، قرول باغ، دہلی،

جناب الیاس احمد صاحب مجیبی چھوٹے بچوں کے لئے سہل و آسان زبان میں رسالے لکھنے کا بڑا سلیقہ رکھتے ہیں، وہ کئی چھوٹے چھوٹے رسالے کمسن بچوں کے لئے لکھ چکے ہیں، یہ دونوں بھی اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں، رسالہ "آخری نبی" میں آنحضرت صلعم کی سیرت بہت کمسن بچوں کو پڑھانے کیلئے لکھی گئی ہے، اسے قاعدہ ختم کرا کر پڑھا سکتے ہیں، اس کا دوسرا اڈیشن شائع ہوا ہے، دوسرے رسالہ "دس جنتی" میں، حضرات عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کے مختصر سوانح درج ہیں، یہ ذرا بڑی عمر کے بچوں کے لئے ہے، امید ہے کہ مصنف کے دوسرے رسالوں کی طرح یہ بھی مقبول ہوگا،

اسلامیات، ہر سہ حصہ، از جناب سلیم عبد اللہ، دفتر البینات، امراؤتی (برار) حجم بہ ترتیب ۴۴-۳۲-۳۶-اور ۱۱۶ صفحے، قیمت ۲ر، ۳ر، اور ۵ر

یہ تینوں رسالے مسلمان بچوں کو دینیات کی تعلیم دینے کے لئے عام فہم زبان میں لکھے گئے ہیں، جن میں اسباق کی تقسیم کے ساتھ توحید، رسالت، قصص انبیاء، اور اسلام کے مذہبی و اخلاقی تعلیمات بیان کئے گئے ہیں، بچوں کے مذہبی معلومات کے لئے یہ کارآمد رسالے ہیں،

نخبۂ باقی، از جناب عبد الکریم صاحب سہرآب اعظمی حجم ۰۰ صفحے، قیمت ۱۰ ر، ثلث

سے بازار خانی باغ سہارن پور (یوپی) کے پتہ سے مل سکتی ہے،

یہ رسالہ مولوی محمد شفیع صاحب مدرس سابق مفتی دارالعلوم دیوبند کے رسالہ غایات النسب اور مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی بعض تحریروں کے جواب میں ہے، جس میں خاص طور پر مسئلہ کفو پر معقول دلائل کے ساتھ بحث کی گئی ہے، اور رسالہ غایات النسب میں جو ضعیف اور موضوع حدیثیں اور محاضرات کی کتابوں کی جو روایتیں درج کی گئی ہیں، ان کا پردہ چاک کیا گیا ہے، افسوس کہ رسالہ کا لب ولہجہ مناظرانہ ہے، جس سے دامن بچانے کی ضرورت تھی،

رہنمائے حج، از مولوی ابوالمکارم محمد عبدالبصیر صاحب عتیقی آزاد سیوہاروی، حجم ۱۰۴ صفحے، تقطیع چھوٹی، کاغذ اور لکھائی چھپائی معمولی، قیمت ۱۲ر

اس میں مؤلف نے ادائے حج کے طریقہ، مکہ معظمہ کے بعض مآثر اور اپنے سفر حج کے حالات بیان کئے ہیں،

مفید الاطفال، نماز کی کتاب، روزہ کی کتاب، اسلامی تہذیب } از مولنا حافظ ابوبکر محمد شیث صاحب فاروقی، ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علیگڑھ حجم بہ ترتیب ۲۴، ۸۰، ۳۶، ۳۶ صفحات، قیمت ار، ۲ر، ۲ر، ۲ر، مرتبہ مولوی ابوالمغازی علی اعلیٰ فاروقی مہتمم دائرہ مطبوعات ملیہ، بازار الف خاں، جون پور،

مولانا ابوبکر محمد شیث صاحب نے چھوٹے بچوں کے لئے رسائل دینیات کا ایک مفید سلسلہ لکھا ہے، جس کے چار نمبر اب تک شائع ہو چکے ہیں، پہلے رسالہ "مفید الاطفال" میں سادہ طریقہ سے اذان اور نماز کی ماثورہ دعائیں لکھی ہیں، اس رسالہ کو زبانی یاد کرانے کے بعد "نماز کی کتاب" شروع کرائی جائے گی، اس میں طہارت و وضو کے ضروری مسائل کے بعد نماز اور اس کے متداول فقہی مسائل اچھی ترتیب سے اور عام فہم زبان میں قلمبند کئے گئے ہیں، اس رسالہ کو فقہ کے ابواب طہارت وصلوٰۃ کی عمدہ تلخیص سمجھنا چاہئے، پھر تیسرے رسالہ "روزہ کی کتاب" میں روزہ کے عام مسائل بیان

کئے گئے ہین، اس کے بعد چوتھا رسالہ اسلامی تہذیب کے نام سے ہے، جس میں اسلامی عقائد و اخلاق و آداب، سوال و جواب کے طرز میں لکھے گئے ہین، یہ رسائل مکتبون میں پڑھائے جانے کے قابل ہیں،

تعلیم خانہ داری، بچون کی استانی، گھروالی کی تربیت، از جناب حافظ سید عزیز حسن صاحب بقائی اڈیٹر رسالہ مینوا از پرجامع مسجد دہلی حجم بہ ترتیب ۱۰۷، ۹۵، ۷۰، صفحے، قیمت:- عہ، ۸ر، ۸ر

یہ تینون معاشرتی اصلاحی رسالے ہیں، تعلیم خانہ داری گھر کی شریف بہو بیٹیون کو خانہ داری کی ضروری تعلیم دینے کے لئے لکھا گیا ہے، جس میں گھر کی چھوٹی بڑی ضروریات گنائی گئی ہین، پھر کھانا پکانے، سینے پرونے، بیل بوٹے بنانے اور لکھنے پڑھنے غرض ایک خوش سلیقہ شریف لڑکی کے لئے جن معلومات کی ضرورت ہوتی ہے، ان سب کو مستقل عنوانون سے لکھا گیا ہے، اور یہ اس لحاظ سے ایک کارآمد رسالہ ہے، دوسرے رسالہ میں فسانہ کے طرز میں بچیون کے مدرسہ کی زندگی، اور ضروری تعلیمی معلومات درج کئے گئے ہیں، اور تیسرے رسالہ مین بھی فسانہ ہی کے طور پر لڑکیوں کو اہلی زندگی گذارنے کے طریقے بتائے گئے ہین،

مرزا قادیانی، از جناب عبدالغفور صاحب عابدی حیدرآباد، دکن حجم ۱۶ صفحے، قیمت ار

اس میں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے عقائد کی تردید کرکے دکھایا گیا ہے کہ وہ نہ نبی و مہدی ہو سکتے ہین، اور نہ مسیح ثانی و مجدد کہے جانے کے مستحق ہین،

وٹامائنس، از جناب لفٹنٹ کرنل محمد اشرف الحق صاحب قلعہ گولکنڈہ حیدرآباد دکن صفحے ۳۰ قیمت ۲ر

اس مین وٹامن (جوہر حیات) کی حقیقت، اس کے اقسام اور خواص اختصار کیساتھ بیان کئے گئے ہین،

خوشہ پروین، مرتبہ جناب سید کاظم مدیر کہکشان نمبر ۲۲۵۳ گلی تارا، دہلی، حجم ۲۲ صفحے، تقطیع جیبی، قیمت ۴ر

اس میں جناب فضل الدین فدا، دیناگری کے سو شعر چھاپے گئے ہین، "س"

جلد ۳۷ | ماہ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ مطابق ماہ جون ۱۹۳۶ء | عدد ۶

مضامین

شذرات

"ڈاکٹر انصاری مرحوم"

۹ رمئی ۱۹۳۶ء کی شام کو سات بجے کے قریب مین ڈیرہ دون کی ایک سڑک سے گذر رہا تھا کہ پیچھے سے ایک موٹر تیزی سے آئی اور نکل گئی، مین نے دیکھا کہ اُس پر ڈاکٹر انصاری بیٹھے ہین، سر کھلا تھا اور چہرہ پر بیحد تکان، رات گذر گئی اور صبح کو ان کے قیامگاہ کی تلاش ہوئی، معلوم ہوا کہ وہ رات ہی دلی چل دیئے، لیکن جب شام ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ رات دلی نہین گئے، راستہ سے سیدھے جنت کو سدھارے، دل دھڑکا، آنکھین پرنم ہوئین، اور سینہ سے آہ کا ایک شعلہ اٹھا جس نے صبر و تمکین کی متاع کو جلا کر خاکستر کر دیا،

ڈاکٹر مختار احمد انصاری گو نسب و وطن کے لحاظ سے ضلع غازیپور کے ایک ممتاز قصبہ یوسف پور کے ایک نہایت شریف خاندان سے تھے، مگر درحقیقت ان کا تعلق پورے ہندوستان سے تھا، اس یوسف کا کنعان، وہ محدود مقام نہ تھا جس کو یوسف پور کہتے ہین، بلکہ پورا ہندوستان تھا، اسی لئے آج پورے ہندوستان نے ان کی موت پر ماتم کیا، کیا مسلمان، کیا ہندو، کیا سکھ، کیا عیسائی، سب نے یہی جانا کہ آج انکا حقیقی بھائی اس دنیا سے چل بسا،

مین نے ڈاکٹر انصاری کو سب سے پہلے ۱۹۱۲ء مین اس وقت دیکھا جب وہ بلقان کی جنگ مین طبی وفد لیکر ترکی جا رہے تھے، اور اس تقریب سے لکھنؤ اسٹیشن سے گذر رہے تھے، مولانا شبلی اور بہت سے لوگ لکھنؤ اسٹیشن پر ڈاکٹر صاحب کو الوداع کہنے گئے تھے، اس وقت ڈاکٹر صاحب کی عمر تیس بتیس کی تھی، کھلتا رنگ، دبلا پتلا چھریرا بدن، کشیدہ قامت، ہنستا چہرہ، انوری یا قیصری مونچھین، جسم پر چست خاکی وردی، ڈاکٹر صاحب کمپارٹمنٹ کا دروازہ کھولے کھڑے تھے، گاڑی نے جیسے ہی سیٹی دی، لوگوں کی آنکھیں بھر آئیں اور مولانا شبلی مرحوم نے اسی جوش مین جھک کر ڈاکٹر صاحب کے بوٹ کو بوسہ دیا، اور رخصت کیا، وہ بھی عجیب منظر تھا،

ڈاکٹر صاحب کا سب سے پہلا شجاعانہ اسلامی کارنامہ ۱۹۱۸ء مین مسلم لیگ دہلی کے صدر کی حیثیت سے

وہ یادگار خطبہ ہے جس میں سب سے پہلے خلافت اور مقامات مقدسہ کی نسبت مسلمانوں کے جذبات کا صحیح فنی
سے لحاظ کیا گیا اور مذہبی کتابوں کے حوالہ سے مسلمانوں کے دعوے کے دلائل پیش کئے گئے تھے اسکے بعد تو انکا یہ جنون بڑھتا ہی رہا اور خلافت
کانگریس و ہندو مسلم اتحاد کی کوششوں میں انھوں نے وہ کچھ کیا، جو ہندوستان کے کسی مسلمان نے نہیں کیا،

وہ ہندو مسلم اتحاد کے منادی، عالم اسلامی کے سفیر اور آزادی وطن کے مبلغ تھے، وہ جلسوں میں بہت
کم بولتے تھے، مگر جب بولتے تھے تو وہ کہتے تھے جس کی صداقت دلوں میں گھر کر جاتی تھی، صداقت اور شرافت
ان کا خمیر تھا، صداقت کی خاطر ان کو کبھی کبھی اپنے عزیز ترین دوستوں کا ساتھ چھوڑنا پڑتا تھا، اور شرافت
کے سبب سے ان دوستوں کے غیظ و غضب اور جفا کوشی کو پوری متانت اور سنجیدگی کے ساتھ برداشت
کرتے تھے، اس کے کتنے مناظر خود میری آنکھوں کے سامنے گذرے ہیں،

ان کا گھر مہمانوں کے لئے، ان کی جان دوستوں کے لئے اور انکا مال ضرورتمندوں کے لئے وقف تھا
ناواقف ان کو دولتمند سمجھتے تھے، مگر جاننے والوں کو معلوم ہے کہ کبھی کبھی ان پر ایسے دن بھی گذرے کہ قرض
لے لیکر مہمانداری کا فرض انجام دیا جاتا تھا، اور اس حالت میں بھی قومی جلسوں کا پورا بار اپنے کندھوں پر اٹھائے
اور سیکڑوں اپنے جاننے والوں اور نہ جاننے والوں کو اپنا مہمان بنائے ہوئے تھے،

وہ فیاضی کا مجسمہ، لطف و محبت کا دیوتا، اور حسن اخلاق کا فرشتہ تھے، متانت اور سنجیدگی انکی
طینت اور غور و فکر ان کی عادت تھی، وہ وطن کے خدمتگار، انسانیت کے غمخوار اور اسلام کے پرستار تھے
وہ دنیا میں اتحاد اسلامی کے پیغامبر اور ملک میں ہندو مسلم اتحاد کے مبلغ تھے، انکی پالٹکس کے سولہ برسوں میں طوفان سیاست کے
سیکڑوں جھونکے اٹھے، اور سیاسی انقلاب خیال کے بیسیوں حادثے پیش آئے مگر صداقت اور استقامت کا یہ پہاڑ جوں کا توں اپنی جگہ پر جما رہا

نہرو رپورٹ کے سلسلہ میں وہ وقت آیا جب اپنوں نے ان کو غیر بنایا، آشناؤں نے بیگانہ سمجھا
اور دوستوں نے دشمن قرار دیا، بلکہ کلکتہ خلافت اور آل پارٹیز کانفرنس میں وہ وقت بھی آیا جب انکے اپنے دست و
بازو نے انکو دھکے دیئے، اور مسلمانوں نے ان پر حملہ کی نیت کی، تاہم یہ شرافت و متانت کا مجسمہ خاموش رہا، اللہ

اپنوں کی بدسلوکی کے ذکر اور دوستوں کی جائز شکایت سے کبھی اپنے لب کو آلودہ نہیں کیا،

اب زمین کا یہ فرشتہ ہمارے شور و شر کی سرزمین سے بہت دور امن و راحت کے آسمان پر چلا گیا، اس کا خاکی جسم دلی کے ایک کھنڈر میں ہزاروں من مٹی کے نیچے دبا ہے، اب زمانہ کے حوادث اسکو رنجیدہ، عالم اسلامی کی زبون حالی اسکو آزردہ، اور وطن کی غلامی اسکو افسردہ نہیں بنائیگی، اس کا تن خاکی اب ایک تھکے ہوئے مسافر کی طرح زمین کے بچھونے پر ابدی نیند سو رہا ہے، اور اسکی روح ہماری مدح و ستایش سے بے پروا، اور ہمارے نوحہ و ماتم سے بے خبر اپنے نیک اعمال کا محضر لئے خدا کے سامنے ہے، امید ہے کہ مغفرت کا نورانی خلعت اسکے جسم پر اور نوازش کا تاج اسکے سر پر ہوگا،

آہ! کیسا دلدوز منظر ہے، وہ حاذق جس سے درد دل کے ہزاروں مریضوں کو شفا ہوئی جس نے اپنے تیس برس کے معالجہ میں ہزاروں کو موت کے خطرہ سے بچایا ہوگا، وہ ایک ریلوے سفر میں، گاڑی کے ایک ڈبہ میں، ڈبہ کے ایک تختہ پر موت کے پنجہ کو آہستہ آہستہ اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھتا ہے، اور اس بیکسی و بے بسی کے عالم میں اپنے کو مجبور پاتا ہے اور چالیس منٹ کے اندر ستاون برس کی عمر میں اسکی ہستی کا چراغ گل ہو جاتا ہے،

دہلی کے اسٹیشن نے بیسیوں دفعہ اسکے جلوس و استقبال کا رنگین منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوگا، ۱۰ رمئی ۱۹۳۶ء کی صبح کو اسی اسٹیشن نے اس کی بے روح لاش کو گاڑی سے اترتے دیکھا، استقبال کرنے والوں کا ہجوم اب بھی تھا، مگر چہروں پر مسکراہٹ کے بجائے رنج و غم، آنکھوں میں تبسم کے نور کی جگہ آنسوؤں کے قطرے، دل میں خوشی اور مسرت کے اطمینان کے بدلہ غم و الم کا اضطراب،

طرابلس اور بلقان کے ہنگاموں نے ہماری چند جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کو دفعتہ سوتے سے بیدار کر دیا تھا، محمد علی مرحوم اس قافلہ کے رہبر اور ڈاکٹر انصاری اس قافلہ کے سب سے پر جوش رہرو تھے، افسوس کہ ان دونوں دردمندوں نے دل ہی کے آزار میں وفات پائی، دل کا درد مجاز بنکر نمودار ہوا، اور ان کی قومی زندگی کا باعث ہوا، اور وہی حقیقت بنکر ان کی موت کا سبب ہوا، محمد علی مرحوم نے پہلے داغ مفارقت دیا، اور اب

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

مقالات

"عربون کی جہازرانی"

پر

استدراک

از جناب ڈاکٹر مولینا حمید اللہ صاحب ایم اے پی ایچ ڈی استاذ فقہ جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن

(۲)

عرب میں بندرگاہ، عربی بندرگاہون کا ذکر خاص تفصیل سے (مکمبرص، تا) کیا گیا ہے، اس سلسلے میں عمان کے مشہور بندرگاہ دبا کے متعلق چند چیدہ معلومات بے محل نہ ہون گے، اسی طرح بحرین کے بندرگاہ مشقر اور یمن کے بندرگاہ عدن وغیرہ کا ذکر کیا جاتا ہے، :-

ا:- ..... ثم سوق دبا وھی احدی	پھر بازار دبا ہے، اور وہ عرب کا ایک
فرضتی (فُرضہ) العرب یاتیھا	بندرگاہ ہے جس میں سند ہند چین کے تاجر
تجار السند والھند والصین	اور مشرق اور مغرب کے لوگ آتے ہیں،
واھل المشرق والمغرب فیقوم	اور یہ بازار رجب کے آخر دن میں لگتا
سوقھا آخر یوم من رجب وکان	ہے اور ان کی بیع اس بازار میں مساومہ
بیعھم فیھا المساومۃ وکان	ہوتی ہے، اور جلندی بن مستکبر ان سے
الجلندی بن المستکبر یعشرھم	یہں اور بازار صحار میں عشر لیتا ہے،

فیها وفی سوق صحار یفعل فی ذلك فعل الملوك بغیرها."	اور اس معاملے میں وہی طریقہ اختیار کرتا ہے، جو بادشاہ لوگ اور بازارون مین اختیار کرتے ہیں

(کتاب المحبر لمحمد بن حبیب المتوفی ۲۴۵ھ مخطوطہ برٹش میوزیم ورق ۹۵)

"....ثم یرتحلون بها الی دبا وكانت احد فرض العرب یجتمع بها تجار الهند والسند والصین واهل المشرق والمغرب..... فیشترون بها بیوع العرب الهجر...." (کتاب الازمنه والامكنه للمرزوقی باب ۴۰)	پھر اوسکو لنگرواٹھا کر دبا کو جاتے ہین، جو عرب کا ایک بندرگاہ تھا، جہان ہند، سند اور چین کے تاجر اور مشرق و مغرب کے لوگ جمع ہوتے تھے، اور وہاں عرب اور ہجر کی طرح خریداری کرتے تھے،
۲-.... ثم یرتحلون منها الی المشقر بهجر فتقوم سوقها اول یوم من جمادی الآخرۃ الی آخر الشهر فتوافی بها فارس یقطعون البحر الیها بیباعاتهم...." (کتاب المحبر ورق ۹۴-۹۵)	پھر اس سے مشقر کا سفر کرتے تھے، جو بحرین سے یہ بازار جمادی الآخرہ کے پہلے دن سے آخری مہینے تک لگا رہتا تھا، اور ایرانی لوگ اپنا سرمایہ تجارت لیکر وہان بحری سفر کرکے آتے تھے،
۳، ۴-.... ثم یسیرون بجمیع	پھر وہان خشکی اور تری کے جو تاجر ہوتے

من فيهامن تجار البر والبحر
الى الشحر - شحر مهرة - فيقوم
سوقهم.... ثم يرتحلون منها
الى عدن الا تجار البحر فانه
لا يرتحل منهم الا من بقي من
بيعه شيئ ولم يبعه فيوافي
الناس بعدن من بقي معه
من تجار البحر شيئ ومن لم يكن
شهد الاسواق التي كانت قبلها
.... وعان طيب (الطيب ؟)
الخلق .... ولم يكن احد يحسن
صنعه من غير العرب حتى ان
تجار البحر لترجع بالطيب
المعمول، تفتخر به في السند
والهند وترتحل به تجار البر
الى فارس والروم.. " (المرزوقی باب)

تھے، ان کو لے کر شحر یعنی شحر مہرہ تک
جاتے ہیں، اور وہاں ان کا بازار
لگتا ہے، پھر وہاں سے عدن کو جاتے
ہیں، البتہ بحری تاجروں میں صرف
وہی لوگ وہاں سے عدن کا سفر کرتے ہیں
جنکا سودا کچھ بکنے سے رہ گیا ہے، اور اس
نے اس کو نہیں بیچا ہو، تو عدن میں لوگوں
کے پاس وہی بحری تاجر آتا ہو جسکے ساتھ
کچھ مال رہگیا ہو، اور وہ لوگ بھی عدن
میں آتے ہیں، جو اس سے پہلے کے بازاروں
میں نہیں گئے تھے اور ..... اہل عرب کے
سوا کوئی دوسرا اسکو عمدہ نہیں بنا سکتا
تھا، یہاں تک کہ بحری تاجر اس مصنوعی
خوشبو کو لے کر واپس ہوتے ہیں، تو سندھ
اور ہند میں اس پر فخر کرتے ہیں، اور خشکی کے
تاجر اسکو لیکر ایران اور روم میں جاتے ہیں،

آبنائے عمان یا باب المندب؟ "اسی کے پاس عمان کی دریائی پہاڑیاں ہیں، اور وہ جگہ ہے، جس کو دردو
کہتے ہیں، یہ دو پہاڑوں کے بیچ تنگ دریائی راستہ ہے، (باب المندب ؟)" (الجر ص ۷) یہاں غالباً
سہو قلم سے بجائے "آبنائے عمان" کے "آبنائے باب المندب" لکھدیا گیا ہے، باب المندب بحر قلزم کے دہانے

پر بھی، یہاں خلیج فارس کا ذکر ہے،

چین | تم نے اوپر کی سطروں میں حدود ملک چین تک کے راستے بتائے ہیں، (عکس ص ۹،) اس سلسلے میں وہ مشہور مقولہ بیان کیا جا سکتا ہے، جو آنحضرت صلعم سے منسوب کیا جاتا رہا ہے کہ اطلبوا العلم و لو کان بالصین، اگرچہ یہ حدیث ابن عبد البر نے علم پر اپنی مشہور کتاب میں حضرت انسؓ کی روایت سے درج کی ہے، بیہقی نے شعب الایمان میں، ابن عدی نے الکامل میں اور العقیلی نے الضعفاء میں لیکن ماہرین نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے، شاید اس قیاس کو زیادہ دور از کار نہیں قرار دیا جائیگا کہ یہ حدیث اس زمانے کی پیداوار ہے، جب بنو امیہ کے تجارتی تعلقات چین سے بہت مستحکم ہو گئے تھے، اور وہاں کے بگپور (فغفور یا بغبور، باگ کے معنی تاتاری اور جدید روسی زبان میں خدا کے ہیں، پور بیٹے کو کہتے ہیں چینی اپنے بادشاہ کو آسمان کا بیٹا سے ملقب کرتے رہے ہیں،) کے اسلام لانے کا امکان نظر آرہا تھا، اس وقت چینیوں کی تالیف قلبی کی ضرورت تھی،

تیسری صدی کا سفرنامہ یورپ، | "ابن فضلان نے بغداد سے روس و بلغار تک اپنا سفرنامہ مرتب کیا تھا جس کا مختصر خلاصہ یاقوت نے اپنی معجم البلدان میں شامل کیا ہے" (عکس ص ۱۱۵) اہل علم میں سے ہر ایک کو یہ سنکر خوشی اور چند کو تازہ خبر معلوم ہوگی، کہ مقتدر باللہ عباسی کے (جو تیسری صدی کے اواخر میں خلیفہ ہوا) سفیر ابن فضلان کا کھویا ہوا سفرنامہ مل گیا ہے، اور ایران سے اس کے ایک مکمل نسخہ کی عکسی نقل (فوٹو) برلین کے سرکاری کتبخانے میں آچکی ہے، اور اب لسے روسی اور دیگر زبانیں جاننے والے چند جرمن مشرقین اشاعت کیلئے تیار کر رہے ہیں، اور غالبًا ترجمہ بھی تفصیلی تعلیقات اور جدید ترین معلومات کے تقابلی مطالعے کیساتھ شائع ہوگا،

جاپان، | "اہل عرب ... جاپان کو جزائر واق واق کہتے ہیں" (عکس ص ۱۲۹) عرصہ ہوا عجائب الہند کے فرانسیسی مقدمے میں پروفیسر دخویہ نے یہ دلچسپ نظریہ پیش کیا تھا، لیکن ابھی دو سال ہوئے پیرس کے ایک عالم

ژورنال آزیاٹیک میں پروفیسر فران (Ferrand) جن کا چند ماہ قبل انتقال ہوگیا ہے، نے اس بارے میں نئے سرے سے تحقیقات کی ہے، اور عربی کے علاوہ چینی اور دیگر ماخذوں سے کثیر مواد فراہم کیا ہے، جس کا خلاصہ بھی انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں (عنوان "واق واق" کے تحت) شائع ہوا ہے، اس تفصیلی تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے کہ اس سے مراد جاپان نہیں بلکہ بورنیو ہے،

ابن جبیر

عربی سیاحوں کے سلسلے میں ابن جبیر کا سفرنامۂ حج بھی قابل ذکر ہے، یہ سلطان صلاح الدین کا ہمعصر تھا، اور اس نے اسپین سے مصر وغیرہ تک جہاز پر سفر کیا تھا، ابن جبیر نے جس دقتِ نظر سے حالات سفر بیان کئے ہیں، اور اثنائے راہ میں آتش فشان پہاڑوں، بندرگاہوں وغیرہ کا ذکر کیا ہے، اس سے بہت کچھ حالات معلوم ہوتے ہیں، خاص کر بحری سفر میں مسافر کے تجربے بہت دلچسپ ہیں،

بحری نقشے

سامان و آلاتِ جہازرانی کے سلسلے میں بحری نقشوں کا ذکر (عکس ص ۱۳۲ تا ۱۴۱) کیا گیا ہے، اس سلسلہ میں ایک حالیہ تحقیق کا ذکر کیا جاسکتا ہے، کولمبس نے امریکہ کا ایک نقشہ تیار کیا تھا جو اب ناپید ہے، مشہور ترکی ماہر بحریات پیری رئیس اس کا تقریباً ہمعصر تھا، ترکی میں ان دنوں سلیمان اعظم جیسے اولوالعزموں کا دور تھا، جو دنیا کو فتح کرنے کے منصوبے رکھتے تھے[1] ایسے زمانے میں سرکاری افسروں کے معلومات بھی عصری (اَپ ٹو ڈیٹ) ہوا کرتے تھے، چنانچہ پیری رئیس نے کولمبس کا نقشۂ امریکہ کسی طرح حاصل کیا، اور اپنے نقشۂ عالم میں شامل کرکے شائع کیا، نقشہ کھینچ

---

[1] اس کا سفیر چین گیا تھا، تاکہ وہاں کی فوجی قوت وغیرہ کا اندازہ لگائے، سفر کی رپورٹ جو خطائی نامہ کے نام سے فارسی میں لکھی گئی تھی، اور جس کا بعد میں ایک ناقص ترجمہ بھی ہوا ہے چین کے متعلق معلومات کی انسائیکلوپیڈیا ہے، اس کا جرمن ترجمہ مجھ سے کرایا گیا تھا، جواب چینی ماخذوں کے حواشی کے اضافے کیا تھ مع اصل فارسی متن قریب میں شائع ہوگا یہ کام جرمن مجلس شرقیات کے معتمد اور اسکے رسالے کے اڈیٹر ڈاکٹر کالے انجام دے رہے ہیں

توپ قپوسرائے (استانبول) مین ملا، اور کوئی تین سال ہوئے کہ اس کو بون یونیورسٹی کے صدر کلیۂ شرقیات اور جرمن مجلس شرقیات کے معتمد ڈاکٹر پاول کالے (P. Kahle) نے ایک طویل مقدمے کیساتھ شائع کیا ہے، ایک ضخیم تر کتاب اسی موضوع پر انگریزی میں بھی پروفیسر کالے نے لکھی ہے، جو امریکہ کی کسی یونیورسٹی کی جانب سے شائع ہوگئی ہے، یا ہونے والی ہے،

لائٹ ہاوز | لائٹ ہاوز (عکس ص ۱۳۱) کے سلسلے میں بھی پروفیسر کالے کی ایک کتاب کا ذکر کیا جا سکتا ہے، جس میں اسکندریہ کے مشہور منارے کے متعلق جملہ مل سکنے والے عربی و دیگر معلومات مع تصاویر شائع ہوئے ہین،

صُوَرالکواکب | صُوَرالکواکب (عکس ص ۱۴۴) پر ایک نہایت قدیم رسالہ کتاب الازمنہ، لیوحنا بن ماسویہ المتطبب المعلم الفلکی ۱۹۳۲ء میں مصر مین شائع ہوا ہے[۱] اسمیں سال کے بارہ مہینون کی فلکی کیفیت تفصیل سے دی گئی ہے،

قطب نما | قطب نما پر جسے جہت نما یا سمت نما کہنا شاید زیادہ موزون ہو، عربوں کے متعلق بہت دلچسپ مواد یکجا کیا گیا ہے، (عکس ص ۱۴۷ تا ۱۶۲) مگر یہ چیز اس سے بہت زیادہ پرانی ہے، حال میں چند ماہ قبل حیدرآباد کے ضلع رائچور میں مسکی نامی مقام پر اثری کھدائی کے سلسلے میں زمانہ ماقبل تاریخ کے عہد حجری کی جو چیزین دریافت اور دستیاب ہوئی ہین، ان میں تین عدد جہت نما بھی صحیح و سالم حالت مین ملے ہیں، ان پر سولہ جہتوں کے نشان اور ذیلی جہتون کی علامتیں صاف طور سے نمایاں ہیں، کسی دل جلے نے کہا ہے کہ اس چرخ کہن کے نیچے خود ہمارے اپنے سوا کوئی چیز نئی نہین،

ایرانی ملک یمن میں | ایرانیون کی تجارتی اور دیگر ماوراء البحر نو آبادیون کا ایک سرسری ذکر (عکس ص ۱۱۱ تا ۱۷۰) اشارۃً کر دیا گیا ہے، پارسیون نے آنحضرت صلعم کی ولادت کے بعد بحری حملہ کرکے یمن پر قبضہ کر لیا تھا،

[۱] Bulletin de l'Institut d'Egypte XV 1933, جز 2 سے 23 تک

وہرز سپہ سالار و گورنر کے ساتھ آئے ہوئے یہ لوگ ابناء کہلاتے تھے، یہ لوگ عہد نبویؐ میں مسلمان ہو گئے اور کسریٰ عہدوں پر سرفراز کئے گئے، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں ردت کے موقع پر یمن کے عربوں میں یمنی قومیت کے جو جذبات پیدا ہوئے تھے، وہ آج چودھویں صدی ہجری میں ترکی، مصر، ایران، و عراق وغیرہ کے حالات کو دیکھ کر اپنی حیرت انگیز قدامت دکھاتے ہیں:۔

"۔۔۔ ولما سمع بذلک قیس ارسل	جب قیس نے اس کو سنا، تو ذی الکلاع
الی ذی الکلاع واصحابہ ان	اور اس کے ساتھیوں کو پیغام دیا کہ ابناء
الابناء نزاع فی بلادکم ونقلاء	تمہارے ملک میں اجنبی ہیں، اور دوسری
فیکم وان تترکوھم لن یزالوا	جگہ سے منتقل ہو کر آئے ہیں، اگر تم لوگ ان
علیکم وقد اریٰ من الرای	کو چھوڑ دوگے، تو تم پر حملہ کر دیں گے،
ان اقتل روسھم واخرجھم من	میری رائے تو یہ ہے کہ ان کے سرداروں
بلادنا فتبرء وافلم یمالئوہ	کو قتل کر دوں اور اپنے ملک سے ان کو
لم ینصروا الابناء واعتزلوا"	نکالدوں، تو یہ لوگ الگ ہو گئے، اور اوکی
(تاریخ طبری ص ۱۹۹۰)	موافقت نہیں کی اور ابناء کی مدد نہیں کی، اور

ہندی امیر البحر، جہازرانوں کا ذکر کرتے ہوئے (عکبر ص ۱۰۱ تا ۱۰۳) عربوں کے ساتھ ترکوں وغیرہ تک کا ذکر کر دیا گیا ہے، اور مرحوم ہی تو غریب ہندوستان ملیبار میں پرتگالی حملوں کے زمانے میں کالیکٹ پر سامری (Zamorin) لقب کے راجے حکمران تھے، ان کی بری فوج میں مسلمانوں کی کافی تعداد تھی لیکن ان کا بحریہ معلوم ہوتا ہے، کہ خالص اسلامی تھا، زین الدین المعبری کی تحفۃ المجاہدین فی بعض اخبار البرتکالیین اور مسٹر پانگار کی حالیہ کتاب Malabar and the Portuguese میں اس بات کا کافی مواد ملتا ہے، کہ کنج علی مرکار کا خاندان موروثی طور پر راجا سامری کا امیر البحر

تھا، چونکہ ملیباری مسلمان تاجر رہے ہین، اور مذہبیت کے باعث ہر سال ان کے بہت سے لوگ حج کو جایا کرتے تھے، اسی لئے ان میں جہازرانی بڑی ترقی کرگئی تھی، کنج علی مرکار کا خاندان اب بھی غالبًا شہر نیانی (ملیبار) میں آباد ہے، اگر اس خاندان کا کوئی رکن یا کوئی اور صاحب ہمت و معلومات اس امیرالبحر خاندان کی تاریخ مرتب کرے، تو نہ صرف دکن یا ہند بلکہ مسلمانون کے لئے باعثِ نازش ہوگا، کہ کس طرح مٹھی بھر آدمیون اور گنتی کی کشتیون سے ان مجاہدون نے سمندرون اور مشرق کے مالک پرتگال کا نسلون تک سمندر میں ناک میں دم کررکھا تھا،

ہندستان کی تاریخ ترکی ماخذون سے اسی طرح ایک بعد کے زمانے میں بعض مسلمان ملیباری ریاستون کے حکمرانون نے سلطان ترکی کو جہاز پر دو ہاتھی بھیجے (جن میں سے ایک راہ میں مرگیا) اور ایک قصیدہ عربی مین لکھا کر یورپی عیسائیون کے مظالم کے خلاف مدد کی التجا کی تھی، ایک ترکی مورخ ان حالات کے سلسلے میں لکھتا ہے، کہ قصیدہ کی عربی میں بہت سی غلطیاں تھین، اور وزن وغیرہ بھی درست نہ تھا، سفارت چند روز انتظار کرکے ناکام واپس ہوئی،

ہندوستان کے بہت سے واقعات ترکی تاریخون اور سفرنامون میں ملتے ہین، خاصکر مغلیہ عہد اور اسکے بعد کے زمانون کے متعلق ممکن ہو کہ کبھی ان سے ملک کو روشناس کرانے کی فرصت ملے،

عربون کے بحری تصانیف، "عربون کی بحری تصنیفات" (ملکو ص ۱۰۳) پر گو میں سرہنگ زادہ کی مذکورہ بالا کتاب کے سوا کسی اضافے کے قابل نہین ہون لیکن کسقدر افسوس ہوتا ہے، کہ ابن ماجد وغیرہ کی پاریس سے شائع شدہ کتابون کے فرانسیسی دیباچے سے اب تک فائدہ نہیں اٹھایا جاسکا ہے، علی گڑھ کے ایک سابق پروفیسر صاحب نے ایک مرتبہ اس کے کسی باب (جو شاید انگریزی میں تھا) کا معارف میں ترجمہ شروع کیا تھا، ہندوستان میں بفضل خدا اب کافی تعداد فرانسیسی دانون کی پیدا ہوگئی ہے، خود جامعہ عثمانیہ میں کم از کم نصف درجن اساتذہ (جن مین دو پاریس کے ڈاکٹر ہین) سید صاحب کو مدد دے سکتے ہین، ایسی

علمی چیزوں میں کوئی ایسی بات نہیں چھوڑ دینی چاہئے، جو ذرا کاوش پر قابلِ عمل ہو جاتی،

سند باد بحری، الف لیلہ اور ہومر کی نظم،

نہ معلوم اہلِ علم میری اس رائے پر کیا کہیں گے، کہ الف لیلہ سے بھی مواد حاصل کرنا چاہئے تھا، علاوہ متعدد "بحریت آمیز" قصوں کے اس میں سند باد بحری کے سفر قابلِ ذکر ہین، یہ افسانے یقیناً اسی زمانے کی پیداوار ہین، جب عربی جہازرانی اوجِ عروج پر تھی، بحری سیاحون اور ملاحون کی کہانیان غالباً تیسری صدی ہجری میں اتنی زیادہ ہو گئی تھین، کہ ان سے سند باد کے سات بحری سفرون کے لئے کافی مواد فراہم ہو سکتا تھا،

سند باد کے سلسلے میں ایک زیادہ اہم مسئلہ پر کچھ کہنا ہے، جرمنی اور فرانس کے اساتذہ سے بھی میری اس بارے میں گفتگو رہی ہے، اور وہ میرے دلائل کو کافی وزندار اور قابلِ غور قرار دیتے رہے ہیں، وہ یہ کہ عام طور سے کہا جاتا ہے کہ مسلمان عربون نے یونان سے علوم و فنون تو لئے لیکن ادب و شعر کو اپنی زبان مین ترجمہ کر کے منتقل نہیں کیا، اس سلسلے میں ایک بڑا ثبوت یہ پیش کیا جاتا ہے کہ ہومر کی نظمون کا ترجمہ ابھی اسی صدی میں ہوا، اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا، لیکن سند باد کے قصون کو یولیسیس کے واپسی وطن کے بحری اور مہمات بھرے سفر کے ساتھ ملا کر جو شخص پڑھتا ہے، وہ انکی یکسانی سے متاثر اور حیرت زدہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، ناظرین سند باد کے تیسرے سفر کے اس قصے سے خالی الذہن نہ ہون گے، کہ سند باد مع اپنے ہمراہیون کے ایک جزیرہ میں پہنچتا ہے، جہان ایک آنکھ والا دیو رہتا تھا، اس نے ان کو اپنے رہنے کے مقام پر بند کر دیا، اور روزانہ دو ایک آدمیون کو آگ پر بھون کر کھانے لگا، آخر سند باد نے اپنے ساتھیون کی مدد سے ایک دن رات کو سوتے میں دہکتی ہوئی سلاخ سے اس دیو کو اندھا کر دیا، اور سب بھاگ نکلے، اس قصے کیساتھ یولیسیس کا واقعہ جو ہومر نے لکھا ہے کسے یاد نہ آئیگا، جو ایک آنکھ والے سائکلوپ پولی فیم کیساتھ پیش آیا، اور جو جزئی تفصیلات میں بھی بالکل اس سند بادی قصے سے مشابہ ہے، بحری سفر، مصیبتیں اور انجام میں ہیرو کی کامیابی، یہ یولیسیس کی مھوں اور سند باد کے سفرون دونون میں مشترک ہین،

اس سے سوائے اسکے کیا نتیجہ نکالا جاسکتا ہو کہ ہومر کی نظم پوری طرح یا کم از کم اسکے بہت سے قصے عربون مین اتنے معروف اور زبان زد ہوگئے تھے، کہ لوگ ان کو اب اجنبی نہیں خیال کرتے تھے، ابن ندیم (الفہرست ص ۳۰۵) کا بھی خیال ہے، کہ سندباد اجنبی اور غالباً ہندی تالیف معلوم ہوتی ہے، لیکن جیسا کہ ابھی عرض ہوا اسے ہندی کی جگہ یونانی سے ماخوذ قرار دینا صحیح تر معلوم ہوتا ہے،

یہ چند ناچیز ملاحظات ہین، جو مولفِ فاضل کے غور کے لئے پیش کئے جاتے ہین،

مختصر تاریخ ہند

ہمارے اسکولون میں ہندوستان کی جو تاریخیں پڑھائی جاتی ہین، ان کا لب ولہجہ دلآزاری اور تعصب سے خالی نہیں ہوتا، اوراس وجہ سے ہندوستان کی مختلف قومون میں تعصب اور بغض وعناد پیدا ہوجاتا ہے، مولانا ابوظفر صاحب ندوی نے یہ تاریخ مدرسون اور طالب علمون کیلئے اس غرض سے لکھی ہے کہ اس کا طرزبیان قومی جذبات سے متاثر نہ ہو، ہندو اور مسلمان فرمانرواؤن نے ہندوستان کے بنانے میں جو کام کئے ہین، وہ طالب علمون کو بلاتفریق مذہب وملت معلوم ہوجائین، ضخامت ۲۰۰ صفحے، قیمت ۱۲/-

تاریخ صقلیہ جلد دوم

مرتبہ سید ریاست علی ندوی

اس میں سسلی کے عہدِ اسلامی کے تمدنی جغرافیہ، نظامِ حکومت زراعت، صنعت وحرفت، تعمیر وتجارت، تہذیب ومعاشرت اور علوم وفنون کا تفصیلی مرقع دکھا کر یورپ پر سسلی کے اسلامی تمدن کے اثرات دکھائے گئے ہین، ضخامت ۵۰۰ صفحے، قیمت للعہ

”منیجر“

دیوان شمس تبریز اور مولینا روم

از جناب غلام دستگیر صاحب رشید ایم اے استاذ فارسی نظام کالج حیدرآباد دکن

(۶)

داخلی شہادت

خاموش کردم این زبان باکس نگویم این نشان   شد شمس تبریزی عیان بر مصحف دیوان ما

(دیوان شمس تبریز) (رومی)

داخلی شہادت، حتی الامکان ہم نے اپنے مدعا کے اثبات مین تاریخی شہادت اور خارجی شواہد پیش کردیے خارجی شواہد میں بعض نہایت قوی اور ایقان آفرین دلائل ہاتھ آگئے جس سے شک وشبہ جاتا رہا لیکن اس سے اہم اور واضح ترین شہادت وہ ہے، جو ہمیں دیوان ہی سے ملتی ہے یہان مماثلت، اشتراک اور تقابل کی بحث نہین ہے، یہان خود مولینائے روم کی زبان سے اس سوال کا شافی جواب ملجاتا ہے، اور طالبِ حقیقت اس سے اطمینان کی آخری منزل پر پہنچ جاتا ہے،

اکثر فارسی شعرا کا قاعدہ ہے کہ غزل یا قصیدہ کے مقطع میں بالعموم اپنا تخلص لاتے ہین، جس سے پڑھنے والے کو اس کا علم ہوتا ہے، کہ یہ کلام کس کا نتیجۂ فکر ہے، بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ مقطع بلا تخلص لکھا گیا ہو، لیکن مولانائے روم کی یہ عادت نہین، انھیں صرف فکرِ کلام ہی ہے ہمسکر نام یا پابندیِ رسمِ عام بالکل نہین، مثنوی معنوی میں بھی شاذ ونادر ہی اپنا ذکر کرتے ہین یا اپنا تخلص یا نام لاتے ہین،

دیوان شمس تبریز کے متعلق ایک غلط فہمی

دیوان میں بھی یہی حال ہے، ان کا اپنا تذکرہ یا اپنا تخلص ڈھونڈنے والے کو بھی مشکل سے ملتا ہے لیکن ایک بات نہایت عجیب ہے وہ یہ کہ کم وبیش تقریباً ساری غزلیات کے مقطعوں میں شمس تبریز کا نام ملے گا، کہیں کہیں مقطعوں میں بھی ہے کہیں غزل کے درمیان شمس کی مدح اوران کا نام آتا ہے، یہ وہ بات ہے جس کے باعث بادی النظر میں دیوان کا سرسری پڑھنے والا یا دیکھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ یہ شمس تبریز نوراللہ قبرہ کا دیوان ہے، حالانکہ یہ غلط ہے اورادنی توجہ سے دیوان پر نظر ڈالنے والا بھی کم سے کم اس نتیجہ پر تو پہنچ ہی جاتا ہے، کہ یہ شمس تبریزؒ کا کلام نہیں بلکہ ان کے کسی عاشق بیتاب اور مضطرب الحال مداح کا ہے، واقعہ کیا ہے، خود مولیناؒ ہی کی زبان نے اس کا جواب دیا ہے،

جز قصۂ شمس الحق تبریز مگوئید، از ماہ بپرسید کہ خورشید پرستیم

(دیوان شمس تبریز ص ۲۰۱)

قونیہ کے بدر کامل مولینا رومؒ نے دیوان میں دراصل شمس تبریز کے اسرار اور انوار کا ذکر فرمایا ہے، حسب سابق یہی ہمارا دعویٰ ہے، اب ہم شرح و بسط کیساتھ دلائل پیش کرینگے،

مدح شمس تبریزؒ

یہ تو سب جانتے ہیں، کہ غزلیات میں حضرت شمس تبریز کا نام کثرت سے آتا ہے لیکن اس پر بہت کم غور کیا جاتا ہے، کہ یہ نام کس حیثیت سے آتا ہے،

حضرت شمس تبریز کا نام کم وبیش ہرایک موقع پر ممدوح کی حیثیت سے آیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ اس کلام کے مصنف شمس نہیں بلکہ کوئی مداحِ شمس ہیں،

اس پر لوگ اعتراض یہ کرتے ہیں کہ شاعر اپنی آپ توصیف کرتے ہیں وہ ایسی ہی تعریف ہوگی جسکی بنا پر یہ غلط فہمی ہوئی کہ یہ کلام شمس تبریز کا نہیں بلکہ کسی دوسرے کا ہے،

یہ سچ ہے کہ بعض فارسی شعرا خصوصاً قصائد میں اور کسی قدر غزل میں اپنی لیاقت اور

اور اپنے علم و فضل پر شاعرانہ تعلی کرتے ہین، یا شرافتِ نسب پر اظہارِ فخر کرتے ہین، جیسے عرفی اس خصوص مین مشہور ہے، ع

اقبال سکندر بجہانگیری نظمم بر داشت بیکدست قلم را وعلم را

غزل میں بھی کہیں کہیں اور کبھی کبھی شاعر کسی خاص پیرایہ میں یا اپنے آپ کو غیر فرض کرکے اپنی تعریف کا کوئی پہلو نکالتا ہے، لیکن اسکی حیثیت شاعرانہ تعلی سے زیادہ نہیں ہوتی، یہ تعلی کبھی کبھی بڑی حد تک حقیقت پر مبنی ہوتی ہے، جیسے ڈاکٹر اقبال کا شعر ہے،

بیا اینجا کہ در ہندوستاں دیگر نمی بینی برہمن زادۂ رمز آشنائے روم و تبریز است

یا حافظ شیرازؒ حاسد سے مخاطب ہوکر فرماتے ہین،

حسد چہ می بری اے سست نظم بر حافظ قبولِ خاطر و لطفِ سخن خداداد است

در آسمان چہ عجب گر زگفتۂ حافظ سماعِ زہرہ برقص آورد مسیحا را

لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا کہ ہر غزل میں، مقطع میں، مطلع میں، غزل کے درمیان میں جابجا کوئی شاعر اپنے کمال، اپنے علو مرتبت، اپنی روحانی فضیلت کا طومار باندھ دے، اور سارے دیوان کو صرف اپنا قصیدہ مدحیہ بنادے، خصوصاً جب کہ شاعر کوئی خود پسند، نفس پرست، طالب زر دربار داری کرنے والا شخص نہ ہو، بلکہ غیور، حق پرست اہلِ دل ہو، اور مقدس شخصیت رکھتا ہو، دیوان شمس تبریز میں شمس کا نام کسی خود پسند مداح کی حیثیت سے نہیں، بلکہ ممدوحِ ذیشان کی حیثیت سے آیا ہے، مدح تو مسلم ہے، لیکن مدح کی نوعیت بھی تو قابلِ غور ہے،

ہم ان مداحیہ اشعار میں سے چند اشعار درج کرتے ہین، جن سے مدح کی نوعیت اور ممدوح کی حیثیت دونون کے متعلق صحیح اندازہ ہوجائے گا، مختلف غزلیات کے مطلعون، مقطعون، اور غزل کے درمیان مین حضرت شمس کا نام اسطرح آتا ہے،

هر قطرہ ز بحرِ شمس تبریز، مانند صدف ہزار دریاست

عاشقان عشق را بسیار با زیبا دہیم چونکہ شمس الدین تبریزی کنون شیدا ما

چون درختے را نہ بینی مرغ کے بینی درو پس چہ گویم با تو جان جان ایں تبریز را

درد شمس الدین بود سرمایہ درمان ما بے سر و سامانی عشقش بود سامان ما

ایک مدحیہ غزل کے اشعار یہ ہیں:۔

شمس تبریزی چو نمائی جمال جانفزائی جانفزائی جانفزا

شمس تبریزی توئی ہادیٔ دل رہنمائی رہنمائی رہنما

شمس تبریزی ز عشقت سوختم، جانِ مائی جانِ مائی جانِ ما،

بعض غزلیات میں مسلسل دو دو شعر مدح کے ہیں،

دم مزن و ترک کن بہر دل شمس دین زفت و اشارات را نظر و عبارات را

می برد از بہر جان سالک اہلِ عیان شمس کہ جانہا ازو یافت مراعات را

آمد نسیم عشق ز تبریز جانفزا آورد صد ہزار پیام از دمِ ضیاء

اے ایاز دل و جان شمس حق تبریزی نیست در ہر دو جہان چون تو شہ محمودے

شمس تبریز چو شمس فلک از نور تو مست نور بخشد ہمہ را از نظر بینائے،

شمس تبریزی تو ما را محو کن زانکہ تو چون آفتابے ما چو مہ

مفخر تبریزیان شمس حق دین ہست چو خورشید دمہ نیست مگر فانے

تو شمس دولت و دینے بخواجگی چو نشستی صد آفتاب فلک را چو بندگان نشانی

مثنوی ذاکر مناقب شمس تا سر از جیب او بدر نکنی،

مخدوم شمس الدین شہم ہم آفتاب و ہم مہم بر خاک از من سر نہم ہم سر بود زان متہم

عشقِ شمس الحق تبریزی رہ قبلۂ دین جز بدین دولت باقی بچہ باشیم سزا

بلا دانا شناسہ شمس تبریز ترا این مردم نادان چہ دانند

کسے کز جان غلام شمس دین نیست زعشقش جانِ او خرم نگردد،

درمیان غزل میں ہے:

نداند سرو برگ کار آن را، درختے راکہ شمس الدین نشاند،

چو شمس الدین تبریزی درآید بیک دم زان ہمہ دامت رہاند،

مدح کے یہ اشعار جن میں بعض مقطعے اور مطلعے ہیں، اور بعض غزل کے درمیانی حصے ہیں، ہمارے پیش نظر ہیں، ان میں کہیں تو حضرت شمس کو ایک بحرِ حقیقت کر تشبیہ دیگئی ہے، اور اسکے ہر قطرہ کو ہزار دریا کے مانند بتایا گیا ہے، کہیں شمس کے "دردِ عشق" کو اپنے لئے درمان سمجھا گیا ہے، کسی شعر میں شمس کے مرتبۂ عظمت کا اظہار اسطرح کیا گیا ہے، کہ وہ چاند اور سورج ہیں لیکن لافانی،

کہیں مدحت کا یہ انداز ہے کہ حضرت شمس کی رفعتِ مکان کو آفتاب اور ماہتاب کر بلند تر ظاہر کیا گیا ہے، اور اسطرح اپنے آپ کو انکے آگے "سجدۂ تعظیمی" کے قابل بھی نہیں سمجھا،

کیا مدح اور تعریف کے یہ سارے اعتبارات کسی شاعر نے اپنے لئے استعمال کئے ہیں، یا کر سکتا ہے، کیا وہ ایسے اوصاف کو کثرت سے اپنی طرف منسوب کر سکے گا، جواب جب نفی میں ہے تو پھر مدح کسکی ہے؟

کیا شمس تبریز اپنی زبان سے اپنی مدح میں اس کثرت اور عقیدت کو کام میں لا سکتے ہیں، ہرگز نہیں،

اس سے یہ تو ثابت ہوتا ہے، کہ یہ مدح یا مداحیہ کلام کسی طرح شمس تبریز کا اپنا نہیں، بلکہ کسی غیر کا ہے، جس کا دل اور زبان دونوں مدحِ شمس میں اپنی ارادت و

عقیدت کی تسکین پاتے ہین،

چنانچہ اس سے دیوان بھرپڑا ہے، دیوان کے علاوہ مثنوی معنوی میں کئی اشعار مدح شمس میں ہیں جس کو صاف ظاہر ہوتا ہو کہ مداح کون ہو اور ممدوح کسکی ذات والاصفات ہی،

شمس تبریزی کہ نور مطلق است، آفتاب ست وز انوار حق است،

چون حدیث روے شمس الدین رسید شمس چارم آسمان رو درکشید،

خود غریبی درجہان چون شمس نیست شمس جان باقی ست کو را امس نیست

در تصور ذات اورا گنج کو، تا درآید در تصور مثل او،

ہم مدح کے کچھ اور ایسے اشعار درج کرتے ہین، جو مندرجۂ بالا اشعار سے زیادہ واضح طور پر مدح کی نوعیت کو ظاہر کرتے ہین،

ز عشق شمس دین این طرفہ بندے، کزان بندم کشایش بود چندے،

ز شمس الدین بود وصعت خدائی کہ می جوشد بدریائے بقائے،

ز شمس الدین بود جائز شرابے کزو جانست سرمست و خرابے،

خسرو شرق شمس دین از تبریز چون رسد از مہ و از ستارگان واللہ عار آیدت

شمس تبریزی در آمد در دلم زیبے نہاد وز شراب عشق او گشت این دو دیوار مست

شمس تبریزی ہی تو شمس گردون ذرہ بے تو می یابد کسوف و با تو می یابد حیات

عقیدت مند مداح سارے عالم کو نور شمس سے پر نور پاتا ہو،

شمس تبریزی ز تو عالم پر از نور و صفات ذرہ ذرہ از محیط لطف آن آثار مست

شمس تبریزی صلاح اہل عالم آمدست آنکہ خاک پایش آمد بے ریا مست آمدست

عشق شمس تبریز میں عقیدت مند شاعر سامان بقا دیکھتا ہو،

بعشقِ شمس تبریزی بده جان ، که تا چون عشق او پاینده باشی

مستیم ز جام شمس تبریز ، جام مے او مباد بے ما

ایک غزل کا مطلع یہ ہے،

از دور بدیدہ شمس دین را ، فخر تبریز و رشکِ چین را

شمس سے ارتباطِ معنوی کا ذکر اس شان سے ہے،

شمس تبریزی جماعت از تو دارد جمعیت ، فرض و سنت نیست الا دوستی تو مرا

اس مخلص اور ارادتمند کو شمس کی نسبت سے شہر تبریز بھی عزیز تھا، شمس کی مدح سے تو دیوان بھرا پڑا ہے، لیکن تبریز کی ثنا و تعریف میں بھی کئی غزلیں ہیں، ان میں ایک غزل کا مطلع ہے،

دیدہ حاصل کن دلا وانگہ ببیں تبریز را ، بے بصیرت کے توان دیدن چنیں تبریز را

ایک غزل کے آخر میں یہ مدحیہ اشعار مسلسل ہیں،

اے دل خامشی گزین وز بر ما جدا نشین ، تا ز جناب شمس دین نور حیات میرسد

گوہر ناب شمس دین جام شراب شمس دین ، ہر شبم از عطاے او قدر و برات میرسد

نقل و کباب شمس دین چنگ و رباب شمس دین ، ہر نفسم ز بزم او بہرہ ثبات میرسد

اے شہ و شاہ شمس دین قدرت حق جلال بین ، بشنو اے مرید جان کاین چہ برات میرسد

ہر کہ نام شمس تبریزی شنید و سجدہ کرد ، روحِ او مقبول حضرت شد انا الحق میزند

کیست آنکس کو چنین مردی کند اندر جہان ، شمس تبریز آنکہ ماہ بدر را شق می کند

شمس الحق تبریزی شاہ ہمہ شیرانست ، در بیشۂ جانِ ما آن شیر وطن دارد

ہرگز نشود غافل از ذات و صفاتِ حق ، ہر کس کہ ز شمس یک ذرہ نظر یابد،

یہ پوری غزل مدحِ شمس ہی میں ہے،

جانم بفدائے شمس دین | تا ہمچو رضائے شمس دین شد
جانِ ملکی و جسم خاکی، | خاک کف پائے شمس دین شد
رضوان بہشت و ساکنانش، | سرمست رضائے شمس دین شد

(الی آخرہ)

انتہائی تعریف ہے،

اے شمس الدین شاہ تبریز | از بندگیت شہنشہانیم،
شمس الدین تبریزی بر لوح چو پیدا شد | واللہ کہ بے منت بر لوح و قلم دارد

کثرتِ مدح گوئی سے یارائے گفتن ہی نہ رہا، تو فرماتے ہیں،

شمس تبریز کنون کز تو سخن گشت بسیط | زہرہٗ ما نبود تا دم گفتار زنیم

لیکن یہ عاشق مخلص و مضطرب جسکی گفتار کا جزو مدحِ شیخ ہے، خود تعریف کرتے کرتے تھک گیا ہو تو دوسرون کو حکم دیتا ہو کہ شمس کی مدح کرین،

اے حسام الدین جان کن مدحِ آن سلطان حق | گر یہ منکر در ہوائے عشق او دم میزند
شمس تبریزی ستادہ مست در دستش کمان | تیر زہر آلودہ را بر جان احمق میزند

یہ اشعار بھی مدحیہ ہین لیکن تعریف و توصیف زیادہ نمایان ہو،

ان اشعار کو درج کرنے اور مبہم اور واضح مدحیہ اشعار کو پیش کرنے کا مقصد صرف یہی ہے کہ اس مدح کی نوعیت ظاہر ہو جائے، جو شمس تبریز کے نام کیساتھ دیوان شمس تبریز میں پائی جاتی ہے، اس سے یہ یقین پیدا ہو جاتا ہے، کہ وہ کلام جس کے اجزا یہ مدحیہ اشعار ہین، خود حضرت شمس جیسے ولی کامل کا نہیں ہے، کیونکہ اس مدح کی نوعیت کاملاً نہایت عقیدتمندانہ اور ارادتمندانہ ہے، یہ تحسین ہرگز شاعرانہ تعلی نہیں ہو سکتی،

تاریخ و تذکرہ کے اوراق پیش نظر ہون تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ مداح کون ہو اور حضرت شمس سے اس قدر وابستگی کسکو ہو؛

سپہ سالار[1] حضرت شمس اور مولینائے روم کے روابط کے ذکر مین لکھتے ہیں، جب جناب شمس دمشق تشریف لے گئے، تو مولینا نے کئی غزلین لکھکر بذریعہ سلطان ولد حضور کی خدمتِ باسعادت میں روانہ کین، ان میں حضرت شمس کی رفعتِ شان اور عظمتِ مقام کا ذکر اس رنگ میں ہو،

بخدائے کہ در ازل بودہ است	حیّ و دانا و قادر و قیوم
نور او شمع ہائے عشق افروخت	تا بشد صد ہزار سر معلوم
از یکے حکمِ او جہان پر شد	عاشق و عشق و حاکم و محکوم
در طلسمات شمس تبریزی	گشت گنجِ عجائبش مکتوم

یہ مولینا روم ہین، جنھون نے شمس تبریز کو "گنجِ عجائب" لکھا ہے، اور خدائے قادر و قیم کی قسم کے بعد حضرت شمس کی توصیف و تعریف کرتے ہیں، مندرجۂ بالا مدحیہ اشعار اور اس تعریف میں قطعی یکسانیت ہو، ضرور ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مدحیہ اشعار اور وہ کلام جس کے یہ اجزا ہین، مولینا ہی کا ہے،

آخری شعر تو اس بات کی قطعی دلیل ہو کہ کلام مولینا ہی کی زبان فیض اثر پر جاری ہوا ہے، آپنے کثرت مدح و ذکر سے بیتاب اور ناتوان ہو کر حضرت حسام الدین کو حکم کیا ہے کہ وہ مدح اس سلطان عشق کی کرین، حضرت حسام الدین کی عظمت اور مولینائے روم سے ان کے روابط کا اندازہ سپہ سالار کے اس بیان سے ہو سکتا ہے،

"ذکر رابع در خلافت حضرت حسام الدین عظم اللہ درجاتہ"

---

[1] رسالہ سپہ سالار ص ۱۰۹،

"بعد از شیخ صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ در حال حیات حضرت خداوندگارانہ سام

تمام وبعد ازان نیز شیخ قائم مقام وخلیفہ وامام تمامت اصحاب حضرتش بود"

(سپہ سالار ص۱۴۳)

صرف مولینائے روم ہی کے ساتھ حضرت حسام الدین چلپی کے تعلقات اس قدر عاجزانہ

اور مودبانہ تھے[1]، کہ ان کے کوئی دوسرا شخص ان کو بطور حکم کچھ نہ کہہ سکتا تھا، کیونکہ انکا مرتبہ یہ تھا

"تمامت اصحاب ملازم ایشان بودند و ملازمت او تقرب بحضرت خداوندگاری جستند"

(سپہ سالار ص۱۴۳)

اس بیان سے واضح ہوگیا کہ سارے مدحیہ اشعار اس مداح کے ہیں، جس نے کثرتِ

مدح سے تھک کر حضرت حسام الدین سے مدح کی فرمائش کی، اور تحقیق سے معلوم ہوا، کہ حضرت

حسام الدین کو مدح کا حکم فرمانے والی مولینا روم کے سوا کوئی اور ہستی نہیں ہوسکتی، پس

دیوان شمس تبریز جو ایک حیثیت سے حضرت شمس کی مدح کا مجموعہ اور ان کے مناقب کا ذکر ہے، وہ

مولینائے روم کا کلام ہے، اور مولینائے روم ہی جسم و جان سے عشقِ شمس اور مدحِ شمس میں مضطر

بنے ہوئے ہیں،

زہر عشق شمس الدین تبریز شدہ جان مضطرب دیں جوز بانست

شمس الحق دین جو یم من مدحتِ او گویم از عشقِ رخش پویم آہستہ کہ سرمستم

---

[1] مولینا روم کے ساتھ ان کے مودبانہ طرزِ عمل کے متعلق سپہ سالار کا بیان ہو ص۱۴۳ "از جملہ آداب او آن بود

کہ ہرگز در مدتِ ملازمت از حضرت خداوندگار قطعاً بتوضائی کہ بدیشان منسوب بود، در نیامد، در شبہائے زمستان

بوجود سرما و برف باران بسرائے خویش رفتے و تجدید وضو کردہ باز آمدی و دائم در حضور خداوندگار قدس سرہ

بزانوے ارادت نشستہ بودی، لاجرم بدین ادب سلوک یافت انچہ یافت"؛

فیوض حضرت شمس کا اعتراف، ہم نے مدح شمس اوسکی نوعیت اور مداح شمس کے متعلق گفتگو کی ہو!
حیرت یہ ہوتی ہے کہ مولانا ے روم جیسا جلیل القدر عالم وعارف حضرت شمس کی مدح وثنا کیون
کرتا ہی، اور وہ بھی اس جوش عقیدت سے، کوئی شخص بے وجہ کسی کی ثنا و تعریف نہیں کرتا، یاتو
کسی کا بیحد ممنون ہوتا ہی، یا اسے کسی صلۂ خاص کی امید ہوتی ہے، درباری اور خوشامدی شعراء
توصرف طلب زر یا ہوس جاہ کے باعث اہل دولت کی مدح مین دل ودماغ زبان اور قلم
کازور صرف کرتے ہین، لیکن حضرت رومی جیسے عارف حق شناس کو کسی ایسے اعتبار سے کیا سروکار؟
مولنیا روم کو کوئی ایسا فیض باطنی اور نعمت عظمیٰ حضرت شمس کی ذات سے پہنچی ہو کہ انکی ثنا کر فطرت
اوران کا قدر شناس دل اس کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکتا تھا،

مولانا ے روم حضرت شمس کی ملاقات سے پہلے زیادہ تر حیثیت ایک عالم ظاہر کے "اخبار
رسول" سے واقف تھے لیکن جب شمس سے ملاقات ہوئی، تو خاص طور پر "اسرار رسول" کا آفتاب
جہانتاب ان کے مطلع دل پر طلوع ہوا،

چون نور پاک شمس در پردۂ جان دیدمش — بے پردہ جان یافتم سررشتہ، اسرار را

شمس کی اس فیض بخشی اور نوافشانی کا اعتراف بارہا مختلف پیرایہ مین کیا ہی ہم چند اہم
مثالیں درج کرتے ہین، جس سے حقیقت حال کا اندازہ ہوجائے گا،

حضرت شمس کے فیض معنوی کا اظہار فرماتے ہین،

مگریز ز نور شمس تبریز — تا کشف شود ہمہ معانی

شمس الحق تبریز من این شہد شکر ریز من — صد شور شر انگندۂ اندر دل بتیہ آمن

ہرکہ او باشمس تبریزی نشست — گشت صافی دل زانوار قضار

زعشق شمس تبریزیست فیض دیدۂ باطن — زہے تشریف کرمنازہی انوار ربانی

سجدہ کن ہر نفس از پئے شکر آنکہ حق | در تبریز مرمرا بندۂ شمس دین کند،
ہر کہ زجان و دل نشد چاکر شمس دین ما | در رہ علم و معرفت غافل و کور می رود
بفروز شمع جان را ز جمال شمس تبریز | کہ دلت شود مصفا ز کدورت نہانی
واگر نہ اے دو دیدہ بدہم زخاک تبریز | زبرائے کحل دیدہ بکف صبا غبارے
زرحیق شمس دینم تو بیار بادہ ساقی | کہ شود سوار جانے و دل پیادہ ساقی
چو شمس الدین تبریزی شود سرمست جام حق | ہزاران گوہر معنی بفرق ما فرو ریزد

مولینا یہاں اپنی ممنونیت کی انتہا ظاہر فرماتے ہیں،

منگر از دیدہ انکار سوئے دیدہ شمس | ہر چہ ہستم سگ این کوچہ و این درگاہم

حضرت شمس کو اپنی نسبت کی نوعیت بیان فرماتے ہیں،

شمس تبریز کہ مشہور تر از خورشید است | منکہ پیمانہ ہستم چو قمر مشہورم،
شمس تبریز بما راہ حقیقت بنمود | ما ز فیض قدم اوست کہ ایمان داریم

جب حضرت شمس تبریز قونیہ تشریف لائے اور مولانا نے ان کی صحبت کیمیا خاصیت اختیار فرمائی تو یہاں اس صحبت نے خلوت کی صورت اختیار کی، شیخ صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ کے سوا کسی کو خلوت میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی، اکثر اصحاب فیض صحبت سے محروم رہے، ایک مدت تک تحمل کرتے رہے، لیکن اس عالم فراق سے رہائی کی کوئی صورت دکھائی نہ دی، آخر کار بدبختی سے ان کے دلوں میں حسد کی آگ پیدا ہوئی، اور انھوں نے متعصبانہ حرکات شروع کر دیں، اپنی ارادت کو شیخ کی ارادت پر فضیلت دی، فسق کو عشق جانا، جب ان کی گستاخیاں حد سے زیادہ گذر گئیں، اور اندیشہ فتنہ کا ہوا تو حضرت شمس از روئے مصلحت دمشق کی طرف روانہ ہو گئے، مولینا نے بھی سب سے متنفر ہو کر عزلت نشینی اختیار کی،

حضرت شمس کی جدائی کا ذکر دیوان میں،

"بعد از ہجرت ایشان خداوندگار از تمامت اصحاب انقطاع و عزلت اختیار کرد"[1]

حضرت شمس کے فیض اور ان کے دشمن کی بدبختی کا اظہار اس شعر میں کیا ہے،

اے شمس تبریزی مرا مقبول و کامل ساختی — و آنکس کہ آہ دشمنت ملعون و ابتر ساختی

ایک اور موقع پر حضرت شمس کے فیض کو اس طرح بیان فرماتے ہیں،

جان را برآورد بر سما از عزت رب العلا — گر زان کہ شمس الدین کند بر عاشق خود یار دیے

مولانا ہی وہ عاشق تھے، جن کی یاری اور دلداری کی خاطر حضرت شمس قونیہ تشریف لائے، سپہ سالار کی شہادت ملاحظہ ہو،

"سبب ہجرت مولینا شمس الدین تبریزی عزاسمہ بطرف روم و پیوستن بحضرت خداوندگار آن بود کہ وقتی مولینا شمس الدین در وقت مناجات می فرمود کہ ہیچ آفریدہ از خاصان تو باشد کہ صحبت مرا تحمل تواند کردن، در حال از عالم غیب اشارت رسید کہ اگر حریف خواہی بطرف روم سفر کن در حال از ان جاے متوجہ ولایت روم گشت و شہر بشہر جویان گشت تا بمحروسہ قونیہ حرسہا اللہ تعالیٰ برسید"

دیوان میں ایک اور شعر ہے، جس میں اسی واقعہ اور اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہو،

شمس تبریزی بروم آمد بر من شام بو — وقت صبحی من بہ تبریزش خرامان یافتم

اپنی سرمستی اور باطنی انقلاب کے متعلق لکھتے ہیں،

شمس الحق تبریزی تا داد مرا جامے — از جوشش صہبایش شوریدہ و سرمستم

اگر آپ معلوم کرنا چاہتے ہیں، کہ یہ شوریدہ و سرمست کون ہے، تو دیوان میں خود

---

[1] سپہ سالار صفحہ ۷۶،

ہی جواب دیتے ہین،

رومی بسر راہ ملامت شد ونشست — اے خلق بدانید کہ ما عاشق ومستیم،

حضرت شمس کی ملاقات کا اثر، مولینا کی شاعری پر اسکا ذکر دیوان مین

مولینا کی شمس سے ملاقات نہ صرف عاشقانہ مستی وشوریدگی کا باعث ہوئی، بلکہ سخن بخش بھی ثابت ہوئی، سماع اور شعر کا مشغلہ بڑھ گیا، جو کیفیت طاری ہوتی تھی، اسے من وعن اشعار مین بیان کرتے تھے،

سخن بخش زبان من چو باشد شمس تبریزی — تو فاش تازبانہا خود چو دل حساس ناشید

ان اشعار اور اس بیان کا واقعات اور سوانح سے جو ربط ہے، ملاحظہ ہو،

سپہ سالار کا بیان ہے کہ صحبت شمس سے مولینا پر ایسی شوریدگی اور مستی طاری رہی کہ کھانے پینے کا بھی ہوش ٹھیک نہ رہا۔ چنانچہ پہلی ملاقات کا حال لکھا ہی :-

"در حال ہر دو فرود آمدہ ہمدیگر را معانقہ ومصافحہ کردند وچون شیر وشکر بہم درآمیختہ چنانکہ دفعہ اول مدت شش ماہ آزاد در حجرہ شیخ صلاح الدین زرکوب رحمۃ اللہ علیہ بہم صحبت فرمودند، چنانکہ قطعاً واصلاً اکل وشرب وحاجات بشری درمابین نبود"،

(سپہ سالار ص ۶۶)

یہ شوریدگی کا عالم تھا، اب سخن سرائی اور محفل سماع کی کیفیت سنئے :-

"بعد ازان بیرون آمدہ حضرت خداوندگار را بسماع رغبت فرمود، وحقائقے کہ در شرح آن طول وعرضے ہست در سماع بدیشان بیان فرمود وبعد از سماع صحبت ایشان مخصوص بود بمولانا شمس الدین"، (سپہ سالار ص ۶۶)

مناقب کا بھی یہی بیان ہی،

"دائماً اسرار وغزلیات می فرمود" (مناقب العارفین مطبع ستارۂ آگرہ ص ۲۹۲)

مثنوی میں فیضِ شمس کا ذکر، مثنوی میں بھی حضرت شمس سے فیض کا ذکر مختلف مقامات پر ہے،

واجب آمد چونکہ بردم نام او ۔۔۔ شرح کردن رمزے از انعام او

از دوار سایہ نشانے می دھد ۔۔۔ شمس بردم نور جانی می دھد

این نفس جان دامنم بر تافتہ ست ۔۔۔ بازگو رمزی ازان خوش حالہا

تا زمین و آسمان خندان شود ۔۔۔ عقل و روح و دیدہ صد خندان شود

من چہ گویم یک رگم ہوشیار نیست ۔۔۔ شرحِ آن یارے کہ آنرا یار نیست

شمس در خارج اگر چہ ہست فرد ۔۔۔ مثل او ہم می توان تصویر کرد

لیک آن شمسے کہ شد منشئ اثیر ۔۔۔ نبودش در ذہن و در خارج نظیر

ان اشعار سے یہ امر بالکل عیان ہو جاتا ہے کہ حضرت مولینا روم رحمۃ اللہ علیہ کس آفتاب کے فیض کا ذکر کرتے ہیں، اور ان میں اور شمس میں کیا ربط ہے، دیوان میں جو اس نوعیت کے اشعار پائے جاتے ہیں، ان میں فیض رسان کون ہے اور فیضیاب ذات کس کی ہے،

بالآخر ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ دیوان شمس تبریز جس میں اعتراف احسان اور تشکر فیضان شمس کے مندرجہ بالا اشعار پائے جاتے ہیں، مولینا روم ہی کا کلام ہے شمس کا نہیں ہے،

دردِ فراق کا اظہار، حضرت شمس کی مدح اور ان کی فیض رسانی کے اعتراف مین جو جو اشعار ہین، وہ تو نظر سے گذر چکے، اور سوانح تاریخی کی روشنی مین یہ بھی ظاہر ہو گیا، کہ مدح کرنے اور فیض پانے والی ممنون احسان شخصیت کس کی ہے،

اب ہم ایسے اشعار کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، جو حضرت شمس کی نامعلوم غیر متوقع جدائی پر لکھے گئے ہین، ان میں آتشِ فراق اور دل کے اضطراب کی تصویر ہے،

زہے چشم مرا حاصل شدہ آئینِ خونریزی ۔۔۔ ز ہجرانِ خداوندی شمس الدین تبریزی

اندر طلب تو شمس تبریز، جائز است مدام جست وجوئی،

زشمس الدین و لابس دور دوری ز دوری گوئی ہمچو نفخ صوری

اس نظم فراق میں یہ جو رنگ ہی وہ خونِ جگر ہی کا نتیجہ ہے،

خود ببین در نظم شعرم منگر مہر انکو، دیدہ و دل راز عشقش ہست خون پالائے

خون می جوشد منش از شعر رنگی می دہم نافہ خون آلود گردد جامہ خون آلائے

من چون جانداری بدم در خدمت آن بادشاہ اینک اکنون در فراقش میکنم جان ستائے،

غمِ فراق درد بے دوا ہے،

از فراقِ شمس دین افتادہ ام در تنگنا او مسیح روزگار و درد چشم بے دوا

تا شمس تبریزی ز من دل بُرد اے شوریدگان ہر روز از عشق رخش شوریدہ شوریدہ ترم

حالتِ جدائی میں بادِ صبا کے ذریعہ سلام اور پیام بھیجتے ہیں،

بادِ صبا سلامِ ما جانبِ شمس دین رسان کز نظر قبول او در رہ بقا بسر بردم،

الا اے شمس دین یکدم عیاں شو، کہ در عشقت سرے دارم چون گوئی

درد فراقِ شمس کی منظوم تصویر تو دیوان میں ہم نے دیکھ لی، لیکن سوال یہ ہے کہ وہ عاشقِ بیتاب کون ہی جو ہجرانِ شمس میں خونریزی کر رہا ہی، جس کی جستجو میں وہ مجسم طلبِ دوام بنا ہوا ہے، جس کی شوریدہ سری اور خونچکانی کا یہ عالم ہے، کہ کلام سے یہ رنگ صاف ظاہر ہے، ہم تاریخ و تذکرہ سے دریافت کریں کہ وہ کون ہستی ہی جس کی فراقِ شمس میں یہ حالت ہوئی، تو امید ہے کہ ہمیں جوابِ شافی مل جائے گا، سپہ سالار حضرت شمس اور ان کے اصحاب کا معتبر ترین تذکرہ ہے لیکن اس میں کسی کے متعلق یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ جدائی شمس سے انکا ایسا حال ہوا اور ان کی بیتابی کی یہ کیفیت ہوئی، البتہ مولانائے روم کے دردِ جدائی شمس کے متعلق سپہ سالار کا یہ بیان ہی،

صحبت ایشان بخصوص بود بمولانا شمس الدین بدان سبب اکثر اصحاب از بندگی حضرت ایشان محروم می ماندند، و مدتے بسیار تحمل می کردند، مگر جراحات بعد را مرہم قرب اندمال بخشد ہرگز ممکن نہ شد، لاجرم بواعث حسد در نفوس ایشان مستمر گشت ...... عاقبت غبار انکار را بروے کار آوردند و فسق را عشق شمردند، حضرت شان از تعداد انکار آن جماعت برہم نمی شد .... چون از حد تجاوز کردند دانست کہ فتنے خواہد شدن بقیتہ بسیار جہت مصلحت وقت علی حین الغفلہ بمحروسہ دمشق ہجرت فرمود، بعد از ہجرت ایشان حضرت خداوندگار از تمامت اصحاب انقطاع و عزلت اختیار کرد ..... تا گاہ از حضرت مولینا شمس الدین بخداوندگار از محروسہ دمشق مکتوب آمد بعد از ان حضرت خداوندگار در شوق عشق آنحضرت بسماع شد و کلمات و غزلیات انشا فرمود

تذکرہ و واقعات مین یہ حال سوائے مولانائے روم کے کسی اور سے منسوب ہی نہین، اور یہ غزلیات وہی ہین جنسے درد فراق اور غم جدائی کے چند اشعار ہم نے بطور مثال دیوان سے منتخب کرکے لکھے ہیں، حقائق حیات اور اشعار کا یہ واضح ربط اس امر کی کھلی ہوئی داخلی شہادت ہے کہ دیوان شمس تبریز حضرت شمس کا کلام ہرگز نہیں، بلکہ ان کے جان نثار و عاشق مولینا روم کا کلام ہے،

ابھی سپہ سالار کے بیان سے معلوم ہوا کہ جب دمشق سے ان کے نام حضرت شمس کا خط آیا تو مولانا کو انکا پتہ لگا، اور یک گونہ اطمینان ہوا، دیوان مین اس مضمون کا ایک شعر ہے،

رسید مژدہ بہ شام است شمس تبریزی — چہ صبحہا بہ نماید اگر بہ شام بود،

مولینا اس حال میں مقیم تو تھے قونیہ میں لیکن دل انکا دمشق مین تھا چنانچہ دیوان کی بھی شہادت ملتی ہے

ما عاشق سرگشتہ و شیدائی دمشقیم — جان دادہ و دل بستہ سودائی دمشقیم

از روم بتازیم دگر بار سوے شام — کز طرہ چون شام مطرائی دمشقیم

از مسکن معروف چو بگرفت دل ما — ما طالب تالیف زوایاے دمشقیم

(کلیات شمس تبریز ص ۵۰۴)

اسکے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ سلطان ولد مع ایک مختصر جماعت کے طلب شمس کیلئے بجانب دمشق روانہ ہوگئے اور مولینا نے کئی غزلین لکھکر خدمت شمس میں روانہ فرمائین،

"حضرت خداوندگار قدس سرہ این غزل را در طلب حضور شریف مولینا شمس الدین رضی اللہ عنہ انشا کردہ بصحبت سلطان ولد رضی اللہ عنہ ارسال فرمود،

بخدا این کہ در ازل بود ست، حیئ و دانا و قادر و قیوم،

اسی سلسلہ میں ایک شعر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف یہ ایک غزل نہیں تھی اور بھی غزلیات تھین،

پس بہ ذوق سماع نامہ تو! غزلے پنج و شش بشد منظوم،

(سپہ سالار ص ۶)

دیوان میں اسی واقعہ سے متعلق ایک غزل ہے کہ جس کا ایک شعر یہ ہے:-

ز لوح عشق نوشتیم این غزلہا را، بہ شمس مفخر تبریز ازین غلام برید

حضرت شمس کی قونیہ کو واپسی، جب سلطان ولد حاضر خدمت ہوئے اور مولینا کا سلام و پیام پہنچایا، تو حضرت شمس نے قونیہ کا عزم فرمایا،

"سلطان ولد با تمامت یاران ببندگیش در آمدہ سر بسجدہ عبودیت نہادند و سلام حضرت خداوندگار و مکتوب رسانیدند، مولینا شمس الدین بخندہ خوش فرمود، مارا بسیم و زر چہ میفریبید، مارا طلب مولینائے محمدی سیرت کفایت است، و از سخن و اشارت او تجاوز چگونہ توان کردن ..... چون مصالح تمام شد عنان عزیمت بطرف قونیہ روان فرمودند..... چون خبر وصول ایشان بقونیہ برسید حضرت خداوندگار با تمامت اکابر و عالم باستقبال بیرون آمدند،.... ہر دو آفتاب حقیقت بہم دگر قران کردند.... حضرت خداوندگار قدس سرہ پیش از اول بحضرت مولانا شمس الدین قدس اللہ سرہ در آمیخت"

(باقی)

اکبر کا علمی ذوق

از جناب سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب رفیق دارالمصنفین،

(۲)

ارباب کمال | اس جماعت میں سب سے پہلے ہماری نظر ابوالفیض **فیضی** فیاضی پر پڑتی ہے جو شیخ مبارک کا خلف اکبر تھا، اس کے علم و فضل کی شہرت نے بیس برس کی عمر میں اسے اکبر کے دربار تک پہنچا دیا، جہاں وہ چہارصدی منصب پر فائز ہوا، اور جب تیس برس کا ہوا تو ملک الشعراء کے گراں بہا خطاب سے سرفراز کیا گیا، عربی، فارسی اور سنسکرت کا جید عالم تھا، اس نے ایک سو ایک کتابیں مختلف زبانوں میں تالیف کیں، اسکی اکثر تصانیف کا ذکر اوپر آچکا ہے، اس کا علمی شغف اس قدر بڑھا تھا کہ جب وہ مرا تو اپنے کتب خانہ میں ۴۳۰۰ کتابیں چھوڑیں، جو شاہی کتب خانہ میں داخل کرلی گئیں، شاعری میں یکتائے روزگار تھا، پہلے فیضی پھر فیاضی تخلص کرتا تھا، چنانچہ خود کہتا ہے،

زیں پیش کہ سکۂ سخن بود / فیضی رقم نگین من بود
اکنوں کہ شدم بعشق مرتاض / فیاضیم از محیط فیاض

اس کے قصائد، غزلیں، اور مثنویاں فارسی کی بہترین نظموں میں شمار کی جاتی ہیں، اس کے اشعار کے نمونے آئین اکبری میں کثرت سے دیئے ہیں، اس کے کل کلام کی تعداد ۵ ہزار کے لگ بھگ ہے، اس کے دیوان کا نام طباشیر الصبح ہے،

اکبر کا محبوب ترین دوست تھا، اس کو ہمیشہ پاس رکھتا تھا، اور اسکی ہمہ گیر قابلیت سے برابر فیضیاب

ہوتا رہتا تھا، اکبر کے لڑکوں کی تعلیم اسی کے ذمہ تھی، ۱۰۰۴ھ میں وفات پائی، جب بسترِ مرگ پر تھا تو ایک رات اکبر کو خبر ہوئی کہ وہ عالمِ نزع میں ہے، آدھی رات گزر چکی تھی، مگر اکبر اپنے محبوب دوست کے گھر پر اسی وقت شاہی حکیم لے کر پہنچا، اضطراب میں فیضی کا سر پکڑ کر بولا، "شیخ جیو، آنکھیں کھولو، بولو دیکھو حکیم علی کو ساتھ لایا ہوں، آخر بولتے کیوں نہیں ہو" مگر فیضی کی زبان بند ہو چکی تھی، اکبر نے پھر جنجھوڑا، مگر اس مرتبہ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی، غایتِ اضطراب اور صدمہ میں اکبر نے سر سے دستار اتار کر زمین پر پھینک دی۔[۱]

فیضی کی لیاقت، قابلیت، دقتِ نظر اور جودتِ طبع کے تمام واقعہ نگار معترف ہیں، ملا عبد القادر بدایونی اس کو عقیدے کے لحاظ سے بہت ہی سخت اور برے الفاظ سے یاد کرتے ہیں، مگر جہاں اسکی علمی لیاقت کا ذکر آتا ہے، اس کی خوبیوں کی داد دل کھول کر دیتے ہیں، اسکی مثنوی نل دمن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس قسم کی کتاب تین سو سال کے اندر نہیں لکھی گئی، ایک جگہ اسکے بارے میں لکھتے ہیں

"در فنون جزئیہ از شعر و معا و عروض و قافیہ و تاریخ و لغت و طب و انشاء، عدیل در روزگار نداشت"[۲]

صاحب مآثر الامرا اسکی قابلیت کے متعلق یوں رقمطراز ہیں،

"بدقت طبع وجودتِ ذہن از جمیع علوم بحثی وافر برداشتہ، در حکمت و عربیت بیشتر تتبع نمودہ و پزشکی دانش فراپیش گرفتہ رنجوران تہی دست را چارہ می کرد"[۳]

موجودہ دور کے اربابِ کمال بھی اس کے کمال کے معترف ہیں، مولانا شبلیؒ لکھتے ہیں:۔

"فارسی شاعری نے چھ سو برس کی وسیع مدت میں ہندوستان میں صرف دو شخص پیدا کئے جن کو اہل زبان کو بھی چار و ناچار ماننا پڑا، خسرو اور فیضی، مرزا صائب فیضی کی طرح پر غزل کہتے ہیں اور مقطع میں کہتے ہیں،

---

[۱] بدایونی جلد اول ص ۴۰۲ [۲] بدایونی جلد سوم ص ۲۹۹ [۳] مآثر الامرا ص ۵۸۵،

ایں آں غزل کہ فیضیؔ شیریں کلام گفت ، در دیدہ ام خلیدہ و در دل نشستہ

فیضی کی خصوصیات میں سب سے بڑھ کر جوش بیان ہے، جس کا وہ موجد بھی ہے، اور خاتم بھی، جوش بیان خواجہ حافظ میں بھی ہے، اور اعلیٰ درجہ پر ہے، لیکن رندانہ مضامین اور دنیا کی بے ثباتی کے ساتھ مخصوص ہے، فیضی کے ہاں فخریہ، عشقیہ، فلسفیانہ، ہر قسم کے مضامین میں وہی جوش پایا جاتا ہے، جوش بیان اس کے ذاتی حالات کا خاص اثر ہے جو کسی اور کو نصیب نہیں ہو سکتا تھا[1]

محمد حسین آزاد گوہر فشاں ہیں کہ

انشا پردازی فیضی کے قلم کو سجدہ کرتی ہے، اس کے "لطیف استعارے، رنگین تشبیہیں، بلند مضامین، نازک خیالات، فصیح زبان، لفظوں کی عمدہ تراشیں، دلکش ترکیبیں، ادائے مطلب کے انداز دیکھنے کے قابل ہیں[2]"

فیضی کے بعد یکایک اس کے چھوٹے بھائی علامی فہامی شیخ ابوالفضل پر نظر پڑتی ہے، ابوالفضل نے ۱۵ سال کی عمر میں تمام علوم و فنون کی تعلیم پا کر فراغت حاصل کر لی تھی، ۲۰ سال کی عمر میں آیۃ الکرسی کی تفسیر لکھکر اکبر کی خدمت میں گذرانی، فیضی شاہی بارگاہ سے منسلک ہو چکا تھا، اس کے ذریعہ سے ابوالفضل کی لیاقت اور ذہانت اکبر کے کانوں تک پہنچ چکی تھی، چنانچہ تخت نشینی کے نویں سال ابوالفضل شاہی ملازمت میں داخل ہو گیا، پھر تو شاہی جود و کرم کی بارش اتنی ہوئی کہ وہ چار ہزاری منصب پر فائز ہوا، اور عہدۂ وزارت پر سرفراز ہوا، وہ ایک کامیاب سیاست دان بیدار مغز مدبر اور ہوشیار سپہ سالار ہونے کے علاوہ ایک بے مثل ادیب، مورخ اور شاعر تھا، اور علامی کے ممتاز لقب سے ہمیشہ یاد کیا جاتا تھا، اس کی قابلیت اور لیاقت ہر جگہ اور ہر زمانہ میں تسلیم

---

[1] شعر العجم حصہ سوم ص۰۰ [2] دربار اکبری ص ۳۰۰

کی گئی، صاحب مآثر الامرا لکھتے ہیں: کہ

"بجودت طبع ورسائی فہم و علو فطرت و طلاقت لسان درکثر زمانے یگانہ وبے ہمتائی وقت گردیدہ[1]"

اردو کا سب سے بڑا انشا پرداز جو فارسی کا بھی مسلم الثبوت استاد تھا لکھتا ہے کہ "شیخ کی انشا پردازی اور مطلب نگاری کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ یہ نعمت خداداد ہے کہ خدا کے ہاں سے اپنے ساتھ لایا تھا، ہر ایک مطلب کو اس خوبصورتی سے ادا کرتا ہے کہ سمجھنے والا دیکھتا رہ جاتا ہے، بڑے بڑے انشا پردازوں کو دیکھو جہاں عبارت میں لطف اور کلام میں زور پیدا کرنا چاہتے ہیں تو بہار سے رنگ لیتے ہیں اور حسن و جمال سے خوبی مانگ کر کلام کو رنگین و نمکین کرتے ہیں، یہ قادر الکلام اپنے پاک خیالات اور سادہ الفاظ میں اصلی مطلب کو اس طرح ادا کرتا ہے کہ ہزار رنگینیاں ان پر قربان ہوتی ہیں، اس کے سادگی کے باغ میں رنگ آمیزی کا مصور آکر قلم لگائے تو ہاتھ قلم ہو جائیں، وہ انشا پردازی کا خدا ہے، اپنے لطفِ خیالات سے جیسی مخلوق چاہتا ہے الفاظ کے قالب میں ڈھال دیتا ہے، لطف یہ ہے کہ جس عالم میں لکھتا ہے نیا ڈھنگ ہے اور جتنا لکھتا جاتا ہے عبارت کا زور بڑھتا اور چڑھتا چلا جاتا ہے، ممکن نہیں کہ طبیعت میں تھکن معلوم ہو[2]"

ایک انگریز مورخ اس کے انشاء کے متعلق اپنی رائے یوں ظاہر کرتا ہے:۔

"ابوالفضل کے طرز انشاء پر کسی قسم کی رائے پیش کرنا بے سود ہے، عبداللہ شاہ بخارا کہا کرتا تھا کہ وہ اکبر کی تیروں سے اتنا نہیں ڈرتا جتنا کہ ابوالفضل کے قلم سے ڈرتا ہے"

[1] مآثر الامرا حصہ دوم صفحہ ۶۱۸ [2] دربارِ اکبری صفحہ ۴۹۳،

ہندوستان میں ہر جگہ وہ ایک زبردست منشی تسلیم کیا گیا ہے، اس کے مکتوبات تمام مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں، اگرچہ ایک مبتدی ان کو پڑھنے میں مشکلوں اور پیچیدگیوں سے گھبرا جاتا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ انشا کے مکمل نمونے ہیں، ابوالفضل کی کتابوں سے لطف اٹھانے کے لئے نہ صرف فارسی زبان پر کافی عبور بلکہ خود ابوالفضل کے طرزِ انشا پر کافی مہارت حاصل کرنے کی ضرورت ہے، اس کا طرز بے مثل ہے اور گو اسکی تحریر ہر جگہ پڑھی جاتی ہے، لیکن اس کا اتباع نہ کیا گیا ہے، اور نہ کیا جا سکتا ہے[1]"

ابوالفضل کے مختلف تراجم، اور تاریخی شاہکار اکبر نامہ اور آئین اکبری کا ذکر اوپر آچکا ہے ان کے علاوہ انشاے ابوالفضل، کشکول، اور جامع اللغات بھی اس کی علمی یادگاریں ہیں، انشاے ابوالفضل اس کے خطوط کا مجموعہ ہے، یہ مجموعہ اب تک مختلف مدرسوں میں فارسی کے درس میں شامل ہے، کشکول میں ابوالفضل کی لکھی ہوئی وہ نثر اور نظمیں ہیں، جو اس نے یادداشت کے لئے وقتاً فوقتاً لکھ لی تھیں، جامع اللغات میں وہ الفاظ مع معانی کے لکھے ہوئے ہیں، جو ابوالفضل نے شاید طالب علمی کے زمانہ میں لکھے تھے،

ابوالفضل شہزادہ سلیم کے اشارے سے بندھیل کھنڈ کے ایک زمیندار بیر سنگھ کے ہاتھوں سنہ ۱۰۱۱ھ میں قتل ہوا، جب اس حادثہ کی خبر شاہی دربار میں پہنچی تو کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ اس سانحہ کی خبر اکبر تک پہنچائے، آخرکار ابوالفضل کا وکیل سیاہ لباس پہنکر دست بستہ اکبر کے حضور میں آیا، چغتائی خاندان کے کسی شہزادہ کے جب انتقال کی خبر آتی تو اس کا وکیل باپ تک اسی طرح خبر پہنچاتا تھا، ابوالفضل کے وکیل کو جب اکبر نے دیکھا تو متحیر ہوگیا، خبر جانکاہ سنکر فرطِ غم سے نڈھال ہوگیا اور بولا

---

[1] بلاخ مین، تمہید آئین اکبری،

"اگر شاہزادہ ما داعیہ پادشاہی بودے مرا کشتے، و شیخ را نگاہ داشتے"

اور پھر یہ شعر پڑھا،

شیخ ما از شوق بے حد چوں سرا پا آمدہ ز اشتیاق پائے بوسی بے سر و پا آمدہ[1]

دربار اکبری کے علم و ادب کے گلدستہ کا گل سرسبد عبد الرحیم خانخاناں بن بیرم خان تھا، یہ صاحب قلم اور صاحب سیف دونوں تھا،

بیرم خاں کے تعلقات شاہی دربار سے آخر میں خواہ کیسے ہی ہو گئے تھے لیکن یہ ایک ناقابل انکار حقیقت تھی کہ وہ ہندوستان میں تیموری سلطنت کے بانیوں میں سے تھا، اور اکبر کی دستگیری اور پشت پناہی اس وقت کی جب وہ مشکلوں میں گھر کر بے پناہ ہو رہا تھا، احسان شناس اکبر نے بیرم خاں کے مرنے کے بعد اس کے لڑکے عبد الرحیم کو اپنی تربیت خاص میں لیا، اور اسکی پرورش اور تعلیم اپنی زیر نگرانی کی، جب سن شعور کو پہنچا تو خان مرزا کے خطاب سے سرفراز کیا، اور پھر سپہ سالار بنکر خانخاناں ہوا[2]، ہم کو اس وقت اس کی شجاعت، تدبر، فتوحات اور جنگی معرکوں سے کسی قسم کی بحث نہیں، بلکہ ہم کو اس کے تبحر علمی، کمال انشا پردازی، علم دوستی اور ادب پروری پر مختصر روشنی ڈالنے کی کوشش کرنا ہے،

علمی حیثیت سے خانخاناں کا درجہ نہایت ہی ممتاز اور بلند تھا، دنیا کی اکثر مروج زبانوں پر مہارت تامہ رکھتا تھا، فارسی اس کی مادری زبان تھی، اس کی فارسی نثر اپنی سادگی، شستگی اور برجستگی کے لحاظ سے اب بھی بہت مقبول ہے، تزک بابری کا فارسی ترجمہ جو اسی کے قلم کا رہین منت ہے، اب تک انشا کے لحاظ سے بے مثل چیز سمجھی جاتی ہے، اور ارباب ذوق اس کو بڑی دلچسپی کے ساتھ پڑھتے ہیں، اس نے اپنی فارسی شاعری کا ایک دیوان بھی

---

[1] مآثر الامرا جلد دوم ص ۷۱، [2] تفصیل کے لئے دیکھو مآثر الامرا حصہ دوم ص ۶۹۴،

مرتب کیا تھا، مگر وہ اب مفقود ہے، مآثر رحیمی میں جس کو خانخاناں کی زندگی میں عبدالباقی نہاوندی نے لکھا ہے، کثرت سے نمونے درج ہیں،

خانخاناں کی سخن سنجی اس کمال کو پہنچی ہوئی تھی کہ مشہور ہمعصر شعرا نظیری، عرفی، شکیبی اور انیسی کے مقابلہ میں غزلیں کہتا اور سب میں ممتاز رہتا تھا، ایک بار طرح تھی، چند است پند است، فرزند است، تمام شعرائے اکبری نے اس زمین پر اپنا اپنا اشہب قلم دوڑایا مگر میدان خانخاناں کے ہاتھ رہا، نظیری نے بھی اس طرح پر ایک غزل لکھی تھی، خانخاناں اور نظیری کی غزلوں کو موازنہ کرتے ہوئے مولانا شبلی لکھتے ہیں کہ

"صاحب ذوق سمجھ سکتا ہو کہ خانخاناں کے کلام میں جو صفائی، شستگی، دلآویزی اور سوز و گداز ہے، نظیری کی غزل اس سے بالکل خالی ہے[1]"

خانخاناں عربی میں بھی اعلیٰ لیاقت رکھتا تھا، نہایت دقیق، مغلق اور مشکل عربی کے معنی کو نہایت آسانی سے بیان کر دیتا تھا، ایک بار شریف مکہ نے اکبر کو خط لکھا، عبارت اس قدر مشکل تھی کہ ابوالفضل اور فتح اللہ شیرازی کو مفہوم سمجھنے کے لئے لغت کی ضرورت ہوئی، خانخاناں نے اسے فوراً لیا، خط کی عبارت پڑھتا اور برجستہ ترجمہ کرتا جاتا تھا، جس کی داد تمام اہل دربار نے دی،

ترکی خانخاناں کی مادری زبان سمجھنا چاہئے، اس زبان میں اس کی لیاقت مسلم الثبوت تھی، ہندی زبان کا پرگو شاعر تھا اور سب سے زیادہ اسی زبان میں شاعری کی، لیکن افسوس ہے کہ اس کا کہیں پتہ نہیں چلتا ہے، مآثر رحیمی میں ہے،

"در زبان ہندی ید بیضا نمودہ اند چنداں اشعار متین و ابیات دلنشین کہ ایشاں درآں زبان دارند ہیچ یک از فحول شعرائے آں زبان رانیست، و دست از ثبت

---

[1] شعر العجم جلد سوم ص ۸، [2] مآثر رحیمی، جلد دوم ص ۵۵۶،

نمودن آنہا باز داشتہ باشعاری کہ بزبان فارسی فرمودہ اند اکتفا نمود و تحمل و انعام

واحسانی کہ بشعرائے فارسی زبان نمودہ دہ برابر آں بہندی زبانان نمودہ باشند، وچنداں

اشعار کہ آں جماعہ درمدحِ ایشاں گفتہ اند فارسی گویاں عشرِ عشیر نگفتہ اند[۱]"

یہی مصنف ایک جگہ لکھتا ہے کہ اکبر کو سلاطین یورپ سے برابر مراسلت کرنی ہوتی تھی، اس لئے خانخاناں کو یوروپین زبان سیکھنے کا حکم دیا جس کو اس نے سیکھا، مگر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کن کن زبانوں سے اس نے واقفیت حاصل کی تھی، بہرحال وہ بہت سی زبانوں پر مہارت رکھتا تھا، مآثر الامرا میں ہے:-

"خانخاناں درقابلیت واستعداد یکتائے روزگار بود، واو عربی وفارسی وترکی وہندی رواں داشت، شعر خوب می فہمید ومی گفت، رحیم تخلص می کرد، گویند کہ باکثر زبانہا کہ درعالم رائج است حرف می زد[۲]"

خانخاناں نے اپنے علمی ذوق کے نشو ونما کے لئے ایک بے نظیر کتبخانہ قائم کیا تھا جہاں زمانہ کے مشہور شعراء نے اپنے دیوان خود لکھکر داخل کئے تھے، دربار اکبری کے اکثر باکمال اسی دار الحکمت کے تربیت یافتہ تھے، عرفی، شکیبی، حیاتی، ظہوری، ملک قمی، نظیری، محتشم کاشی، رسمی، نوعی شیرازی وغیرہ جیسے بلند پایہ شعراء اسکی زر پاشیوں سے ہمیشہ فیضیاب ہوا کرتے تھے، اس کی علم پروری اور فیاضی کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ نوعی شیرازی کو سونے میں تلوا دیا[۳]، نظیری نے ایک بار کہا کہ اس نے ایک لاکھ روپیہ کا ڈھیر نہیں دیکھا ہے، خانخاناں نے ایک لاکھ روپیہ کا ڈھیر جمع کرکے دکھایا پھر وہ ڈھیر اس کے گھر بھجوا دیا[۴]،

---

۱ مآثر رحیمی جلد دوم ص۵۶۲ ۲ مآثر الامرا جلد دوم ص۶۰۳،

۳ خزانہ عامرہ تذکرہ نوعی ۴ مآثر الامرا حصہ دوم ص۶۰۳،

ان ارباب کمال میں ملا عبدالقادر بدایونی کا درجہ علمی حیثیت سے کم ممتاز نہیں تھا، ملا صاحب ۹۸۱ھ میں شاہی دربار میں ملازم ہوئے[1]، عربی، فارسی، سنسکرت، تفسیر اور تاریخ کے جلیل القدر عالم تھے، اس لئے تصنیف، تالیف اور ترجمے کے کام پر مامور ہوئے، علاوہ تنخواہ کے وقتاً فوقتاً انعامات واکرامات سے مالامال ہوتے رہے، آواز بڑی شیریں اور دلکش پائی تھی اس لئے شروع میں شاہی امام بھی مقرر ہوئے، ان کے مختلف تراجم اور تاریخ الفی کا ذکر اوپر آچکا ہے، ان کے علاوہ اور بھی تالیفات ہیں، نجات الرشید[2]، کتاب الاحادیث اور منتخب التواریخ،

ملا صاحب کی تمام تصانیف میں منتخب التواریخ نے بڑی شہرت حاصل کی ہے، یہ تین حصوں میں منقسم ہے، پہلے حصہ میں اکبر کے قبل سلاطین ہند کے کوائف ہیں، دوسرے میں اکبر کے حالات ہیں، تیسرے میں علما، فقرا اور شعرا کا ذکر ہے، الیٹ صاحب اس تاریخ کے بارے میں لکھتے ہیں:-

"یہ ان چند کتابوں میں ہے جن کا ترجمہ بہت مفید ثابت ہوگا، لیکن اس کے لئے فارسی زبان میں کافی مہارت حاصل کرنے کی ضرورت ہے اور ساتھ ہی ساتھ ہمعصر تاریخوں سے کامل واقفیت بھی چاہئے کیونکہ مصنف نہ صرف نامانوس الفاظ استعمال کرتا ہے بلکہ مذہبی مناظرے، تعریف وتوصیف، ہجو وذم، ذاتی اور خاندانی تاریخوں کی تفصیلات تو اس طرح بیان کرنے لگتا ہے کہ واقعات کا تسلسل قایم نہیں رہتا، اور پھر سلسلۂ تاریخ قائم کرنے میں کافی دقت ہوتی ہے، لیکن ہمیں اس کو تسلیم کرنا پڑیگا کہ یہی غیر متعلقات اس کی تصنیف کے دلچسپ حصے ہیں، بہت کم ایسے واقعہ نگار ہیں جو بدایونی کیطرح اپنے جذبات کا اظہار کرنا چاہتے ہیں، خصوصاً جو شاہی کانوں کو ناگوار ہوں یا جو اپنی غلطیوں اور لغزشوں کو

---

[1] بدایونی جلد دوم ص۱۷۱ [2] بدایونی جلد دوم ص۲۰۸، اس کا ایک نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ میں موجود ہے، [3] بدایونی جلد اول ص۶۔

اس وضاحت اور بے ترتیبی کے ساتھ اکٹھا کر دیتے ہوں[1]،

محمد حسین آزاد جو ملا صاحب سے خوش اس لئے نہیں نظر آتے ہیں کہ وہ ان کے ممدوحین کو اچھے الفاظ سے نہیں یاد کرتے ہیں، اس کتاب کی سب سے "بڑی خوبی" یہ بتائی ہے کہ ملا صاحب نے اس تاریخ میں غیر کی یا اپنی کوئی بات چھپائی نہیں[2]،

اس کتاب کی صاف گوئی اور حق پسندی کے سبب جہانگیر نے اپنے زمانہ میں اس کی اشاعت بند کردی تھی، بات یہ تھی کہ ملا صاحب بڑے راسخ العقیدہ مسلمان تھے، جس بات کو خلاف شرع و مذہب سمجھ لیتے تھے، پھر اس کے دیکھنے کے روادار نہ تھے، اکبر کے مذہبی خیالات کو نہایت شرح و بسط سے بیان کیا ہے، اور جو لوگ اکبر کے خیالات میں ان تبدیلیوں کے باعث ہوئے تھے ان کو کاذب، ملحد، کافر، ملعون، بے دین، زندیق، بدبخت کے الفاظ سے یاد کرتے، اور ان تمام خیالات کو اسلام کی اہانت اور مسلمانوں کی مذلت بلکہ جان و مال کے نقصانات کا سبب قرار دیتے ہیں، اسی لئے فیضی اور ابو الفضل کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے ہیں، مگر باوجود ان کے سخت عقائد کے ان کے علمی تبحر کو سب تسلیم کرتے تھے، عظیم الشان علمی کاموں کے لئے شاہی دربار سے ہمیشہ ملک الشعراء فیضی یا علامہ ابو الفضل یا ملا عبد القادر منتخب کئے جاتے تھے، اکثر تینوں یا ملا صاحب ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ مل کر علمی کارنامے انجام دیتے تھے، فیضی ملا صاحب کی قابلیت کا بہت معترف تھا، کچھ دنوں اکبر نے ملا صاحب کی طرف سے بے التفاتی کو راہ دی تھی، اس پر فیضی نے بارگاہ شاہی میں ایک عریضہ لکھا جس میں اکبر سے خطا پوشی اور عطا پاشی کی درخواست کی، پہلے ملا عبد القادر کی لیاقت و قابلیت کا ذکر اس طرح کرتا ہے،

"شکستہ نوازا، ملا عبد القادر اہلیت تمام دارد و علوم رسمی انچہ ملایان ہندوستان

---

[1] ایلیٹ جلد پنجم ص ۴۸۱ [2] دربار اکبری ص ۴۲۰،

می خوانند خواندہ و پیش خدمت ابوی کسب فضیلت کردہ و قریب بسی و ہفت سال میشود

کہ بندہ او را می دانم و با فضیلت علمی طبع نظم و سلیقہ انشاے عربی و فارسی و چیزے از

نجوم ہندی و حساب یادداشت در ہمہ وادی و وقوف در نغمۂ ولایت و ہندی و

خبرے از شطرنج صغیر و کبیر دارد و مشق بین بقدری کردہ با وجود بہرہ مند بودن ازیں

ہمہ فضائل بہ بے طمعی و قناعت و کم تردد نمودن و راستی و درستی و ادب و نامرادی

و شکستگی و گذشتگی و بے تعینی و ترک اکثر رسوم تقلید و درستی اخلاص و عقیدت بدرگاہ

بادشاہی موصوف است "

پھر اس کی سفارش ان الفاظ میں کرتا ہے:۔

" چوں درگاہ راستان است دریں وقت کہ بے طاقتی زور آوردہ بندہ خود را

حاضر پایۂ سریر والا دانستہ احوال او بعرض رسانید اگر دریں وقت بعرض نمی رسانید

نوعی از ناراستی و بے حقیقتی بود حق سبحانہ بندہاے درگاہ ما در سایہ فلک پایۂ حضرت بادشاہ

بر راہ راستی و حق گذاری و حقیقت شناسی قدم ثابت کرامت فرماید و آں حضرت را بر کل

عالم و عالمیاں سایہ گستر و شکستہ پرور و عطاپاش و خطاپوش بہزاران برازدولت و اقبال

و عظمت و جلال دیرگاہ داراد بعزت پاکاں درگاہ الٰہی و روشن دلان سحرخیز صبح گاہی

آمین آمین[1] "

بعد کے اہل قلم نے بھی ملا صاحب کی تعریف بجا طور پر کی ہے، بختاور خاں عالمگیری مراۃ العالم

میں لکھتا ہے،

" ملا عبد القادر بدایونی جامع معقول و منقول بود و با فضیلت علمی طبع نظم و سلیقہ

---

[1] بدایونی جلد سوم ص ۳۰۲،

انشاے عربی و فارسی و نجوم و حساب و وقوف در نغمہ ولایتی و ہندی بمرتبہ کمال داشت و قادری تخلص بود"

علم و ہنر کے آسمان کے ایک دوسرے درخشندہ ستارہ خواجہ نظام الدین احمد تھے، خواجہ صاحب دربار اکبری کے پنجہزاری امرا میں تھے جو اس عہد کا معراج دولت تھا، گجرات میں بخشی کے عہدہ پر مامور تھے، صاحب ثروت و عزت ہونے کے ساتھ صاحب قلم بھی تھے، ۱۰۰۲ھ میں طبقات اکبری لکھی جس نے ان کو حیات جاوداں بخشی، یہ کتاب ہندوستان کی اسلامی عہد کی بہت ہی جامع تاریخ ہے، مصنف نے اپنے معلومات ان تمام مستند تاریخوں سے حاصل کئے ہیں، جو اس وقت ممکن صورت سے دستیاب ہو سکتی تھیں، کتاب کے آغاز میں اپنے ماخذوں کے جو نام گنائے ہیں ان کی تعداد تیس ہے، اسی لئے یہ کتاب ہمیشہ مستند تاریخوں میں شمار کی گئی ہے، ملا عبد القادر بدایونی نے اپنی تاریخ منتخب التواریخ اسی کی مدد سے تیار کی، تاریخ سلاطین افغانان کے مصنف نے تو بعض بعض حصے خصوصاً ہمایوں کے حالات لفظاً بہ لفظاً اسی سے نقل کر لئے ہیں فرشتہ نے اس کو ایک مکمل تاریخ بتایا ہے، اور اس سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا ہے، ماثر الامرا میں ہے،

"وچوں جزرسی و وقت در تنقیح اخبار و سعی تمام بفراہم آوردن مواد بکار بردہ و مثل میر معصوم بھکری وغیرہ اہل کمال ومساز تالیف آں بودہ اند، اعتبار تمام دارد و آں اول تاریخ است کہ احوال جمیع اسلام سواد اعظم ہندوستان را (کہ مساحات بسیط غبرا چار رنگ روے زمین گفتہ اند) جامع است و ماخذ صاحب تاریخ فرشتہ و تبعان او (کہ مع شئے زائد نگاشتہ اند) ہمیں نسخہ مرغوبہ است"[۲]

منتخب اللباب حصہ اول میں ہے،

---

[۱] منتخب اللباب خافی خان، جلد اول ص ۲۳۷ [۲] ماثر الامرا جلد اول ص ۶۶۳

"نظام الدین ہروی کہ در جرگہ بخشیان محمد اکبر بادشاہ در آمدہ بود تاریخی مشتمل بر ذکر تعداد سلاطین بست و یک صوبۂ دکن تالیف نمودہ مسمی بتاریخ نظامی ساختہ، دراں تا سنہ سی و ہفت بذکر محمد اکبر پرداختہ، اکثر در ذکر سلاطین دکن کلام او محل اعتماد نشاید، و سوائے قول محمد قاسم فرشتہ ہیچ مورخے بذکر سلاطین دکن نپرداختہ کہ در صحت کلام اعتبار داشتہ باشد امّا چوں نظام الدین عمر در رکاب و بندگی محمد اکبر بادشاہ صرف نمودہ قول او در ذکر سوانح سلطنت عرش آشیانی اعتبار تمام دارد"[1]

یوروپین مورخوں میں یہ کتاب بہت مقبول ہے، ارسکن کا خیال ہے کہ اس زمانہ کا بہترین مورخ نظام الدین تھا، کرنل لیس کو افسوس ہے کہ اس کتاب کو اتنی مقبولیت نہیں ہوئی جتنی کہ چاہئے تھی، الیٹ لکھتا ہے کہ یہ ہندوستان کی بہت ہی مشہور کتاب ہے جو جدید طرز پر لکھی گئی[2]

خواجہ نظام الدین کا جب انتقال ہوا تو ملا عبد القادر بدایونی نے اس طرح ماتم کیا جو ان کی مقبولیت کی دلیل ہے،

او بزحمت تپ محرقہ در سن چہل و پنج سالگی از عالم بیوفا در گذشت، و جز نام نیک با خود نبرد و خیلے از احباب و اصحاب کہ از حسن اخلاق دیدہ امیدوار بسیار داشتند خصوصاً این حقیر کہ جہت یگانگی دینی و اخلاص مبرا از اغراض دنیاوی با او داشت، اشک حسرت از دیدہ ریختہ و سنگ نومیدی بر سینہ زدہ عاقبت جز صبر و شکیبائی کہ شیوۂ اصفیا و شیمۂ اتقیا است چارہ ندیدند و ایں واقعہ را اعظم مصائب و نوائب دانستہ عبرت کلی ازاں گرفتہ دیگر دم محبت با افراد انسانی نزدم و زاویۂ خمول لازم گرفتم[3]

بدایونی نے وفات کی تاریخ کہی،

---

[1] خافی خاں حصہ اول ص۲۳۶، [2] الیٹ جلد پنجم ص۱۷۷، [3] بدایونی جلد دوم ص۳۹۷،

گوہرے بہا ز دنیا رفت[1]

ناظرین کی تشنگی باقی رہجائے گی اگر اس سلسلہ میں ہم میر فتح اللہ شیرازی، مولانا عبد اللہ سلطانپوری اور شیخ عبد النبی صدر الصدور کا ذکر نہ کرینگے، میر فتح اللہ شیرازی حکمت، ہیئت، ہندسہ، نجوم، رمل، حساب، حدیث، تفسیر اور کلام کے ماہر تھے، ان کی قابلیت کے لحاظ سے اکبر نے انہیں عضد الملک کے خطاب سے سرفراز کیا، ان کی تصنیفات، حالات کشمیر، خلاصۃ المنہج، منہج الصادقین، اور زیج جدید ہیں، ۹۹۷ھ میں وفات پائی، فرشتہ بود سے وفات کی تاریخ نکلتی ہے[2]،

مولانا عبد اللہ سلطانپوری فقہ اور تاریخ کے زبردست عالم تھے، مخدوم الملک اور شیخ الاسلام کے خطاب سے سرفراز کئے گئے، تنزیہ الانبیاء اور شمائل نبوی ان کی عالمانہ تصنیفات ہیں[3]،

شیخ عبد النبی صدر الصدور نے مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ جاکر علم حدیث کی تعلیم حاصل کی، وہاں سے آئے تو اکبر نے انہیں صدر الصدور کے عہدہ پر مامور کیا، اکبر کو ان سے جو عقیدت تھی اس کا پتہ بدایونی کے ان الفاظ سے چلتا ہے،

بادشاہ از غایت تعظیم و احترام گاہ گاہے بجہت استماع علم حدیث بخانہ شیخ می رفتند و یک دو مرتبہ کفش پیش پایہ او ہم ماندند[4]

ان کی ایک تالیف وظائف النبی صلعم کا قلمی نسخہ دار المصنفین (اعظم گڈہ) میں ہے،

ان مندرجۂ بالا اہل کمال کے علاوہ بہت سے دیگر علماء و فضلاء تھے جو مختلف قسم کے علوم و فنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے، اور دربار اکبری سے بسلسلۂ ملازمت یا اور کسی باعث منسلک رہتے تھے، مثلاً ملا سلطان تھانیسری، خواجہ حسن ہروی، امیر میر تقی شریفی، ملا سید سمرقندی، ملا صادق حلوائی، مرزا مفلس، حافظ تاشکندی، قاضی جلال الدین ہندی، حاجی ابراہیم سرہندی، ملا تیری سیالکوٹی، مولانا شاہ محمد شاہ آبادی

---

[1] بدایونی جلد دوم ۳۹۱ [2] ایضاً جلد سوم ۱۵۵ [3] ایضاً ۷۰ [4] بدایونی جلد دوم ۲۰۴ ،

شیخ عبدالحق دہلوی، قاضی نور اللہ شوستری، سید شاہ میر سامانہ، حکیم الملک گیلانی، حکیم ابوالفتح گیلانی وغیرہ[۱]

یہ فہرست یہیں پر ختم نہیں ہوجاتی اگر اس کے ساتھ اکبری عہد کے شعراء کے نام بھی گنا ئے جائیں تو ناظرین صرف نام پڑھتے پڑھتے گھبرا جائینگے، ملا بدایونی نے اس عہد کے ۱۶۶ شعراء کے حالات لکھے ہیں اور ان کے کلام کے نمونے درج کئے ہیں، جن اکبری شعراکی فہرست ابوالفضل نے آئین اکبری میں دی ہے وہ ۵۹ ہیں، یہ وہ شعرا ہیں جنھوں نے دربار میں پہنچکر تقرب حاصل کیا، بات یہ تھی کہ اکبر کی فیاضیاں اور زرپاشیاں سُنکر ہر جگہ سے شعرا ہندوستان میں امنڈ آئے تھے، اکبر نہ صرف ان پر زر و دولت کی بارش کرتا، بلکہ ان کی ہمت افزائی اور قدر دانی کے لئے ملک الشعرا کا خاص عہدہ قائم کیا، جس پر سب سے پہلے غزالی مشہدی، پھر فیضی مامور ہوئے، علاوہ غزالی فیضی، اور خانخاناں کے مندرجۂ ذیل شعرا نہایت ممتاز تھے

حکیم ثنائی، عرفی، نظیری نیشاپوری، قاسم کاہی، شکیبی صفاہانی، حوی ہمدانی، رفیعی، کاشانی، سنجر کاشی، نوعی مشہدی، بابا طالب اصفہانی، سرمدی اصفہانی، قاسم ارسلان مشہدی وغیرہ،

اکبر کو ہندوؤں کے علوم و فنون سے جو شغف تھا وہ ظاہر ہے، کہا جاتا ہے کہ وہ ہندی شاعری میں طبع آزمائی بھی کرتا تھا، اور رائے تخلص رکھتا تھا، ہندو علماء و فضلا کی ایک کثیر جماعت دربار کے علم و ہنر کے دائرہ میں شامل تھی، ابوالفضل نے "شناسائے عقلی کلام" اور دانش اندوزاں جاوید دولت" کے عنوان سے جن ہندو فضلا کے نام گنائے ہیں وہ حسب ذیل ہیں،

نارائن، مادھو بھٹ، سری بھٹ، بشن ناتھ، رام کِشن، بلبھدر مصر، باسدیو مصر، بامن بھٹ، بدیا نواس، گوری ناتھ، گوپی ناتھ، کشن پنڈت، بھٹا چارج، بھاگیرت بھٹا چارج، کاشی ناتھ بھٹا چارج، مہا دیو، بھیم ناتھ، نرائن، سیو جی،[۲]

کتب خانہ
اکبر کے علمی ذوق کے سبب جو کتب خانہ قائم ہوا، وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے بےعدیل تھا،

---

[۱] ان کے حالات منتخب التواریخ، بدایونی، جلد سوم میں ملیں گے، [۲] آئین اکبری،

قلعۂ آگرہ میں ثمن برج کے بغل میں جو لمبا کمرہ ہے، وہیں شاہی کتب خانہ تھا، ہمایوں کے کتب خانہ کی جتنی کتابیں تھیں وہ وراثت میں ملیں، اس کے علاوہ مختلف مقامات اور اشخاص سے وقتاً فوقتاً دستیاب ہوتی رہیں، اہل قلم جو کتابیں لکھتے ان کا ایک نسخہ خزانہ عامرہ میں ضرور بھیجتے، اکبر کے درباری مصنفوں کی تصنیفات، تالیفات، اور تراجم خود کثرت سے تھے، ان کے کئی کئی نسخے شاہی کتب خانہ میں رہتے، پھر اکبر کو فتوحات کے سلسلہ میں جتنی کتابیں دستیاب ہوتیں ان کو خزانہ عامرہ میں داخل کر لیتا تھا، فتح گجرات کے زمانہ میں اعتماد خاں گجراتی سے بہت سی نفیس اور نادر کتابیں حاصل ہوئیں، ان میں سے بعض تو شاہی کتب خانہ میں داخل کر لی گئیں اور بعض اہل ذوق کو دیدی گئیں،

ملا عبدالقادر بدایونی کو اس تقسیم میں انوار المشکوٰۃ کا نسخہ ملا[1]، فیضی کے انتقال کے بعد اس کی تمام کتابیں شاہی کتب خانہ میں منتقل کر دی گئیں، کتابوں کی کل تعداد ۴۶۰۰ تھی جو اکثر مصنفوں کے ہاتھ سے یا ان کے عہد کی لکھی ہوئی تھیں، ان کتابوں کا مجموعہ تین حصوں میں منقسم تھا، پہلے میں نظم، طب، نجوم اور موسیقی کی کتابیں تھیں، دوسرے میں حکمت، تصوف، ہیئت، ہندسہ کی تھیں، تیسرے میں تفسیر، حدیث، اور فقہ کی تھیں[2]،

اکبر خاص طور سے بعض کتابوں کو مصور کراتا تھا، ان میں تصویریں اور تشبیہیں بنواتا تھا، مرقعے تیار کراتا تھا، اور کتابوں کی لوح پر طلاکاری کا کام بنواتا تھا، قصۂ امیر حمزہ کی بارہ جلدیں اس کی فرمائش سے مصور کی گئی تھیں، اور اس میں "استادان سحر پرداز" نے ۱۴۰۰ تصویریں بنائیں، اسی طرح چنگیز نامہ، ظفر نامہ، اقبال نامہ، رزم نامہ (مہا بھارت) رامائن، نل دمن، کلیلہ دمنہ اور عیار دانش نقش و نگار سے آراستہ ہوئیں[3]،

یہاں پر بے محل نہ ہوگا اگر دربار اکبری کے ان خطاطوں اور خوشنویسوں کا تذکرہ کیا جائے

[1] بدایونی جلد دوم ص ۲۸۲ [2] بدایونی جلد دوم ص ۴۰۹ [3] آئین اکبری ص ۷۳،

جنھوں نے شاہی کتب خانہ کی زینت اپنے کمالِ فن سے بڑھائی اور جن کی قدر دانی اکبر نے جاگیر، منصب، اور خطابات دے کر کی،

(۱) ملا محمد حسین کشمیری، نستعلیق کے استاد تھے، اکبر نے زریں رقم کا خطاب دیا تھا، ابوالفضل ان کو جادو رقم لکھتا ہے[۱]،

(۲) خواجہ عبد الصمد شیریں رقم، خواجہ نظام الملک وزیر شاہ شجاع شیرازی کے بیٹے تھے، ہمایوں کے دربار میں خوشنویس تھے، نستعلیق کے استاد اور مصور تھے، اپنے فن کی مہارت کے لحاظ سے شیریں قلم کہلاتے تھے، اکبر کے عہد میں چہار صدی منصب عطا ہوا، اور فتح پور سیکری کے ٹکسال کے افسرِ اعلیٰ مقرر ہوئے، خشخاش کے دانے پر سورہ اخلاص لکھی تھی[۲]،

(۳) میر معصوم قندھاری اکبری دور کے مشہور خطاط ہیں، فتح پور سیکری کی اکثر عمارات پر ان کے کتبے کندہ ہیں،

(۴) حسین بن احمد چشتی، یہ بھی اس دور کے عربی کے باکمال خطاط تھے، فتح پور سیکری کے بلند دروازے کے پیش طاق کی محراب کے اوپر ابھرے ہوئے حروف میں جو عربی کتبہ ہے وہ انھی کے کمال کا نمونہ ہے،

خط نستعلیق کے دوسرے باکمال اساتذہ مولانا میر علی ہروی، مولانا جعفر تبریزی، مولانا اظہر، مولانا محمد اوبہی، مولانا سلطان علی مشہدی، میر حسین کلنگی، مولانا عبد الرحیم، میر عبد اللہ نظامی وغیرہ تھے، خط تعلیق کے ماہروں میں مولانا عبد الحیٔ، منشی ابو سعید مرزا، مولانا ابراہیم استرابادی، منشی محمد جمال الدین قزوینی وغیرہ تھے، اکبر کا میر منشی اشرف خاں اس خط کے لکھنے میں ید طولیٰ رکھتا تھا[۳]،

ان خوشنویسوں کے علاوہ بہت سے ایسے خطاط تھے جو دوسرے رسم الخط مثلاً ثلث، توقیع،

[۱] آئین اکبری ص۱۰۳ و تذکرہ خوشنویساں ص۸۶۔ [۲] ایضاً ص۱۰۷ و مآثر الامراء جلد دوم۔ [۳] آئین اکبری ص۱۰۳

محقق، نسخ، ریحان، رقاع، اور غبار کے لکھنے میں بہت مشاق تھے، (دیکھو آئین اکبری ص ۳)

مدارس | اکبر نے تعلیم کی نشر و اشاعت کے لئے متعدد مدارس قائم کئے، آگرہ میں ایک مدرسہ قائم کیا جس میں تعلیم و تعلم کے لئے چلپی بیگ نام ایک عالم کو شیراز سے بلایا، (اکبرنامہ دفتر اول) فتحپور سیکری میں پہاڑی کے اوپر ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کیا جس کے مقابلہ میں کوئی سیاح کسی دوسرے مدرسہ کا نام نہیں بتا سکتا تھا، ان تعلیم گاہوں کے علاوہ بہت سے ایسے مدارس تھے جن کو امراء اور اشخاص نے قائم کئے (مثلاً ماہم بیگم کا مدرسہ دہلی میں جو خیر المنازل کے نام سے موسوم تھا، ابو الفضل کا مدرسہ جو فتحپور سیکری میں واقع تھا، پھر عبد الرحیم خانخاناں کے مختلف مدارس) ان کے ماسوا بہت سے معلمین اور علماء اپنے اپنے مقامات پر علوم و فنون کی ترقی اور افراد قوم کی تعلیم و تربیت میں مصروف تھے، اور ان کی اعانت شاہی دربار سے برابر ہوتی رہتی تھی، تاریخ بدایونی میں ان مدرسین کی تفصیلات درج ہیں، ہم طوالت کے خیال سے نظر انداز کرتے ہیں،

مگر جو چیز اس سلسلہ میں قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ اکبر نے بچوں کی تعلیم کے لئے بعض ایسے طریقے ایجاد کئے تھے جو آج ابتدائی تعلیم کے جدید طریقوں کے بالکل مشابہ تھے، فارسی حروف بچوں کے ذہن نشین کرانا آسان نہیں، خصوصاً ہندو بچوں کے لئے اور دشواریاں تھیں، کیونکہ ان کی تمام تحریریں بائیں سے داہنے جانب لکھی جاتی تھیں، چنانچہ حرف آموزی کے طریقہ کو سہل بنانے کے لئے اکبر نے ہدایت دی کہ اولاً استاد بچوں کو مفرد حروف پہچنوائے، پھر اعراب اور مرکب حروف پھر چھوٹے چھوٹے جملے، اس کے بعد اشعار اور طویل عبارت، یہ طریقۂ تعلیم کامیاب ثابت ہوا اور لڑکے جو برسوں میں سیکھتے وہ چند مہینوں میں حاصل کر لیتے، آئین اکبری کی عبارت ہے:-

"نفرمود کہ گیتی خداوند حروف ابتث (ا ب ت ث) را برنویسند و دیگرگون پیکررا

ــــــــــــــــــــــــــــــــ

[1] آئین اکبری، ذکر دار الخلافہ صوبہ آگرہ،

بدانساں نگارند نخست بصورت و نام آشنا گردند و دو روز بیش نکشد کہ از نقوش حروف پیوستہ آگہی برگیرد، وچوں ہفتہ بدیں دریافت تنومندی یا بد و لختی نظم و نثر آشنا رود، نیایش ایزدی و اندرز گزاری جداگانہ نگاشتہ در آموزند، وکوشش رود کہ ہر یک را خود بشناسد و اندکے استاد دستگیری کند وچندے ہر روز یک مصرع یا یک بیت بانجام رساند، در کمتر زمانے سوادخوانی روشنی پذیرد، و آموزگار ہر روز از پنج چیز آگہی بر جوید شناسائی حروف الفاظ مصرع بیت پیشین خواندہ بدیں روش انچہ بسالہا آموختی باہ بل بروز کشید و جہانی جشگفت درآمد، [۱]

ابوالفضل نے ان مختلف علوم و فنون کی فہرست بھی دی ہے، جو اس زمانہ میں پڑھائے جاتے تھے، اور وہ حسب ذیل ہیں، اخلاق، حساب، سیاق، فلاحت، مساحت، ہندسہ، نجوم، رمل، تدبیر منزل، سیاست، مدن، طب، منطق، طبیعی، ریاضی، الٰہی، تاریخ، بیاکرن، بیدانت، پاتنجل، یہ گویا اعلیٰ تعلیم کا نصاب تھا، [۲]

[۱] آئین اکبری ص ۱۳۱، [۲] آئین اکبری ص ۱۹۱،

ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں،

یہ مولوی ابوالحسنات مرحوم کا وہ پر از معلومات مقالہ ہے جو علامہ سید سلیمان ندوی کی خواہش سے لکھا گیا تھا اور معارف ۱۹۳۶ء کے مختلف نمبروں میں مسلسل شائع ہوا تھا، اور جسکو اہل نظر نے بے حد پسند کیا تھا، اور ان کی تجویز تھی کہ یہ ایک کتاب کی صورت میں یکجا ہو جائے، پنجاب کے ایک پبلشر نے اس کو اسی زمانہ میں چھاپا، تو پوری کتاب مسخ ہوگئی، اب دار المصنفین نے اسی مقالہ کو نہایت اہتمام سے شائع کیا ہے، اس کتاب کو پڑھنے کے بعد مسلمانوں کے گذشتہ شاندار تعلیمی کارنامے نظر کے سامنے آجاتے ہیں، ضخامت ۱۲۰ صفحات، قیمت ۱۲ر

"منیجر"

کتبخانۂ دفتر دیوانی حیدرآباد دکن

از جناب محمد غوث صاحب ایم اے عثمانیہ، حیدرآباد دکن،

حیدرآباد کے سرکاری اداروں میں سے دفتر دیوانی نے ایک خاص اہمیت حاصل کرلی ہے، یون تو عطاے معاش اور جاگیر کے ایک تصدیق کنندہ دفتر کی حیثیت میں ایک عرصہ سے یہ دفتر قائم تھا، لیکن گذشتہ پندرہ سال سے یہ حقیقت واضح ہونے لگی ہے کہ نہ صرف تاریخ سلطنت آصفیہ بلکہ خود زمانہ مغلیہ کی عام ہندوستانی تاریخ کے بہت سارے تاریک پہلوؤں پر اصلی سرکاری کاغذات سے روشنی ڈالنے کے لئے دفتر دیوانی کے مخزونہ ذخائر کو بڑی اہمیت حاصل ہے؛

اعلیحضرت بندگان عالی نواب میر عثمان علی خاں دام ظلہ العالی کے ترقی پرور دور میں جہاں اور دوسرے سرکاری سررشتے ترقی اور تجدد کے مراتب علی التسلسل طے کرنے لگے وہاں دفتر دیوانی کا قالب بھی نیا ہو گیا،

سرکار عالی کا یہ عندیہ ہے کہ سارے قدیم دفاتر، دفتر دیوانی میں ضم کر دیئے جائیں، چنانچہ دفاتر مال، ملکی، استیفاء، مناصب، خطابات اور مواہیر ایک جا ہو چکے ہیں،

ان دفاتر کی یکجائی کے بعد جب ان کو عصری نقطہ ہاے نظر سے مہذب اور مرتب کرنے کی نوبت آئی تو یہ امر صاف طور سے محسوس ہونے لگا کہ ان دفاتر قدیم کے کاغذات کے تاریخی پہلو کو نمایاں کرنے، ان کاغذات کو مسلمہ تاریخی معیار پر جانچنے، اور ان کو تاریخی نقطۂ نظر سے ترتیب دینے میں ایک کتب خانہ کی ضرورت ناگزیر ہے،

اس نقطۂ نظر سے تقریباً چھ سال ہوے کہ کتب خانہ دفتر دیوانی کی بنیاد رکھی گئی، اس قلیل

عرصہ میں جو ذخیرہ فراہم ہوگیا ہے وہ ہر ادارہ کے لئے امتیاز کا موجب ہوسکتا ہے، ان مستند، اور تاریخی لحاظ سے بہت ہی اہم کتابوں کی فراہمی کی وجہ سے یہ علمی جواہر پارے تلف ہوجانے سے نہ صرف محفوظ ہوگئے بلکہ ان سے باغراض علمی ہر طرح کا استفادہ ہر صاحبِ ذوق کے لئے بالکلیہ آسان ہوگیا،

دفتر دیوانی کا کتب خانہ اپنے نہایت وسیع معنی میں کوئی ایسا عام کتب خانہ نہیں ہے جہاں ہر علم و فن کی کتابیں جمع کی جاتی ہوں، یہاں صرف ایسی کتابیں فراہم ہو رہی ہیں جن سے کسی ہندوستانی تاریخی مبحث پر قابلِ استناد معلومات حاصل ہوسکیں، جو کتابیں جمع کیجاتی ہیں، ان کی نوعیت پانچ قسموں پر مشتمل ہے،

۱- وہ کتابیں جو تاریخ دکن اور تاریخ ہند سے متعلق ہوں،

۲- حوالہ کی کتابیں،

۳- ایسی کتابیں جو قدیم کاغذات اور کتابوں کی اصلاح اور درستگی، تہذیب، ترتیب اور تبویب کے فن سے متعلق ہوں،

۴- قوانین اور ضوابط سرکارِ آصفیہ،

۵- مطبوعاتِ سرکاری،

ان میں سے ہر ایک کے متعلق قدرے توضیح ضروری معلوم ہوتی ہے،

۱- تاریخ کی کتابیں،

تاریخ کا لفظ اپنے نہایت وسیع معنی میں استعمال کیا گیا ہے، سوانح اور تذکرہ کے علاوہ بسا اوقات سفرنامے نیز انشا و مکاتیب اور بعض ادب کی کتابیں بھی اس لحاظ سے کہ تاریخ کا اصلی اور کارآمد مواد غیر تاریخ کی کتابوں سے فراہم ہوتا ہے، اس ذیل میں آجاتی ہیں، اسی طرح

جغرافیہ کی کتابیں بھی کسی طرح نظر انداز نہیں کی جاسکتیں،

دفتر دیوانی میں تاریخ کی کتابیں بالعموم صرف ہندوستان ہی کے متعلق فراہم کی گئی ہیں، لیکن ہندوستان سے باہر کے بعض ممالک کی بعض کتب تاریخ کو بھی حاصل کیا گیا ہے،

کیونکہ اس تاریخی حقیقت سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا کہ تاریخ ہندوستان کے اسلامی عہد میں جو علمی سوسائٹی ہندوستان اور دکن میں نشو ونما پا رہی تھی، اس کا اصلی سرچشمہ ہندوستان سے باہر وسط ایشیا اور ایران میں واقع تھا اور نیز ہندوستان و دکن کی معاشرت میں جو تبدیلی ہو رہی تھی اور جو سیاسی انقلاب واقع ہو چکا تھا اس پر بھی ہندوستان کے باہر کے واقعات بہت گہرا اثر ڈال رہے تھے، قطب شاہی اور عادل شاہی وغیرہ زمانہ کی تاریخ کے اکثر پہلو، خواہ وہ مذہبی ہوں یا علمی، معاشرتی ہوں یا سیاسی، ہندوستان سے باہر کی تاریخ سے مربوط ہیں،

علاوہ ازیں خود شاہانِ آصفیہ کے اجداد کا مولد و منشا بھی وسط ایشیا ہی ہے، اس لئے اس سلسلہ کے حالات کا علم بعض وقت ایسی کتابوں سے حاصل ہوتا ہے، جن کو ہندوستان سے بظاہر کوئی تعلق نہیں ہوتا، حضرت آصف جاہ اول کے بعض اہم حالات، ایران کی معاصرانہ تاریخ کی کتابوں میں زیادہ وثوق اور بلا کسی خاص مخالف یا موافق نقطۂ نظر کے معلوم ہو سکتے ہیں،

ان وجوہ کے لحاظ سے بعض اہم اور مستند کتابیں، جن کا موضوع ہندوستان سے باہر کے حالات اور واقعات ہوں، کتب خانہ میں مہیا کی گئی ہیں،

اسی طرح مشرق میں بادشاہ کی ذات واقعاتِ تاریخی کا محور ہوتی تھی، وہی تاریخ بناتی اور بگاڑتی تھی، اس نظر سے ادب و انشا کی کوئی کتاب جس سے بادشاہ کی شخصیت اور اس کے خصائل و عادات اور مبلغ علم کا کافی طور سے اندازہ ہو سکے فراہم کی گئی ہیں،

۲ - حوالہ کی کتابیں،

دفتر دیوانی کے کام کی جو نوعیت ہے، اس کے مدنظر حوالہ کی قابلِ استناد کتابوں سے کوئی مفر نہیں ہوسکتا، بنا بریں فارسی الفاظ اور اصطلاحات کو معین کرنے میں جو قابلِ وثوق کتابیں کارآمد ہوسکتی ہیں، ان کو حاصل کر لیا گیا ہے، اس سلسلہ میں جس نوعیت کی کتابیں جمع کی گئی ہیں وہ یہ ہیں،

(الف) عربی لغات کی بعض عام متداول اور قابلِ سند کتابیں جن سے فارسی زبان میں رائج شدہ عربی الفاظ اور اصطلاحات کے سمجھنے میں سہولت ہو،

(ب) ایسی کتابیں جن سے فارسی الفاظ و اصطلاحات کے انگریزی مترادفات معلوم ہو سکیں،

(ج) قانون اور نظم ونسق کے اصطلاحات کی کتابیں،

(د) السنہ ملکی کے مصطلاحات کی کتابیں،

(ہ) مشہور کتب قانون کی فہرستیں،

(و) جنتریاں،

(ز) مشاہیر کے متعلق سوانحی حوالہ کی کتابیں،

(۳) فنی کتابیں،

اس ضمن میں فہرست نگاری، کتب خانہ کی ترتیب، کاغذات کی اصلاح و درستی کے متعلق چند منتخب کتابیں موجود ہیں،

۴۔ قوانین وضوابط سرکار عالی،

دفتر میں حالیہ اور قدیم قوانین و قواعد سرکار عالی کے تحت جو کارروائیاں دائر ہوتی ہیں ان کے سلسلہ میں جن قوانین و قواعد کی بالعموم ضرورت داعی ہوتی ہے، وہ بھی جمع کر لیے گئے ہیں،

۵۔ مطبوعاتِ سرکاری،

یہ ایک امر واقعہ ہے کہ دفاتر و محاکمِ سرکاری کی جانب سے جو مطبوعات شائع ہوتی رہتی ہیں وہ اپنی اشاعت کے کچھ عرصہ بعد سلطنت کی تاریخ کا بہت اہم اور قابلِ وثوق ماخذ قرار پاتی ہیں اس لحاظ سے سرکاری مطبوعات کی فراہمی میں بطور خاص کوشش کی جاتی ہے، چنانچہ عالیہ و قدیم مطبوعات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ فراہم ہو گیا ہے،

اس موقع پر اس واقعہ کا اظہار بے محل نہیں کہ خود دفاتر متعلقہ میں دس پانچ سال قبل کی مطبوعات کا کوئی زاید نسخہ بہ مشکل ہی دستیاب ہوتا ہے، کتب خانہ آصفیہ وغیرہ کے ذخیرہ میں بھی تمام سرکاری مطبوعات موجود نہیں ہیں، "حیدرآباد آفیرس" اور "حیدرآباد اندر سر سالار جنگ" جیسی کارآمد کتابیں اب نایاب اور فی الجملہ ناپید ہو چکی ہیں،

اس امر کا اظہار نامناسب نہیں کہ ممالک محروسۂ سرکار عالی کے سارے مطبوعات کو کسی کتب خانہ میں بغرض تحفظ جمع کرنے کا کوئی انتظام اب تک نہیں کیا گیا ہے، نیز ایسی کتابیں جو سرکار یا اربابِ کرم کی امداد و سرپرستی سے بیرون ممالک محروسۂ سرکار عالی طبع یا شائع ہوئی ہیں، یا جو شاہانِ آصفیہ کے اسم گرامی پر معنون ہوں کسی نہ کسی جگہ بغرض تحفظ مخزون رہنا باغراض علمی و تاریخی بہت ضروری ہے، دفتر دیوانی اس نوعیت کا ذخیرہ فراہم کرنے میں غالباً عمارت کی تنگی کی وجہ سے مجبور رہے،

کتب خانہ زیر تذکرہ میں جو کتابیں مہیا کی گئی ہیں وہ مخطوطات اور مطبوعات دونوں پر مشتمل ہیں،

مخطوطات فراہم کرنے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ ہر رطب و یابس کتاب حاصل کر لیجائے، جو مخطوطات خریدے گئے ہیں، ان کو دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ وہ ایسے ہیں جو

۱۔ مستند ہیں،

۲۔ تا حال طبع نہیں ہوئی ہیں،

۳۔ خود مؤلف نے کتاب کی تبییض کی ہے،

۴۔ خود مولف نے کتاب کی تصحیح کی ہے،

۵۔ کتاب پر مشاہیر کے مہر یا دستخط ہیں،

کسی کتاب کے ایک سے زیادہ نسخے فراہم کئے گئے ہیں تو وہ بھی اس اطمینان کے بعد کہ ان میں کوئی نہ کوئی خصوصیت ایسی ہے کہ جو طلبہ اور ارباب علم کے لئے کارآمد ہوسکیگی،

بعض مطبوعہ کتابوں کے بھی مخطوطات فراہم ہوگئے ہیں، لیکن بالعموم اس صورت میں کہ مطبوعہ نسخہ کی فراہمی بوجہ امتداد زمانہ مشکل ہو یا مطبوعہ نسخہ کے مقابل مخطوطہ نسخہ میں مطالب کا اضافہ ہو،

کتب خانہ کا جو اصلی مقصد ہے وہ صرف مخطوطات کے فراہم کرنے سے پورا نہیں ہو سکتا، آج سے نصف صدی قبل ہندوستان اور یورپ میں تاریخ ہند کے موضوع پر جو کتابیں طبع اور شائع ہوئی ہیں، ان کا حاصل ہونا اب بہت کچھ دقت طلب ہو گیا ہے، اس قسم کی کتابوں کا حصول اب خود کسی اہم مخطوطہ کے حصول سے کم مشکل نہیں ہے، کتب خانہ میں اس نوعیت کی کتابوں کی فراہمی کے لئے بھی خاص کوشش عمل میں آئی ہے، مختلف علمی اداروں کی جانب سے تصحیح و تحشی کے بعد جو خاص کتابیں شائع ہوتی ہیں ان کو فراہم کیا گیا ہے تاکہ دفتر میں جو اربابِ علم اور طلبۂ تاریخ تحت قواعد منظورہ سرکار عالی تحقیق و تالیف کی غرض سے فراہمی مواد کی خاطر رجوع کریں، ان کو کاغذات سے استفادہ کرنے میں کسی طرح وقت نہ پیش آئے،

کتب خانہ دو حصوں پر مشتمل ہے، مشرقی اور مغربی،

مشرقی حصہ عربی، فارسی، اردو اور مرہٹی السنہ کی کتابوں پر مشتمل ہے، اور مغربی

حصہ فی الحال خالص انگریزی زبان کی کتابوں پر،

مخطوطات کی فراہمی تین طرح سے ہوتی ہے،

۱۔ وہ جو براہِ راست خریدی جاتی ہیں،

۲۔ وہ جو دفتر میں نقل کرائی جاتی ہیں،

۳۔ وہ جو بیرون دفتر نقل کرائی جاتی ہیں،

واضح ہو کہ فراہمیِ کتب کے سلسلہ کا آغاز ہوا، تو یہ تجربہ ہوا کہ اکثر اہم کتابوں کو ان کے مالک فروخت کرنا نہیں چاہتے، اس لئے بعض ایسی کتابیں مستعار حاصل کرکے خود دفتر میں نقل کرائی جاتی ہیں، بعض وقت بیرون دفتر بھی نقل وکتابت کا انتظام عمل میں لانا پڑا ہے، مدراس سے اربابِ خاندانِ دیوان صاحب کی معرفت بہت سی کتابیں نقل ہوکر آئی ہیں،

کتب خانہ میں مخطوطات کی جملہ تعداد (۴۲۸) ہے ان کی زبان واری تقسیم یہ ہے،

فارسی، ۳۸۹

ہندوستانی، ۲۶

عربی، ۱۳

بہ لحاظ فنون مخطوطات کی تفصیل حسب ذیل ہے،

تاریخ، ۱۴۷

تذکرہ، ۳۶

سوانح، ۱۴

جغرافیہ ۱۰

سفرنامہ، ۳

ادبیات (نظم) ۱۲

ادبیات (نثر) ۲۴

انشاء ومکاتیب وسیاق، ۱۰۹

لغت، ۱۸

بعض مخطوطات کے متعلق مختصر توضیح نامناسب نہ ہوگی،

۱- **نورس** جگت گرو ابراہیم عادلشاہ ثانی (۹۸۸ھ / ۱۵۸۰ء تا ۱۰۳۸ھ / ۱۶۲۸ء) کی تالیف ہے، اس کتاب کا مقدمہ سہ نثر ظہوری میں نورس کے نام سے شامل ہے، اور رنگین نگاری کا گویا ایک شہ کار،

نورس ابراہیم عادلشاہ کی بعض ہندی نظموں کا مجموعہ ہے،

کتب خانہ کا یہ نسخہ کئی وجوہ سے بہت قابلِ امتیاز ہے،

۱- خط نہایت پاکیزہ ہے اس لحاظ سے اس نسخہ کو خطاطی کا ایک دلکش نمونہ کہنا بالکل بجا ہے۔

۲- ایک شاہی کاتب عبد اللطیف مصطفٰے نے بخط نسخ پورا نسخہ لکھا ہے،

۳- طلائی نقش ونگار ہر صفحہ پر موجود ہے،

۴- یہ نسخہ خود عادل شاہی کتب خانہ کا ہے،

۵- سب سے بڑھ کر یہ کہ نسخہ پر خود عادلشاہ کے دستخط ہیں،

ترقیمہ میں کتابت کا کوئی سنہ موجود نہیں ہے، لیکن شاہی کتاب خانہ میں داخلہ ۱۰۲۲ھ / ۱۶۱۳ء میں واقع ہوا ہے،

۲۔ **کلیات شاہی**، علی عادلشاہ ثانی (۱۰۶۳ھ تا ۱۰۸۳ھ / ۱۶۵۶ء تا ۱۶۷۲ء) نے دکنی زبان میں شعر کہنے کی خاص مشق بہم پہنچائی تھی،

"شاہی" تخلص اختیار کیا تھا، یہ کلیات شاہی کے کلام کا مجموعہ ہے، ہر چند نسخہ کے اختتام پر کتابت کا کوئی سنہ نہیں لکھا ہے اور نہ ناقل نے اپنا نام لکھا ہے لیکن خط اور کاغذ دونوں سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ نسخہ زمانۂ تالیف سے قریب تر زمانہ میں ہی لکھا گیا ہے، کتاب کا ہر صفحہ مطلا ہے اور بخط نسخ لکھا گیا ہے[1]

۳۔ **فتح المجاہدین**، مؤلف کا نام زین العابدین شوستری ہے، مولف نے اس کتاب میں وہ سب فوجی قواعد جمع کئے ہیں جو میسور میں بہ زمانۂ ٹیپو سلطان نافذ تھے، کتاب کا یہ نسخہ اس وجہ سے بہت قابل قدر ہے کہ اس پر خود ٹیپو سلطان کی تحریر موجود ہے،

۴۔ **انفع الاخبار**، یہ کتاب محمد امین الحسینی کی تالیف ہے اکبر کے ۳۸ سنہ جلوس ۱۰۰۲ھ / ۹۴-۱۵۹۳ء میں وہ "ولایت" سے ہندوستان آئے اور سپہدار خاں مرزا محمد صالح تبریزی سے توسل پیدا کیا، سپہدار خاں زمانۂ جہانگیری میں احمد نگر کے صوبہ دار تھے، کتاب کا موضوع ممالک مشرق اور ہندوستان بزمانۂ مغلیہ کی عام تاریخ ہے، اور ہندوستان کے بعد سے زمانۂ تالیف (۱۰۳۶ھ / ۲۷-۱۶۲۶ء) تک کے حالات ذاتی علم سے لکھے ہیں،

کتب خانہ کا یہ نسخہ خود مؤلف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، کتاب کی تالیف ۱۰۳۶ھ کے اواخر میں ختم ہوئی ہے، اور یہ نسخہ ۹ محرم ۱۰۳۷ھ / ۲۸-۱۶۲۷ء کو لکھا گیا ہے، ترقیمہ کی عبارت حسب ذیل ہے،

"فرغ من تسوید ھذہ الاوراق فی تاسع المحرم الحرام ۱۰۳۷ھ، کتبہ العبد الاقل محمد امین الحسینی"

معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف نے کتاب کا یہ نسخہ اپنے مربی مرزا محمد صالح کے نذر کیا، کتاب کے آخر

---

[1] اس کتاب پر جناب نصیر الدین صاحب ہاشمی کا ایک مضمون معارف کے کسی گذشتہ پرچہ میں شائع ہو چکا ہے،

پر جو متعدد دستخط ہیں ان میں ایک صالح محمد خاں کا بھی ہے،

کتاب کا ابتدائی حصہ موجود نہیں ہے البتہ خاندان تیموری کا پورا حال اس حصہ میں محفوظ ہو،

۵- **تاریخ مظفری،** یہ کتاب ہندوستان کے زمانہ شاہان مغلیہ کی سال واری سادہ واقعاتی تاریخ ہے، مولف کا نام محمد علی خاں انصاری ہے، اور والد کا نام ہدایت اللہ خاں عزت الدولہ لطف اللہ خاں بہادر، شاہ عالم ثانی کے عہد میں پنج ہزاری ذات کے منصب سے سرفراز تھے، خود مولف داروغگی عدالت فوجداری ترہٹ اور حاجی پور پر مامور تھے،

کتاب امیر تیمور کے زمانہ سے شروع ہوئی اور ۱۲۲۵ھ تک اکبر شاہ ثانی کے زمانہ پر ختم ہو جاتی ہے، کتاب کا زمانہ تالیف ۱۲۰۲ھ (۸۸-۱۷۸۷ء) ہے، واقعات مابعد کا اضافہ بعد میں ہوا ہے،

گبن صاحب نے اپنی کتاب فال آف دی مغل امپائر (FALL OF THE MUGHAL EMPIRE) تاریخ مظفری ہی کو اصلی ماخذ قرار دے کر مرتب کی ہے، اہر ہنری الیٹ نے لکھا ہے کہ ہندوستان کی عام تاریخ پر جو صحیح تر کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں یہ کتاب بھی شامل ہے (تاریخ ہند صفحہ ۳۱۶ جلد ۸)

کتب خانہ میں کتاب کا جو حصہ مخزون ہے وہ خود مولف کا مصحح ہے، ۱۲۱۸ھ (۴-۱۸۰۳ء) میں یہ تصحیح عمل میں آئی ہے، اور یہ دو جلدوں پر مشتمل ہے پہلی جلد محمد شاہ کے سال سوم جلوس (۱۱۳۳ھ ۱۷۲۱ء) سے شروع ہو کر زمانہ عالمگیر ثانی (۱۱۷۳ھ ۱۷۵۹ء) پر ختم ہوتی ہے، دوسری جلد زمانہ شاہ عالم ثانی (۱۱۷۳ھ ۱۷۵۹ء) سے شروع ہوتی ہے اور اس زمانہ تک مشتمل ہے جب کہ وارن ہسٹنگز کو گورنر جنرل بنا کر ہندوستان روانہ کیا گیا تھا،

۷- **جنگ نامہ،** خلد مکان اورنگزیب کے انتقال پر جو جنگ برادران واقع ہوئی اسکے حالات اس میں نعمت خاں عالی کے ہاتھوں ترتیب دیئے ہوئے ہیں، کتاب کا یہ نسخہ بہادر شاہ کے منشی خاص شنکر ناتھ نے سلسلہ جلوس بہادر شاہ (۱۱۱۸ھ ۱۷۰۶ء) میں بخط شکستہ وصلیوں پر لکھا ہے، اور

شکستہ خط کو خطاطی کا ایک بہت بہتر نمونہ بنانے کی پوری کوشش کی ہے،

۸- **سفینۃ الاولیا**۔ شہزادہ داراشکوہ نے یہ کتاب تالیف کی ہے، یہ نسخہ خود شاہزادہ کی زندگی میں خود انہی کے حکم سے ملا شہباز دہلوی نے ۱۰۶۳ھ ۱۶۵۲ء میں خوشخط نستعلیق میں لکھا ہے،

۹- **حدیقۃ السلاطین**، مرزا محمد نظام الدین شیرازی کی تالیف ہے، سلطان عبد اللہ قطب شاہ کے حالات قلم بند کئے ہیں، کتاب اس زمانہ کی تالیف ہے،

کتب خانہ کا یہ نسخہ ہلکے نیلے مہین کاغذ پر طلائی جدول کے اندر بہت خوش خط نستعلیق میں لکھا گیا ہے، صفحہ اول کا عنوان ایرانی نقش نگاری کا بہت خوبصورت نمونہ ہے، کتاب کے صفحۂ اول پر حسب ذیل مہر ہے،

"محمد ناصر فدوی بادشاہ غازی شاہ عالم ۱۱۱۹"

ایک اور عبارت حسب ذیل درج ہے،

"داخلہ روزنامچہ کتاب خانہ سرکار مرزا محمد ناصر سلمہ اللہ تعالیٰ الی یوم الآخر تحویل تحویلدار اندرون محل بتاریخ ۱۲ محرم الحرام سنہ"

یہ نسخہ سلطان عبداللہ قطب شاہ کے سترہویں سال جلوس ۱۰۵۱ھ ۱۶۴۱-۴۲ء پر ختم ہوگیا ہے،

اس کتاب کا کچھ حصہ مولوی سید علی اصغر صاحب بلگرامی نے مرتب کر کے طبع اور شائع کیا ہے،

۱۰- **زبدۃ التواریخ**۔ جمال الدین ابوالقاسم عبداللہ القاشانی کی تالیف ہے،

کتب خانہ میں کتاب کا جو حصہ مخزون ہے اس کا موضوع تاریخ ممالک مشرق قبل از اسلام ہے، اس نسخہ پر سید مظفر سرخیل کی مہر ثبت ہے، جو سلطان عبداللہ قطب شاہ کے مدار المہام تھے، کتاب مہین کاغذ پر خوش خط نسخ میں لکھی گئی ہے،

۱۱- **تزک جہانگیری**، شہنشاہ جہانگیر کی خود نوشتہ سوانح حیات کا یہ خوشخط نسخہ ہے

جو طلائی جدول میں لکھا گیا ہے، صفحہ اول کا عنوان منقش ہے،

نسخہ کے ٹائیٹل پر مختلف عبارتیں مرقوم ہیں اور کئی مہریں ثبت ہیں، پہلی عبارت حسب ذیل ہے:

"اللہ اکبر بتاریخ ۲۰ ماہ امرداد سنہ ۲۲ بانعام سیف خاں جہانگیر شاہی مرحمت شد"

مآثر الامرا میں سیف خاں کے خطاب سے دو اصحاب کا تذکرہ کیا گیا ہے، ایک وہ جو حصار کے فوجدار تھے، ان کو جہانگیر کے پاس خود زمانہ شاہزادگی میں ہی تقرب حاصل تھا، لیکن انھوں نے سنہ ۱۰۲۵ھ ۱۶۱۶ء میں انتقال کیا ہے اور سنہ ۲۲ جلوس جہانگیر مطابق ہے سنہ ۱۰۳۶ھ ۲۷-۱۶۲۶ء سے، اس لحاظ سے عبارت صدر میں جن سیف خاں کا ذکر آیا ہے، ان کی شخصیت کا علٰحدہ ہونا لا محالہ ضروری ہے،

دوسرے سیف خاں بھی خود زمانہ جہانگیر میں گجرات کے صوبہ دار تھے، سیف خاں کے خطاب سے ان کو خود جہانگیر نے مخاطب کیا تھا، زمانہ شاہ جہاں میں بہار کے بعد ازاں الہ آباد پھر گجرات اور آخر میں اکبرآباد کی صوبہ داری کا منصب حاصل کیا تھا، سنہ ۱۰۴۹ھ ۱۶۳۹ء میں انھوں نے انتقال کیا،

غرض عبارت مرقومہ کتاب میں سیف خاں کا جو نام درج ہے وہ غالباً یہی سیف خاں ہیں، عبارت کا سیاق و سباق اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ خود بادشاہ نے سیف خاں کو یہ کتاب مرحمت کی،

دوسری اور جو عبارتیں کتاب پر مرقوم ہیں وہ یہ ہیں:- (۱) بتاریخ ہشتم ماہ اردی بہشت عرض دیدہ شد، ۲ و ۳ - عبارت مذکور شدہ، (۴) اللہ اکبر بتاریخ غرہ شہر ذیقعدہ سنہ یازدہ جلوس مبارک عرض دیدہ شد،

ان عبارتوں میں غالباً سنہ جلوس سے مراد سنہ جلوس شاہ جہاں ہے،

"عرض دیدہ شدہ" سے مراد "جائزہ لیا گیا" ہے،

کتاب پر جو مہریں ثبت ہیں وہ یہ ہیں،

۱- سیف خان بندہ شاہجہان بادشاہ غازی سنہ ۱۰۳۹"

یہ سیف خان غالباً وہی ہیں، جن کو غالباً کتاب مرحمت ہوئی،

۴ - ...ابوالقاسم اسد خاں مرید شاہجہاں"

مآثر الامرا میں اسد خاں معموری کا جو تذکرہ ہے وہ غالباً یہی ہیں، ابتدائے زمانہ جہانگیر میں یہ صاحب قندھار کی بخشی گری پر مامور تھے پھر گجرات میں اس عہدہ پر مامور ہوئے بعض اور بھی عہدوں پر کام کیا ہے ۱۰۴۱ھ سنہ ۴ جلوس شاہجہاں میں انتقال کیا،
۳۲-۱۶۳۱ء

۳ - ز لطف شاہ نورالدین جہانگیر قضا فرمان خطاب بندہ شد ... . افضل خاں ۱۰۴۳"

مغلیہ زمانہ کے امرا میں افضل خاں کا خطاب زمانہ جہانگیر میں دو اصحاب کو عطا ہوا تھا، ایک تو ابوالفضل کے فرزند شیخ عبدالرحمٰن کو اور دوسرے شاہجہانی زمانہ کے وزیر اعظم یا دیوان کل ملا شکراللہ شیرازی کو افضل خاں شیخ عبدالرحمٰن کا انتقال جہانگیر کی تخت نشینی کے آٹھویں سال ۱۰۲۲ھ میں ہوگیا،
۱۴-۱۶۱۳ء
تو زک جہانگیری میں جہانگیر کے ۱۰ ویں سال جلوس تک کے واقعات قلم بند کئے گئے ہیں، اس صورت میں ظاہر ہے کہ افضل خاں شیخ عبدالرحمٰن کو اس کتاب پر کوئی ملکیت حاصل نہیں ہو سکتی لامحالہ صاحب مہر افضل خاں ملا شکراللہ کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتے،

اس کا ثبوت یوں بھی حاصل ہوتا ہے کہ ملا شکراللہ کی خطاب یابی کا سنہ بلحاظ مہر ۱۰۲۲ھ ہے، مآثر الامرا میں لکھا ہے کہ مہم رانا میں جو خدمات پسندیدہ وقوع میں آئے اس کی وجہ سے ملا صاحب کو افضل خاں کا خطاب بارگاہ جہانگیری سے مرحمت ہوا[1]،

رانائے چتور کی مہم ۱۰۲۲ھ مطابق ۸ سنہ جلوس جہانگیری میں سر کی گئی تھی اور شاہزادہ خرم (شاہجہاں) کو اس مہم پر مامور کیا گیا تھا[2] اس معرکہ میں ملا شکراللہ شاہزادہ کے منشی اور مصاحب ہمراز تھے،

ملا شکراللہ شیرازی نے دارالعلم شیراز میں دانش اندوزی کی اور بعد ازاں درس و تدریس کا شغل جاری رکھا، پھر ہندوستان چلے آئے، برہان پور میں اقامت اختیار کی تاآنکہ شاہجہاں سے بزمانۂ شاہزادگی توسل حاصل ہوگیا، میر عدل لشکر شاہزادہ قرار پائے ۱۰۳۸ھ میں دیوانی کل پر مامور ہوئے"
۳۹-۱۶۲۸ء

[1] مآثر الامراء جلد اول صفحہ ۱۴۶ [2] ایضاً ۱۲۶ ایضاً

"شد فلاطوں وزیر اسکندر" مصرعۂ تاریخ ہے، ۷۰ سال کی عمر میں ۱۰۴۹ھ ۳۹-۱۶۳۸ء میں انتقال ہوا۔ "زخوبی بردگوے نیک نامی" سے سال انتقال برآمد ہوتا ہے[1]،

۱۲۔ **تاج المآثر**، ہندوستان کے زمانہ خاندان غلاماں کی تاریخ، تاج الدین حسن نظامی سمرقندی کی تالیف ہے، کتاب کا یہ نسخہ ۱۰۷۱ھ ۶۱-۱۶۶۰ء میں نہایت ہلکے بادامی کاغذ پر بخط فصیح لکھا گیا ہے،

۱۳۔ **منظر الانسان**۔ ترجمہ وفیات الاعیان، اس کتاب کو یوسف بن احمد السنجری نے ابن خلکان کی کتاب وفیات الاعیان سے فارسی میں ترجمہ کیا ہے،

سلطان ناصر الدین ابو الفتح محمود شاہ بن محمد شاہ گجراتی (۸۶۳ھ تا ۹۱۷ھ) کے حکم سے ترجمہ کا آغاز ہوا، سلطان نے ۸۸۹ھ میں حکم صادر کیا، ۹۳۰ھ میں کام کا آغاز ہوا، اور ۹۱۲ھ میں ترجمہ مکمل ہو کر بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش ہوا، ۲۵ دوسری کتابوں سے اس ترجمہ میں مطالب کا اضافہ کیا گیا ہے، ۹۱۵ھ میں نظر ثانی ختم کی گئی،

کتب خانہ کا یہ نسخہ ۱۰۳۱ھ کا مکتوبہ ہے اور کاتب کا نام علی بن حسن اللالی ہے،

۱۴۔ **دہیہ بدیہی صوبجات دکن**، یہ زمانہ عالمگیر کے مواضعات دکن کی فہرست ہے، پوری تفصیل سے ہر ہر موضع کی تفصیل کی ہے، ہر موضع کے "جمع کامل" (زر مال گذاری) کی وضاحت بھی کی ہے، فہرست کا یہ نسخہ خود شاہی دفتر کا مرتبہ اور مکتوبہ ہے،

۱۵۔ **مجمع الغرائب**، مولف کا نام محمد ہارون عبد السلام سلامی الحنفی ہے، کتاب کا موضوع مختلف عجائب دنیا کے حالات ہیں، ابراہیم عادل شاہ کے زمانہ کی تالیف ہے، یہ نسخہ خود مؤلف کا لکھا ہوا ہے، ۱۰۲۶ھ ۱۶۱۷ء سال کتابت ہے نسخہ مطلا اور خوش خط ہے،

کتب خانہ کے مخطوطات کی ایک فن وار جدولی فہرست مرتب ہو چکی ہے،

کتب خانہ میں ہندوستانی زبان کے مخطوطات بھی ہیں جنھیں ایک دوسرے مضمون میں روشناس کیا جا چکا ہے،

[1] مآثر الامراء صفحہ ۱۴۵

تلخیص و تبصرہ

عقل کے خلاف جدید بغاوت

عنوان بالا سے موجودہ صدی کے مشہور جرمن فلسفی رینے فولپ ملر (Rene Fülöp Miller) کا ایک پرمغز اور بصیرت افروز خطبہ پہلی بار ہبرٹ جرنل (جنوری ۱۹۳۶ء) مین شائع ہوا ہے، ناظرین معارف کے لئے ہم اس کا خلاصہ ذیل میں پیش کرتے ہین:-

ہم سب کو شروع ہی سے عقل پر عقیدہ رکھنے کی تعلیم دی گئی ہے، اور یہ بتایا گیا ہے کہ انسان عقل کی مدد سے کائنات کی تمام گتھیاں سلجھا سکتا ہے، بالخصوص گذشتہ دو صدیوں میں سیاسی انقلابات و اصلاحات کا سب سے بڑا مقصد یہی رہا ہے، کہ سوسائٹی کی معاشرتی اور سیاسی ترکیب میں جو نامعقول عناصر داخل ہوگئے ہین، انھیں خارج کرکے معقول عناصر ان کی جگہ لائے جائیں، روشن خیالی، حریت پسندی، جمہوریت، اور اشتراکیت، ان تمام تحرکون مین سے ہر ایک کی بنیاد اس عقیدہ پر قائم تھی، کہ انسانون کے باہمی تعلقات عقل ہی سے استوار رہ سکتے ہین، تمام معاشرتی بے انصافیان اور مصیبتین معقول فہم و ادراک کی کمی سے پیدا ہوتی ہین، اور عقل ہی کے ذریعہ موجودہ معاشرتی اور سیاسی نظام کا ہر نقص دور کیا جاسکتا ہے، چند سال ہوئے ہم میں سے اکثر لوگون کو ایسا نظر آتا تھا، کہ بہت جلد ساری دنیا میں عالمگیر وفاق (فیڈریشن) معاش کے مرتب اصولوں، بین الاقوامی ثالثی عدالتون، اور معاشرتی عدل و انصاف کی سلطنت قائم ہوجائے گی، انسان کی ایک نہایت ہی دیرینہ آرزو ہماری آنکھون کے سامنے پوری ہونے والی

تھی، ہزاروں برس سے اس تمنا کا اظہار ہر بڑے تمدن میں ہوتا آیا تھا، اسکے پورا ہونے کا وقت اب قریب معلوم ہوتا تھا،

عقل پر عقیدہ اپانشد میں بھی پایا جاتا ہے، جو چھٹی صدی قبل مسیح سے پہلے کی کتاب ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ ودیا یعنی عقل بصیرت میا یعنی فریب کی دنیا پر غالب ہوگی، علاوہ برین یونانی فلسفہ نے بھی جس کی تعلیمات سے یورپ کا ذہنی نشوونما شروع ہوا، عقلیت کی فتح کا اعلان کیا، ہراکلیٹس (Heraclitus) نے تو یہاں تک کہہ دیا، کہ فضا تمام تر عقل سے پر ہے، اور انسان برابر عقل ہی کی سانس لے رہا ہے، ایلیائی فلاسفہ (۵۰۰ قبل مسیح) اس بات پر زور دیتے تھے، کہ ہمیں ہر چیز کا فیصلہ عقل کی رو سے کرنا چاہئے، سقراط نے یہ تعلیم دی کہ انسان کو منطقی طور پر غور و فکر کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے، اسکے نزدیک انسان کی زندگی کا مقصد واقفیت حاصل کرنا ہے، اسے چاہئے کہ اپنے پورے وجود کو عقل کا تابع کر دے،

قدیم یونانی اور رومن فلسفہ کی عقلیت کی بنا پر سیاسی نظاموں کو عقل کی روشنی میں مرتب کرنے کی بارہا کوششیں ہوئیں، یونانی جمہوریہ کی بنیاد ہی عقل پر رکھی گئی، اور افلاطون کی ترتیب دی ہوئی جمہوریہ میں اسی عقلیت کا عکس صاف طور پر نظر آتا ہے، پھر روما کی طرف دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم عقلیت کا سب سے زیادہ شاندار اور دیرپا حاصل رومن قانون ہے، جو اسوقت بھی ایک بڑی حد تک تمام دنیا کے قانونوں پر حاوی ہے،

زندگی کے تمام پہلوؤں کو عقل کے تابع کر دینے کا جو کام زمانہ قدیم میں شروع کیا گیا تھا، اسے مغربی تہذیب نے عہد روشن خیالی (Enlightenment) میں از سر نو جاری کر دیا، مونٹسکیو (Montesquieu) ڈیڈیرو (Didero) اور والٹیر (Voltaire) جیسے لوگوں نے اپنی زندگی کا مقصد یہ بنا لیا، کہ کائنات کے تاریک ترین گوشوں کو بھی عقل کی روشنی

سے منور کردیں، روشنخیالی کے علمبردار کائنات کو ایک عظیم الشان منظم کارخانہ سمجھتے تھے، جس کے قوانین عقل کی قوت سے دریافت کئے جا سکتے ہیں، ان کا خیال تھا کہ جس وقت انسان اُن قوانین کو متعین کرے گا، جو فطرت اور انسانی زندگی کے مختلف اعمال (Processes) میں جاری ہیں، اسی وقت اس کے لئے ان اعمال میں دخل دینا، اور اپنی مرضی کے مطابق ان میں تصرف کرنا ممکن ہو جائیگا،

روشنخیالی کے ان ایام سے لیکر ہمارے زمانہ تک عقلیت کو مسلسل فتوحات حاصل ہوتی گئیں، سائنس نے فطرت کے بے شمار معمے حل کرکے رکھ دیئے، انسان کو فطرت کی قوتوں پر روز بیش از بیش قدرت حاصل ہوتی گئی، اور یہ ترقیاں پچھلی نسلوں کی بڑی سے بڑی آرزوؤں سے بھی متجاوز ہو گئیں، عقل پر انسان کا عقیدہ اس درجہ راسخ ہو گیا، کہ اب اُسے عقل کی ہمہ گیری میں کوئی شبہ باقی نہ رہا،

یہ تھی یورپ کی ذہنی حالت اب سے نصف پشت قبل تک لیکن ابھی درمیان میں ہمارے خیالات کے اندر ایک تبدیلی واقع ہو گئی ہے، آج عقل کے خلاف عام طور پر بغاوت برپا ہے، جو چیز ہمارے لئے سب سے بڑے فخر کی تھی، وہی آج مردود قرار دی جاتی ہے، عقل کی پرستش کرنے کے بجائے لوگ ہر اُس شے کی تعظیم و تکریم کرنے لگے ہیں جو نامعقول اور مخالفِ عقل ہے، خاندان، قوت، نسل، قوم، آج یہی الفاظ ہر شخص کی زبان پر ہیں، ہم سے کہا جاتا ہے کہ جدید معاشرتی اور سیاسی نظاموں کی تعمیر انہی باتوں کے لحاظ سے ہونی چاہئے، ایسی حکومتیں قائم ہو گئی ہیں، جن کا مقصد کسی عقلی نصب العین کیلئے کوشش کرنا نہیں ہے، وہ جذبات اور ان قوائے محرکہ پر اپنا عقیدہ رکھتی ہیں، جو حال تک بالاتفاق تعصبات اور مغالطات میں شمار کی جاتی تھیں،

پہلا شخص جس نے عقل کے خلاف بغاوت کا اعلان کیا فرانس کا باشندہ جارج سورل (G. Sorel) تھا، وہ فاسزم (Fascism) کا معلم اول ہے، اُسی نے قوت کی بادشاہی کا اعلان کیا، اور اس بات پر زور دیا کہ جن قوی اثرات سے نوعِ انسانی کی تحریکیں متاثر

ہوتی ہین، ان کو عقل یا خلافِ عقل رحم یا ظلم سے کوئی تعلق نہیں، اس کے نزدیک تاریخ ایک حرکی عمل (Dynamic process) ہے جسمیں عقل کے لئے کوئی جگہ نہیں، ایسا عمل جس کے مقابلہ میں وہ تمام کوششیں جو انسان کا چھوٹا سا دماغ دنیا مین نظم قائم کرنے کیلئے کرسکتا ہے، بالکل حقیر و ناچیز ہین، تقریباً اسی زمانہ اور اسی معنی میں فریڈرک نطشے (FRIEDRICH NIETZSCHE) نے بھی قوت کی فرمانروائی تسلیم کرکے عقل کے خلاف فتویٰ صادر کردیا،

بینوٹو مسولینی (Benito Mussolini) بانی فاسزم اپنے کو علی الاعلان سورل اور نطشے کا شاگرد بتاتا ہے، اس کا سیاسی اور فلسفیانہ پروگرام بہتیری باتوں میں ان دو مفکرین کی تعلیمات کے مطابق ہے، اُس نے بار بار کہا ہے کہ مجھے روشن خیال عقل کے اصول موضوعہ سے کوئی تعلق نہیں، اور نہ مستقبل کی اُس سلطنت سے کوئی واسطہ ہے، جو عالمگیر امن کی سلطنت بھی جاتی ہے، اپنے ایک موقع پر یہ بھی کہا ہے "فرانس نے جو ۱۷۸۹ء میں کیا تھا، اٹلی آج کر رہا ہے، اٹلی دنیا کے سامنے ایک نئے پروگرام کا اعلان کر رہا ہے" فاسستی روما ان تمام چیزون کو مٹا ڈالنا چاہتا ہے جنھیں انقلابِ فرانس کا پیرس دنیا مین لایا تھا، یعنی روشنخیالی، حریت پسندی، جمہوری حکومت،

جدید جرمنی میں عقل کے خلاف یہ بغاوت اس سے بھی زیادہ تیز ہے، اگر فاسستیوں نے ارادہ (Will) کی فوقیت کا اعلان کیا ہے، تو جرمنی کے قومی اشتراکیون نے بھی اتنے ہی غیر عقلی تخیل یعنی "نسل" کی فوقیت کا اعلان کیا ہے "نسل" ہی وہ جدید نصب العین ہے، جسے موجودہ جرمنی نے اتحادِ نوعِ انسانی اور عالمگیر اخوت کے ان عقلی نصب العینون کے مقابلہ میں رکھا ہے، جو ابتک تسلیم کئے جاتے تھے،

غرض آج ہم دیکھتے ہیں کہ عقل پر جسکی فرمانروائی میں ہمارے والدین اپنے کو بالکل محفوظ خیال کرتے تھے شدت کیساتھ حملہ جاری ہوا اور ایسا نظر آتا ہو کہ وہ تمام چیزین جو ایک صدی یا اس سے زیادہ

مدت سے نوع انسانی کا قابل فخر کارنامہ سمجھی جاتی تھیں نیست و نابود ہوکر رہیں گی،

کیا اس کے معنی یہ ہین کہ یورپ کا زوال شروع ہو گیا، اور تہذیب کا ایک پوسا دور ختم ہو رہا ہے؟ یا کیا یہ بھی ان وقتی ہنگاموں میں سے ایک ہنگامہ ہے، جو وقتاً فوقتاً ترقی کی راہ میں حائل ہوتے رہتے ہین،؟ میرے خیال میں اس مسئلہ کو یون پیش کرنا درست نہیں یعنی یہ مفروضہ صحیح نہیں، کہ وہ غیر عقلیت جو اسقدر دفعتہً نمودار ہو گئی ہی، اور جس کے معتقدین کی تعداد اتنی بڑھ گئی ہے، کوئی ایسی چیز ہے، جو بنیادی طور پر ہماری تہذیب کے لئے اجنبی اور نامانوس ہی،

ہم جو ایسے زمانہ مین بڑھکر جوان ہوئے ہین، جب عقلیت کا عقیدہ ہر طرف چھایا ہوا تھا، اس بات کو بھول جاتے ہیں، کہ ہمارے روحانی کلچر کے قائم کرنے میں غیر عقلیت نے پچھلے دو ہزار برس میں کتنا اہم حصّہ لیا ہی، کیا ہماری یہ مغربی دنیا، جو اس وقت ہمین زوال کے خطرہ میں دکھائی دیتی ہے، قوی غیر عقلی قوتون کے تعاون کے بغیر کبھی عالم وجود میں آسکتی تھی؟ غور کیجئے کہ ہماری تہذیب کی تعمیر میں عیسائیت نے کتنا بڑا حصّہ لیا ہے، لیکن عیسائیت بھی کیا خصوصاً اپنے ابتدائی دور میں، بجز شدید غیر عقلیت کے جو یونان و روما کے عقلی فلسفہ کے سراسر مخالف تھی،؟ جب کہ مشرک متشکین حق کی تلاش میں سرگردان ہوکر بالآخر یہ سوال کرنے لگے تھے، کہ آیا کہین حق کا وجود ہے بھی یا نہیں، اسوقت ہزاروں کی تعداد میں ایسے لوگ پیدا ہوگئے، جو ایک ایسے عقیدہ کا اعلان کرتے تھے، جو عقل کے دائرہ سے بالکل خارج تھا، وہ حق جو وحی کے ذریعہ نازل ہوا تھا، دلیل سے ثابت نہیں کیا جاسکتا تھا، اس پر عقیدہ رکھنا ہی لازمی تھا، تاہم ہزارون ایسے تھے، جو سرکسوں میں شیرون کے ہاتھون ہلاک ہوجانا کہیں بہتر سمجھتے تھے، بہ نسبت اسکے کہ ایک قطعاً غیر عقلی عقیدہ سے منحرف ہوجائین، عقل کی مخالفت جتنی آج کل ہمارے زمانہ میں دیکھی جارہی ہے، اس سے کہیں زیادہ سخت پیشوایان کلیسا کے بیانات سے ظاہر ہوتی ہے، مثلاً ٹرٹولین (Tertullian)

لکھاہے، "عیسیٰ خدا کے بیٹے مرچکے ہیں، میں اس پر عقیدہ رکھتا ہوں، اسلئے کہ یہ ایک احمقانہ اور نامعقول بات ہے، دفن کئے جانے کے بعد وہ پھر جی اُٹھے، اس میں شبہہ نہیں کیونکہ یہ ناممکن ہے" مدتوں تک خرافات پر عقیدہ رکھنا کلیسائے رومہ کی خصوصیات میں داخل تھا، جب قرون وسطیٰ میں علمائے کلیسا نے بحث و نظر میں منطقیانہ اصولوں کو بھی کسی قدر دخل دینا شروع کیا، تو اصلاح (Reformation) کی شکل میں غیر عقلیت کا ایک جدید اور شدید طوفان نمودار ہوا، لوتھر (Luther) عقل کو مذہب سے بالکل خارج کر دینا چاہتا تھا، کالون (Calvin) جو لوتھر کے بعد اصلاح کا سب سے بڑا علمبردار تھا، ایک ایسے مسلک کی تبلیغ کرتا تھا، جو عقل کے سراسر مخالف تھا، یعنی تقدیر کا مسئلہ جس کی رو سے انسانوں کے دوزخ یا جنت میں جانے کا فیصلہ دنیا کی پیدائش سے پہلے ہی ہو چکا ہے، خود کیتھولک کلیسا میں آج تک غیر عقلیت کی فرمانروائی قائم ہے، ۱۸۶۴ء میں پوپ پیس نہم (Pius IX) نے اس عقیدہ کو ایک ملعون بدعت قرار دیا تھا، کہ عقل ہی حق اور باطل کے درمیان تنہا حکم ہے، اور یہ کہ عقل کے ذریعہ تمام حقائق منکشف ہو سکتے ہیں، ۱۸۷۰ء میں کلیسا کی جو مجلس رومہ میں منعقد ہوئی تھی، اس میں تمام دنیائے مسیحیت کے آٹھ سو پیشوایان مذہب نے شریک ہو کر عقلیت کے خلاف تندو تیز تقریریں کی تھیں، مسیحیت کی انہی غیر عقلی بنیادوں کی وجہ سے اٹھارہویں صدی کے فرانسیسی فلسفیوں کا خیال تھا، کہ مذہب ہی عقلیت کا آخری حصار ہے، اور انہیں یقین تھا کہ مسیحیت کے استیصال کے بعد ہی عقل کی حکومت مستقل طور پر قائم ہو جائیگی،

لیکن ان فرانسیسی فلسفیوں کا مذہب کے خلاف معرکہ آرائی میں ناکام رہنا صاف طور پر ظاہر کرتا ہے کہ غیر عقلیت تمام تر مذہب ہی سے وابستہ نہیں بلکہ وہ عموماً انسانی شعور اور انسانی علم کا ایک بنیادی جزو ہے کیونکہ ہم صرف یہی نہیں دیکھتے کہ عیسائیت اپنے تمام دشمنوں کے مقابلہ میں اور ظاہراً تقدیون کے

بعد بھی آج بدستور قائم ہے، بلکہ اس سے بھی بڑھکر یہ دیکھتے ہیں، کہ انیسویں صدی کی ابتدا سے غیر عقلیت سائنسوں میں بھی داخل ہوگئی ہے، اور کچھ دنوں سے سائنس کے حلقہ میں اسکا اقتدار بڑھتا جارہا ہے،

خود زندگی کے متعلق ہمارے تصور میں ایک بنیادی تبدیلی واقع ہوگئی ہے، آج بہت کم لوگ یہ خیال کرتے ہیں، کہ حیاتیاتی اعمال (Biological processes) عقلی طور پر سمجھ میں آنیوالی میکانسم کا نتیجہ ہیں، جدید علم حیاتیات نے اب یہ تسلیم کرلیا ہے کہ فطرت میں ایک غامض تشکیلی قوت کا وجود بھی ہے، جو عقلی تجزیہ سے ماوراء ہے، یہ علم جتنا ہی زیادہ ترقی کرتا جاتا ہے، اتنا ہی زیادہ علماے حیاتیات کے لئے چھوٹے سے چھوٹے پودے کی زندگی کو بھی کسی عقلی ضابطہ کے تحت میں لانا غیر ممکن ہوتا جاتا ہے،

جدید تحقیق کی دوسری شاخوں میں بھی ایسے ہی مظاہر رونما ہو رہے ہیں، پہلے سائنسدانوں کا خیال تھا کہ فطرت کا ارتقار قابل فہم اور باضابطہ طور پر مسلسل ہوا ہوگا، لیکن آج ہمیں معلوم ہے، کہ نوع کی تاریخ حیات میں ایسی غیر متوقع صورتیں پیش آتی رہتی ہیں، جنکی توجیہ سے ہماری عقل عاجز ہے، اسی طرح ہیئت، طبیعیات اور علم کیمیا میں بھی غیر عقلیت دخل پاتی جارہی ہے، ان علوم کے دائرہ میں بھی جہاں عقلی اصول و قواعد نہایت مضبوطی کیساتھ قائم نظر آتے تھے، کچھ دنوں سے عقل کی فرمانروائی ختم ہوچکی ہے، ہمارے زمانہ کے ممتاز ترین سائنسدان اور محقق ایسے خیالات کا اظہار کرنے لگے ہیں، جو عقل کے خلاف بغاوت کرنے والوں کیلئے نہایت خوش آیند ہیں، ان کے نزدیک "قوانین فطرت" کا عقیدہ بہت کچھ متزلزل ہوچکا ہے، حتی کہ علیت کا بنیادی قانون بھی اب بالکل محفوظ خیال نہیں کیا جاتا، جدید علم فلکی طبیعیات (Astrophysics) نے یہ بات واضح کردی ہے کہ اجرام فلکی ہمیشہ باضابطہ راہوں میں حرکت نہیں کرتے، اور یہ کہ کائنات میں مسلسل ایک ناقابل فہم تبدیلی واقع ہو رہی ہے، اسی بنا پر مشہور برطانوی ماہر طبیعیات اور ہیئت دان سر جیمس جانس (Sir James Jeans) کہتا ہے کہ کائنات ہمیں ایک بڑے میکانیہ (mechanism) سے کہیں زیادہ ایک بڑا خیال (great thought) نظر آرہی ہے، ہم پھر ایک ایسی روح پر عقیدہ رکھنے کیلئے مجبور

ہورہے ہیں، جو تمام ہستی پر حکمران اور حساب و اندازہ کی حدود سے ماوراء ہے،

جسطرح عقل کبھی فضا کے مطالعہ میں جس کا دائرہ غیر محدود طور پر وسیع ہے، ہمارا ساتھ چھوڑ دیتی ہے اسی طرح چھوٹی سے چھوٹی چیزوں کے دائرہ میں بھی وہ ہمارا ساتھ نہیں دیتی، چنانچہ آج یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ سالمہ (Molecules) اور جوہر فرد (Atoms) کی دنیا میں وہ قاعدے جو عقل نے تولنے ناپنے اور قوانین فطرت کو مرتب کرنے کے لئے بنائے ہیں، اکثر منطبق نہیں ہوتے، کچھ دنوں سے ماہرین سائنس اس نتیجہ پر پہنچے ہیں، کہ ہم اب تک جس چیز کو قوانین فطرت کہتے آئے ہیں، وہ صرف نتیجہ ہیں احصاء ظنی (Calculus of probability) کا، اور اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں، پلانک (Planck) کے نظریہ نے سائنس کے اس مسلمہ قانون کو غلط ثابت کر دکھایا ہے، کہ تمام فطری اعمال بغیر کسی بے قاعدگی کے مسلسل جاری رہتے ہیں، اس کے نزدیک یہ قانون جوہر فرد کی دنیا میں جاری نہیں، جہاں عدم تسلسل کی مثالیں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں، وہ کہتا ہے کہ قدیم سائنس دانوں کا خیال تھا، کہ فطرت میں کوئی بے قاعدگی نہیں لیکن آج ہمارے سامنے یہ سوال ہے کہ آیا فطرت بے قاعدگی کے علاوہ کسی اور طریقہ پر بھی چلتی ہے،

فلسفہ پر سائنس سے بھی پہلے اور زیادہ نمایاں طور پر عقلیت کا اثر پڑ چکا تھا، لیکن کانٹ (KANT) کی "تنقید عقل خالص" (Critique of Pure Reason) جب شائع ہوئی، تو اس نے عقل کی فرمانروائی کا خاتمہ کر دیا، پھر جکوبی، فختے، شیلنگ، اور شوپن ہار کے فلسفیانہ اصول یکے بعد دیگرے سامنے آئے، جنسے معلوم ہوا کہ عقل خیال کی ایک مخصوص روش کا نام ہے، اور یہ کائنات کے مطالعہ نیز اپنے اندر اور گرد و پیش کے حالات کو سمجھنے کے لئے عقل کے علاوہ دوسری چیزوں کی بھی ضرورت ہے، خود ہمارے زمانہ میں ہنری برگسن (Henri Bergson) اس فلسفہ کا سب سے بڑا نمایندہ ہے، جو عقل کی ہمہ گیری سے انکار کرتا ہے، لڈویگ کلاجز (Ludwig Klages)

اپنی انتہا پسندی میں یہانتک کہہ دیتا ہی کہ عقل روح کی دشمن ہی، فروئڈ (Freud) اور جنگ (Jung) نے دکھایا ہی کہ ہماری ذہنی زندگی مین غیر عقلی اثرات کو کسقدر زیادہ دخل ہی، اور کتنی زبردست قوتین لاشعوری طور پر ہمارے ارادون اور کامون پر اثر ڈالتی رہتی ہین،

غرض آج ہم دیکھتے ہیں کہ سائنس اور فلسفہ دونون اس مفروضہ کو ترک کر دینے پر مجبور ہوگئے ہین کہ دنیا اور انسانی فکر کے تمام مظاہر عقل کے ذریعہ سمجھے جا سکتے ہین، ہر جگہ ہمکو ایسے مظاہر ملتے ہین جنکی توجیہ سے عقل قاصر ہے، اور جو ہمیں غیر عقلی حقائق کو تسلیم کرنے پر مجبور کرتے ہین، لہذا اب سوال یہ پیدا ہوتا ہی کہ عقل کے خلاف سیاسی بغاوت کے علمبرداروں کا یہ خیال کہانتک صحیح ہی، کہ تہذیب عقلیت غلط راہ پر چل رہی ہی، اور اس کا تباہ و برباد ہو جانا ایک لازمی امر ہی، ان باغیوں کا خیال ہی کہ عقلیت کا دور اب ہمیشہ کیلئے فنا ہو رہا ہی، اور ہمارے سامنے جبلت اور تخلیقی قوت کے ایک نئے دور کا افتتاح ہو رہا ہی لیکن تاریخ کے طالب علم کو اس قسم کے دعوون سے پرہیز کرنا چاہئے، کیونکہ اگر ایک طرف تاریخ و تمدن نے یہ دکھایا ہی کہ دنیا کی رہنمائی کبھی تمامتر عقل ہی سے نہیں ہوئی تو دوسری طرف اُسنے یہ بھی دکھایا ہی کہ ابتک کوئی حقیقی تہذیب وجود مین نہیں آئی جسمیں عقلی عناصر کی قوی آمیزش نہ رہی ہو،

پھر سوال یہ ہی کہ جدید سائنس کے غیر عقلی رجحانات سے کیا یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہی کہ عقل کو بالکل ترک کر دیا جائیگا؟ ہرگز نہیں، جو لوگ جدید غیر عقلیت کے مبلغ ہین، وہ کوئی وہم پرست اور تاریک خیال اشخاص نہیں ہین، بلکہ ماہرین سائنس ہین فلسفی ہیں، اور محقق ہین یعنی سب کے سب بنیادی طور پر عقلی ہین اب جس چیز کی وہ تعلیم دیتے ہین، وہ یہ نہیں ہی، کہ عقلی بصیرت ترک کر دی جائے، بلکہ صرف یہ کہ عقل کا دائرۂ عمل محدود سمجھ لیا جائے،

میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ عقل کے خلاف جو بغاوت آج برپا ہی، وہ بالآخر عقلیت اور غیر عقلیت کی باہمی ترکیب سے ایک درمیانی عملی اصول پیدا کر دیگی، اس بغاوت سے ہمیں یہ سبق مل جائیگا، کہ عقل ہی سے تمام مسائل حل نہیں ہو سکتے ہیں اُن غیر عقلی حقائق کو بھی تسلیم کرنا پڑیگا، جو فطرت اور انسانی فکر و عمل میں یکساں طور پر کارفرما ہین،

ع ز

اخبار علمیہ

صنعت کا کمال

کچھ دنوں سے ہیئت دانوں کا یہ خیال روز بروز زیادہ قوی ہوتا جاتا ہے، کہ کائنات تیزی کیساتھ پھیل رہی ہے، سیارات سرعت کیساتھ ہم سے دور ہوتے جارہے ہیں اور ستاروں کے وہ عظیم الشان نظام جن میں سے ایک کا ایک فرد ہمارا آفتاب بھی ہے، انکا باہمی فاصلہ مستقل طور پر بڑھتا جارہا ہے، اب تک جو دوربین دنیا کے بڑے سے بڑے رصدخانوں میں موجود تھیں، وہ اس پھیلتی ہوئی کائنات کے ایک بہت محدود حصہ کا مطالعہ کر سکتی تھیں لیکن اب کیلی فورنیا (امریکہ) میں پساڈنا (Pasadena) کے رصدخانہ میں جو دوربین نصب کیجارہی ہے، اسکی قوت عہد حاضر کی سب سے قوی دوربین سے بھی جو کیلی فورنیا ہی میں مونٹ ولسن کے رصدخانہ میں نصب ہے، اور جسکے آئینے کا دور سو انچ ہے، چوگنی زائد ہوگی، اس نئی دوربین کے قرص کا دور دو سو انچ اور قطر سترہ فٹ ہے، قرص کی دبازت ستائیس انچ اور وزن بیس ٹن ہے، اس زبردست آئینہ کا بنانا ایک حیرت انگیز کارنامہ تھا، اسکے لئے (۲۰۰۰) ڈگری ٹمپریچر کا پگھلا ہوا شیشہ بیس ٹن کی مقدار میں سانچہ میں ڈھالا گیا، لیکن سب سے بڑا مرحلہ اسکو ٹھنڈا کرنے کا تھا، کیونکہ ٹمپریچر کو صرف چند ڈگری کے حساب سے تبدریج کم کرنا تھا، اسی وجہ سے قرص کو تنور سے باہر نکالنے میں تقریباً ایک سال کی مدت صرف ہوگئی، اور اب یہ نیویارک کے کارخانہ سے تیار ہوکر پساڈینا پہنچ گیا ہے، اسکو قلعی کرکے دوربین میں لگانے اور پھر دوربین کو مکمل طور پر نصب کرنے میں ابھی تین سال اور لگ جائیں گے، اس عظیم الشان دوربین سے پھیلتی ہوئی کائنات کے متعلق جدید معلومات حاصل ہوسکیں گے، یہ ماہتاب اور سیاروں کو بہ نسبت پہلے کے ہم سے زیادہ قریب کردیگی، مریخ اور اسکی نام نہاد "نہروں" کے متعلق جو دشواریاں ہیئت دانوں کو پیش تھیں، ان کا حل بھی بہت کچھ اس سے ہو جائیگا، کیونکہ یہ دوربین مریخ کو اسقدر قریب کردیگی، کہ اسکا مطالعہ تفصیل کیساتھ کیا جاسکے گا، ممکن ہے کہ اس دوربین

کی تحقیق سے وہ نہریں" موجودہ دوربینوں کے پیدا کردہ فریب نظر کا نتیجہ ثابت ہوں، ابتک ہیئت دانوں نے نظام شمسی کے گرد جتنی فضا کی تلاش و تحقیق کی ہے، اس دوربین کی مدد سے اس سے تائیں گنی زیادہ وسیع فضا کی تلاش و تحقیق کی جاسکے گی، توقع کیجاتی ہے، کہ اس کے ذریعہ نظر کی رسائی فضا میں (۵۰۰) ملین ملین ملین میل تک ہو سکے گی، موجودہ دوربینوں سے ابتک (۱۵۰۰) ملین ستاروں کی تصویر لیجا سکی تھی، اب امید ہے کہ یہ دوربین (۵۰۰) ملین ستاروں کا اضافہ اور کر دے گی،

ایتھر بحیثیت ایک کامل مخدر کے

نوے سال ہوئے جب مخدرات کے بنانے میں ایتھر اول اول استعمال کیا گیا تھا، اور اسوقت سے ابتک برابر یہ جز بیہوشی اور بے حسی پیدا کرنے میں استعمال کیجاتی ہے لیکن مریض اس سے بہت گھبراتے ہیں خصوصاً متلی کی وجہ سے جو اسکی بو سے ضرور پیدا ہوتی ہے، ڈاکٹر بھی اسکے بعد کے اثرات کو ناپسند کرتے ہیں، عرصہ سے کوشش کیجارہی تھی کہ اسکے بجائے کوئی دوسرا مخدر ایجاد کیا جائے، چنانچہ گذشتہ مارچ میں کناڈا کے ایک سرجن ڈاکٹر ملکپ (Hamer) نے اعلان کیا ہے کہ خود ایتھر ہی ایسا کامل مخدر بن سکتا ہے جسمیں کسی قسم کا خطرہ نہ ہو، موصوف کا خیال ہے کہ اب تک جو قصور تھا وہ ایتھر کا نہ تھا، بلکہ خود ڈاکٹروں کا تھا، انھوں نے اپنے عمل میں ذاتی طور پر تجربہ کر کے جس طریقہ کو کامیاب پایا ہے وہ یہ ہے کہ آپریشن سے ایک ہفتہ قبل مریض کو گوشت بالکل ترک کر دینا چاہئے، اور اس کے بجائے غذا میں نشاستہ، شکر، کالسیم اور وٹامین کی مقدار بہت زیادہ کر دینی چاہئے، اسکے علاوہ روز دودھ کی شکر کی ایک خوراک بھی استعمال کر لینی چاہئے، آپریشن سے پانچ روز قبل سے لیوگول سولیوشن (Lugol's solution) بھی دیتے رہنا چاہئے، جسمیں آیوڈین (Iodine) شامل ہوتی ہے، اور یہ بھی ضروری ہے کہ آپریشن سے تین روز پہلے مریض ہسپتال ہی آکر مقیم ہو تاکہ اسکے اندر طبعی اور ماحولی توازن پیدا ہو جائے، آپریشن کے کمرہ میں لانے سے قبل خواب آور دواؤں کے ذریعہ مریض پر نیم شعوری کی کیفیت طاری کر دینی چاہئے، اس سے اس کا خوف دور ہو جاتا ہے، اور ایتھر کو سونگھنے کا اسے علم بھی نہیں ہوتا،

ایک عجیب مشکل

وبائی امراض سے تحفظ کیلئے سائنس اور طب نے جو تدبیریں اختیار کین اُن سے یہ ضرور ہوا کہ پچھلے پچاس برس میں بہتیری وبائین جو پہلے آبادیون کی آبادیان برباد کر ڈالتی تھین، تقریبًا غائب ہوگئیں، لیکن اس سے ایک نئی مشکل بھی پیدا ہوگئی، تمام دنیا اور خصوصًا امریکہ میں اب لوگوں کی عمرین زیادہ ہونے لگی ہین، اور بوڑھوں اور جوانون کا قدیم تناسب الٹ گیا ہے، امریکہ میں بوڑھون کی تعداد روز بروز زیادہ ہوتی جاتی ہے، دوسری طرف جوانون کی تعداد اپنے بزرگوں کے مقابلہ میں کم ہوتی جارہی ہے، ۱۹۳۰ء کی مردم شماری مین ریاستہاے متحدہ امریکہ میں ایک کروڑ آدمی ساٹھ سال سے زائد عمر کے تھے، خیال ہے کہ ۱۹۶۰ء تک یہ تعداد دگنی سے زیادہ ہوجائیگی، ان بوڑھوں کی موجودگی نوجوانون کی ترقی کی راہ مین ایک بڑا پتھر ہے، اب سے پچاس سال پہلے برطانیہ کا زمیندار یا امریکہ میں تجارت کا مالک عمومًا پچاس سال کی عمر میں مرجاتا تھا، اور اس کا لڑکا یا قریب ترین عزیز پچیس تیس سال کی عمر میں جبکہ اسکی قوت اور اسکا حوصلہ اپنے شباب پر ہوتا، مرنے والے کا کاروبار اپنے ہاتھ میں لے لیتا، مگر اب وہ انتظار کرتے کرتے تھک جاتا ہے اور اس کا حوصلہ بہت کچھ پست ہوجاتا ہے، امریکہ والے حیران ہین کہ ان بوڑھوں کو کیا کرین،

الزام کا جواب

موجودہ زمانہ پر ایک بڑا الزام یہ عائد کیا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں سائنس کی ترقی اور مشینون کی ایجاد کی انسانی زندگی نہایت خطرہ میں پڑگئی ہے، اور غیر طبیعی اموات اور حادثات کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی ہے، امریکہ کی میٹروپولیٹن لائف انشورنس کمپنی (METROPOLITAN LIFE-INSURANCE COMPANY) نے اعداد و شمار فراہم کرکے یہ دکھایا ہے کہ قدیم یونان اور رومہ کے پرامن شہریوں میں سے تقریبًا ایک چوتھائی کی موتیں غیر طبیعی طور پر واقع ہوئین، اسکے مقابلہ میں موجودہ زمانہ میں جو موتیں حادثات سے ہوتی ہیں، اور جنمیں موٹرون اور مشینون کے حادثات کے علاوہ قتل اور خودکشی کے حادثات بھی شامل ہیں، ان کا اوسط صرف ۵، ۹ فی صدی ہے، لہذا یونان اور رومہ کے عہد زرین کے حالات کو دیکھتے ہوئے موجودہ زمانہ پر یہ الزام رکھنا کہان تک درست ہے؟

ع ز ہ

مطبوعات جدیدہ

خطبات گارسان دتاسی، مترجمہ وشائع کردہ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن، لکھائی چھپائی ٹائپ میں، قیمت مجلد عہ، غیر مجلد للعہ، حجم ۴۲۰ صفحات،

فرانسیسی مستشرق، گارسان دتاسی، ہندوستانی زبان کے اُن محسنوں میں ہے جس کے احسانات سے یہ زبان کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتی، اوسے اسکی خدمت کا احساس اوس زمانہ میں ہوا جب یہ زبان اپنے دورِ تکوین سے بھی باہر نہ نکلی تھی، بلکہ اسکی تاریخ ادب ہندوستانی اور اسکے خطبات بر زبانِ ہندوستانی سے اوس زبان کو علمی زبان کا مرتبہ حاصل کرنے میں مدد ملی، اردو کی تاریخوں میں اسکے خطبات کا تذکرہ سُنی سنائی روایتوں سے آیا کرتا تھا یا کسی رسالہ میں کبھی اسکے ایک دو باب کی تلخیص شائع ہوگئی ہمیں جناب سر سید راس مسعود کا شکرگذار ہونا چاہیئے، کہ موصوف نے نہ صرف اسکے ہندوستانی ترجمہ کی تحریک کی، بلکہ اسکے ابتدائی ابواب کا خود ترجمہ کیا، اور بالآخر یہ قابلِ قدر کتاب ہندوستانی زبان میں پوری منتقل ہوگئی۔

تاسی کے ہندوستانی زبان کے ذوق کی بنا پر پیرس یونیورسٹی میں اس زبان کی پروفیسری کی اسامی قائم کی گئی، اس سلسلہ میں وہ ہندوستانی زبان کی مطبوعات اور اسکی ترقیوں پر نظر ڈالتے ہوئے ہر سال ایک خطبہ دیتا تھا، یہ انہی خطبات کا مجموعہ ہے، جو ۱۸۵۰ء سے ۱۸۶۹ء تک ۱۹ سال میں تمام ہوئے، اور تاریخ زبان ہند کی معیاری کتابوں میں اسے جگہ حاصل ہوئی، ان خطبات کے بیشتر حصوں کا ترجمہ جناب ڈاکٹر یوسف حسین خانصاحب ڈی لٹ (پیرس) نے کیا ہے، یہ ترجمے رسالہ اردو میں باقساط چھپتے رہے، اور اب مکمل ہوکر ضخیم کتاب کی صورت میں شائع کئے گئے ہیں، خطبات میں جہاں جہاں مسامحات

نظر آئے، حواشی میں ان کی تصحیح بھی کی گئی ہے، افسوس کہ یہ کتاب انڈکس سے خالی رکھی گئی ہے جس کی سخت ضرورت تھی،
توقع ہے کہ ہندوستانی زبان کے قدردان اس مجموعۂ خطبات سے فائدہ اٹھائیں گے،

اجنتا کی نقاشی

(مع تصاویر) از جناب غلام یزدانی صاحب ایم اے، ایف آر اے ایس بی، ناظم محکمۂ آثار قدیمہ سرکار عالی قیمت مجلد سے، غیر مجلد عار،

اجنتا کے غاروں کی نقاشی، ہندوستان کے بہترین زمانہ کی مصوری کے نادر نمونوں میں سے ہے، انیسویں صدی کے اوائل میں اس کا انکشاف ہوا، اسوقت سے یورپ کے ماہرین نے اس پر توجہ کی، پھر سرکار عالی حیدر آباد کے محکمۂ آثار قدیمہ نے اپنی پوری توجہ مبذول کی، اور ان آثار کی حفاظت کے ذرائع اختیار کرنے کے علاوہ ویران وسنسان اجنتا کو آباد و معمور کر دیا، یہ مجموعۂ تصاویر بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے، اس میں محکمۂ آثار قدیمہ سرکار عالی کے ناظم جناب غلام یزدانی نے اجنتا کی تصویروں پر بطور مقدمہ ایک فاضلانہ نظر ڈالی ہے، یہ مقدمہ دراصل موصوف کا ایک تحریری خطبہ تھا، جو اورنگ آباد کالج دکن کے طلبہ کے سامنے نواب سر حیدر نواز جنگ کی صدارت میں پڑھا گیا تھا، تصاویر کی مجموعی تعداد گیارہ ہے، مقدمہ میں اجنتا کی نقاشی پر تاریخی حیثیت سے نظر ڈالتے ہوئے ہر تصویر کے فنی کمالات اور اسکے تاریخی معلومات بیان کئے ہیں، اور ان تصویروں سے ہندوستان کے عہد قدیم سے متعلق جو تاریخی نتائج اخذ ہوتے ہیں، ان کی جانب اشارات کئے ہیں، مجموعہ شہر میونخ جرمنی میں بڑے اہتمام سے دبیز آرٹ پیپر پر عکسی طور پر چھپایا گیا ہے، تصویریں عکسی اور رنگین ہیں، اور حتی الامکان ان میں اجنتا کی نقاشی کی ہو بہو نقل پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اس کتاب سے نہ صرف نادیدہ جماعت کے سامنے اجنتا کی نقاشی کے نمونے آتے ہیں، بلکہ اس مقدمہ سے ایک مبتدی فن مصوری کے سمجھنے میں بھی رہنمائی حاصل کر سکتا ہے، کتاب سرکار عالی حیدر آباد کے مطبوعات کے سلسلہ میں شائع ہوئی ہے، اور غالباً محکمۂ آثار قدیمہ، حیدر آباد دکن کے دفتر سے مل سکتی ہے،

کنز المسائل } از مولوی محمد عبد المتین صاحب بہاری مدرس مدرسہ عزیزیہ بہار شریف،
خزینۃ الفرائض } حجم بہ ترتیب ۳۲ و ۴۸ صفحے قیمت ۲ و ۵ ر پیتہ:- تبیینی کتبخانہ
تجارتی، محلہ سبزی باغ، بانکی پور پٹنہ،

پہلے رسالہ کنز المسائل میں نماز روزہ، زیارت قبور اور لباس و طعام وغیرہ کے فقہی مسائل بیان کئے گئے ہین، اس سلسلہ میں بعض مقامات پر بعض بدعات و توہمات بھی شرعی مسئلہ کے طور پر درج کر دئے گئے ہین، دوسرے رسالہ خزینۃ الفرائض میں عام مسائل ارث و طریق تقسیم ترکہ وغیرہ عام فہم زبان مین قلمبند کئے گئے ہین، اور مثالون سے صورت مسئلہ کی تشریح کی گئی ہے،

جذبات شاد، از جناب منشی لال پرشاد صاحب شاد، میرٹھی، ولی پارلے، بمبی، حجم ۲۰ صفحے قیمت:- ۴ر

یہ مصنف کی ایک تقریر سیرت ہے جو اجمیر کے ایک جلسۂ سیرت میں کی گئی تھی، اس میں انھون نے اخلاص و صداقت کے ساتھ آنحضرت صلعم کی سیرت پاک و محاسن اخلاق بیان کرتے ہوئے اپنے قابل قدر خیالات ظاہر کئے ہین، اگرچہ ان کا نقطۂ نظر بعض مقامات پر اصل حقیقت سے مختلف ہے، لیکن ان کے مزید مطالعہ سے ان کا زاویہ نگاہ بدل سکتا ہے، یہ مخلصانہ تقریر اس لائق ہے کہ اس کی خصوصاً غیر مسلم حلقون میں اشاعت کیجائے،

اسلامی رواداری، ناشر انجمن سیرۃ النبی جبل پور، ۵۰ صفحے، تقطیع چھوٹی،

اسلام نے دوسری قوم کیساتھ رواداری برتنے کے جو احکام دیئے ہین، انہین اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے اور اسلامی تاریخ سے اسکی مثالین دی گئی ہین، رسالہ انجمن سے مفت ملسکتا ہے،

بچون کی رباعیان، از جناب محمود صاحب اسرائیلی حجم ۱۶ صفحے، قیمت:- ۱ر

اس میں سہل و آسان زبان مین بچوں کے لئے رباعیان لکھی گئی ہین، "س"

دار المصنفین کی نئی کتابیں

سیرۃ النبی جلد پنجم

اس جلد کا موضوع عبادات ہے، اس میں پہلے عبادت کی حقیقت اور اس کے اقسام کا بیان ہے، اس کے بعد فرائضِ خمسہ، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، اور جہاد پر علحدہ علحدہ مفصل بحث ہے، آخر میں توکل، صبر، اخلاص، تقویٰ، اور شکر کے معنیٰ و مفہوم قرآن مجید کی تعلیمات کی روشنی میں سمجھائے گئے ہیں، تقطیع کلاں ضخامت ۳۲۰ صفحے، قیمت قسم اعلیٰ ۵ سر، قسم دوم ۱ للعہ ر

مقالاتِ شبلی جلد پنجم (تاریخی)

یہ مولٰنا شبلیؒ کے ان مقالات کا مجموعہ ہے، جو اکابر اسلام کے سوانح و حالات سے متعلق ہیں، اس میں علامہ ابن تیمیہ، ابن رشد، اور زیب النسا، کی سوانحعمری وغیرہ جیسے اہم اور مفید مضامین ہیں، ضخامت ۱۳۰ صفحے، قیمت :- عہ ر

تاریخ صقلیہ جلد دوم

مرتبہ :- سید ریاست علی ندوی

اس میں سسلی کے عہدِ اسلامی کے تمدنی جغرافیہ، نظام حکومت، زراعت، صنعت و حرفت، تعمیر، تجارت، تہذیب و معاشرت اور علوم و فنون کا تفصیلی مرقع دکھا کر یورپ پر سسلی کے اسلامی تمدن کے اثرات دکھائے گئے ہیں، ضخامت ۵۰۰ صفحے، قیمت :- للعہ ر

چینی مسلمان

ایک درد مند صاحب قلم چینی مسلمان نے چین کے مسلمانوں کے مذہبی، اخلاقی، تمدنی، سیاسی، اقتصادی اور تعلیمی حالات ہندوستانی زبان میں لکھے ہیں، ضخامت ۲۴۲ صفحے قیمت ۱۲؍

ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں

ہندوستان کی قدیم تاریخی کتابوں میں، مرتب طور پر ہندوستانی مسلمانوں کے تعلیمی حالات اور ان کے مدرسوں اور تعلیمگاہوں کا حال معلوم کرنا چاہیں، تو نہیں مل سکتے، مولوی ابوالحسنات صاحب مرحوم نے نہایت تلاش وتحقیق کے بعد "ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں" پر ایک مقالہ مرتب کیا، اور جس کو اہل نظر نے بے حد پسند کیا، اب دارالمصنفین نے اسی مقالہ کو کتابی صورت میں نہایت اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے، کتاب مصنف کے ذوق تحقیق کی آئینہ دار ہے، اور مفید اور پراز معلومات ہے، ضخامت ۱۳۴ صفحات، قیمت :- ۱۲؍

مختصر تاریخ ہند

ہمارے اسکولوں میں ہندوستان کی جو تاریخیں پڑھائی جاتی ہیں، ان کا لب ولہجہ دلآزاری اور تعصب سے خالی نہیں ہوتا، اور اس وجہ سے ہندوستان کی مختلف قوموں میں تعصب اور بغض وعناد پیدا ہوجاتا ہے، مولانا ابوظفر صاحب ندوی نے یہ تاریخ مدرسوں اور طالب علموں کے لئے اس غرض سے لکھی ہے کہ اس کا طرز بیان قومی جذبات سے متاثر نہ ہو، اور ہندو اور مسلمان فرمانرواؤں نے ہندوستان کے بنانے میں جو کام کئے

ہیں، وہ طالب العلموں کو بلا تفریق مذہب وملت معلوم ہو جائیں، ضخامت ۲۰۰ صفحے قیمت ۱۲ر

عرب کی موجودہ حکومتیں

عام طور پر مسلمان اسلامی حکومتوں میں سے صرف ایران، کابل اور ترکی کا نام جانتے ہیں، حالانکہ خود عرب میں مسلمانوں کی متعدد حکومتیں قائم ہیں، مولانا شاہ معین الدین ندوی نے عرب کی ان تمام حکومتوں کے مختصر حالات اس کتاب میں جمع کر دیئے ہیں جس سے عرب کے تمدن، معاشرت، اخلاق اور سیاست کے متعلق مفید معلومات حاصل ہو سکتی ہیں، ضخامت ۲۷۰ صفحے، قیمت ۱۲ر

عربوں کی جہاز رانی

مسلمانوں نے فن جہاز رانی میں جس قدر ترقیاں کیں، جس قدر جہاز بنائے، جہازوں کے بنانے کے لئے جس قدر کارخانے قائم کئے، جس قدر بندرگاہیں قائم کیں، ان سب کے متعلق تاریخی معلومات اسلامی تاریخوں میں نہایت منتشر و پراگندہ ہیں، مولانا سید سلیمان ندوی نے ان پراگندہ معلومات کو اس رسالے میں یکجا کیا ہے، ضخامت ۱۹۹ صفحے، قیمت ۱۲ر

سیرۃ النبی کی سابق جلدوں کے دوسرے اڈیشن

سیرۃ النبی	ولایتی کاغذ	دیسی کاغذ	سیرۃ النبی	ولایتی کاغذ	دیسی کاغذ
حصہ اول	سے ر	للعہ ر	حصہ سوم	سعہ ہ	عہ
حصہ دوم	عہ ر	؎	حصہ چارم	سعہ ر	عہ

قسم دوم چاروں جلدوں کے خریدار کو عہ میں دی جائیگی،

دار المصنفین کا قابلِ فخر کارنامہ،

سیر الصحابہؓ

سیرۃ النبی کے بعد مسلمانوں کے لئے جن مقدس ہستیوں کے کارنامے اور سوانح حیات مشعل راہ ہو سکتے ہیں، وہ حضرات صحابہ کرام ہیں، دار المصنفین نے پندرہ برس کی جانفشانی و کوشش سے اس عظیم الشان کام کو انجام دیا، اور اردو میں صحابہ کرام کے حالات و سوانح اور اخلاق و حسنات کی دس ضخیم جلدیں احادیث و سیر کے ہزاروں صفحات سے چنکر مرتب کیں اور بہ حسن و خوبی شائع کیں، ضرورت ہے کہ حق طلب اور ہدایت و رہنمائی کے جویاں مسلمان ان صحیفوں کو پڑھیں، اور اس شمعِ ہدایت کی روشنی میں چلیں، جو آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے ان کے سامنے جلائی گئی تھی، ان جلدوں کی علیحدہ علیحدہ قیمتیں حسب ذیل ہیں، جنکا مجموعہ ۳۳ روپیہ ۴ آنہ ہوتا ہے، لیکن پورے سٹ کے خریدار کو صرف پچیس روپیہ میں یہ دس جلدیں کامل نذر کیجاتی ہیں، پیکنگ ذمہ دار المصنفین، محصول ذمہ خریدار،

جلد اول۔ خلفائے راشدینؓ	سے؏	جلد ششم۔ سیر الصحابہ ششم،	سے؏
جلد دوم۔ مہاجرینؓ اول،	للعہ	جلد ہفتم۔ سیر الصحابہ ہفتم،	سے
جلد سوم۔ مہاجرینؓ دوم،	؏	جلد ہشتم۔ سیر الصحابیاتؓ،	؏
جلد چہارم۔ سیر انصارؓ اول،	؏	جلد نہم۔ اسوۂ صحابہؓ اول،	؏
جلد پنجم۔ سیر انصارؓ دوم،	؏	جلد دہم۔ اسوۂ صحابہؓ دوم،	للعہ

منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ،

دارالمصنفین کی جدید فہرست

اور

کتابوں کی قیمتوں میں غیر معمولی تخفیف

۱۹۳۵ء سے ہم نے دارالمصنفین کی تمام مطبوعات کی قیمتوں میں غیر معمولی کمی کر دی ہے، مکتبۂ دارالمصنفین کی نئی فہرست مرتب ہو کر شائع ہو گئی ہے، امید ہے کہ جو لوگ اس وقت تک دارالمصنفین کی تصنیفات سے محروم تھے وہ اس موقع سے فائدہ اٹھائیں گے، فہرست طلب کرنے پر مفت روانہ کی جائے گی،

قیمتوں کی اس تخفیف میں دارالمصنفین کے دو اہم سلسلۂ کتب سیرۃ النبی اور سیر الصحابہ کے مکمل سٹ کی قیمتوں میں غیر معمولی رعایت رکھی گئی ہے،

سیرۃ النبیؐ کی تمام جلدوں کی مجموعی رعایتی قیمت اٹھارہ روپیے ہوتی ہے، اس کا مکمل سٹ صرف پندرہ روپیے میں دیا جاتا ہے،

سیر الصحابہؓ کی تمام جلدوں کی مجموعی قیمت ۲۷ ہے لیکن اسکا مکمل سٹ صرف بیس روپیے میں دیا جاتا ہے،

لیکن واضح رہے کہ سٹ کی یہ رعایتی قیمت صرف انہی لوگوں کے لئے ہے، جو دارالمصنفین سے براہ راست کتابیں خریدیں،

تاجر صاحبان کو سٹ کی رعایتی قیمت پر کمیشن نہیں دیا جا سکتا، کمیشن کی رعایت ہر جلدوں کی انفرادی قیمتوں پر ہوگی،

مسعود علی ندوی منیجر دارالمصنفین اعظم گڈھ

مطبع معارف میں محمد اویس وارثی نے چھاپ کر شایع کیا،